ISSN: 2348-2826

تصوف پر علمی، تحقیقی و دعوتی مجلّہ

کتابی سلسلہ

الاحسان

الٰہ آباد

قد افلح من تزکیٰ

Indeed those will prosper who purify themselves
(87/14)

جس نے تزکیۂ نفس کیا یقیناً وہ فلاح پا گیا۔
(الاعلیٰ ۱۴)

کتابی سلسلہ 6

Shah Safi Academy

کتابی سلسلہ

February 2016

Alehsaan

Issue : 6

(An Annual Journal on Islamic Spirituality)

"دنیا تفکر کی جگہ، عبرت کا مقام، ٹھوکر کھانے کی منزل اور حسرت کا مکان ہے، جب کہ یہی دنیا مومن کے لیے زراعت کی جگہ، طالبین کے لیے بازار، مریدین کے لیے تجارت گاہ، حق تعالیٰ کا قصد رکھنے والوں کی سواری، سالکین کے لیے پُل، فریب خوردہ لوگوں کی معشوقہ، صادقین کی گزرگاہ، عارفین کا بیت الخلاء اور شیطان کی مملکت ہے۔ یہ دنیا بوڑھی عورت ہے جو خود کو باکرہ ظاہر کرتی ہے۔ اے عقل والو! فکر و فطانت والو! یہ دنیا مکار، دھوکہ دے کر راہ فرار اختیار کرنے والی، اچک لینے والی عورت ہے جو ہر لمحہ اور ہر پل نئے نئے دوست بناتی ہے اور ہر وقت اپنے دوستوں کو قتل کرتی ہے، یہ دنیا ایسا گہرا سمندر ہے جس میں سفر کرنے والا ڈوب جاتا ہے، اس سے محبت کرنے والا اسی میں مشغول ہو جاتا ہے، اس کا امیر معزول ہو جاتا ہے، اس کا دوست مقتول ہوتا ہے، اس سے زہد اختیار کرنے والا بے فکر ہوتا ہے اور اس سے رغبت رکھنے والا رُسوا ہوتا ہے، اس کی خوشی غم ہے، اس کا تریاق زہر ہلاہل ہے اور اس کا ساحل بھی دریا کی طرح گہرا ہے، اس کی شفا مرض ہے، اس کی صحت بلا ہے اور اس کی محبت سراپا مشقت ہے، اِس لیے کہ دنیا مصائب و آلام کے لیے ہی بنائی گئی ہے، یہ دنیا ساری مخلوق کی دشمن ہے، اس کا پانی سَراب ہے، اس کی آبادی ویرانہ ہے، اس کا حاصل مٹی ہے۔ اس کی حلال چیز میں حساب اور حرام میں عذاب ہے۔"

شیخ نجم الدین کبریٰ قدس سرہ

(منہاج السالکین و معراج الطالبین: ص: ۲۳)

Shah Safi Academy, Jamia Arifia

Saiyed Sarawan, Kaushambi, Allahabad U.P. (India) 212213

Ph: +91-9696973121, 07752976664, (India), Email:alehsaan.yearly@gmail.com

Edited, Printed and Published by Hasan Saeed on behalf of Shah Safi Academy, Jamia Arifia at Kainat Publication & Printers 14-H, South Housing Scheme, Tulsipur, Allahabad (U.P.)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تصوف پر علمی، تحقیقی و دعوتی مجلہ

کتابی سلسلہ **الاحسان** الہ آباد

ناشر

شاہ صفی اکیڈمی، جامعہ عارفیہ/ خانقاہ عارفیہ، سید سراواں، الہ آباد (یو پی)

E-mail :alehsaan.yearly@gmail.com

shahsafiacademy@gmail.com

سلسلۂ مطبوعات شاہ صفی اکیڈمی نمبر (۱۰)

کتابی سلسلہ: الاحسان (شمارہ نمبر-۶)

مدیر: حسن سعید صفوی

ترتیب: مجیب الرحمن علیمی، ذیشان احمد مصباحی، ضیاء الرحمن علیمی، رفعت رضا نوری

سال اشاعت: فروری ۲۰۱۶ء/ ربیع الآخر ۱۴۳۷ھ

ناشر: شاہ صفی اکیڈمی، جامعہ عارفیہ/ خانقاہ عارفیہ، سید سراواں، الہ آباد (یو پی)

قیمت فی شمارہ:	Rs. 300
لائبریری اور سرکاری اداروں کے لیے:	Rs. 500
بیرونی ممالک:	$. 40

Alehsaan (*An Annual Journal on Islamic Spirituality*)
Published by: **Shah Safi Academy**, Jamia Arifia
Saiyed Sarawan, Kaushambi, Allahabad U.P.(India)211001
Ph:8382923993/9026981216-Email:alehsaan.yearly@gmail.com

اہل قلم کی رائے سے ادارے کا اتفاق ضروری نہیں!

انتساب

محدث جلیل، شیخ ولی تراش، ابوالجنّاب

حضرت شیخ نجم الدین الکبری قدس سرہٗ

(پیدائش: ۵۴۰ھ/ ۱۱۴۵ء–وفات: ۶۱۸ھ/ ۱۲۲۱ء)

کے نام

جن کے توسط سے

شرق تا غرب علم وعرفان اور دعوت وارشاد کے ہزاروں مے خانے آباد ہوئے

اور

جن کا فیضان روحانی ہندوستان میں

ہمدانی، سہروردی، شطاری، فردوسی، شہبازی، ہاشمی، اشرفی، منعمی اور ابوالعلائی سلاسل کے ذریعے عام ہوا۔

سادات صوفیہ کا علمی وعرفانی ترجمان

آسان اردو زبان میں خالص اصلاحی ماہانہ رسالہ

خضرراہ

سفر وحضر کا بہترین ساتھی

گھر کے ہر فرد کی فکری اور روحانی تسکین کا سامان

آسان زبان میں اسلامی افکار وخیالات کا انمول خزانہ

سوسائٹی کو سیرت نبوی میں ڈھالنے کے لیے پڑھیں اور پڑھوائیں

قیمت فی شمارہ	۲۵ روپے
قیمت فی شمارہ: (لائبریری اور سرکاری ادارے)	۴۰ روپے
قیمت سالانہ (سادہ ڈاک)	۲۵۰ روپے
قیمت سالانہ (رجسٹری ڈاک)	۵۰۰ روپے
لائبریری اور سرکاری ادارے	۵۰۰ روپے
بیرونی ممالک	۴۰ ڈالر
اعزازی ممبرشپ	۵۰۰۰ روپے

ناشر: شاہ صفی اکیڈمی، جامعہ عارفیہ، سید سراواں، کوشامبی، الہ آباد (یوپی)

رابطہ: 9312922953/7752976664

ای میل: khizrerah@gmail.com

عمریست کہ آوازۂ منصور کہن شد
من از سر نو زندہ کنم دار و رسن را

مشمولات

بادہ وساغر

09-19

بادۂ کہنہ

21-47

تذکیر

49-58

تحقیق وتنقید

59-188

بحث ونظر

بیعت وارادت کی حقیقت کیا ہے؟

شناسائی

صوفی ادب

نغمات الاسرار فی مقامات الابرار-خصوصی مطالعہ

زاویہ

شیخ نجم الدین کبریٰ کی شخصیت، افکار اور خدمات پر خصوصی گوشہ

مکتوبات

بادہ وساغر

مناجات

دکھا کر اپنا جلوا یا الٰہی
بدل دے دل کی دنیا یا الٰہی

کچھ ایسا لطف فرما یا الٰہی
کہ دیکھوں تیرا جلوا یا الٰہی

ترے رخ کے علاوہ یا الٰہی
نہ دیکھوں کچھ خدارا یا الٰہی

قیامِ شب ہو اور جلوے ہوں تیرے
کروں سجدے پہ سجدا یا الٰہی

جو دیکھے مجھ کو وہ ہو جائے بے خود
کر استغراق ایسا یا الٰہی

مری ہستی کے پردے میں سرا پا
تو ہی ہو جلوہ فرما یا الٰہی

ترے ہی نور سے میں تجھ کو دیکھوں
ہر اک شے میں ہویدا یا الٰہی

سعیدؔ اللہ ہی اللہ ہو باقی
فنا ہوجاؤں ایسا یا الٰہی

شیخ ابوسعید شاہ احسان اللہ محمدی صفوی

غزل

بخدا وہ اگر خدا نہ ہوا
تو خدا سے کبھی جدا نہ ہوا

آدمی کوئی کام کا نہ ہوا
عشق میں اس کے جو فنا نہ ہوا

دو جہاں میں وہ کون ایسا ہے
تیری صورت پہ جو فدا نہ ہوا

آپ اپنی مثال ہیں خود ہی
خوبرو کوئی آپ سا نہ ہوا

جز رخ دوست روز اول سے
قبلۂ عشق دوسرا نہ ہوا

واں پہ سجدہ حرام ہے بے شک
جس جگہ ان کا نقش پا نہ ہوا

آ گئے جب کہ وہ تصور میں
پھر تو واللہ پوچھ کیا نہ ہوا

ان کے جلوؤں کی تاب پھر ہم کو
وہ تو کہیے کہ سامنا نہ ہوا

زندگی میں وہ کیف پا نہ سکا
درد و غم سے جو آشنا نہ ہوا

فکر سود و زیاں سعیدؔ کبھی
مکتب عشق میں روا نہ ہوا

شیخ سعد الدین خیر آبادی

مولانا امام الدین سعیدی

غزل

نشان بر تختۂ ہستی نبود از عالم و آدم
کہ دل در مکتب عشق از تمنای تو می بردم
برو ای عقل نامحرم کہ امشب با خیال او
چنان خوش خلوتی دارم کہ من ہم نیستم محرم
کہ دارد این چنین عیشی کہ در عشق تو من دارم
شرابم خون، کبابم دل، ندیمم درد، نقلم غم
اگر پرسند سعد از عشق او حاصل چہا داری
ملامت ہای گوناگون جراحت ہای بی مرہم

منظوم ترجمہ

نشاں کچھ بھی نہ تھا اس دم، نہ آدم تھے، نہ تھا عالم
تجھی سے شوق میں تیرے یہ دل ہے عشق کا محرم
چلی جا عقل نا محرم؛ کہ اب تیری نہیں حاجت
تصور کی ہے وہ خلوت، جہاں خود بھی نہیں ہیں ہم
خوشا عیشے؛ محبت میں ہے حاصل یہ صلہ مجھ کو
تپیدہ دل ،شکستہ جاں ،متاع درد و سوز غم
نہیں ہے سعد؛ کچھ بھی عشق کا حاصل سوا اس کے
ملامت ہائے گونا گوں، جراحت ہائے بے مرہم

ابتدائیہ

تصوف روح اسلام ہے۔ بعض اہل علم کے نزدیک یہ محض ایک دعوی ہے۔ اور ایسا اس لیے کہ اتفاق سے منکرین تصوف کے نزدیک اور بڑی حد تک حامیان تصوف کے نزدیک بھی تصوف ایک نام رہ گیا ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں۔ اکثر رسم تصوف کو حقیقت تصوف سمجھ لیا جاتا ہے اور پھر اسی غلط مدعا پر جانبین کی بحثیں جاری رہتی ہیں، جب کہ واقعہ یہ ہے کہ اگر بات حقیقت تصوف کی ہو اور روح تصوف کو روح اسلام کہا جائے تو اس کی حقانیت پر نہ کسی بحث ونظر کی ضرورت ہوگی اور نہ ہی کسی جدال کی نوبت آئے گی۔ حقیقت تصوف جہاں تک ہر صوفی کامل اپنے مریدین کو پہنچانے کا متمنی ہوتا ہے یہ وہ مقام ہے جس کا ذکر اس آیت کریمہ میں ہوا ہے:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى وَ ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةُ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰى اِنَّ هٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰى صُحُفِ اِبْرٰهِیْمَ وَ مُوْسٰى۔ (الاعلیٰ: ۱۴-۱۵)

وہ کامیاب ہو گیا جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کرلیا۔ اس نے اپنے پروردگار کا ذکر کیا اور نمازیں پڑھیں، جب کہ تمہیں تو فقط دنیوی زندگی عزیز ہے، حالاں کہ دوسری زندگی بہتر بھی ہے اور پائیدار بھی۔ یہ واقعہ صحف ابراہیمی اور صحف موسوی جیسی گذشتہ آسمانی کتابوں میں بھی مرقوم ہے۔

گویا قلب کا تزکیہ اور اس میں اخروی زندگی کی ترجیح پیدا ہوجانا، یہی حقیقت تصوف ہے۔ اس حقیقت کا ادراک جتنا آسان ہے، اس کا دل میں اتر جانا اتنا ہی مشکل ہے۔ اسلام کا معمولی شعور رکھنے والا شخص بھی اس کا انکار نہیں کرسکتا کہ یہی روح اسلام ہے۔ یہی وہ کامیابی ہے جس سے انسانوں کو ہم کنار کرنے کے لیے پیغمبروں کی ضرورت پڑی، آسمانی کتابوں کا نزول ہوا، دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہوکر ہمیں اللہ کریم سے دعا کرنی چاہیے کہ مولیٰ ہمارے قلوب کو اس حقیقت کا عرفان عطا کردے تاکہ یہ بات ہماری زبان تک نہ رہ جائے، ہمارے دل میں اتر جائے۔

••••••••••••••••••••••••••

تصوف کا بنیادی سبق تزکیۂ نفس ہے۔ صوفیۂ اسلام نے اسی سبق کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا۔ انسانیت، اسلام اور نظام عالم کے اور بھی بہت سے اہم شعبے ہیں، جن سے متعلق ذمہ داریوں کو مختلف طبقات نے نبھایا، مگر صوفیہ نے صرف اسی ایک سبق کو، جو مرکزی اور بنیادی سبق تھا، لے لیا۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ سبق جسے ازبر ہوگیا اس کے لیے دیگر تمام مراحل آسان ہوجاتے ہیں، لیکن زمینی حقیقت یہ ہے کہ ہم سب نے دنیا جہان کی ساری ذمہ داریاں تو اٹھا رکھی ہیں لیکن دین کا جو بنیادی کام تھا، اس سے غافل ہیں۔ آج مسلمانوں میں جو فساد عام برپا ہے اس کی بنیادی وجہ علمائے دین اور قائدین امت کی اس بنیادی سبق سے غفلت ہے۔ آج ضرورت اس بات کی ہے کہ امت اسلامیہ کو اس کا یہ بھولا ہوا سبق یاد دلایا جائے، تصوف کا احیا کیا جائے، روح اسلام کو زندہ کیا جائے اور اس کو اپنی ترجیح بنائی جائے۔ اہل نظر اب تیزی سے اس حقیقت کا اعتراف کرنے لگے ہیں کہ امت مسلمہ جس عالمی بحران سے گزر رہی ہے، اس کا صرف ایک حل ہے اور وہ ہے احیائے تصوف۔

••••••••••••••••••••••••••

تزکیۂ نفس تصوف کی حقیقت ہے۔ اس بات کو سمجھ لینے کے بعد یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ احیائے تصوف کا کوئی خاکہ اس وقت تک درست نہیں ہوسکتا، جب تک تزکیہ کو مرکزی اہمیت نہ دی جائے۔ جب تزکیہ کو مرکزی اہمیت دے دی جائے گی تو اس کے بعد بہت ممکن ہے کہ زمانی تقاضوں کے پیش نظر ہمیں بعض رسوم تصوف کو ترک بھی کرنا پڑے اور بعض نئی حکمتیں وضع بھی کرنی پڑیں۔ چوں کہ اہل نظر پر یہ حقیقت منکشف ہے کہ صوفیہ نے جو خانقاہی نظام وضع کیا تھا، اس کا مطلوب تزکیۂ نفس تھا، وہ نظام مطلوب نہیں تھا، یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ مختلف دیار وامصار میں اور مختلف زمانی ادوار میں اس نظام میں بھی ارتقا یا ردوبدل ہوتا رہا ہے۔ مختلف سلاسل طریقت کے نظام تربیت میں جو اختلاف ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ تزکیۂ نفس کے لیے جن مشائخ کو اپنے مناسب حال جو طریقۂ تربیت اور جو مراحل سلوک پسند آئے، یا آسان اور مؤثر نظر آیا، ان کو اختیار کرلیا، لیکن اس کے ساتھ طریق محمدی کا اتباع، التزام شریعت اور تزکیۂ نفس سب کے یہاں قدر مشترک رہا، اسی اختلاف واشتراک کو مولانا نے یوں نظم کیا ہے:

ہر نبی وہر ولی را مسلکی است
لیک چون تا حق برد جملہ یکی است

آج جب کہ احیائے تصوف کے موضوع پر غور وفکر ہو رہا ہے، صوفیہ کے اس نکتہ اختلاف واتحاد کو سامنے رکھنا ناگزیر ہے۔

....

عارف ربانی شیخ ابوسعید شاہ احسان اللہ محمدی صفوی حفظہ اللہ جو عصر حاضر میں اسلام وایمان اور احسان وسلوک کے عظیم داعی ہیں، ان کا اس بات پر بہت زیادہ زور ہے کہ مقصود خدا است نہ کہ شخصے، مطلوب حقیقت است نہ کہ رسمے۔ اس کے ساتھ وہ اس بات کے بھی پرزور داعی ہیں کہ عصر حاضر میں احیاے تصوف کے حوالے سے چشتی مشن کا احیا ہونا چاہیے۔ ان کے بقول چشتیت مخصوص وضع یا محفل سماع کا پرزور اہتمام نہیں ہے، چشتیت نام ہے کفار ومشرکین کے دیار میں اخلاق ومحبت کی تلوار سے کفر کی جڑیں کاٹ دینے کا، چشتیت نام ہے صلح وآشتی کے ساتھ ایسی انسانیت کی پیش کش کا جس کے سامنے ہر ظالم وسرکش جھکنے پر مجبور ہو جائے اور اس سے آسان لفظوں میں چشتیت نام ہے پیغمبر اسلام علیہ التحیۃ والثناء کی مکی زندگی کے صبر کا اور صلح حدیبیہ کی تواضع وحکمت کا۔ حضرت داعی اسلام کے بقول دنیا مسلمانوں کے لیے مکی زندگی کی نئی تصویر بن گئی ہے، اس لیے مسلمانوں کو بھی پیغمبر اسلام علیہ الصلاۃ والسلام کی سیرت سے سبق لینا ہوگا، اسی سبق کا دوسرا نام چشتیت ہے، اس لیے عالمی سطح پر جو صورت حال ہے اس کے پیش نظر ہر شخص کو چشتی مشن کا حصہ بننا پڑے گا، اگرچہ وہ معروف معنوں میں چشتی نہ ہو، یعنی اس کا سلسلۂ بیعت واجازت خواجۂ اجمیر تک نہ پہنچتا ہو۔

احیائے تصوف کے حوالے سے حضرت داعی اسلام کا دوسرا نکتہ یہ ہے کہ علمی سطح پر طریقت جنیدی کو زندہ کرنے کی ضرورت ہے۔ طریق جنیدی یہ ہے کہ ہر بات کتاب وسنت کے اجالے میں کہی جائے۔ سلفیوں نے جو کرم فرمائیاں کی ہیں، ان کے سبب عام ذہنوں میں یہ بات گھر کرتی جا رہی ہے کہ تصوف کتاب وسنت سے ہٹ کر خواب اور قصوں کا نام ہے۔ دوسری طرف مسلمانوں کا عام ذہن منطق وفلسفہ کی نکتہ آفرینیوں کو چھوڑ کر اسلام کو براہ راست کتاب وسنت سے سمجھنا چاہتا ہے، اس لیے آج تصوف پر جو کچھ لکھا یا بولا جائے اس میں اس زمانی تقاضے کے پیش نظر، جو اصلاً بھی مناسب ہے، ہر بات کتاب وسنت کی روشنی میں کہی جائے۔ اسی طرح احادیث پر فنی گفتگو ہو، صوفیہ کے اقوال وملفوظات کی تخریج ہو اور ان کے اصل منابع آیات قرآنی اور احادیث صحیحہ کی از سر نو تلاش ہو، اس کے بغیر تصوف؛ علمی میدان میں کبھی بھی ظفریاب نہیں ہو سکتا۔ گویا احیائے تصوف کے حوالے سے حضرت داعی اسلام کے مطابق دو نکتے سب سے اہم ہیں: (۱) اخلاقی سطح پر مکی عہد کی پیروی اور (۲) علمی سطح پر جنیدی طریق کی تجدید۔ الاحسان کے اجرا کے پیچھے حضرت داعی اسلام کے یہی مقاصد تھے اور الاحسان انہی خطوط پر گامزن ہے۔

....

مجلہ الاحسان کا اجرا خانقاہ عالیہ عارفیہ سے ۲۰۱۰ء میں عمل میں آیا، اس کے پہلے شمارے میں ہی یہ بات کہی گئی تھی کہ:

> تصوف کی حمایت ومخالفت میں ماضی میں بھی بہت کچھ لکھا گیا اور آج بھی بہت کچھ لکھا جا رہا ہے۔ تصوف کے موضوع پر بعض رسائل وجرائد بھی کبھی نظر سے گزرتے ہیں۔ لیکن ان تمام تحریروں میں قدر مشترک یہ ہے کہ وہ تمام تحریریں یک طرفہ ہیں، یا تو تصوف کی حمایت میں یا مخالفت میں، ہر شخص تصوف کی موافقت یا مخالفت میں صرف اپنی بات کہتا ہے، فریق مخالف کی بات سننے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ کہیں کوئی ایسا اسٹیج نظر نہیں آیا جہاں فریقین ایک دوسرے کو سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کر رہے ہوں، جب کہ جدید دور ایک علمی دور ہے جس میں کسی بھی مسئلے کے دونوں پہلوؤں کو سامنے لانا علمی دیانت کا تقاضا ہے، تاکہ مسئلے کا ہر پہلو عام قارئین کے سامنے آ سکے۔ اس لیے یہ خیال آیا کہ کیوں نہ تصوف پر کوئی ایسا مجلہ سامنے آئے جس میں تصوف کے موافقین ومخالفین کھل کر مگر شائستگی کے ساتھ اپنی بات کہہ سکیں تاکہ تصوف کے حوالے سے جو غلط فہمیاں راہ پا گئی ہیں، ان کا علمی انداز میں ازالہ ہو، تصوف کے حوالے سے لوگوں کا ذہن صاف ہو اور اس کے بعد عملی تصوف کی راہ کھل سکے۔ زیر نظر مجلہ ''الاحسان'' اسی خیال کا عملی پیکر ہے۔

بعد میں بھی اس بات کا اعادہ ہوتا رہا۔ مقام شکر ہے کہ مجلّے کو اپنے اس مقصد میں دن بدن کامیابیاں نصیب ہوتی جا رہی ہیں۔ اس شمارے میں ڈاکٹر الطاف احمد اعظمی صاحب کا طویل تنقیدی مکتوب ہمارے اس دعوے کو جواز فراہم کرنے کے لیے کافی ہے۔ موصوف کو تصوف اور بطور خاص نظریۂ وحدۃ الوجود سے انکار کی حد تک اختلاف ہے۔ لیکن اس کے باوجود اگر وہ الاحسان کے اس علمی مذاکرے کا حصہ بن رہے ہیں تو ہم اسے اپنی کامیابی ہی کہیں گے۔ موصوف کے اس طویل مکتوب کی وصول یابی کے بعد جب میں نے بطور شکریہ انہیں فون کیا تو انہوں نے بڑی وسعت نظری کے ساتھ اس بات کا اعتراف کیا کہ مجھے بذات خود الاحسان کے توسط سے بہت سارا علمی فائدہ ہوا۔ آپ اس کے دوسرے شمارے بھی بھیج دیں۔ انہوں نے اس بات کا بھی کھلے دل سے دوٹوک لفظوں میں اظہار کیا کہ میں ایک طالب علم ہوں، مجھے ہمہ دانی کا زعم نہیں، نہ میں اپنی کسی رائے کو حرف آخر سمجھتا ہوں، اس لیے خود میری رائے پر بھی کوئی علمی تنقید ہوتی ہے تو میں اپنی رائے پر نظر ثانی کے لیے ہر وقت تیار ہوں۔

بہرکیف! ان کا مکتوب شامل شمارہ ہے، جس پر مجھے آئندہ اہل علم کے تبصروں کا انتظار رہے گا۔ سردست ان کی چند باتوں پر اہل نظر کی توجہ مطلوب ہے۔

(۱) موصوف لکھتے ہیں: زیادہ تر اصحاب تصوف کشف والہام کو ایک یقینی ذریعۂ علم مانتے ہیں۔

اس کی تائید میں موصوف نے عوارف المعارف کا جو حوالہ دیا ہے، اس سے براہ راست اس دعوے کی دلیل فراہم نہیں ہوتی۔ ہمیں ایسے حوالوں کا انتظار رہے گا جس سے یہ ثابت ہو کہ زیادہ تر اصحاب تصوف کشف والہام کو ایک یقینی ذریعۂ علم مانتے ہیں۔ بلکہ یہ دعویٰ خود امام شعرانی کے اس حوالے سے ٹوٹ جاتا ہے جسے خود آں موصوف نے پیش کیا ہے۔

(۲) علم غیب کے حوالے سے قرآن مقدس میں دو طرح کی آیتیں موجود ہیں۔ بعض آیتیں ایسی ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ غیب کا علم صرف اللہ کو حاصل ہے اور بعض آیتیں ایسی ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ غیب کا علم انبیا اور خاص بندگان الٰہی کو بھی حاصل ہے۔ علم غیب پر گفتگو کرنے والے عام طور پر صرف ایک طرح کی آیات نقل کر کے فیصلہ کر دیتے ہیں اور دونوں طرح کی آیات پیش کر کے تطبیق کا عمل انجام نہیں دیتے جو ایک علمی ذمہ داری ہے۔ افسوس کہ اعظمی صاحب نے بھی اس علمی ذمہ داری کو ادا نہیں کیا۔

(۳) واقعۂ موسیٰ وخضر اور دربار حضرت سلیمان علیہم السلام کے حوالے سے لکھتے ہیں: لیکن یہ استثنائی واقعات ہیں، ان سے غیر خدا کی غیب دانی اور تصرف پر استدلال کرنا صحیح نہ ہوگا۔

سوال یہ ہے کہ بالفرض غیر خدا کے لیے علم غیب اور تصرف کا ثبوت استثنائی ہی ہو تو پھر اس کے بعد (الف) علم غیب اور تصرف خاصہ الٰہی کہاں رہا؟

(ب) اگر غیر خدا کے لیے علم غیب اور تصرف کا ثبوت شرک ہے تو کیا شرک میں بھی استثنا کی گنجائش ہوتی ہے؟

(ج) حضرت خضر کی ولایت مسلم اور نبوت مختلف فیہ ہے، بہر کیف! اگر ان کے لیے علم غیب کا ثبوت استثنائی طور پر ہی سہی جائز ہو تو یہ استثنا پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی امت کے اولیا کے لیے ناجائز بلکہ شرک کیوں ہوگیا؟ بطور خاص جب ایسی آیتیں موجود ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے غیب پر مطلع فرما دیتا ہے۔ (آل عمران: ۱۷۹) اور یہ کہ پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام غیب کی باتیں بتانے میں بخیل نہیں ہیں۔ (التکویر: ۲۴)

ہمارے نزدیک علم غیب پر سارا اختلاف ونزاع لفظی ہے، اس میں شدت کم فہمی اور عدم تطبیق سے پیدا ہوتی ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے راقم کا مضمون: ''عقیدۂ علم غیب کا اسلامی مفہوم'' (ماہنامہ جام نور، جولائی-ستمبر ۲۰۱۲ء)

....

مجلہ الاحسان کا چھٹا شمارہ ایک سال کی تاخیر سے آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اسے پچھلے سال ہی آ جانا چاہیے تھا، لیکن حضرت مخدوم شیخ سعدالدین خیرآبادی (۹۲۲ھ/۱۵۱۶ء) کی کتاب مجمع السلوک کے ترجمہ وتخریج اور ایڈیٹنگ کے کام میں شاہ صفی اکیڈمی کے ذمہ داران ایسے مصروف رہے کہ الاحسان کی اشاعت ایک سال کے لیے مؤخر کرنی پڑی۔ دیر آید درست آید کے مصداق یہ شمارہ آپ کے سامنے ہے۔ اس شمارے میں حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ کی حیات وافکار اور خدمات پر جو گوشہ ہے وہ قارئین کو بطور خاص پسند آئے گا۔ حیرت ومسرت کی بات ہے کہ تصوف کی اس انتہائی عبقری شخصیت پر اردو میں پہلی بار ایسا گوشہ سامنے آ رہا ہے۔ صوفی ادب چوں کہ حضرت داعی اسلام کی مثنوی نغمات الاسرار فی مقامات الابرار پر ہے، اس لیے اس نے بھی ایک تاریخی گوشے کی شکل اختیار کر لی ہے۔ صوفی ادب سے آشنا قارئین اس بار خصوصیت کے ساتھ محظوظ ہوں گے۔ شناسائی کا کالم بھی اس بار حسب سابق انوکھا ہے۔ مولانا مجیب الرحمن علیمی شریک مرتب الاحسان نے اس بار اس کالم کے لیے سلسلۂ شطاریہ کی عظیم اور نسبتاً غیر معروف خانقاہ آستانہ عالیہ ہاشمیہ، بیجاپور کو موضوع سخن بنایا ہے اور وہاں کے شیخ طریقت مولانا سید تنویر ہاشمی کا تفصیلی انٹرویو لیا ہے۔ یہ کالم بھی قارئین الاحسان کو نئی معلومات فراہم کرے گا۔ خود راقم کے لیے ہندوستان میں سلسلۂ شطاریہ کی وسعت وعظمت سے شناسائی کا یہ پہلا موقع ہے۔

تحقیق وتنقید کا کالم ہر بار کی طرح اس بار بھی خاصا وقیع ہے۔ ڈاکٹر واحد نظیر استاذ جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی، پہلی بار بزم الاحسان میں تعلیمات تصوف کی عصری معنویت کے ساتھ شریک ہیں۔ مفتی مطیع الرحمن مضطر رضوی کی تحریر مخدوم جہاں کی فقہی بصیرت اس کالم میں بیت القصید کا درجہ رکھتی ہے۔ مولانا ابرار رضا مصباحی نے شیخ رشید جون پوری اور شیخ محب اللہ الٰہ آبادی کے دل چسپ تعلقات کے حوالے سے مضمون لکھا ہے، جب کہ حضرت سید ضیاء الدین رحمانی نے ایک صفوی بزرگ حضرت عین اللہ شاہ کی شخصیت وتعلیم کے حوالے سے اپنا مشاہدہ رقم کیا ہے۔

تحقیق وتنقید کے کالم میں سماع مزامیر پر چند اہم کتابیں: توضیحی کتابیات کے عنوان سے ایک مقالہ راقم السطور کا بھی شامل ہے، قارئین کے ذوق علمی پر اگر گراں نہ گزرے تو وہ راقم کے حق میں یہ دعا ضرور کریں کہ اس کی نئی کتاب ''سماع مزامیر: ایک تحقیقی مقالہ'' جلد مکمل ہو جائے جس کا ایک باب پیش نظر مقالہ ہے۔

آخر میں بطور خاص ڈاکٹر سید شمیم الدین احمد منعمی ڈاکٹر شعائر اللہ خان وجیہی، شاہ ہلال احمد قادری، پروفیسر شمس الرحمن فاروقی، پروفیسر مسعود انور علوی، پروفیسر معین الدین جینابڑے، پروفیسر

قمر الہدیٰ فریدی، ڈاکٹر ظفر انصاری ظفر، سید تالیف حیدر، مولانا انوار احمد بغدادی، مولانا ناظم اشرف مصباحی اور ایڈوکیٹ ایم اے قدیر کے شکر گذار ہیں جن کی نگارشات نے الاحسان کے حالیہ شمارے کو وقیع اور قابل احترام بنایا ہے۔

اس بار ڈاکٹر سید علیم اشرف جائسی کے تجزیاتی مکتوب کے نہ آنے اور ان بہت سے موصول شدہ علمی مقالوں کو چاہ کر بھی شامل شمارہ نہ کر سکنے پر ہمیں افسوس ضرور ہے۔ چوں کہ ان کی شمولیت کی صورت میں الاحسان کی ضخامت بہت زیادہ بڑھ رہی تھی، اسی خوف سے اس بار ہمیں حاصل مطالعہ کا پورا کالم ہی حذف کرنا پڑا۔ ہم اپنے ان تمام احباب سے معذرت خواہ ہیں جن کے مقالے شامل اشاعت نہیں ہو سکے۔

اس کے ساتھ ہم الاحسان کے مدیر اعلیٰ صاحب زادہ والا تبار مخدوم گرامی مولانا حسن سعید صفوی ازہری، شریک مرتبین مولانا ضیاء الرحمن علیمی، مولانا مجیب الرحمن علیمی اور مولانا رفعت رضا نوری کے ساتھ شاہ صفی اکیڈمی کے دوسرے اسکالر مولانا غلام مصطفی ازہری، مولانا امام الدین سعیدی، مولانا اشتیاق احمد مصباحی، مولانا اظہار احمد سعیدی مصباحی، مولانا حماد مصباحی، مولانا ثاقب علیمی وغیرہ کا ذکر بھی ضروری ہے جن کے قلمی تعاون سے یہ شمارہ تیار ہوا ہے اور جن کی علمی رفاقت میں شاہ صفی اکیڈمی کو مستقبل میں اپنا تاریخی سفر طے کرنا ہے۔ مقام شکر ہے کہ اللہ رب العزت نے شاہ صفی اکیڈمی کو درجن بھر سے زائد علما و محققین کی جماعت عطا کر دی ہے، جن سے مستقبل میں اچھی توقعات وابستہ ہیں۔ اس علمی کارواں کے روح رواں حضرت عارف باللہ داعی اسلام شیخ ابو سعید شاہ احسان اللہ محمدی صفوی حفظہ اللہ نے خانقاہ عالیہ عارفیہ کے احاطے میں جس خوبی سے اس ٹیم کی تشکیل و تربیت فرمائی ہے یہ انہیں کا حصہ ہے۔ مولیٰ کریم انہیں حیات خضر بخشے تا کہ ہم جیسے صحرا نورد علمی وادیوں میں بھٹکنے سے محفوظ رہیں۔ آمین

ہمارے جو احباب شاہ صفی اکیڈمی کی اشاعتی سرگرمیوں میں کسی بھی طریقے سے اپنا تعاون پیش کرتے رہے ہیں، ہم ان سب کے بھی شکر گذار ہیں۔ اللہ کریم ان کی محبتوں میں اضافہ فرمائے اور ہمیں ان کی امیدوں پر اترنے اور تصوف و عرفانیات پر گراں قدر علمی، تحقیقی، دعوتی اور اصلاحی خدمات انجام دینے کی توفیق بخشے۔ (آمین!)

ذیشان احمد مصباحی

إلى التصوف من جديد

مجلة الإحسان الله آباد

مجلة فصلية تصدر من الجامعة العارفية، الهند

تحت الإشراف العام

الداعية الإسلامي والعارف الرباني

الشيخ أبو سعيد شاه إحسان الله المحمدي الصفوي حفظه الله

برياسة التحرير

حسن سعيد صفوي

قد نشرت عددها الثاني [العدد الخاص على]

الرسالة المكية

للعلامة قطب الدين الدمشقي رحمه الله تعالى

تقديم

الأستاذ/ ضياء الرحمٰن العليمي

تحقيق وتخريج

الأستاذ/ غلام مصطفىٰ الأزهري

المراسلات: أكادمية الشاه صفي، الجامعة العارفية، سيدسراوان،

كوشامبي، الله آباد، أترابراديش (الهند)

البريد الإلكتروني: shahsafiacademy@gmail.com الهاتف: 7860604036

بادۂ کہنہ

شیخ نجم الدین کبریٰ
ترجمہ: مولانا محمد ثاقب علیمی

شریعت، طریقت اور حقیقت کی ترتیب و تمثیل

شریعت کشتی کی مانند ہے، طریقت سمندر کی طرح ہے اور حقیقت موتی کے مثل ہے، جو شخص اس ترتیب کو ترک کرے گا وہ موتی نہیں حاصل کر پائے گا۔

پہلی چیز جو طالب صادق پر ضروری ہے وہ شریعت ہے اور شریعت یہ ہے کہ طالب صادق اللہ و رسول کے احکام مثلا وضوء، نماز، روزہ، حج اور زکات کو بجالاے اور حرام کو ترک کرے اور اس کے علاوہ جو اوامر و نواہی ہیں ان کی پابندی کرے۔ طریقت یہ ہے کہ بندہ تقوی کو اور ان تمام باتوں کو لازم جانے جو چیز منازل و مقامات طے کرا کے بندے کو اللہ کا قرب عطا کرے۔ مقصد کو پالینا اور تجلی الٰہی کے انوار کا مشاہدہ کرنا حقیقت ہے جیسا کہ نماز کے سلسلے میں کہا گیا ہے، حقیقت میں نماز طاعت، قربت الٰہی اور تعلق باللہ کا نام ہے کیوں کہ طاعت ہی شریعت ہے اور قربت، طریقت ہے اور تعلق باللہ، حقیقت ہے۔ جیسا کہ اس سلسلہ میں کہا گیا ہے کہ شریعت یہ ہے کہ اللہ کی عبادت کرو اور طریقت یہ ہے کہ تم اس کو حاضر جانو اور حقیقت یہ ہے کہ اس کا مشاہدہ کرو۔

سوال کیا گیا کہ خلوت کیا ہے؟ فرمایا: خلوت یہ ہے کہ بندہ مخلوق سے قطع تعلق ہو کر خالق کی جانب متوجہ ہو جاے، کیوں کہ اس میں نفس کا سفر قلب کی طرف اور قلب کا روح کی طرف اور روح کا سر کی طرف اور سر کا خالق کل کی جانب ہوتا ہے اور اس سفر کی مسافت نفس کی طرف نسبت کرتے ہوے بہت لمبی ہے جبکہ اللہ کی جانب نسبت کرتے ہوے یہ بہت قریب ہے۔

شریعت کی طہارت یہ ہے کہ بندہ پانی سے وضو یا غسل کر لے اور طریقت کی طہارت یہ ہے کہ خواہشات نفسانی سے اپنے آپ کو پاک کر لے۔ حقیقت کی طہارت یہ ہے کہ ماسوا اللہ سے اپنے قلب کو خالی کر لے۔

شریعت کی نماز یہ ہے کی بندہ ذکر و اذکار اور ارکان اسلام کو ادا کرے۔ طریقت کی نماز یہ

ہے کہ بندہ دنیا سے بے رغبت ہو جائے اور بالکلیہ اپنے آپ کو متوجہ الی اللہ کر لے، ہر جگہ ہر وقت اس سے مناجات میں لگا رہے۔ شریعت کا روزہ یہ ہے کہ بندہ اپنے آپ کو کھانے اور پینے سے روکے رکھے، جبکہ طریقت کا روزہ یہ کہ برے خیالات سے اپنے آپ کو پاک وصاف کرے اور ہمیشہ اللہ رب العزت کی محبت میں مشغول رکھے۔ شریعت کی زکات یہ کہ 20 مثقال میں سے نصف مثقال ادا کرے، لیکن طریقت کی زکات یہ ہے کہ کل مال کو اللہ کی راہ میں صدقہ کر دے۔

اگر تم کسی ایسے شخص کو دیکھو جو ہوا میں اڑتا ہو اور سمندر میں چلتا ہو، یا آگ کو کھالیتا ہو یا اس کے مثل دوسری کرامات سے مشابہ چیزوں کا ظہور اس سے ہوتا ہو، لیکن وہ شخص اللہ کے کسی فرض اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی سنت کو ترک کرتا ہو تو جان لو کہ وہ شخص اپنے دعوے میں جھوٹا ہے اور اس کے ان افعال کا کرامات سے کوئی تعلق نہیں ہیں، بلکہ وہ جادو ہے۔ واللہ اعلم۔

(رسالہ السفینۃ ص ۹۶، ۹۷ مشمولہ فوائح الجمال و فواتح الجلال، از شیخ نجم الدین کبریٰ، دار سعاد الصباح، قاہرہ، ۱۹۹۳)

○○○

شیخ نجم الدین کبریٰ
حماد رضا مصباحی

سالکین راہ طریقت کے لیے رہنما اصول

منہاج السالکین و معراج الطالبین کا اردو ترجمہ

اللہ ہی کے لیے تمام خوبیاں ہیں جسے اس بات کا علم ہے کہ سمندروں میں کتنا پانی اور پہاڑوں کا کتنا بوجھ ہے، وہی بھاری بادلوں کو بناتا ہے، تمام معاملات کی تدبیر فرماتا ہے، لوگوں کے احوال کو الٹتا پلٹتا رہتا ہے، بندوں کے رزق اور ان کی مدتوں کو مقرر فرماتا ہے فضل وکرم اور عزت و جلال والا ہے۔ وہ حلول و انتقال، اتصال و انفصال اور نقص و زوال جیسے عیوب، گمراہوں اور کافروں کی باتوں سے پاک ہے اور تمام صفات کمال سے متصف ہے، حقیقت میں صرف وہی زندہ ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، بڑا بلند و بالا ہے، نہ اس کا کوئی شریک ہے، نہ اس کی کوئی مثال ہے اور نہ ہی کوئی اس کے مشابہ ہے۔ اور میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں جو تمام اقوال میں صادق، تمام افعال میں محمود اور تمام خصائل میں محبوب ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ پر اور آپ کی بہترین آل واصحاب پر رحمت نازل فرمائے۔

اے میرے عزیز! اللہ تمہیں توفیق خیر سے نوازے! اللہ نے مجھے فقر کی جو نعمتیں عطا کی ہیں تم نے ان میں سے کچھ چیزوں کی تشریح کرنے کے لیے مجھ سے کہا اور اپنے دل کی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کے جن احسانات کا میں نے مشاہدہ کیا ہے ان میں سے کچھ باتوں کو بیان کرنے کا تم نے مطالبہ کیا، یہ خاص طور سے مجھ پر اللہ کا احسان ہے اور بالعموم اس کے تمام صاحبان فقر بندوں پر اس کا انعام ہے، تو میں تمہاری طلب پر لبیک کہتا ہوں اور اپنے صفحۂ دل سے کچھ ان باتوں کو نقل کرتا ہوں جن کے ساتھ اللہ نے مجھے خاص کیا ہے اور جن کو یہاں جمع کرنے کا اس نے مجھے الہام فرمایا تو میں اللہ کی توفیق و تائید سے کہتا ہوں:

میں نے دنیا کی سیر کی ، بہت سارے کاموں میں مشغول ہوا جن میں مجھے بہت سارے تجربات ہوئے ، بہت سے شدائد و مصائب سے دو چار ہوا ، ان میں نفع اور نقصان دونوں کا مزہ چکھا، بہت ساری کتابوں کا مطالعہ کیا، علما کی خوب خدمت کی ، اپنی عمر کو دنیا کی طلب میں برباد کیا اور بہت ساری عجیب وغریب چیزوں کا مشاہدہ کیا، تو اپنے تجربات کی روشنی میں 'زندگی' اور 'دنیا' سے زیادہ جلدی اور زیادہ تیزی کے ساتھ ختم ہونے والی کوئی چیز نہیں دیکھی ۔ موت و آخرت سے زیادہ قریب اور تمنا سے زیادہ بعید کسی چیز کو نہیں دیکھا۔ سستی اور کاہلی سے زیادہ حسین کوئی چیز نظر نہیں آئی ۔ تو میں نے سمجھ لیا کہ دنیا اور آخرت کی بھلائی قناعت و کفایت شعاری میں ہے اور ان دونوں کا شر حرص وطمع میں پوشیدہ ہے، اور اپنے مشاہدے کے مطابق میں نے لوگوں میں سب سے کم عمر والا اس کو پایا جس نے اپنی زندگی امید و انتظار میں برباد کر دی ۔ مجھ پر یہ واضح ہو گیا کہ سب سے بہترین زیور تواضع اور سب سے بری چیز بخل ہے ۔ حسن اخلاق سے بہتر کوئی ایسی چیز مجھے نہیں ملی جس میں ساری بھلائیاں جمع ہو جائیں اور حسد سے زیادہ بری کسی چیز کو نہیں دیکھا جس میں ساری برائیاں جمع ہوں اور یہ تجربہ ہو گیا کہ لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کرنے سے لوگ تباہ و برباد ہو جاتے ہیں، پاک دامنی اور اپنے احوال کو لوگوں سے پوشیدہ رکھنے سے ابدی زندگی میسر ہوتی ہے، جدوجہد کرنے سے توفیق الٰہی نصیب ہوتی ہے جبکہ سستی اور کاہلی سے رسوائی ہی ہاتھ آتی ہے ۔ زیادہ زبان چلانے سے مصیبتوں کا نزول ہوتا ہے جب کہ خاموشی اختیار کرنے سے راحت وسکون میسر ہوتا ہے۔

یہ تجربہ ہے کہ دنیا کا حریص ہمیشہ محروم ہی رہتا ہے۔ طالب دنیا ہمیشہ مغموم رہتا ہے، اہل و عیال والا شخص زیادہ تر اسی میں غرق رہتا ہے، سچے اور مروت والے لوگ بہت ہی کم ہیں لیکن اس کے برعکس بدخلق اور منافق صفت لوگ بہت زیادہ ہیں ۔ وہی شخص آزاد ہے جسے اللہ نے دنیا کی غلامی سے آزاد کیا ہے ۔ لوگوں کی غلامی ذلت ورسوائی ہے جب کہ اللہ کی بندگی وفرماں برداری میں عزت و شرافت کا راز مخفی ہے ۔ میں نے بادشاہوں کے دلوں سے زیادہ سخت کسی چیز کو نہیں دیکھا ۔ بارگاہ حق کے فقرا کے لباس میں کثیر پیوند سے بڑھ کر کوئی زینت نہیں دیکھی ۔ سب سے بہتر حساب یہ ہے کہ نفس کا محاسبہ کیا جائے۔ عقل مند آدمی وہی ہے جو آخرت کی طرف پیش قدمی کرتا ہے اور جاہل شخص ہی دنیا کی طرف دوڑے چلا جاتا ہے، جو دنیا کی طرف مائل رہتا ہے اسے کبھی فرصت نہیں ملتی ہے اور جو دنیا سے بے نیاز رہتا ہے وہ ہمیشہ فارغ البال رہتا ہے ۔ جو مرید صادق ہوتا ہے اس کے اندر ہمیشہ طلب رہتی ہے اور جو صرف دعویٰ کرتا پھرتا ہے وہ جھوٹا ہوتا ہے، صدق گوئی سے حسین کوئی زیور نہیں ہے ۔ میں نے اللہ کی پیدا کردہ ہر چیز میں اللہ کا مشاہدہ کیا ہے، نفس اور خواہشات، عار اور نار کی طرف کھینچ کر لے جاتے ہیں لیکن عقل اعمال صالحہ پر برانگیختہ کرتی ہے ۔ درحقیقت سب سے

طاقتور شخص وہ ہے جو اپنے نفس کی تربیت کرتا ہے اور اسے گناہوں اور خواہشات سے روکے رہتا ہے۔ اللہ کی اطاعت وفرماں برداری سے رزق اور عمر میں برکت ہوتی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع و پیروی سے دنیا اور آخرت کی بھلائیاں آتی ہیں ۔ نعمت اس وقت کامل ہوتی ہے جب اپنے منعم کا شکر ادا کیا جائے ۔ علم بہترین ساتھی ہے ۔ حرص وطمع دنیا کی بدترین چیز ہے، تمام گناہ گار خطا کار اور نافرمان لوگ حد سے زیادہ بڑھے ہوئے ہیں ۔ حلال کھانے کی برکت سے جنت میسر ہوگی جب کہ خواہشات کی پیروی سے جہنم ۔ شیطان لوگوں پر اس وجہ سے حکومت کر لیتا ہے کیوں کہ ان کے اندر دنیا کی محبت ہوتی ہے ۔ وہ شخص سب سے زیادہ جاہل ہے جو مُردوں، ان کے احوال، گھر بار اور مال ومتاع کو دیکھ کر عبرت نہیں حاصل کرتا ۔ وہ شخص سب سے زیادہ بدبخت ہے جو اللہ کے حدود سے تجاوز کر جائے ۔ انسان زبان کی وجہ سے آفتوں میں مبتلا ہوتا ہے ۔ میرے نزدیک دین و شریعت کی بنیاد صبر اور یقین پر ہے ۔ سب سے افضل عبادت یہ ہے کہ بندہ سارے گناہوں سے بچ کر فرائض کی ادائیگی کرتا رہے، سب سے بہترین عمل یہ ہے کہ لوگوں سے تکلیفوں کو دور کر دے ، لوگوں سے امید نہ لگانا اعلیٰ درجے کی بے نیازی ہے، اللہ کے ذکر کے بعد سب سے بہترین ذکر یہ ہے کہ اپنی موت کو یاد کرے، فوت شدہ چیزوں پر افسوس موت سے بھی زیادہ سخت چیز ہے، میرے تجربے کے مطابق انبیا اور اولیا ہی نفس سے معصوم اور محفوظ ہیں، میں نے اولیا کے دلوں کو ہی زندہ پایا ، میں بھی راحت وسکون کا طالب ہوا تو مجھے سمجھ میں آ گیا کہ دنیا کو بالکلیہ ترک کرنے میں ہی اس چیز کا حصول ممکن ہے ، پھر میں اللہ سے محبت و انسیت کا طالب ہوا تو میں نے لوگوں سے بالکل دور رہنا شروع کر دیا اور میں نے گوشہ نشینی اختیار کر لی تو مجھے اللہ سے محبت و انسیت حاصل ہو گئی ۔ میں نے شیطان کی مخالفت کرنا چاہا تو نفس سے دشمنی کرنے سے مجھے یہ چیز حاصل ہو گئی، اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ امیدوار وہ شخص ہے جو اللہ کے ساتھ حسن ظن رکھے، اور میں نے اپنے بزرگوں سے سنا ہے کہ جو بوؤ گے وہی کاٹو گے، جو رحم نہیں کرتا ہے اس پہ کبھی کوئی رحم نہیں کرے گا۔

روز وشب کی تگ و دو یا تو جنت پہنچائے گی یا جہنم کی طرف لے جائے گی ، دھوکہ بازی سے بچو، تمام خلفا، حکما، سلاطین اور ارباب شان وشوکت نے اپنے آپ سے ایک عیب دور کرنے کی کوشش کی لیکن پھر بھی ان کو یہ قدرت حاصل نہیں ہوئی ۔ حضرت آدم کی تخلیق سے قیام قیامت تک کے سارے لوگ چیونٹی کے ایک ٹوٹے ہوئے پیر کو اسی طرح جوڑنے سے عاجز و قاصر ہیں ۔ تمام فصحائے عرب و عجم، فضلا، علما اور نجومی حضرات اپنی تمام تر طاقتوں کے باوجود مچھر کا ایک پر تک بنانے سے عاجز ہیں اور ان لوگوں کو اپنی عاجزی اور مجبوری کا اعتراف بھی ہے ۔ پاک ہے وہ ذات جس نے یہ ساری چیزیں بنائیں، تمام معاملات اور خیر وشر کی تمام تقدیریں اسی کی ہیں

،اس کی ذات بڑی بابرکت ہے، بہترین پیدا فرمانے والا ہے، ملک وسلطنت میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے، حقیقت میں وہی زندہ ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، تمام چیزوں کو وجود میں لانے والا ہے، آسمان وزمین کو مزین فرمانے والا ہے، وہی عرش وکرسی کا خالق اور جن وانس کا رازق ہے۔ استوا میں استقرار سے منزہ ومبرا ہے۔ جو چاہتا ہے وہ حکم فرماتا ہے اپنی مرضی کے مطابق کام کرتا ہے، بغیر آلہ اور اوزار کے بوسیدہ ہڈیوں کو گوشت کا جامہ پہنانے والا ہے، زندوں کو موت دیتا ہے اور مردوں کو جلاتا ہے، وہی رزقوں کو مقرر فرماتا ہے، تمام عالم کی حس وحرکت کو سنتا ہے، یہاں تک کہ چونٹیوں کی آوازوں کو بھی، آسمان وزمین کی کوئی بھی چیز اس کے علم سے پوشیدہ نہیں ہے، پوشیدہ رازوں کا بھی علم اسے ہے، ہم اس پہ ایمان لائے اور اس کے تمام فرشتوں ،کتابوں ،رسولوں، بعث بعد الموت ،شفاعت ،جنت ،جہنم، قبر اور قبر کے سوالات، حوض کوثر ،میزان ،اور پل صراط پر یقین وایمان رکھتے ہیں، اور اس بات کا اعتقاد رکھتے ہیں کہ کفار ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے اور مومنین ہمیشہ کے لیے جنت میں جائیں گے، اور اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ اللہ رب العزت بندوں کے درمیان انصاف فرمائے گا ،اور اللہ رب العزت نے اپنی کتاب میں جو وعدے ،وعید، شقی وسعید کا بدلہ، اوامر ونواہی ،اخبار وقصص وامثال، حلال وحرام کے احکام اور متشابہات بیان کیے ہیں وہ حق ہیں اور جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے بیان فرمایا ہے اور ہم سے ان چیزوں کی تفسیر فرمائی ہے وہ سچ ہے، اللہ بذاتہ قائم ہے، تمام مخلوق کا قیام اسی سے ہے، اس کے قضا اور قدر کے رازوں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا ہے اور سب کے سب اپنے لیے کسی بھی نفع ونقصان اور بعث ونشر کے مالک نہیں ہیں، جو بھی جنت میں داخل ہوگا وہ اس کے فضل سے ہوگا اور جو بھی جہنم میں جائے گا وہ اس کے عدل وانصاف سے جائے گا۔

پہلا منہج: راہ تصوف میں سالک فقیر کی مشقتوں کا بیان

تم نے مجھ سے فقیر صادق کے لباس آرائش کے بارے میں پوچھا ہے۔ اللہ تم کو توفیق خیر سے نوازے! اے عزیز! تقوی کو اپنا توشہ بنالو، مفلسی کو اپنی پونجی، آخرت کو اپنا سفر، اپنی سانسوں کو مراحل سفر، قبر کو اپنی منزل، صبر کو اپنا ساتھی، یقین کو اپنا دوست، عاجزی کو اپنی تدبیر، سکون کو اپنی حرکت، خلوت کو اپنا گھر، بھوک کو اپنی خوراک، آنسو کو اپنی پیاس بجھانے کا سامان، فقر کو اپنا لباس، عمر کا محاسبہ کرتے رہنے کو اپنی نیند، اپنے گھٹنے کو اپنا تکیہ، مسجد کو اپنی مجلس، حکمت کو اپنا درس، عبرت کو اپنی نظر، حیا کو اپنا رقیب ونگراں، توفیق کو اپنا رفیق، اچھے اخلاق کو اپنی علامت، قناعت وتوکل کو اپنا استاد، لوگوں سے بے نیازی کو اپنی نماز، خاموشی کو اپنا روزہ، جہنم کو اپنا غم، جنت کو اپنی خوشی، ناامیدی کو اپنی تندرستی، حرص وطمع کو اپنی بیماری، قبرستانوں کو یاد الٰہی کا سامان، دنوں

کا اپنا ناصح، حزن وملال کو اپنی فرحت کا ذریعہ، موت کی یاد کو اپنا سماع، دنیا اور اہل دنیا کو مسترد کردینے کو اپنا رقص، وضو کو اپنا ہتھیار، زہد وورع کو اپنی سواری، شیطان کو اپنا مدمقابل، نفس کو اپنا دشمن، دنیا کو اپنے لیے قید خانہ اور خواہشات کو اس قید خانہ کا افسر بنالو۔ رات بھر اپنے خالق ومالک کے سامنے گریہ وزاری کرتے رہو، دن بھر توبہ واستغفار میں گزارو، اپنے وقت کو موت کی تیاری کے لیے مخصوص کرلو، دین کو اپنا قلعہ بنالو، بولو تو تمہاری زبان سے اللہ کے کلام کے علاوہ کچھ بھی نہ نکلے، ہمیشہ اللہ کے ساتھ حسن ظن رکھو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کو اپنا پیشہ، جملہ مسلمانوں کے لیے دعا کرنے کو اپنی عادت، اعمال صالحہ کو اپنا امن وسکون، سوئے خاتمہ اور عمل کے رد کردیے جانے کو اپنا خوف، اللہ کی ذات کو اپنی منزل اور آخری خواہش بنالو۔

مذکورہ بالا باتیں فقیر کے اوصاف اور اس کی علامات ہیں اور اس کے ماسوا سب دھوکا اور جھوٹی تمنائیں ہیں۔ جب اللہ تم کو ان تمام چیزوں کی توفیق عطا کردے اور تم ان تمام امور کی بجا آوری کرلو تو یقین جانو کہ تمہاری زندگی آزادی میں گزرے گی اور فارغ البال ہوکر تمہاری موت ہوگی، قبر میں امن وسکون نصیب ہوگا اور جنت میں ان شاء اللہ سعادت مند ہوکر داخل ہوگے۔

دوسرا منہج: اللہ کی ذات وصفات کی معرفت کے بیان

جو اللہ کو پانے کے لیے اس راہ میں قدم رکھتا ہے اس کو سب سے پہلے اس بات پر یقین ہونا ضروری ہے کہ منع وعطا، نفع ونقصان اور ہدایت وضلالت سب اللہ کی طرف سے ہے، بالذات صرف وہی موجود ہے اور وہی موجود رہے گا، باقی سب کے سب فنا ہوجائیں گے، یاد الٰہی میں اس کا دل اور زبان دونوں ایک دوسرے کے موافق ہوں، اللہ کی محبت اور اس کا ذکر اس کے رگ وپے میں سرایت کیے ہو، اپنے دل میں ذکر الٰہی کی جزا کی خواہش تک نہ لائے، دنیا اور طالبان دنیا سے نفرت کرے، موت اور لقاء مولیٰ سے محبت رکھے، خلوت اور گوشہ نشینی کو اختیار کرے، لوگوں سے دور بھاگتا رہے، اپنے بارے میں لوگوں کی مدح وذم، خیر وشر، منع وعطا اور سونا اور مٹی کو برابر کا درجہ دے۔ اپنی کوتاہیوں کو پیش نظر رکھ کر روز وشب یاد الٰہی میں خوب روتا رہے، صرف جسم وجسمانیت کے ساتھ دنیا میں رہے۔ اللہ پر ایمان واعتقاد درست رکھے، اپنی زبان پر یاد الٰہی، ذکرِ موت، قیامت کی ہولناکیوں، یا جنت وجہنم کی صفتوں کے تذکرے کے علاوہ کچھ بھی نہ لائے، موت کو سب سے قریب جانے، امیدوں اور آرزوؤں کو سب سے زیادہ بعید الحصول جانے اور تمام مخلوق سے ناامید ہوکر گزری زندگی پر روئے۔

یہ سب کرلینے کے بعد عاجز وناتواں بندوں پر رب تعالیٰ اپنی نگاہ فضل ورحمت کے ساتھ متوجہ ہے اور بندہ اپنے آقا ومولیٰ کے در دولت تک رسائی حاصل کرچکا ہے۔ اس کی علامتیں یہی ہیں۔

تیسرا منہج: خلوت اور گوشہ نشینی میں داخل ہونے کی حقیقت کا بیان

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ سالک (مرید) اپنے مولیٰ کی رضا کو حاصل کرنے کے لیے اپنے دل اور اس کے احوال کی اصلاح کی خاطر دنیا و آخرت سے بے نیاز ہو جائے، اپنے ظاہر کو توبہ و استغفار کے ذریعے گناہوں سے پاک کرلے اور لوگوں پر جو ظلم کیا ہو اس کی معافی حاصل کرلے، ان کا حق لوٹا دے۔ دنیا اور اہل دنیا سے بھاگتا رہے، آخرت کی جانب خوب پیش قدمی کرے، اور جو چیزیں آخرت کی یاد دلائیں ان میں مشغول رہے، اپنے ظاہری اور باطنی ارادوں سے خالی ہو کر خوف و تضرع اور عاجزی کی حالت میں اپنے گناہوں پر شرمندہ ہو کر پورے خلوص کے ساتھ روتے ہوئے پوری طرح جان و دل سے اللہ کی طرف متوجہ ہو جائے، دامنِ شریعت کو مضبوطی کے ساتھ تھام لے، اللہ کے حدود کی حفاظت کرے، اللہ تعالیٰ کے احکام و فرامین کو جان کر ان پر عمل کرے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کی پیروی کرے۔ جب خلوت اور تنہائی میں داخل ہو جائے تو خود کو مردہ سمجھے، تنہائی کے کمرے کو قبر گمان کرے، جس طرح قبر میں جانے کے بعد مردے کا کوئی اختیار و ارادہ باقی نہیں رہ جاتا ہے خلوت میں جانے کے بعد اپنے آپ کو اسی طرح سمجھ لے، جس طرح قبر میں داخل ہونے کے بعد اگر اپنی حاجت کے لیے باہر نکلنا چاہے تو نہیں نکل سکتا ہے، خلوت میں جانے کے بعد خود کو اسی طرح تصور کرلے، خلوت میں جانے سے پہلے اپنی تمام ضرورتوں کو پوری کرلے، تاکہ اس کا دل اللہ کے سوا کسی چیز کی طرف مائل نہ ہو، اور خلوت کے لیے ایسی جگہ تلاش کرے جو لوگوں سے دور اور مسجد کے قریب ہو یا ایسی جگہ ہو جہاں اس پر جمعہ کی نماز واجب نہ ہو، اور جس جگہ کا وہ انتخاب کرے وہ جگہ بالکل تنگ ہو، اس میں نہ تو سورج کی کرنیں داخل ہوں اور نہ ہی دن کی روشنی، اس کے پاس ضرورت سے زائد کھانے پینے کی کوئی بھی چیز نہ ہو، بغیر کسی سستی اور کاہلی کے روز و شب ذکر الٰہی میں مشغول رہے، زبان دل سے اور دل زبان سے ہم آہنگ ہو۔ اور یہ سب کام کسی مہربان، مشفق اور خیر خواہ شیخ کامل کی ماتحتی میں کرے یا کسی ایسے نیک دوست کے ذریعے کرے جو اس کے مزاج، عقل، دماغ، صلاح و فساد اور اس کے کھانے پینے کے بارے میں اچھی طرح واقف ہو اور جو اس سے استقامت اور صبر کی تاکید کر سکے اور مصیبتوں کو جلدی دور کر سکے۔ شیخ کامل ایک ماہر ڈاکٹر کی طرح ہے جسے مریض کے امراض اور دواؤں کا اچھی طرح علم ہوتا ہے، تو جس طرح مریض ہر ہر کام میں ڈاکٹر کی پیروی کرتا ہے اسی طرح مرید اور سالک شیخ کامل کی اطاعت کرے اور اس کے حضور خود کو مریض جانے، اور یہ کام بار بار استخارہ اور اللہ کی بارگاہ میں انتہائی خشوع کے ساتھ گریہ و زاری کر لینے کے بعد کرے، اور اللہ کے حضور اپنے چہرے کو تواضعاً خاک آلود کر کے زمین پر رکھ دے۔ اپنے چہرے اور دل کو

بالکلیہ اللہ کے سپرد کر دے، ذکر میں اپنی آواز بلند نہ کرے مگر جب بے وقت مغلوب ہو جائے تو اس وقت روا ہے، اپنے اختیار سے نہ سوئے، کسی چیز پر ٹیک نہ لگائے اور نہ ہی کسی چیز کا بہانہ ڈھونڈے۔ فرائض و سنن کے علاوہ کوئی نماز وہاں نہ پڑھے۔ اپنی خلوت اور ریاضت و مجاہدہ کی جزا کا تصور تک نہ کرے، کشف و کرامات اور عطاؤں کا خیال بھی دل میں نہ لائے، کسی چیز کا دعوی نہ کرے، اور اللہ کو یاد کر کے اپنے دل سے باطل خیالات و وساوس اور فاسد ارادوں کو نکال دے، اپنے صبر، صلاحیت اور طاقت و قوت کے مطابق ہمیشہ کم کھائے، ہمشہ خاموش رہے، حلال اور پاکیزہ کھانا کھائے، چربی دار اور چکنی چیزیں نہ کھائے اور ادب کے ساتھ اللہ کے ذکر میں مشغول ہو جائے، ہمیشہ یہ تصور کرے کہ اس نے بہت بڑا گناہ کر لیا ہے اور سلطان جابر کے سامنے ہے، کوئی ایسا کام نہ کرے جو شریعت اور سنت کے خلاف ہو، چیزوں کو ظاہر کرنے کا خیال نہ لائے۔ ذکر کے ذریعے اپنے آپ سے خیالات کو دفع کرے، اللہ سے شرم کرے اور اس سے اس طرح معافی مانگے جیسے ایک بڑا گنہ گار خطا کار اس سے ڈرتے ہوئے معافی مانگتا ہے، اپنے آپ پر ان تمام چیزوں کا اندیشہ کرے کافروں پر جن کا اندیشہ کیا جاتا ہے۔

اس راہ کے مسافر کے لیے صحیح العقیدہ ہونا ضروری ہے، وہ اللہ، اس کے رسول، ملائکہ، اس کی نازل کردہ کتابوں، بعث بعد الموت، جنت و جہنم اور اس کے وعد و وعید پر ایمان و عقیدہ رکھے، اہل بیت اطہار سے محبت رکھے، اللہ کے رسول کے بعد مخلوق میں سب سے افضل انہیں جانے، اور اگر ان اعتقادات کے بغیر وہ اس راہ میں داخل ہوگا تو بدعتی ہو کر نکلے گا، اور ہر کام میں اللہ کی مرضی کو اختیار کرے، تمام لوگوں کے لیے وہی پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے، اور جب خلوت سے جلوت میں آئے تو سب کے سامنے عاجزی ہی ظاہر کرے، اپنی زبان کو خاموش رکھے، اپنے دل میں کسی طرح کی بات نہ لائے، اور خلوت و جلوت میں ہمیشہ باوضو اور پاک رہے، دنیا اور اہل دنیا کی محبت بالکل ختم کر دے، نفس امارہ کی برائیوں سے اللہ کی پناہ طلب کرے اور اس سے سرخ روئی اور حسن خاتمہ کی توفیق کی دعائیں مانگے۔

چوتھا منہج: نفس کی معرفت اور اس کی پیروی کا بیان

اللہ نے تمام چیزوں سے بری چیز نفس کو بنایا ہے، وہ تمہارے پاس ہے، وہ تمہاری سواری ہے، تم اس کے محتاج ہو، وہ تمہارے پاس ایسے ہی رہتا ہے جیسے کہ کوئی چور گھر کا سامان چوری کرنے کے لیے کھڑا رہتا ہے اور گھر والوں کی غفلت کا انتظار کرتے رہتا ہے، وہ شیطان کا ساتھی ہے، ہر قسم کی برائی اسی سے پیدا ہوتی ہے، اس کے بہت سارے برے اوصاف ہیں، اس کو برائی محبوب ہے، بھلائی سے نفرت کرتا ہے، عقل کے مخالف اور خواہشات کے موافق ہے، عقل اللہ کی اطاعت و

فرماں برداری کی دعوت دیتی ہے جب کہ نفس معصیت اور نافرمانی پر برانگیختہ کرتا ہے، نفس شکم سیری کی حالت میں درندوں کی طرح ہو جاتا ہے، بھوک کے وقت کمزور و ناتواں بچے کے مثل ہوتا ہے ،حالت غضب میں جابر وظالم بادشاہوں کی مانند ہو جاتا ہے، کھانے کے وقت بہائم کے جیسے ہو جاتا ہے،خوف کے وقت شیر اور چیتا کی طرح ہوتا ہے، اس کی بری عادتوں میں سے یہ ہے کہ محتاجی اور مال کی کمی سے ڈرتا ہے، اللہ اور اس کے دردناک عذاب سے نہیں ڈرتا وہ شیطان کا مسخرہ ہے، دنیا اور اس کی رعنائیاں، دنیا اور اس کا حسن و جمال اور شیطان، نفس کے اعوان و انصار ہیں، پھر نفس کے ہر مددگار کے الگ الگ لشکر اور خدام وحشم ہیں، مثلا کثرت سے لہو ولعب میں شامل ہونا، زیادہ سونا ، زیادہ ہنسنا، دنیوی عشاق کی کہانیاں، دنیا کی محبت، گانا بجانا، کبر، حسد، چغلی، غیبت، دشمنی، دوسروں کی برائی، کبیرہ اور صغیرہ گناہوں کا ارتکاب، ہر لایعنی کام میں مشغول ہونا، مال جمع کرنا، لمبی امیدیں کرنا، برائیوں کا حکم دینا بھلائیوں سے روکنا، تمنائیں کرنا، دھوکہ دینا، خوش ہونا، عمارتیں تعمیر کرانا ، خوب تجارت کرنا، بری چیزوں کو اچھا سمجھنا، رازوں کو فاش کرنا، حدوں سے آگے گزر جانا، باطل کی مدد کرنا، حق کا انکار کرنا، دنیا والوں کی تعظیم کرنا، اہل آخرت کو حقیر جاننا یہ تمام کی تمام نفس امارہ کی صفات ہیں اور بنی آدم کے جسم کی ہر ہر رگ اس کی مددگار ہے۔

چنانچہ جسے اللہ توفیق خیر سے نوازتا ہے، نفس کے عیوب اور اس کی مکاریوں سے اسے مطلع فرما دیتا ہے، اس کو تابع فرمان کرنے پر اس کی مدد فرماتا ہے تو وہ اسے تقویٰ کی لگام پہنا دیتا ہے ، عاجزی وانکساری اور تکلیفات شرع کی زنجیروں میں جکڑ دیتا ہے، ریاضت ومجاہدہ کی تلوار سے اسے قتل کر دیتا ہے، بھوک، پیاس اور راتوں کو جاگنا اس پر مسلط کر دیتا ہے، اور اللہ کی اطاعت کے سوا ہر چیز میں اس کی مخالفت کرتا ہے، اللہ کی اطاعت میں بھی اس سے ڈرتے رہتا ہے، اس کے تمام افعال کی مذمت کرتا ہے، موت تک اس کی تادیب وریاضت میں لگا رہتا ہے۔ عقل کو اس کی لگام، شریعت کو اس کے لیے قید خانہ، عبادت وریاضت کو اس قید خانہ کا داروغہ، موت کی یاد کو اس کی خوراک اور پیاس بجھانے کا سامان بنا دیتا ہے۔ پھر نہایت احتیاط کے بعد وہ بندہ نفس کی مکاریوں اور اس کی برائیوں اور عقل پر نفس کے غالب آجانے سے اپنے مالک ومولیٰ کی پناہ مانگتا ہے، اس کی برائیوں اور اس کی تمناؤں سے اللہ کی امان طلب کرتا ہے۔ نفس اور عقل دو ایسے شخصوں کی طرح ہیں جن دونوں کی بہت پرانی دشمنی رہی ہو اور ہر ایک کے ہاتھ میں ایک تنی ہوئی بے نیام تلوار ہو اور ہر ایک دوسرے کی غفلت کا انتظار کر رہا ہو، دونوں ایک دوسرے سے اپنی نظریں نہیں ہٹاتا ہو تا کہ ایک غافل ہو جائے تو دوسرا اسے قتل کر دے۔ جس پر بھی نفس غالب آجاتا ہے وہ لٹ جاتا ہے اور جو اپنے نفس پر ظلم کرتا ہے اور اس پر ظلم کر کے اس کو قتل کر دیتا ہے وہ اس کی برائیوں اور مکاریوں سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد

ہے: کچھ بندے اپنے نفس پر ظلم کرنے والے ہوتے ہیں۔ نفس پر ظلم کرنا یہ ہے کہ وہ اسے بری خواہشات اور ختم ہو جانے والی لذات سے روکے، بے کار کی امیدوں اور جھوٹی آرزوؤں سے اسے منع کرے، دنیا کے دھوکے اور جاہ و مال کی محبت سے اسے بچائے، اور اسے طوعا وکرہا اللہ کی اطاعت کی طرف کھینچ کر لائے، شریعت وسنت کی پیروی پر مجبور کر دے، آخرت کی محبت پر اسے ابھارے ، موت کی یاد پر برانگیختہ کرے، طاعت الٰہی میں اس کی مکاریوں اور برائیوں سے بچتا رہے، کیوں کہ اس کی برائی اور اس کا دھوکہ معصیت سے زیادہ طاعت میں ہے، کبائر وصغائر کا ارتکاب کرانے سے زیادہ اسے اطاعت کے ذریعہ بہکانے میں مزہ آتا ہے، مثلا عبادتوں کو دکھانا، اعمال صالحہ کی اجرت کا خیال، ریاکاری، نفاق، مخلوق اس کی طرف متوجہ ہو اس کی محبت، ہاتھ چومنا، لوگوں کا اس سے برکت حاصل کرنا، شہرت کی طلب، لوگوں کی تعریف، بادشاہوں کا مائل ہونا، شہزادوں کا اس کے پاس آنا جانا ، سماع میں حاضر ہو کر کپڑے پھاڑنا، تکلف کرنا، اپنے نماز وروزہ کو ظاہر کرنا، لوگوں کو دکھانے کے لیے کم کھانا، جھوٹ موٹ کا رونا، ہونٹوں کو ہلانا، آنکھوں سے اشارہ کرنا، بغیر خشوع قلب کے عاجزی ظاہر کرنا، پیوند لگے ہوئے کپڑے پہننا، منامات کا اظہار، مواخات کا اعلان، گذشتہ اور آئندہ پر حکم لگانا، عبادت واطاعت میں مبالغہ کرنا، عبادت واطاعت سے عاجز اور توبہ کرنے والوں کی نگاہوں کے سامنے اور تنہائی میں خوب کاہلی برتنا، صاحبان ارادت کی کثرت چاہنا، لذیذ کھانا کھانا، محفل سماع میں بے ریش لوگوں کی موجودگی سے خوش ہونا اور محفلوں میں خود کو بڑا دکھانا اور جتانا اور عورتوں کو دیکھنا۔

ہم نفس اور شیطان کے شر سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں، اس لیے کہ نفس کی مذکورہ بالا خصلتیں کبائر کا ارتکاب کرنے اور شراب پینے سے بھی بدتر ہیں، اللہ تعالی ہمیں نفس کی برائیوں اور ریاکاریوں سے محفوظ رکھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: کہ جب اللہ کسی کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے نفس کے عیوب پر مطلع فرماتا ہے، اے ہمارے مولیٰ! ہم پر ہمارے نفس کے عیوب کو کھول دے، ہمیں برے اعمال سے مطلع فرما، ایک پل کے لیے بھی، بلکہ اس سے بھی کم وقت کے لیے تو ہمیں نفس کے حوالے نہ کر، ہمارے دشمنوں پر ہماری مدد فرما اور ہمیں ان لوگوں میں سے بنا دے جو نفس سے مامون ومحفوظ ہو کر اس دنیا سے رخصت ہوئے ہیں اور کل قیامت کے دن لوگوں کے سامنے ہمیں رسوا نہ فرما۔ بلاشبہ تو کبھی بھی وعدہ خلافی نہیں فرماتا ہے۔

پانچواں منہج: فقیر سے کچھ نصیحت اور رہنمائی کا بیان

جب فقیر راہ آخرت میں قدم رکھنا چاہے اور آفات دنیا کے سمندروں کو عبور کرنے کا ارادہ کرے تو اسے یہ تمام چیزیں لازم ہیں اور ان تمام کے ساتھ ساتھ خلوص بھی شرط ہے اس لیے کہ خلوص عبادت کا مغز ہے اور عبادت وطاعت کا دارومدار اسی پر ہے۔ حلال روزی کھائے، محال

چیزوں کوترک کر دے، صحیح عقیدہ رکھے، سچ بولے، موت کے لیے ہمیشہ تیار رہے، فوت شدہ چیزوں کی بھرپائی کرے، موت سے پہلے اپنے آپ میں غور وفکر کرتا رہے، اپنی زبان کے شر کو انسان اور اللہ کی ساری مخلوق سے روکے رکھے، دوسروں کو چھوڑ کر اپنے عیبوں پر نظر رکھے، دوسروں کونصیحت کرنے سے پہلے خود کونصیحت کرے، ظاہری اور باطنی طور پر دنیا سے نفرت کرے، اللہ سے محبت کرے، دنیا کو اہل دنیا کے لیے چھوڑ دے، اپنے حال کو چھپائے، خاموشی اختیار کرے، تمام احوال میں لایعنی کاموں سے پرہیز کرے، عام مسلمانوں کے لیے دعا کرے اپنی خوبیوں کو چھپائے اور اپنے معائب ونقائص کو ظاہر کرتا رہے، اور ہر دن اپنے اعضا کو نفس کے سپرد کر دے اور اس پر یہ لازم کر دے کہ وہ اس کو جہنم کے عذاب سے محفوظ کرے، خلق خدا کو شفقت ورحمت کی نگاہ سے دیکھے، اہل دنیا کو عبرت کی نگاہ سے دیکھے، خوب خیر خواہی کرے، کسی کو رسوا نہ کرے، غصہ کو پی جائے، دشمن ہو یا دوست سب پر قدرت کے باوجود غصہ کو روک لے۔لیکن جب اللہ کے حدود کی پامالی ہو رہی ہو تو اس وقت غصہ دکھانے کی اجازت ہے، اپنے اچھے اعمال کی طرف نظر نہ کرے بلکہ سارے اعمال کو اپنے معبود کے سپرد کر دے، عمل کے چھوٹ جانے پر نادم ہوتا رہے، اپنے اخلاق کو سنوارے، اپنے افعال میں تبدیلی لائے، لوگوں کی خوب خاطر ومدارات کرے، لذتوں اور شہوتوں کو چھوڑنے پر صبر کرے، مردوں اور زندوں میں سے کسی پر عیب نہ لگائے، خواہشات اور دنیوی زندگی کی زینت وآرائش میں ظاہری اور باطنی طور پر نفس و شیطان کی مخالفت کرتا رہے، اللہ کی راہ میں آنے والے شدائد ومصائب پر صبر کرتا رہے، لوگوں کی تعریف اور برائی دونوں کو اپنے لیے برابر سمجھے۔خشکی وتری، سردی وگرمی اور سفر وحضر ہر حال میں بھوک کے وقت نفس کو تسلی دیتا رہے اور اسے صبر پر ابھارے، ہمیشہ سچ بولتا رہے اس لیے کہ یہی انسان کے اچھے خصائل کی جڑ ہے، جھوٹ سے ہمیشہ بچتا رہے، زبان پر ہمیشہ درست باتیں لائے، روز قیامت کے احوال کو بار بار یاد کر کے اپنے اندر استقامت پیدا کرے، خوب سوچ سمجھ کر کھائے، بولے تو یقین کے ساتھ ورنہ خاموش رہے، اللہ کی دی ہوئی روزی پر توکل کرے، اللہ کے اوامر کی بجا آوری کرتا رہے، ہمیشہ کم کھانے کی عادت ڈالے، اپنی زبان کو کثرت ذکر اور ہر دن اور ہر لمحہ عمر اور دنوں کے محاسبہ کا عادی بنائے، شہوت کو ترک کر دے، علائق سے منقطع ہو جائے اور مخلوق سے بالکل الگ ہو جائے، تدبیر کو چھوڑ کر ہمیشہ تقدیر پر راضی رہے، ہر وقت خیر کا طالب رہے، گھر کو لازم پکڑ لے، ہمیشہ خاموش ہو کر موت کو یاد کرتا رہے، فوت شدہ چیزوں پر غمگین رہے، ہمیشہ سوال سے بچتا رہے، صرف سخت ضرورت کے وقت بات کرے، نفس کی خواہشات کو ترک کر کے احکام شرع کی پابندی کرے، تمام مخلوق کے ساتھ یہ گمان رکھے کہ سب

کے سب ناجی ہیں میں ہی جہنمی ہوں، دنیا اور اہل دنیا کے حکایات، بادشاہوں کی سیرتوں اور ان کی بادشاہت اور سخاوت کے طور طریقوں کو بالکلیہ چھوڑ دے، اول وقت میں نماز کی پابندی کرے، ہمیشہ باوضو اور پاک رہے، اپنے کپڑوں کو ستھرا رکھے، مشائخ کی باتوں کو عزت واحترام کے ساتھ غور سے سنے، جاہلوں کی باتوں سے عبرت حاصل کرے، اپنے آپ کو سب سے کم تر جانے، شریعت کی تعظیم کرے، اہل اللہ کو چھوڑ کر نام نہاد صوفیوں کی صحبت سے دور رہے۔حدیث نبوی کو لازم پکڑ لے، دنیوی گفتگو کو چھوڑ کر چستی اور دلچسپی کے ساتھ اللہ کی اطاعت بجا لائے، اپنے گناہوں پر خوب روئے، عیبوں کی کثرت کی وجہ سے اپنے نفس پر خوب ملامت کرے، اطاعت وعبادت سے کبھی بھی بے نیازی نہ دکھائے کہ کہیں اس کا عمل رد نہ کر دیا جائے، عمل کے ساتھ امید بھی رکھے اور موت کا خوف بھی کرتا رہے، باقی خاموش رہے، دنیا کو چھوڑ کر مخلوق سے بے رغبت ہو جائے، آخرت کی جانب پیش قدمی کرتا رہے، اچھے اخلاق اختیار کرے، اپنے اعمال کو بھول جائے، اپنے مالک ومولیٰ کے علاوہ کسی سے شکوہ شکایت نہ کرے، شرک کے مادے کو بالکل ختم کر دے، فضول چیزوں سے کنارہ کش ہو جائے، مخلوق سے بالکل جدا ہو جائے، رات کو نماز میں مشغول رہے، اپنے آقا ومولیٰ کے لیے روتا رہے، دنیا کو اپنے لیے روزہ بنا لے اور یہ یقین جانے کہ وہ آخرت میں افطار کرے گا، اپنے نفس کو ترک کر دے کیوں کہ وہی تمام ناپاکیوں کی جڑ ہے، اپنے آپ کو لوگوں کے قدموں کے نیچے تصور کرے۔

اے اعمال میں کوتاہیاں کرنے والے! تمہارے پاس عمل کہاں ہے؟ اے لمبی امیدوں والے کب تک آرزوؤں میں لگے رہو گے؟ کوچ کا وقت آ گیا، کہاں زاہد اور کہاں زہد سے تمہارا تعلق، کب تک تم اس راہ سے پھرتے رہو گے؟ مختصر سی بات یہ ہے کہ اپنی زبان کی حفاظت کرو اور اپنی نگاہیں نیچی رکھو۔

چھٹا منہج: فقر اللہ واحد کے سوا تمام چیزوں سے افضل ہے

اگر میرے رب کی جانب سے کوئی قاصد مجھے یہ خوشخبری دیتا کہ تمہارے رب کی جانب سے تم کو یہ اختیار دیا جاتا ہے کہ قیامت تک زندہ رہنا چاہتے ہو تو تم قیامت تک زندہ رہ جاؤ اور بغیر کسی نزاع کے پوری دنیا کے مالک ہو جاؤ اور اغنیا کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ، یا پھر ابھی مرنا چاہتے ہو تو ابھی مر جاؤ اور جہنم میں داخل ہو جاؤ اور کل بروز قیامت تمہیں فقرا کی جماعت کے ساتھ اٹھایا جائے گا، تو رب ذوالجلال کی عزت وجلال کی قسم! میں دنیا کی نعمتوں کی طرف مائل ہو کر جنت میں داخل نہیں ہوگا بلکہ ابھی مر کر جہنم میں داخل ہونا پسند کروں گا، میرے لیے ابھی فقیری اختیار کر کے جہنم میں داخل ہو جانا مالداروں کے ساتھ جنت میں جانے سے بہتر ہے، کیوں کہ میں

نےفقر میں عجیب لذت پائی ہے، وقت پاکیزہ ہوجاتا ہے، احوال میں صفائی اور انجلا ہوتا ہے، دل ماسوٰی سے خالی ہوجاتا ہے، جسم کو سکون ملتا ہے، نفس اپنی خواہشات سے منزہ ہوجاتا ہے، اپنے مولیٰ سے رات میں خوب باتیں ہوتی ہیں، پیوند لگے ہوئے کپڑے پہننے سے نفس ذلیل ہوتا ہے اور تمام احوال میں زندگی کو پاکیزگی میسر ہوتی ہے، اس کے علاوہ اور دیگر نعمتوں کا حصول ہوتا ہے۔

اے فقیرو! تمہارا اس دنیا میں رہ کر مرجانا ہی حقیقت میں موت ہے، اس دنیا میں جینے کا حق بھی حقیقتاً تمہیں کو ہے، آخرت تو تمہیں لوگوں کے لیے ہے اور زندگی تو حقیقت میں تمہاری ہی ہے، ہر طرح سے تمہیں کو عیش و آرام ہے۔ فقر کو گلے لگالو، غلامی کو سرداری تصور کرلو، اگر تم اللہ کی عبادت کرتے ہو تو اللہ کا شکر ادا کرو کیوں اسی نے توفیق عبادت جیسی نعمت سے تم کو مالا مال کیا، اللہ کی عظیم نعمتوں کو یاد کر کے اپنے اوپر آنے والی مصیبتوں پر صبر کرو، کیوں کہ اس دنیا میں عجیب و غریب معاملات اور حادثات ہوتے رہتے ہیں، بہت سارے فاسق و فاجر تائب ہوکر برگزیدہ بن جاتے ہیں اور بہت سارے عابد وزاہد خائب وخاسر ہوجاتے ہیں، بہت سے لوگ غائب ہوکر بھی حاضر ہوجاتے ہیں اور بہت سارے حاضر لوگ حاضر ہوکر بھی غائب رہتے ہیں۔

اللہ سے ڈرو، اس کی اطاعت کرو اور عبرت حاصل کرو اور یہ جان لو کہ تمہارا مال تمہارا نہیں، اپنی لمبی لمبی آرزوؤں اور تمناؤں کو ختم کردو، اپنی موت کا انتظار کرنا شروع کردو، اور جو تم نے کل کے لیے تیار کر رکھا ہے اس پر خوب غور وفکر کرو کیوں کہ کل کا دن قیامت غور وفکر کرنے والوں ہی کے لیے ہے۔

ساتواں منہج: دنیا کی صفت اور حقیقت کا بیان

دنیا دار الفکر، جائے عبرت، حقیقت اشیا پر مطلع ہونے کی جگہ اور ندامت وحسرت کی عمارت ہے۔ یہ مومنوں کے لیے کھیت، طالبین کے لیے بازار ہے، جو مریدین کے لیے تجارت گاہ اور حق تعالیٰ کا قصد رکھنے والوں کے لیے سواری، سالکوں کے لیے پل، صادقوں کے لیے گزر گاہ اور عارفوں کے لیے کوڑا کرکٹ پھینکنے کی جگہ ہے۔ فریب خوردہ لوگ اس کے عشاق ہیں۔

اے ارباب عقل و دانش! یہ دنیا بہت زیادہ مکار، عیار، چور اور بہت زیادہ تم سے بھاگنے والی ہے، ہر لمحہ اور ہر پل اس کا ایک نیا دوست اور نیا ساتھی ہوتا ہے۔ جسے اپنا عاشق بنالیتی ہے اسے ہلاک کر کے چھوڑتی ہے، اس کا سمندر بہت گہرا ہے، اس پر سوار ہونے والے ڈوبتے چلے جا تے ہیں، اس سے محبت رکھنے والے ہمیشہ مشغول ومصروف رہتے ہیں۔ لیکن جو لوگ اس سے بے رغبت ہوجاتے ہیں وہ فارغ البال ہوجاتے ہیں۔ اس کے امیر کو ہمیشہ معزول کردیا جاتا ہے، اس کے دوست کو ہمیشہ قتل کردیا جاتا ہے، اس کی طرف مائل ہونے والے ہمیشہ خائب وخاسر

ہوتے ہیں، اس دنیا کی خوشی درحقیقت حزن وملال ہے، اس کا تریاق حقیقت میں زہر قاتل ہے، اس کا ساحل بھی سمندر کی طرح ڈبونے والا ہے، اس کی شفا بیماری ہے، اس کی صحبت بلا اور آزمائش ہے کیوں کہ یہ امتحانات اور آزمائشوں ہی کے لیے تیار کی گئی ہے، یہاں کا پانی درحقیقت ریت ہے، یہاں کی آبادی ویرانہ ہے، یہاں کا حاصل اور خلاصہ مٹی ہی مٹی ہے، جو اسے حلال کے طور پر استعمال کرے گا اس سے حساب لیا جائے گا اور جو اس کو بطور حرام استعمال میں لائے گا وہ عذاب الٰہی میں گرفتار ہوگا اور اس کی مشتبہ چیزوں میں عتاب ہوگا۔

آٹھواں منہج: راہ الٰہی کے صفات کا بیان

واضح رہے کہ یہ راستہ سورج سے زیادہ ظاہر وباہر، چاند سے زیادہ منور اور دن سے زیادہ روشن ہے، اس کی بہت ساری واضح اور روشن نشانیاں ہیں، جس نے اس راہ کو چھوڑ دیا وہ ہمیشہ کے لیے گمراہ ہوگیا اور جو اس راہ پر چلا وہ ہدایت پا گیا، لیکن اس راہ میں بہت سارے حجابات، موانع، بہت سی پرخطر وادیاں اور ہلاکت خیز چیزیں ہیں، اس راہ میں بلند وبالا پہاڑ، موج دار سمندر اور خوف ناک وادیاں ہیں۔ اس راہ میں ہر پتھر کے نیچے ایک بچھو اور ہر تودے کے اوپر ایک شیر بیٹھا ہے۔ اس راہ کے مذکورہ بالا اوصاف دور سے دیکھنے والوں کے لیے ہے۔ ورنہ قریب سے دیکھنے والوں کے لیے یہ اس ریت کی مانند ہے جسے پیاسا شخص پانی سمجھے، اللہ کے وہ بندے جو اللہ سے خوف رکھتے ہیں، اس کی بارگاہ میں توبہ واستغفار کرتے رہتے ہیں، دنیا کو اللہ کی رضا کے لیے چھوڑ کر اس کی طرف مائل رہتے ہیں، دل وجان سے نیکیوں میں سبقت کرتے رہتے ہیں جنہیں ''صدیقین'' کہا جاتا ہے وہ اس راہ کو طے کرتے ہیں۔

اے اس راہ کے مسافر! خلوت صرف اسی کے لیے روا ہے جو عالم ربانی ہو یا مرید صادق ہو، روحانی ہو، جو اپنے دل سے تمام خیالات باطلہ اور افکار فاسدہ کو نکال کر دنیا وآخرت سے بے خبر ہوجائے، جو موت کا عاشق، دنیا اور نفس کا دشمن اور آخرت اور اہل آخرت سے محبت رکھتا ہو، نہایت سخی ہو۔ جو اس کے شایان شان نہیں ان سے پاک دامن ہو، اس کا دل زندہ اور نفس مردہ ہو، صحیح عقل اور بیدار خواہش نفس رکھنے والا ہو، اس راہ کے مسافر بہت کم کھاتے ہیں، کثرت سے ذکر وفکر میں غرق رہتے ہیں، اس کے بعد اپنے مالک ومولیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوکر اس کی وحدانیت کا اقرار کرتے ہیں، اس کی پاکی بیان کرتے ہیں، اس کی بارگاہ میں تمام دعویٰ سے توبہ واستغفار کرتے ہیں، اپنی زبان سے اقرار کرتے ہوئے دل سے اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اس کا کوئی شریک نہیں، وہی زندہ ہے باقی سب فنا ہوجائیں گے۔

پھر مصنف علیہ الرحمہ نے اس کتاب کے اخیر میں کچھ اشعار رقم کیے، جن میں انہوں نے

نفس کے احوال اور اس سلسلے میں (تواضعا) اپنے مقام کو بیان کیا ہے، وہ اشعار یہ ہیں:

نصحتکم یا اخوانی لکم — لا تنظروا فی زی تلبیسی
ولاتقولوا انه زاهد — لا تسمعوا قولی و تدلیسی
کیسی وکاسی ملئت من وزری — لا تقبلوا کا سی وکیسی
أما سمعتم انی ذاهب — تحت العباد العقل قسیسی
عرسی جهل وودّها ذلة — لاتقربوا ودی، وتعریسی
مدرستی قلبی وذاک معبدی — تکرار دینی علم تقدیسی
نفسی ابلیس جربتها — تعوذوا من شر ابلیسی

اے میرے عزیزو! میں نے تم لوگوں کو ساری نصیحتیں تو کر دیں لیکن تم میرے لباس تلبیس کی جانب نظر نہ کرنا اور یہ نہ کہنا کہ وہ تو زاہد ہے۔ میری باتوں کی طرف دھیان نہ دینا اور نہ ہی میری فریب کاریوں کی طرف نظر کرنا۔ میری گٹھری اور میرا برتن وجود گناہوں سے پُر ہے، اسے ہرگز قبول نہ کرنا۔ تم نے نہیں سنا کہ میں رخصت ہو جانے والا ہوں اور عقل مند بندوں کے نیچے میرا قسیس ہے۔ 'جہالت' میری ہم نشین ہے اور اس سے محبت رکھنا ذلت و رسوائی ہے لہٰذا میں نے جسے (جہالت کو) اپنا ہم نشین بنایا اور جس (ذلت و رسوائی) سے میں نے محبت کی ہے اسے کبھی اختیار نہ کرنا۔ میرا دل میری جائے تعلیم اور عبادت خانہ ہے اور میرے دین کی تکرار ایک مقدس علم ہے۔ میرا نفس ابلیس ہے میں نے اسے بارہا آزمایا ہے، اس ابلیس کے شر سے اللہ کی پناہ مانگتے رہنا۔

(نوٹ: یہ ترجمہ تین نسخوں کو سامنے رکھ کر کیا گیا ہے۔ تینوں مطبوعہ نسخے ہیں۔ پہلا نسخہ قدیم ہے جو ۱۳۰۳ھ میں مطبع علی قلی خان سے شائع ہوا ہے، اس کا مقام طباعت درج نہیں۔ دوسرا نسخہ جس کی تصحیح ڈاکٹر سید محمد دامادی استاذ ادب فارسی ایران نے کی ہے، یہ نسخہ اس لنک پر موجود ہے: www.hawzah.net/ar/article/view/89832 تیسرا نسخہ جو میزان عمل کے نام سے ہے، اس کی تحقیق ڈاکٹر فیروز حریر جی کلیۃ الآداب، طہران یونی ورسٹی نے کی ہے، یہ بھی اس لنک پر موجود ہے:http//documents.lips/documents/-pdf)

○○○

شیخ سعدالدین خیرآبادی
ترجمہ: ضیاء الرحمٰن علیمی

دینی علوم کے چار اقسام

(۱) علم روایت

علوم چار طرح کے ہیں: پہلا روایت اور اخبار و آثار کا علم۔ یہ وہ علم ہے جسے ثقہ از ثقہ روایت کرتے ہیں۔ روایت عام ہے، نبی کریم ﷺ کے اقوال و افعال دونوں ہی پر اس کا اطلاق ہوتا ہے، جب کہ خبر کا اطلاق نبی کریم ﷺ کے صرف اقوال پر ہوتا ہے اور آثار کا اطلاق افعال صحابہ پر ہوتا ہے اور ان سب کو علم حدیث کہتے ہیں۔ علم حدیث وہ علم ہے جس کو ثقہ حضرات نے ثقہ حضرات سے روایت کیا ہو اور روایت کا سلسلہ نبی کریم ﷺ تک یا صحابہ تک پہنچتا ہو۔ پھر طریقۂ نقل کے لحاظ سے احادیث کی مختلف قسمیں ہیں مثلاً مرسل، مسند، مشہور، متواتر، آحاد، غریب، ضعیف وغیرہ۔ ان کی تفصیلات اصول و احادیث کی کتابوں میں مذکور ہیں، یہاں اطناب سے بچنے کے لیے ان کا ذکر ترک کیا جاتا ہے، اگر آپ کو ان کی تفصیلات مطلوب ہوں تو اس فن کی کتابوں کی جانب رجوع کریں۔

(۲) علم درایت

دوسری قسم علم درایت ہے اور یہ علم اصول فقہ اور علم احکام کا نام ہے جو علمائے اصول اور فقہا کے مابین متداول ہے۔

(۳) علم العقائد

تیسری قسم علم نظر و استدلال ہے جس کے ذریعے اہل سنت و جماعت کے مخالفین، اہل بدعت اور گمراہوں کے خلاف دین حق کی حمایت کے لیے حجتیں قائم کی جاتی ہیں، جیسے رب تعالیٰ کی توحید پر دلائل قائم کی جائیں کہ وہ ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، نہ اس کا کوئی حلیف ہے اور نہ حریف، نہ وہ جسم ہے اور نہ ہی جوہر و عرض ہے۔ بروز آخرت جنت میں رب تعالیٰ کا دیدار چشم سر

سے ہوگا، جنت ودوزخ کی تخلیق ہوچکی ہے، اہل بہشت آخرت میں نعمتوں میں ہوں گے اور دوزخی عذاب میں ہوں گے، عذاب قبر، منکر نکیر کا سوال، موت کے بعد دوبارہ اٹھنا، قبروں سے نکلنا، یہ ساری باتیں برحق ہیں۔ اس علم کو اصطلاح میں علم کلام کہتے ہیں۔ ان مسائل کی حقانیت پر اہل سنت وجماعت کے علمانے علم کلام کی کتابوں میں صریح آیات وصحیح احادیث بیان کی ہیں، نیز ان مسائل کے انکار کرنے والے بدعتی اور گم راہ لوگوں کی تردید کی ہے۔ اس کی مکمل توضیح وتفصیل کے لیے علم کلام کی کتابوں کی طرف رجوع کریں۔

(۴) علم الحقائق

چوتھی قسم جو تمام علوم میں سب سے برتر اور سب سے اشرف ہے، وہ علم حقائق اور علم مقامات واحوال ہے، علم معاملہ ہے، طاعت الٰہی اور تمام جہتوں سے اللہ کی جانب متوجہ ہونے میں اخلاص کا علم ہے۔ اس علم کو علم سلوک کہتے ہیں۔

فَمَنْ غَلَطَ فِي عِلْمِ الحَقَائِقِ وَالأَحْوَالِ فَلَايَسْأَل عَنْ غَلَطِهٖ إِلَّا عَالِمًا مِنْهُمْ كَامِلًا فِي مَعْنَاهُ

لہٰذا جو شخص علم حقائق اور علم احوال میں غلطی کا شکار ہو تو اپنی غلطی کے بارے میں صرف اسی سے پوچھے جو علماے حقائق کے درمیان علم حقائق کے حوالے سے مرد کامل ہو، جس نے یہ راہ دیکھی ہو اور اس راہ کی سیر کی ہو، اس لیے کہ ہر چیز کو اس کے مقام ومحل میں تلاش کیا جاتا ہے۔ موتی کو سیپ میں تلاش کیا جاتا ہے؛ سورج کی تلاش اس کے برجوں میں ہوتی ہے؛ کیوں کہ سورج وہیں نکلتا ہے، شہد کو شہد کے چھتے میں تلاش کیا جاتا ہے؛ اسی طرح علم حقائق اور علم مقامات واحوال کو جس کا تعلق علم تصوف سے ہے، عارفین کاملین کی بارگاہ میں تلاش کیا جاتا ہے، نہ کہ ہدایہ، بزدوی، صحائف ومعارف اور صحیح بخاری ومسلم کا علم رکھنے والوں کے یہاں۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں:

عِلْمُ التَّصَوُّفِ عِلْمٌ لَا نَفَادَ لَهُ　　عِلْمٌ سَنِيٌّ سَمَاوِيٌّ رُبُوبِيٌّ
فِيهِ الفَوَائِدُ لِلْأَرْبَابِ يَعْرِفُهَا　　أَهْلُ الجزَالَةِ وَالصُّنْعِ الخُصُوصِيُّ

۱۔ علم تصوف ایسا علم ہے جس کے لیے فنا نہیں، یہ علم روشن، آسمانی اور ربانی ہے۔

۲۔ اس میں ارباب دل کے لیے وہ فوائد ہیں جن کی معرفت صاحبان دل اور خصوصی انعام والے ہی رکھتے ہیں۔

محققین صوفیہ مذکورہ تمام علوم کے جامع ہیں

فَهٰذِهِ العُلُوْمُ كُلُّهَا تُوجَدُ فِي أَهْلِ الحَقَائِقِ مِنَ الصُّوفِيَةِ وَلَايُوجَدُ عِلْمُ الحَقَائِقِ فِي غَيْرِهَا، لِأَنَّ عِلْمَ الحَقَائِقِ ثَمَرَةُ العُلُومِ كُلِّهَا

یہ تمام علوم اہل حقائق صوفیہ کی بارگاہوں میں تو پائے جاتے ہیں، لیکن علم حقائق دوسروں کے یہاں نہیں پایا جاتا، اس لیے کہ علم حقائق تمام علوم کا ثمرہ اور سب کا حاصل ہے۔

اے عزیز! غور کرو، حضرت مصنف رسالہ مکیہ کے کلام سے اشارہ مل رہا ہے کہ علم حدیث علم فقہ اور علم کلام کے بغیر کوئی صاحب حقیقت نہیں بن سکتا۔ تعجب ہے ان جاہل صوفیہ پر جو کہتے ہیں کہ ان علوم کی ضرورت ہی نہیں، ہم لوگ یکا یک اہل حقیقت بن گئے ہیں۔

تمام دینی علوم کا مقصود علم الحقائق کا حصول ہے

تمام علوم کی انتہا علم حقائق پر ہوتی ہے، اس لیے علماے حقائق کے سامنے دوسرے علما، زاہدین وعابدین اور ابرار کا کوئی مقام نہیں ہوتا؛ کیوں کہ حَسَنَاتُ الأَبْرَارِ سَيِّئَاتُ المُقَرَّبِيْنَ ابرار کی نیکیاں مقربین کے لیے سیئات ہیں۔ انہی حضرات کے بارے میں ایک عزیز کہتے ہیں ؎

از کمال حال ایشاں بے خبر باشد فلک　　وز سکوت نطق ایشاں بے اثر باشد ملک

(ان کے کمال احوال سے آسمان بھی بے خبر ہوتا ہے اور ان کی گویائی کے سکوت کی خبر فرشتوں کو بھی نہیں ہوتی۔)

عارفین کا مقام ومرتبہ

پیر دست گیر قطب عالم مخدوم شیخ مینا قدس اللہ سرہ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو سید الرسل ﷺ کی اتباع وپیروی کے صدقے میں چشم زدن میں فلک وملک سے بھی آگے بڑھ گئے ہیں۔ انہوں نے کونین اور ان کی نعمتوں کی جانب نگاہ نہیں کی، بلکہ انہوں نے قرب قاب قوسین میں قدم رکھ دیا اور أَوْ أَدْنىٰ کے سر پر فائز ہوگئے۔ ثقلین کے عمل پر بھی انہوں نے کوئی توجہ نہیں کی؛ کیوں کہ نَفَسٌ مِنْ أَنْفَاسِ العَارِفِيْنَ خَيْرٌ مِنْ عِبَادَةِ الثَّقَلَيْنِ عارفین کا ایک لمحہ ثقلین کی عبادت سے بہتر ہے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں ؎

اے خلق جہاں بجملگی بشتابید　　تا قافلۂ سوختگاں دریابید
اے اہل مناجات کہ در محرابید　　صد قافلہ بگذشت و شما در خوابید

۱۔ اے دنیا کے لوگو! تیزی کے ساتھ دوڑو تاکہ سوختہ جان لوگوں کے قافلے کو پاسکو۔

۲۔ اے محراب میں بیٹھ کر مناجات کرنے والو! سیکڑوں قافلے گزر گئے اور تم ابھی خواب غفلت میں ہی ہو۔

ہاں ہاں! اے عزیز! ان جواں مردوں کے حال سے لوگ واقف نہیں ہیں کہ یہ کون سے صحرا کے پرندے ہیں۔ ارے یہ تو طائر لاہوتی ہیں۔ یہ رحمان کے وجہ کریم کے عاشق ہیں۔ یہ شان سبّوحیت رکھنے والی ذات کے دیدار کے مشتاق ہیں۔ انھوں نے اپنے جسم و جان کو خاکستر

کرڈالا ہے۔ یہ بارگاہ الٰہی کے قلندر ہیں۔ یہ بے گناہ دیوانے ہیں۔ یہ وہ ہیں جن کو ایک بادشاہ کی محبت نے جلا کر خاکستر کر دیا ہے۔ ان دیوانوں کی عجب حالت ہوتی ہے۔ نہیں نہیں، ان عقل مندوں کا عجب کمال ہوتا ہے؛ کیوں کہ یہ مشائخ کی تلقین کے ذریعے خم خانۂ الست سے عشق الٰہی کی شراب پی کر شادکام ہو چکے ہیں۔ انھوں نے دوست کے علاوہ کسی اور کو دیکھنے سے اپنی آنکھیں بند کر لی ہیں۔ اے عزیز! ان کے احوال واعمال میں غور کرو تا کہ تمہارے اوپر ان کے حال کا راز کھلے، کہ ان کی طاعتیں گناہ اور ان کی معصیتیں بے گناہ، نہیں نہیں، ان کی طاعت سب معصیت اور ان کی معصیت سب طاعت، ان کی گفتار مکمل کردار اور ان کا کردار سب گفتار، وہ ایسے غائب ہیں جو حاضر ہیں، وہ ایسے حاضر ہیں جو غائب ہیں، یہ گدڑی پوش بادشاہ ہیں، یہ کہنہ پوش نو پوش ہیں۔

بادشاہانیم ومارا ملک نیست — زیں سبب لاف از گدائی می زنیم

(ہم بادشاہ ہیں لیکن ہمارا کوئی ملک نہیں ہے، اسی لیے ہم اپنی گدائی پر فخر کا اظہار کرتے ہیں۔)

اَوْلِيَائِي تَحْتَ قُبَائِي لَا يَعْرِفُهُمْ غَيْرِي میرے اولیا میری قبا ے عظمت میں چھپے ہوئے ہیں، انہیں میرے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔

علم الحقائق بحر ناپیدا کنار ہے

فَإِذَا انْتَهَى إِلَيْهَا وَقَعَ فِي بَحْرٍ لَا سَاحِلَ لَهُ

جب سالک دیگر علوم سے ہوتے ہوئے علم الحقائق تک رسائی حاصل کرتا ہے تو وہ ایسے دریا میں قدم رکھ دیتا ہے جس کا کوئی ساحل نہیں ع

بہ دریاے فرو رفتم کہ پایانش نمی بینم

اس سمندر میں ہوں جس کی انتہا کوئی نہیں

مشائخ نے فرمایا ہے کہ جب سالک وحدت و وصال کے اس سمندر میں غوطہ زن ہوتا ہے جس کا کوئی ساحل نہیں، بلکہ وہاں ساحل کا تصور بھی ناپسندیدہ ہے، وہاں پہنچ کر ساحل کا تصور بھی ختم ہو جاتا ہے۔ جب سالک ہی نہیں رہ گیا تو کیسی خبر اور کیسا اندازہ! کیسا قرب اور کیسا بعد!! وہاں کسی اور کا گزر کہاں، وہاں تو وہ اور صرف وہ محبوب حقیقی رہ جاتا ہے۔

○○○

میر عبد الواحد بلگرامی
ترجمہ: حسن سعید صفوی

عرفان ذات حق

فصل؛ عدم معرفت کی صورت میں مرض وموت کے اقسام اور معرفت کی حالت میں صحت وحیات کے انواع واقسام، نیز بعض دوسرے پوشیدہ نکات کا بیان، جن میں سے اکثر تفسیر حسینی سے ماخوذ ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ (انعام: ۱۲۲) (کیا وہ شخص جو مردہ تھا پھر ہم نے اسے زندگی بخشی)، محققین فرماتے ہیں کہ خواہشات نفس کی پیروی سے موت ہے اور اللہ تعالیٰ کی محبت سے زندگی ہے، یا موت اس کی عدم معرفت سے اور حیات معرفت سے ہے۔

کشف الاسرار میں ہے کہ حیاتِ معرفت دوسری چیز ہے اور حیاتِ بشریت دوسری، دنیا والے حیات بشریت سے زندہ ہیں اور خدا کے دوست حیاتِ معرفت سے۔ ایک روز وہ آئے گا کہ حیاتِ بشریت ختم ہو جائے گی، كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ۔ (ہر جان کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے) اور حیاتِ معرفت کبھی ختم نہیں ہوگی۔ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً۔ (ہم انہیں پاکیزہ زندگی بخشیں گے)

نہ میرد ہر کرا جانش تو باشی — خوشا جانے کہ جانانش تو باشی

(وہ کبھی نہیں مرے گا جس کی جان تو ہوگا، مبارک ہے وہ جان، تو جس کا جاناں ہو)

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ** (جب میں بیمار پڑتا ہوں تو وہ مجھے شفا دیتا ہے)۔ سلمی قدس سرہٗ نے فرمایا: غیر کی رؤیت مرض ہے اور واحد قہار کے انوار کا مشاہدہ، شفا ہے۔ بحر میں ہے کہ بیماری دونوں جہان سے تعلقات میں ہے اور شفا قطع تعلقات میں۔ وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ (وہی ہے جو مجھے مارتا اور پھر جلاتا ہے)۔ کہتے ہیں کہ اماتت (مارنا)، گنہگاری کے ذریعے ہے یا جہل بالنفس یا فراق سے، اور احیاء (زندہ کرنا) بندگی سے ہے یا عقل یا پرہیزگاری یا اپنی ملاقات سے۔ صاحبِ بحر نے فرمایا کہ وہ مجھے اوصاف بشریت سے مارتا اور اخلاق روحانیت سے زندہ کرتا ہے اور پھر اوصاف روحانیت سے مارتا اور صفات ربانیت سے زندہ

کرتا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ انانیت سے مارتا اور ہویت سے زندہ کرتا ہے کہ وہی حیات حقیقی ہے۔

نجویم عمر فانی را، توئی عمر عزیز من — نخواہم جانِ پُرغم را تو ئی جانم بجانِ تو

میں اپنی عمر فانی کو نہیں ڈھونڈتا کہ تو ہی میری عمر عزیز ہے اور میں غم آلود زندگی کو نہیں چاہتا کہ تو ہی میری زندگی ہے، تیری ذات کی قسم۔

حضرت شبلی قدس سرہ نے آیت کریمہ: یَمۡحُوا اللّٰہُ مَا یَشَآءُ وَیُثۡبِتُ۔ (اللہ جو چاہے مٹاتا اور ثابت رکھتا ہے) کی تفسیر میں فرمایا کہ وہ شہود عبودیت اور اس کے لوازم کو مٹاتا ہے اور شہود ربوبیت اور اس کی تجلیات کو ثابت فرماتا ہے۔

امام قشیری قدس سرہ نے فرمایا کہ وہ نفسانی خواہشوں کو محو کرتا ہے اور حقوق ربانی کو ثابت رکھتا ہے، شہودِ خلق سے باز رکھ کر، شہودِ حق سے نوازتا ہے۔آثار بشریت کو مٹا کر، انوار احدیت کو ثابت فرماتا ہے اور بندے کی آن مٹاتا اور اپنی شان بڑھاتا ہے۔ چنانچہ جس طرح وہ اول تھا اسی طرح وہ آخر ہے۔

حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ نے فرمایا کہ الٰہی تیرے جلال عزت نے اشارہ کی جگہ نہ چھوڑی، تیرے محو واثبات نے اضافت کی راہ اٹھا دی۔میری آن گھٹا کر تیری شان بڑھائی، یہاں تک کہ وہی آخر ہوا، جو اوّل تھا۔

حب ہمہ در نہادِ آب وگلِ ماست — پیش از گل و دل چہ بود، آں حاصل ماست
در عالم غیب خانۂ داشتہ ایم — رفتیم بداں خانہ کہ سر منزل ماست

ہماری ہستی کی سرشت میں ہر چیز کی محبت ہے، مگر مٹی اور جان کے خمیر سے پہلے جو کچھ تھا، وہی ہمارا حاصل ہے۔عالم غیب میں ہمارا ایک گھر تھا، اب اسی کی جانب روانہ ہیں کہ وہی ہماری آخری منزل ہے۔

جب موحد حقیقی، شہودِ حق کی منزل پر فائز ہوتا ہے تو اس کی نظرِ شہود میں ہر چیز فانی نظر آتی ہے۔شرح عوارف میں ہے: کُلُّ شَیۡءٍ ھَالِكٌ اِلَّا وَجۡھَهٗ (ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے سوائے اس کے وجہ کے) یہاں ''ھالك'' فرمایا، ''یہلك'' نہیں فرمایا، تاکہ معلوم ہو جائے کہ آج ہی اشیاء کا وجود اللہ تعالیٰ کے وجود میں فانی ہے، مگر اس حال کا مشاہدہ کل قیامت کے روز محجوبوں کے حق میں ہے: اِنَّھُمۡ یَرَوۡنَهٗ بَعِیۡدًا وَّنَرٰىهُ قَرِیۡبًا (وہ تو اس (قیامت کو) دور سمجھتے ہیں اور ہم اسے قریب دیکھتے ہیں)۔محققین کہتے ہیں کہ جب حق تعالیٰ کے سوا کوئی اور موجود حقیقی نہیں تو حقیقۃً اس کے سوا ہر چیز فانی ہے۔

صاحب کشف الاسرار کلمات شیخ الاسلام سے نقل کرتے ہیں کہ نہ تجھ تک کسی کی رسائی، نہ تجھ

سے کسی اور کی طلب، صرف تجھ سے تیری ہی طلب، پس تو ہی تو ہے۔اس مقام پر باقی تمام علاقے منقطع اور تمام رکاوٹیں دور، رسومات باطل اور تعریفیں حیران وسرگرداں، مخلوق فنا اور حق یکتا اپنی ذات سے باقی رہ جاتا ہے۔یاد رکھو اسی مقام کو صراط مستقیم کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاَنَّ ھٰذَا صِرَاطِیۡ مُسۡتَقِیۡمًا (بے شک یہی میرا سیدھا راستہ ہے) محققین فرماتے ہے کہ کوئی راستہ اس وقت تک متعین نہیں ہوتا جب تک کہ اس کی ایک ابتدا اور انتہا نہ ہو، اور عارف جانتا ہے کہ سب کی ابتدا کس سے ہے اور انتہا کس سے۔

حضرت شیخ صدرالدین قنوجی رحمۃ اللہ نے اعجاز البیان میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا تمام اشیا کو محیط ہونا ثابت ہے اور وہی احاطہ ہر صراط کا منتہا اور ہر سالک کی انتہا ہوتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: صِرَاطِ اللّٰہِ الَّذِیۡ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ اَلَاۤ اِلَی اللّٰہِ تَصِیۡرُ الۡاُمُوۡرُ (الشوریٰ: ۵۳) اس اللہ کا راستہ جس کے لیے وہ سب کچھ ہے جو آسمانوں اور زمینوں میں ہے، آگاہ رہو کہ اللہ ہی کی جانب تمام امور لوٹتے ہیں)۔

ہر جا قدمے زدیم در کوئے تو بود — ہر گوشہ کہ رفتیم بیاہوئے تو بود
گفتیم مگر سوئے دگر، راہے ہست — ہر راہ کہ دیدیم ہمہ سوئے تو بود

ہم جہاں بھی جاتے ہیں وہ تیرا ہی کوچہ ہوتا ہے اور جس گوشہ میں جاتے ہیں تیری ہی آواز سے گونجتا ہے۔ہم نے سوچا کہ شاید دوسری جانب بھی کوئی راستہ ہو۔مگر جس راستے کو بھی دیکھا تیری ہی طرف جاتا دیکھا۔

یہی وہ مقام ہے جہاں سالک، بہتر فرقوں کو ان کی روش میں معذور جانتا ہے اور کہتا ہے:

ہمہ عالم چو مظہر عشق اند — ہمہ را بر کمال می بینم

جب تمام عالم عشق کا مظہر ہے تو ہم ہر چیز کو کمال پر دیکھتے ہیں۔

قاضی عین القضاۃ قدس سرہ فرماتے ہیں کہ ارادت کی ابتدا یہ ہے کہ تم ایمان وکفر کے جھگڑے میں نہ پڑو، ایک مذہب کو دوسرے پر ترجیح نہ دو اور بہتر فرقوں میں کچھ فرق نہ کرو، اگر تم عالم اور طالب خدا نہ ہوگے تو فرق کروگے اور طالب نہ رہ جاؤگے۔اور یہ فرق نہ کرنا نور کے احاطہ کے سبب ہے، نہ کہ حد ظہور کی وجہ سے۔

شیخ حسین معز رحمۃ اللہ علیہ آیت کریمہ: وَمَنۡ یَّقۡتَرِفۡ حَسَنَۃً نَّزِدۡ لَهٗ فِیۡھَا حُسۡنًا (اور جو نیکی کرے گا ہم اس کے لیے اس میں اور حسن کا اضافہ کر دیں گے) کے تحت فرماتے ہیں: جب تم پر زیادتی حسن مکشوف ہو جائے گی تو تم مومن وکافر سب میں جمالِ محبوب کا نظارہ کروگے اور آتش پرست کا زنار اپنی گردن میں پڑا پاؤگے اور کہوگے:

اے کفر چہ چیزی کہ مغاں از تو بلافند　　　اسم تو پرستند وز عین تو معافند

اے کفر تو کیا چیز ہے کہ آتش پرست، تجھ پر اتراتے ہیں، تیرے نام کو پوجتے ہیں اور تیری ذات سے معافی خواہ ہیں۔

جب عشاق کا رنگ صبغة الله (اللہ کا رنگ) ہے تو وہ جس طرح بھی ہو۔ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً (کون ہے اللہ سے بہتر رنگ میں) کا جلوہ دیکھتا ہے۔

شرف در عشق او گشت آں قلندر　　　کہ ہفتاد و دو ملت یار دارد

اے شرف اس کے عشق میں وہی قلندر رہوا، جو بہتروں فرقے کو دوست رکھتا ہے۔

عظمت والے رب کی قسم! کہ میں ابھی یہیں پر تھا کہ ایک بھائی کا خط پہنچا، اور اس کے بعد اس شعر نے بہت ذوق دیا:

کافرم گر کفر را دارم قبیح　　　مشرکم گر آورم ایمان صریح

میں کافر ہوجاؤں، اگر کفر کو برا جانوں اور مشرک ہوجاؤں اگر صراحۃً ایمان کا دعویٰ کردوں۔

یاد رکھو کہ ہر کفر میں ایک ایمان ہے اور ہر ایمان میں ایک کفر۔

درون ہر بتے جانیست پنہاں　　　بزیرِ کفر ایمانیست پنہاں

ہر بت میں ایک جان پوشیدہ ہے اور کفر کے اندر ایمان چھپا ہوا ہے۔

کفر ہمیشہ حق کی تسبیح میں مصروف ہے کہ: وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ (کائنات کی کوئی شیٔ ایسی نہیں جو اس کی حمد تسبیح نہ کرتی ہو، لیکن تم ان کی تسبیح سمجھ نہیں پاتے) سے یہی معلوم ہوتا ہے اور اس میں جائے اعتراض بھی نہیں۔

دوسرے یہ کہ خلقت روحانی، کسی حکمت کے تحت ہی ہے ورنہ اس کی پیدائش عبث ٹھہرے۔

تیسرے یہ کہ اس کی پیدائش حق تعالیٰ کے آثار و افعال سے ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے ہر فعل میں اپنی حمد فرمائی، اللهُ المحمودُ فِی کُلِّ افعالِه (اللہ تعالیٰ اپنے سارے افعال میں محمود ہے۔)

جو شخص ترقی کر کے اس مقام تک پہنچ جاتا ہے تو کفر قبیح کی قباحت اس کی نظروں سے اوجھل ہوجاتی ہے اور اسے ناچار کہنا پڑتا ہے کہ ''کافرم گر کفر را دارم قبیح''۔ اور جس نے یہ کہا کہ ''مشرکم گر آورم ایماں صریح''، اس بنا پر کہا کہ ایمان اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے، لہٰذا ایمان کی نسبت اپنے فعل واختیار کی جانب کرنا طریقت میں شرک ہے۔

لمعات میں ہے کہ جب آفتاب محبت غیب کے مشرق سے طلوع ہوا تو محبوب حقیقی نے سائے کے پردے کو صحرائے وجود پہ چھوڑ دیا اور محب سے فرمایا: اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ

(کیا تو نے اپنے پروردگار کی طرف نہیں دیکھا کہ اس نے سایے کو کس طرح بڑھایا) کیا سایہ کی درازی میں تو مجھے نہیں دیکھتا؟ ع

کز خانہ بکد خدائی ماند ہمہ چیز (کہ گھر میں جو کچھ ہے سب گھر کے مالک سے ہے۔)

قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ۔ (ہر شخص اپنے طریقے پر کام کرتا ہے) کیا تم اس سے عبرت نہیں حاصل کرتے کہ اگر کسی شخص کی حرکت نہ ہو تو سایہ بھی حرکت نہ کرے، وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا (اگر ہم چاہتے تو اسے ٹھہرا ہوا کر دیتے)، اگر ہماری احدیت کا آفتاب، مطلعِ عزت سے چمکے تو کسی سایہ کا اثر نہ رہ جائے۔

روئے صحرا ہمہ پرتو خورشید گرفت　　　نتواند نفسے سایہ بر آں صحرا شد

آفتاب کا پرتو پورے صحرا پر پڑ گیا، اب کوئی بھی اس صحرا میں سایہ فگن نہیں ہوسکتا۔

محققین فرماتے ہیں کہ نور حقیقی حق تعالی کی ہستی ہے کہ تمام موجودات اس سے ظاہر ہیں اور وہ سب سے پوشیدہ۔

رسالہ حق الیقین میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہستی تمام ہستیوں سے زیادہ ظاہر ہے اس لیے کہ وہ اپنی ذات سے ظاہر ہے اور ساری ہستیوں کا ظہور اس سے ہے۔ تمام چیزیں اس کی ہستی کے بغیر معدوم محض ہیں اور ہر ہستی کا مبدأ ادراک وہی ہے، مُدرِک (ادراک کرنے والے) کی جانب سے بھی اور مُدرَک (ادراک کی ہوئی شیٔ) کی جانب سے بھی۔ تم کسی بھی شیٔ کا ادراک کرو، پہلے اسی کی ہستی مدرک ہوگی، اگرچہ تم اس ادراک کے ادراک سے غافل رہو اور وہ اپنے کمال ظہور کے باعث مخفی رہے۔

ہمہ عالم بنور اوست پیدا　　　کجا او گردد از عالم ہویدا

زہے ناداں کہ او خورشید تاباں　　　بنور شمع جوید در بیاباں

تمام عالم اسی کے نور سے ظاہر ہے تو وہ عالم سے کیسے ظاہر ہوسکتا ہے، اس نادان پر افسوس جو بیابان میں چراغ کی روشنی سے خورشید تاباں کو تلاش کرے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ (زمر: ۲۲) (کیا وہ جس کے سینے کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لیے کشادہ فرما دیا، وہ اپنے رب کی جانب سے نور (ہدایت) پر ہے)۔ لطائف قشیریہ میں اس آیت کے ضمن میں ہے: والنُّورُ الذي مِنْ قِبَلِهِ- سبحانه - نورُ اللّوائح بنجوم العلم، ثم نورُ الطوالع لبيان الفَهْم، ثم نورُ اللوامع بزوائد اليقين، ثم نورُ المكاشفة بتَجلِّي الصِّفات، ثم نور المشاهدة بظهور الذات، ثم أنوار الصمدية. وعند ذلک لا قُرْب ولا بُعْدَ، ولا فصل ولا وصل، ولا وَجْدَ ولا فقد، كلّا بل هو الله الواحد القهار۔

وہ نور جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے، پہلے نور لوائح ہے نجوم علم کے ذریعے، پھر بیان فہم کے لیے نور طوالع ہے، پھر زیادتی یقین کے لیے نور لوامع ہے، پھر تجلی صفات سے مکاشفہ کا نور ہے، پھر ظہور ذات سے مشاہدہ کا نور ہے اور پھر انوارِ صمدیت کا ظہور ہوتا ہے، اسی مقام پر نہ قرب رہ جاتا ہے نہ بعد، نہ ہجر نہ وصال، نہ حضوری نہ غیبت، بلکہ اسی اللہ واحدِ قہار کی جلوہ فرمائی رہتی ہے۔

اسی مقام پر مخدوم الملۃ شیخ سعد بن بدھن خیرآبادی قدس اللہ سرہ نے فرمایا: ہماری جان، استاد ابوالقاسم قشیری کی خاکِ پا پر قربان۔ آپ نے کیسی نقاب کشائی کی ہے اور جمال محبوب کے بیان کو عشاق کے صحرا میں لا ڈالا اور عروس مقصود کو تمام تر رعنائیوں کے ساتھ آشکارا فرمایا۔ آپ مزید فرماتے ہیں: تمام محققین کی کتابوں میں یہ بات مذکور ہے کہ سالک کے لیے راہ سلوک میں ایک ایسا بھی مقام آتا ہے کہ اس کی دنیا آخرت اور آخرت دنیا ہو جاتی ہے، اول آخر تک پہونچ جاتا ہے اور آخر اول سے مل جاتا ہے۔ جب عالم یہ ہو جائے کہ ازل، ابد ہو جائے اور ابد، ازل اور ایک کلمہ بلکہ ایک حرف بلکہ ایک نقطہ بن جائے، تو کون ایسا محقق ہے جو دنیا میں دیدار الٰہی کا منکر ہو؟

نیز آپ نے ارشاد فرمایا: محققین رویت باری (کی آرزو) کو کمترین حالت شمار کرتے ہیں اور اس کو شرک جلی گردانتے ہیں۔ پھر فرماتے ہیں: **لا حول و لا قوۃ الا باللہ**، میں کن باتوں میں الجھ گیا۔ اے فقیہ وجیہ! اگر تو دیدار الٰہی کا منکر ہے اور تیرے نزدیک یہ حرام ہے تو تجھے حرام ہی رہے۔ مگر طلب کا انکار کون کرتا ہے کہ تمام سعادتیں، بھلائیاں اور برکتیں اسی سے ہیں۔ ہاں! ذرا غور کرو کہ وہ کون لوگ ہوتے ہیں جو اس دنیا اور اس جہان کو صرف خدا کے لیے چھوڑ دیتے ہیں اور ان کے دل میں خدائے تعالیٰ کے سوا کچھ اور نہیں ہوتا۔ ایسے لوگوں کو مادرِ روزگار کم جنتی ہے۔ اگر کوئی ایسا ہے تو وہ سیدنا محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، آپ کے اہل بیت ہیں اور وہ جو ان کے ساتھ اور ان جیسے ہیں۔

در جنبش آمد قافلہ، مائیم گرد کوئے تو ہر کس رواں شد جانبے، بیچارہ عاشق سوئے تو

قافلہ کوچ کر چکا ہے مگر ہم تیرے ہی کوچے کے ارد گرد ہیں، ہر شخص کسی نہ کسی جانب روانہ ہو گیا اور بے چارہ عاشق تیرے ہی طرف متوجہ ہے۔

(سبع سنابل، ص: ۱۶۱، ۱۶۵، مکتبہ قادریہ، لاہور، عکس طبع: مطبع نظامی، کانپور ۱۲۹۹ھ)

○○○

تذکیر

افادات: شیخ ابوسعید شاہ احسان اللہ محمدی صفوی
ترتیب: ذیشان احمد مصباحی

اطاعت شیخ کے حدود

اطاعت شیخ کے حوالے سے بطور خاص موجودہ زمانے میں لوگ بہت شک وشبہہ میں مبتلا رہتے ہیں۔ بعض حضرات اس معاملے میں اتنی شدت اور افراط برتتے ہیں کہ اپنے شیخ اور امیر کے مسلک وموقف کو دوسروں پر بھی تھوپنے کی کوشش کرتے ہیں، جب کہ اس معاملے میں بعض دوسرے حضرات ایسی تفریط کا شکار ہیں کہ وہ سرے سے اطاعت شیخ کا ہی انکار کر دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اطاعت صرف اللہ و رسول کی ہوگی، کسی اور کی کیوں ہوگی؟ جب کہ آپ غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ قرآن مقدس میں تین اطاعتوں کا ذکر آیا ہے۔ ۱۔ اطاعت الٰہی ۲۔ اطاعت رسول ۳۔ اطاعت امیر یٰٓاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ (النساء:۵۹) اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو، رسول کی اطاعت کرو اور اپنے امیر کی بھی۔

اسی طرح احکام شرعیہ کے بھی تین درجات ہیں؛ ۱۔ فرض/حرام ۲۔ واجب/مکروہ تحریمی ۳۔ سنن ومستحبات/مکروہات وخلاف اولیٰ۔

یہاں سے اس بات کا اشارہ ملتا ہے کہ حق تعالیٰ کی اطاعت پہلے درجے کی اطاعت ہے، نبی کریم ﷺ کی اطاعت کا درجہ اللہ کی اطاعت کے بعد کا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ احناف بعض اوقات کتاب اللہ کے بالمقابل ثابت بالسنۃ کو فرض کا نہیں بلکہ واجب کا درجہ دیتے ہیں، جس کی تفصیل اصول فقہ کی کتابوں میں ہے۔ رہی امیر اور شیخ کی اطاعت، تو یہ فقط مستحبات ومکروہات اور سنن ونوافل کی سطح پر ہوگی۔ یعنی مرید کو چاہیے کہ مستحبات ومکروہات اور سنن ونوافل کی ادائیگی میں اپنے شیخ کا اتباع کرے۔ اطاعت شیخ کے ذیل میں امر الٰہی اور امر رسول کی خلاف ورزی جائز نہیں ہو سکتی، ورنہ لازم آئے گا کہ شیخ کا مرتبہ نعوذ باللہ، اللہ و رسول سے بڑھ جائے۔ ہاں! جہاں امر اللہ اور امر الرسول کے ثبوت اور اس کی تشریح میں علما کا اختلاف ہو جائے اس وقت چاہیے کہ اصحاب تحقیق اپنی تحقیق پر عمل کریں اور عامۃ المسلمین اس میں اپنے امیر، پیشوا اور شیخ کی اطاعت کریں۔ ○○○

قلبی امراض کی تشخیص اور ان کا علاج

اللہ رب العزت کی یہ زمین تین طرح کے لوگوں سے آباد ہے۔ مومن، منافق، مشرک و کافر اس لیے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ قلوب کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) قلب سلیم (۲) قلب سقیم (۳) قلب میت۔ درحقیقت قلب کی موت انسان کی موت ہے کیونکہ قلب کی حیثیت بادشاہ کی سی ہے اور جملہ اعضا کی حیثیت لشکروں جیسی۔ کسی فوج کی موت سے سلطنت ختم نہیں ہوتی ہاں بادشاہوں کی بے راہ روی یا اس کی موت سے نظام سلطنت میں فساد ضرور پیدا ہوتا ہے۔ کسی بھی سلطنت وحکومت کا عروج وزوال بادشاہوں پر مبنی ہوا کرتا ہے اگر سلطان عادل ہے تو سلطنت ترقی پذیر ہوتی ہے اور اگر ظالم ہے تو سلطنت قریب بہ زوال ہوجاتی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: الْقَلْبُ مَلِکٌ وَلَهُ جُنُودٌ، فَإِذَا صَلُحَ الْمَلِکُ صَلُحَتْ جُنُودُهُ، وَإِذَا فَسَدَ الْمَلِکُ فَسَدَتْ جُنُودُهُ۔ (شعب الایمان) دل بادشاہ اور اعضا بادشاہی لشکر ہیں جب دل اچھا ہوتا ہے تو اس کے لشکر بھی اچھے ہوتے ہیں اور دل بگڑتا ہے تو فوج بھی بے راہ ہوجایا کرتی ہے۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: إن في الجسد لمضغة إذا صلحت صلح سائر الجسد، وهي القلب۔ (بے شک جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے اگر وہ صحیح ہوتو پورا جسم صحیح رہتا ہے، اور وہ دل ہے۔) اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے دنیا کی ہر شئ کو با مقصد بنایا ہے مثلاً آنکھ دیکھنے کے لیے، کان سننے کے لیے، ہاتھ پکڑنے اور قدم چلنے کے لیے۔ ٹھیک اسی طرح قلب کی تخلیق کا مقصد معرفت ربانی کا حصول ہے۔ اگر قلب معرفت الٰہی کے نور سے منور نہ ہوتو یہ اس کی موت ہے اور ایسا دل رکھنے والا درحقیقت مردہ ہے۔ قرآن کے اندر ان لوگوں کو موت سے تعبیر کیا گیا ہے جن کے قلوب میں معرفت ربانی اور محبت الٰہی کا چراغ روشن نہ ہوا ہو۔ اللہ کا فرمان ہے: اَوَ مَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ (سورہ انعام، ۱۲۲)
اس آیت کے تحت علامہ ابن کثیر نے تحریر فرمایا ''هذا مثل ضربه الله تعالىٰ للمومن

الذى كان ميتا اى فى الضلالة هالكا حائرا فأحياه الله أى أحيا قلبه بالايمان وهداه له ووفقه لاتباع رسله''۔ یہ آیت قرآنی اس مردار مومن کے لیے بطور مثل ہے جو گمرہی میں حیرت زدہ پڑا تھا پھر اللہ نے دولت ایمان سے اس کے دل کو زندہ کردیا اور اسے ایمان کی ہدایت دی اور اتباع رسول کی توفیق بخشی۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: هلک مَن لم يكن له قلب يعرف به المعروف والمنكر (أخرجه الطبراني في الكبير) (اس شخص کے لیے ہلاکت ہے جس کے پاس معروف ومنکر کی معرفت رکھنے والا دل نہ ہو۔)
غیر اللہ سے قلب کی تطہیر اور اللہ وحدہ لاشریک کی معرفت سے اس کی تزئین، ہر طرح کی معصیت ورذائل سے تزکیہ اور اللہ کی مرضیات اور فضائل سے قلب کو آراستہ کرنا ہی انسانی تخلیق کا مقصد ہے بلکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے رسالت محمدیہ کی غایت، تطہیر قلب اور تزکیہ نفس بتایا ہے۔ مزید تزکیہ کو تعلیم سے مقدم رکھا ہے اللہ کا فرمان ہے: هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۔ (جمعہ: ۲)
(وہی ہے جس نے امیوں میں انہیں میں سے ایک باعظمت رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیات کی تلاوت کرتے ہیں اور ان کے ظاہر و باطن کو پاک کرتے ہیں اور کتاب وحکمت کی تعلیم دیتے ہیں اگرچہ وہ ان کی تشریف آوری سے پہلے کھلی گمرہی میں تھے۔
دوسری قسم قلب سقیم والوں کی ہے یعنی وہ لوگ جن کو دنیا مومن سمجھتی ہے خواہ ایمان ان کے دل میں راسخ ہو یا نہ ہو۔ قلب وقالب دونوں سے اللہ کا وجود، اس کی وحدانیت اور جملہ ارکان اسلام کی تسلیم وتعمیل ہوتو ایسے لوگوں کو قلب سلیم رکھنے کی وجہ سے مسلم کہا جاتا ہے۔ اگر قلب وقالب اللہ کی وحدانیت کا انکار کرے تو اسے مشرک وکافر کہا جاتا ہے کیونکہ ان کے قلوب مردہ ہیں اور اگر قلب منکر، قالب مصدق ہوتو اسے منافق کہا جاتا ہے، لیکن چونکہ ایمان کا اظہار کررہا ہے اس لیے دنیا اسے مومن سمجھتی ہے اللہ رب العزت نے ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا: فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا۔ (بقرۃ: ۱۰) ان کے قلوب میں مرض ہے تو اللہ نے ان کے مرض کو اور بڑھا دیا۔
حاصل گفتگو یہ ہے کہ قلب وقالب سے تسلیم یا تعمیل میں کوئی کسر باقی رہ جائے تو پھر یہ مرض ہے جس کے ازالے کی ہمیں فکر کرنی چاہیے کیونکہ بسا اوقات انگلی میں ظاہر ہونے والا ایک چھوٹا سا زخم بے توجہی کے باعث پورے ہاتھ کو سڑا گلا کر بے کار بنا دیتا ہے اور نوبت انگلی کاٹنے کے بجائے ہاتھ کاٹنے تک پہنچ جاتی ہے۔ اگر اب بھی خیال نہیں کیا گیا تو یہی چھوٹا سا زخم پورے وجود کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے اور ہلاکت اس کا مقدر بن جاتی ہے۔ بس یہی حال قلب مریض کا ہے ایک چھوٹا سا مرض مثلاً عجب پیدا ہوجائے اور خود کو انسان اچھا سمجھنے لگے تو اس سے دوسری بیماری کبر

پیدا ہوتا ہے اگر اس کا علاج نہ کیا گیا تو پھر فرعونیت سر میں سوار ہوتی ہے ایک دن ایسا بھی آتا ہے کہ اپنے آپ کو ربِ اعلیٰ اور ربِ اکبر کی منزل پر فائز سمجھتا ہے جو قلب کے لیے موت ہے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: **القلوب اربعة قلب اجرد فيه سراج يزهر فذلك قلب المومن وقلب اسود منكوس فذلك قلب الكافر وقلب اغلف مربوط على غلافه فذلك قلب المنافق وقلب مصفح فيه إيمان ونفاق، فمثل الايمان فيه كمثل البقلة يمدها الماء الطيب مثل النفاق كمثل القرحة يمدها القيح والصديد فأى المادة غلبت عليه حكم له بها**۔ (مسند احمد) دل چار طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک صاف دل جس میں چراغ روشن ہوتا ہے یہ مومن کا دل ہے۔ ایک دل سیاہ اور الٹا ہوا ہوتا ہے جو کافر کا دل ہے۔ ایک دل غلاف میں لپٹا ہوتا ہے جس کا منہ بند ہوتا ہے یہ منافق کا دل ہے۔ اور ایک دل وہ ہے جس میں ایمان ونفاق دونوں ہوتے ہیں ایسے دل میں ایمان کی مثال اس سبزہ کی طرح ہے جسے پاک وصاف پانی سے نشونما ملتی ہے اور اس دل میں نفاق کی مثال ایسی ہے جیسے زخم کہ اس سے پیپ اور گندہ مواد اور بڑھا دیتا ہے اب جو مادہ دل پر غالب آجائے اسی کا حکم لگایا جائے گا۔

اب ہم ذیل میں قلب کی تعریف اس کے امراض کی نشاندہی اور اس کے علاج کے طریقوں پر قدرے روشنی ڈالیں گے۔

قلب کیا ہے؟

امام غزالی علیہ الرحمہ اپنی مشہور زمانہ کتاب احیاء علوم الدین میں قلب کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں: **اللحم الصنوبرى الشكل المودع فى الجانب الايسر من الصدر وهو لحم مخصوص فى باطنه تجويف وفى ذلك التجويف دم اسود هو منبع الروح ومعدنه**۔ قلب سینے کے بائیں جانب صنوبری شکل کا گوشت کا ایک لوتھڑا ہے جس کے اندر سیاہ خون ہوا کرتا ہے اور یہی قلب منبع روح اور سرچشمۂ حیات ہے۔ لیکن شریعت میں قلب کی اس تعریف اور مخصوص گوشت کی اس شکل سے کوئی بحث نہیں ہے۔ خود فرماتے ہیں: **ولسنا نقصد الآن شرح شكله وكيفيته اذ يتعلق به غرض الاطباء ولا يتعلق به الاغراض الدينية**۔ ہاں! دینی مقصد جس قلب سے متعلق ہے وہ قلب یہ ہے، **هو لطيفة ربانية روحانية لها بهذا القلب الجسمانى تعلق وتلك اللطيفة هى حقيقة الانسان وهو المدرك العالم العارف من الانسان وهو المخاطب والمعاقب والمعاتب والمطالب**۔۔۔ قلب وہ روحانی ربانی لطیفہ ہے جس کا تعلق اس قلب جسمانی سے ہے اور یہی لطیفہ انسان کی حقیقت ہے جو مدرک وعالم بھی ہے اور مخاطب ومعاتب بھی۔

دونوں تعریفات کی روشنی میں اس بات کا علم ہوتا ہے کہ قلب ہی سرچشمۂ حیات ہے اور قلب کا مقصود ومطلوب معرفت وادراک ہے لیکن اگر اشیاء کی معرفت کسی کو حاصل ہو اور اصل اشیاء اور حقیقت اشیا سے ناآشنا ہو تو درحقیقت قلب ابھی عارف نہیں ہے بلکہ یہ کہا جائے کہ ابھی معرفت کی ابتدا بھی نہیں ہوئی معرفت کی ابتدا سیر الی اللہ سے ہوتی ہے جس کے بے شمار درجے ہیں اور پھر سیر فی اللہ تک پہنچتی ہے۔ جو ایسا بحر متلاطم ہے جس کا نہ کوئی کنارہ ہے اور نہ جس کی گہرائی کی کوئی انتہا۔ جس شخص کا قلب حقائق اشیا سے روشناس ہو در اصل وہی **او من كان ميتا فاحييناه** کا مصداق ہے اور ایسے ہی اہل دل حضرات **و جعلنا له نوراً يمشى به فى الناس** کی صحیح تصویر ہیں۔ قرآن کریم انہیں لوگوں کے لیے **شفاء لما فى الصدور** ہے اب وہی وحی قدیم **الله نزل احسن الحديث كتابا متشابها مثانى** اس انداز سے ان کے قلوب پر نازل ہوتی ہے اور گھر کر جاتی ہے جیسے ابھی ابھی وحی کا نزول ہوا ہے جس کا ثمرہ اور نتیجہ **تقشعر منه جلود الذين يخشون ربهم ثم تلين جلودهم وقلوبهم الى ذكر الله** (زمر: ۲۳) کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے جو قلب سلیم کی علامت ہے اور اس کا حصول محض فضل خداوندی اور اس کی ہدایت ہے۔ اللہ ہم سب کو ایسی ہدایت اور توفیق دے کہ جب بھی کسی شے پر ہماری نگاہ ہو تو اس کی حقیقت ہمارے قلب ونگاہ میں اتر جائے۔

قلب سلیم اور قلب سقیم کی تعریف

قلب سلیم اس قلب کا نام ہے جو ایسی خواہش سے سلامت رہے جس میں اللہ کی ناپسندیدگی ہو، اس خبر کی تصدیق سے سالم رہے جو وحی الٰہی کے مناقض ومخالف ہو، اس فیصلے سے بیزار رہے جس کا شریعت سے ٹکراؤ ہو اور ایسی عبادت سے بچے جس میں غیر اللہ کا شائبہ ہو، گویا وہ شخص جس کی ساری توجہ فی اللہ ہو جس کی محبت للہ ہو، جس کے اعمال للہ ہوں، جس کا سونا اور جاگنا اللہ کے لیے ہو، جس کا نطق وسکوت اللہ کے لیے ہو، جس کی جلوت للہ اور جس کی خلوت مع اللہ ہو، جس کی ساری فکر اللہ کی رضا کے اردگرد گھوم رہی ہو وہی قلب سلیم رکھنے والا ہے اور کل قیامت کے دن ایسے ہی لوگ بامراد اور درجات کے مستحق ہوں گے۔ اللہ رب العزت کا فرمان ہے: يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّ لَا بَنُوْنَ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ۔ (شعراء: ۸۸) اس دن نہ مال کام آئے گا نہ بیٹے نفع دیں گے مگر وہ جو اللہ کے حضور سلامتی والے بے عیب دل کے ساتھ حاضر ہوا۔ (تو راہ خدا میں خرچ کیا گیا مال بھی کام آئے گا اور نیک اولاد بھی اسے نفع پہنچائے گی۔) سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں تعاهد قلبک لوگو! اپنے دلوں کی نگہبانی کرو کہیں وہ متکبر وسرکش تو نہیں۔

قلب سقیم: اس کے برعکس قلب سقیم کا معاملہ ہے جس میں وہی خواہشات اپنی جگہ بناتی ہیں جن سے اللہ ورسول نے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا ہے۔

قلب سقیم اور قلب سلیم کی علامات

دیکھنے میں قلب گوشت کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا ہے لیکن حقیقت میں اس کا حال سمندر کی مثل ہے جو ظاہراً سطح آب نظر آتا ہے لیکن حقیقت میں سمندر خود ایک عالم ہے جس کے اندر مختلف جانور، عجیب وغریب نباتات، دلکش جواہرات اور نہ جانے کتنی طلسماتی چیزیں ہیں جنہوں نے سمندر کا علم رکھنے والوں کو حیرت و استعجاب میں ڈال رکھا ہے۔ بالکل یہی حال قلب کا ہے قلب اگر مریض ہے تو اس کے اندر مختلف چیزیں جنم لیتی ہیں مثلاً غفلت، عمی، زیغ، قساوۃ، ریا، عجب، نفاق، حسد، لہو وغیرہ اور اگر قلب سلیم ہے تو اس کے اندر صفات حمیدہ کا بسیرا ہوتا ہے مثلاً نرمی، خشوع، خضوع، اخلاص، محبت الٰہی، تقویٰ، خوف ورجا، انابت الی اللہ اور ثبات بالحق وغیرہ۔

امراض کی تشخیص کیسے کریں؟

ہر چہار جانب سے شیطانی یلغار ہے اور شیطانی چال اتنی باریک ہے کہ ہم اپنے اندر چھپے ہزاروں عیوب کو عیب نہیں سمجھتے الا ماشاء اللہ، ہاں! بعینہ وہی عیوب اگر دوسروں میں موجود ہوں تو شیطان اسے ہمارے سامنے پیش کر دیتا ہے اور حد تو یہ ہے کہ عیب کے بجائے اس عیب دار سے ہمیں نفرت ہونے لگتی ہے عموما کہا جاتا ہے کہ دوسروں کی نگاہ میں پڑا تنکا ہمیں نظر آجاتا ہے لیکن خود اپنی آنکھ میں موجود شہتیر نظر نہیں آتی جب کہ عقل منداور دیندار وہ شخص ہے جو، ہر آن اپنا محاسبہ کرتا ہے اور اپنے عیوب پر مطلع ہو کر خوش ہوتا ہے، میں نے اکثر اپنے شیخ سے سنا ہے ''اگر کوئی تمہیں برا کہے تو برا مت مانو اگر وہ عیب تمہارے اندر موجود ہو تو اسے دور کرنے کی فکر کرو اور اس شخص کا شکریہ ادا کرو جس کے صدقے تمہیں اس عیب سے نجات پانے کی توفیق حاصل ہوئی۔ اور اگر واقعی تم اس عیب سے بری ہو تو الحمد للہ کہو کہ پاک وطیب اللہ نے تمہیں اس عیب سے پاک رکھا'' اگر ہم اپنے عیب اور اپنے اندر آئے دن بڑھنے والے امراض کی معرفت حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں ان چار طریقوں میں سے کسی ایک کی بھرپور رعایت کرنی چاہیے جن کو امام غزالی علیہ الرحمہ نے احیاء العلوم میں نقل فرمایا ہے ان میں سب سے اصل اور مؤثر پہلا طریقہ یہ ہے:

(۱) کسی صاحب بصیرت شیخ کی مجلس کا التزام کرے جو اسے پوشیدہ عیوب پر مطلع کرتا رہے، امام غزالی متوفی **۵۰۵ھ** نے اس طریقے کا ذکر فرمانے کے بعد اپنے زمانے کے احوال کو بیان کیا ہے وہ لکھتے ہیں: **وھذا قد عز فی الزمان وجودہ**۔ اس زمانے میں ایسی مجلس کا وجود شاذ و نادر ہے۔ پندرہویں صدی کی زہر آلود فضا میں سانس لینے والے ہر زیرک اور ہوش مند کے لیے امام غزالی کا یہ جملہ درس عبرت اور دعوت فکر ہے۔

(۲) دوسرا طریقہ یہ ہے کہ مخلص، باوفا اور دیندار شخص کو دوست بنا کر اسے اپنا محافظ و

رقیب بنالے جو اسے اس کے اخلاق رذیلہ اور افعال قبیحہ پر تنبیہ کرتا رہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: **لا خیر فیکم مالم تقولوا ولا خیر لی مالم اسمع**۔ اگر تم حق نہیں کہتے تو تمہارے اندر کوئی خیر نہیں اور اگر میں حق نہیں سنتا تو مجھ میں کوئی بھلائی اور خیر کی بات نہیں۔

(۳) تیسرا طریقہ یہ ہے کہ دشمنوں سے اپنے عیوب کی معرفت حاصل کرے کیونکہ دوست کی زبان تعریف سے خالی نہیں ہوتی، اس کی نگاہ اچھائیوں پر ہوا کرتی ہے، جب کہ دشمن کی نگاہ عیب تلاش کرتی ہے۔ اسی لیے اہل بصیرت، عیب جو، عیب بیں اور عیب گو دشمنوں سے بھی فائدہ حاصل کرتے ہیں۔

(۴) لوگوں سے مخالطت رکھے، لوگوں کے مابین رہ کر خیر وشر میں تمیز کرے اور جو چیز بری معلوم ہو اسے اپنی طرف منسوب کر کے دور کرنے کی کوشش کرے۔

حضرت عیسی علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ آپ نے کس سے ادب سیکھا؟ تو فرمایا کسی سے نہیں، **رأیت جھل الجاھل شیئا فاجتنبتہ**۔ بس میں نے جاہل کی جہالت دیکھی تو اپنے آپ کو جہالت سے بچانے لگا۔

ان تمام طریقوں کے تذکرے کے بعد امام غزالی فرماتے ہیں: **وھذا کلہ حیل من فقد شیخا عارفا ذکیا بصیرا بعیوب النفس مشفقا ناصحا فی الدین فارغا من تھذیب نفسہ مشتغلا بتھذیب عباد اللہ تعالیٰ ناصحا لھم فمن وجد ذلک فقد وجد الطبیب فلیلازمہ**۔

آخر الذکر تینوں طریقے ان لوگوں کے لیے ضروری ہے جنہیں عاقل وعارف، دانا و مشفق اور ناصح و خلیق شیخ حاصل نہ ہوا گر کسی کو شیخ صالح مل جائے تو اسے چاہیے کہ خاک در ہو جائے اور اس کی صحبت سے کبھی الگ نہ ہو۔

قلبی امراض اور ان کا علاج

ہم نے ماقبل میں ذکر کیا ہے کہ قلب خود ایک سلطنت ہے جس میں خیر وشر، عیب و ہنر، حسن وقبح ہر ایک کا وجود ہے، علامات کے ضمن میں امراض قلبیہ کا بھی قدرے تذکرہ ہم نے کیا ہے ان تمام امراض کی تباہ کاریاں پھر اس سے بچنے کی تراکیب وثمرات پر علیحدہ علیحدہ گفتگو کی جاسکتی ہے لیکن ہم یہاں پر ان امراض کا ذکر کرتے ہیں جو تمام برائیوں کی اصل ہے۔

شرح عقیدہ طحاویہ میں علامہ صدر الدین علی بن علی حنفی متوفی ۷۹۲ھ نے تحریر کیا ہے ''مرض قلب کی دو قسمیں ہیں۔ ایک مرض شہوت اور دوسری مرض شبہہ۔ مزید قلبی مرض کی علامت بتاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ قلبی مریض وہ ہے جو نفع بخش اور موافق غذاؤں اور دواؤں کو چھوڑ کر

مضر غذا اور مہلک دوا کا استعمال کرے۔ نفع بخش غذا اور شافی دوا کیا ہے؟ خود فرماتے ہیں: **انفع الاغذیة غذاء الایمان و انفع الادویة دواء القرآن و کل منهما فيه الغذاء و الدواء فمن طلب الشفاء فی غیر الکتاب و السنة فهو من اجهل الجاهلین و اضل الضالین۔** سب سے بہتر غذا ایمان اور سب سے اچھی دوا قرآن ہے اگر کوئی قرآن وسنت کو چھوڑ کر کسی اور سے شفا کا طالب ہے تو یہ اس کی سب سے بڑی ضلالت و جہالت ہے۔ کیونکہ خود اللہ رب العزت نے فرمایا: **قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّ شِفَآءٌ وَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّ هُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى۔** (فصلت: ۴۴)

اے محبوب مکرم! آپ فرمادیجیے کہ قرآن ایمان والوں کے لیے ہدایت بھی ہے اور شفا بھی اور جو ایمان نہیں لائے ان کے کانوں میں بہرے پن کا بوجھ ہے اور وہ ان پر نابینا پن ہے۔

ایک مقام پر پوری انسانیت کو صراحت کے ساتھ خطاب کر کے فرمایا: **يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ شِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ۔** (یونس: ۵۷)

اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت اور ان بیماریوں کی شفا آ گئی جو سینوں میں پوشیدہ ہیں۔

مولائے کائنات سیدنا علی مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے: **من اشتاق الی الجنة سلاعن الشهوات فی الدنیا۔** جسے جنت کی خواہش ہو اسے دنیاوی خواہشات سے الگ رہنی چاہیے تمام اہل علم و دانش کا اس بات پر اتفاق ہے: **ان النعیم لا یدرک الا بترک النعیم۔** نعمت دنیا کو ترک کیے بغیر نعمت عقبیٰ کا حصول نہیں ہو سکتا۔

حضرت شیخ سعد الدین خیرآبادی مجمع السلوک شریف میں لکھتے ہیں ''جو شخص شہوات و خواہشات کا بندہ ہوگا وہ حضرت حق تعالیٰ کا بندہ نہیں ہوگا حضرت حق کا بندہ وہ ہوگا جو شہوتوں اور آرزوؤں کو ایک گوشے میں ڈال کر مجاہدہ و مخالفت نفس کی تلوار اپنے ہاتھ میں لے لے۔ پیر دستگیر قطب عالم شاہ مینا قدس سرہ بارہا فرماتے کہ خواہش پرست سے مولیٰ پرستی نہیں ہو سکتی اور خود پرست خدا پرستی کی راہ پر نہیں چل سکتا۔ (مجمع السلوک، مترجم، ص ۳۶۲)

مزید ایک مقام پر لکھتے ہیں: **وقال صلی اللہ علیه وسلم الصوم جنة ولا بد للمجاهد مع النفس و الشیطان من جنة لا یصیبه سهام ابلیس فانه ماملأ وعاء شرا من بطن ابن آدم بحسب ابن آدم لقیمات یقمن صلبه و قال عیسی علیه السلام للحواریین اجیعوا بطونکم لعلکم ترون ربکم بقلوبکم۔** نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے روزہ ڈھال ہے۔ جو شخص نفس وشیطان کے ساتھ میدان کارزار میں نکلا ہو اس کے لیے ڈھال ضروری ہوتی

ہے تاکہ ابلیس ملعون کے تیر اس کو نہ لگیں۔ کیونکہ آدمی کا شکم ہی وہ ظرف ہے جو سب سے زیادہ برائیوں سے پر ہوتا ہے آدمی کا پیٹ بھر جانا ہی تمام برائیوں کی بنیاد ہے شکم سیری سے ہی تمام بلائیں پیدا ہوتی ہیں۔ آدمی کے لیے وہ چند لقمے ہی کافی ہیں جن کے ذریعے وہ اپنی پشت سیدھی رکھ سکے، نہ کھانا زیادہ کھائے اور نہ ہی بالکلیہ ترک کرے بلکہ اتنی مقدار میں کھائے کہ معدہ میں گرانی نہ ہو اور اس کی پشت کی ہڈیاں سیدھی رہ سکیں تاکہ طاعت بجالانے کی قوت بھی باقی رہے اور عبادت میں کاہلی بھی نہ ہو۔ حضرت عیسی علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے فرمایا ''اپنے شکم کو بھوکا رکھو شاید تم اپنے دل کی نگاہ سے اپنے رب کا دیدار کر سکو''۔ (مجمع السلوک، مترجم، زیر طبع، ص ۳۷۴)

امام غزالی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: قلب میں شیطان کے داخلے کا سب سے بڑا دروازہ غضب اور شہوت ہے کتاب کسر الشہوتین کے تحت لکھتے ہیں ابن آدم کے لیے سب سے مہلک، شہوت بطن ہے۔ اسی شہوت بطن کی وجہ سے حضرت آدم و حوا علیہما السلام جنت سے نکالے گئے۔ درحقیقت پیٹ ہی تمام شہوتوں کا سرچشمہ اور تمام بیماریوں اور آفتوں کا منبع ہے۔ شہوت شکم سے شہوت نکاح کو تحریک ملتی ہے پھر شہوت طعام و نکاح سے جاہ و مال کی رغبت پیدا ہوتی ہے اور جاہ و مال دونوں ایسی چیزیں ہیں جو منکوحات و مطعومات میں توسع کا ذریعہ بنتے ہیں مزید مال و جاہ کی کثرت سے رعونت، ایک دوسرے سے برتری اور حسد کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ پھر ریا، مفاخرت اور غرور جیسے عیوب جنم لیتے ہیں کینہ، حسد، بغض اور عداوت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک اچھا بھلا انسان، بغاوت، منکرات اور فواحش میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

○○○

تحقیق و تنقید

ڈاکٹر واحد نظیر

تعلیمات صوفیہ کی عصری معنویت

حبِّ الٰہی، اطاعتِ رسول، رضائے حق، اخلاصِ نیت، مشقتِ عبادت اور اخلاقِ حسنہ، تعلیماتِ صوفیا کی بنیادی عناصر ہیں۔

رحیم، کریم، غفار، ستار اور خالق، رازق ایسے اسما ہیں جن سے تمام صفاتِ الٰہیہ کی نمائندگی نہیں ہوتی۔ رحیم سے رحیمی، کریم سے کریمی، غفار سے غفاری اور اُسی طرح خالق اور رازق سے خلاقی و رزاقی گویا ایک نام سے صرف ایک صفت کی ترجمانی ہوتی ہے۔ لیکن اللہ وہ اسمِ اعظم ہے جس میں تمام صفات پنہاں ہیں۔ انسان خلیفتہ اللہ فی الارض یعنی روئے زمین پر اللہ کا خلیفہ ہے۔ صرف رحیم، کریم یا خالق و رازق کا نہیں۔ خلیفہ بہ معنی قائم مقام، جانشین اور نائب گویا انسان مخلوق ہوتے ہوئے بھی جملہ صفاتِ الٰہیہ کی نیابت کا مظہر ہے۔ سوال یہ اٹھتا ہے کہ بندہ نیابتِ الٰہی کے اس عظیم منصب کا فریضہ کس طرح انجام دیتا ہے؟ ذرا غور فرمائیں اللہ رحیم ہے لیکن آشفتہ حالوں کی دادرَسی کے لیے غیب سے دستِ رحیمی کو نمودار ہوتے ہوئے کسی نے نہیں دیکھا۔ اللہ رازق ہے لیکن بھوکوں کے منھ میں بہ ذاتِ خود نوالہ نہیں پہنچاتا۔ خالق ہے لیکن تخلیقی عمل سے بہ ظاہر انسان ہی انجام دیتا ہے۔ اس طرح جب انسان کسی کی دادرسی کرتا ہے تو وہ نیابتِ رحیمی سے نسبت پاتا ہے۔ جب بھوکوں کو کھانا کھلاتا ہے تو نیابتِ رزاقی کی نسبت کا اُسے شرف حاصل ہوتا ہے۔ یہی انسان جب جائز جسمانی تعلقات کی عملی منزلوں سے گزرتا ہے تو نیابتِ خلاقی سے نسبت اس کے حصے میں آتی ہے۔

یہی وہ نکتہ ہے جس پر کائنات کے ارتقا کی بنیاد قائم ہے اور خلیفتہ اللہ فی الارض کی نسبت کا سارا فلسفہ اسی میں پنہاں ہے۔ اب ایک سوال اور پیدا ہوتا ہے کہ ہر انسان اللہ کا خلیفہ ہے، پھر رحیمی کس کے لیے اور خلاقی کس کے لیے؟ دراصل یہ وہ اہم سوال ہے جس کی تلاش ہمیں انسانی درجات کی تعیین کے عیار و معیار اور انسان کے خدائی دعوے کی تکذیب کے ایمانی جواز سے

روشناس کرتی ہے۔ اس اجمال کی تفصیل کا پہلا رخ یہ ہے کہ ایک قلاش انسان جذبۂ استعانت کے سہارے رحیمی و کریمی کی نیابت تو کرسکتا ہے کہ اس فریضے کی انجام دہی میں مال ومنال سے محرومی رکاوٹ نہیں بنتی لیکن ایسا انسان نیابتِ رزاقی کا اہل نہیں ہوسکتا کیوں کہ وہ خورد ونوش کے وسائل سے محروم ہے۔ جب کہ ایک انسان اگر باثروت ہے تو وہ رحیمی و کریمی کے ساتھ رزاقی کی نیابت کا بھی اہل ہوسکتا ہے۔ گویا جو شخص جس درجہ صفاتِ الٰہیہ کا اہل، تَخَلَّقُوْا بِأَخْلَاقِ اللّٰهِ کی روشنی میں اخلاقِ الٰہیہ سے قریب اور اُسے بروئے عمل لانے پر اپنی زندگی میں قادر ہوگا، اس کے درجات بھی اسی قدر بلند ہوں گے۔

دوسرا رخ یہ کہ تمام صفاتِ الٰہیہ ایک انسان میں جمع نہیں ہوسکتیں اور کوئی انسان اللہ نہیں ہوسکتا۔ یہیں سے یہ راز بھی منکشف ہوتا ہے کہ قربتِ الٰہی کیا ہے اور پیرویِ شیطانی کیا ہے۔ جو انسان جتنی صفات کی نیابت کرے گا، وہ اتنا ہی مقرب ہوگا اور جو اہلیت کے باوجود نیابت سے جتنا منحرف ہوگا، اتنا ہی شیطنت سے قریب ہوگا۔ صوفیہ کرام کی تعلیمات کا بنیادی مقصد انسان کو اسی منصبِ نیابت پر فائز کرنا ہے۔ ظاہر ہے ایک انسان اپنے منصب کے شایان شان نمائندگی تب ہی کرسکتا ہے جب وہ منصبی تقاضوں سے آشنا ہو۔ ناآشنائی سے آشنائی کا یہی سفر اصلاً خود شناسی سے خدا شناسی کا سفر ہے۔ ظاہر ہے یہ سفر آسان نہیں۔ اس کی شرطیں ہیں، آداب ہیں، ضابطے ہیں۔ عرفانِ حق اس تعلیمی سفر کا ہدف ہے، عرفان ذات ہدف کے حصول کا ذریعہ ہے، عرفان ذات کا متلاشی آموزگار ہے، سالک استاذ ہے، قرآن واحادیث درسیات کا خاکہ ہیں، اسلام نصاب ہے اور خانقاہیں درس گاہ ہیں۔ اس نصاب میں تعلیم کا مقصد محض علم کا منتقل کرنا نہیں بلکہ طالب کو علم کے عملی پیکر میں تبدیل کرنا ہے۔

غور طلب ہے کہ تعلیم کی منصوبہ سازی کرتے ہوئے ہم سب سے پہلے خاکۂ درسیات مرتب کرتے ہیں۔ تعلیماتِ صوفیہ کے مخصوص تناظر میں قرآن واحادیث سے جو خاکۂ درسیات ترتیب پاتا ہے وہ ذاتی اور وقتی مقاصد سے ارفع اور زمان ومکان، قیود وحدود سے بلند تر ہے۔ اس کی افادیت دائمی اور آفاقی ہے۔

فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ (تم جدھر کا بھی رخ کرو ادھر ہی اللہ کا رخ ہے) وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ (وہ تمہارے ساتھ ہے، تم جہاں کہیں رہو) صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً وَنَحْنُ لَهٗ عَابِدُوْنَ (اللہ کا رنگ ہے اور کون ہے بہتر اللہ سے رنگنے والا اور ہم اللہ ہی کی عبادت کرنے والے ہیں) يَدُاللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ (اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے) وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (اور آپ نے نہیں پھینکا جب آپ نے پھینکا بلکہ اللہ نے پھینکا) مَنْ

عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ (جس نے اپنے آپ کو پہچانا، اس نے اپنے رب کو پہچانا) اَلْاِنْسَانُ سِرِّیْ وَأَنَاسِرُّهٗ (انسان میرا راز ہے اور میں اس کا راز ہوں) جیسے قرآن اور حدیث کے بلیغ کلام پر ایک نگاہِ تفصیل ڈالتے ہیں۔

حبِّ الٰہی، اطاعتِ رسول، رضائے حق، اخلاصِ نیت، مشقتِ عبادت وریاضت اور اخلاقِ حسنہ، تعلیماتِ صوفیہ کی بنیادی شرطیں ہیں۔ توبہ، ورع، زہد، فقر، صبر، مقام رضا اور توکل وغیرہ اس کے مقامات یا درجات ہیں۔ توبہ، شریعت وطریقت دونوں میں گناہوں سے بندے کا خلوص نیتی سے اس طرح تائب ہونا ہے کہ دوبارہ پلٹ کر گناہ کی طرف نہ جائے۔ خدائے رحیم نے دراصل يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ فرما کہ یہ احسان فرمایا ہے کہ معصیت آلود بندے کو جوارِ رحمت میں لوٹنے کے امکانات باقی رہیں۔ لیکن حضرت خواجہ غریب نواز کا قول ہے کہ بدترین شخص وہ ہے جو توبہ کی امید پر گناہ کرے۔ ورع یوں تو پرہیزگاری ہے لیکن اس کی حیثیت فرد کے جذبۂ احتیاط کے مطابق بدلتی رہتی ہے، مثلاً:

● عوام کا ورع یہ ہے کہ حلال اور جائز چیزوں سے بھی کسی شبہ کی بنیاد پر خود کو باز رکھیں۔

● خواص کا ورع ہر اس چیز سے بچنا ہے جسے قلب گوارا نہ کرے۔ حدیث میں ہے کہ گناہ وہ ہے جو تیرے دل میں کھٹکے۔

● خاص الخواص کا ورع یہ ہے کہ ہر اس چیز سے پرہیز کرے جو اللہ تعالیٰ سے دور کرنے والی ہو۔

صوفیہ کرام اسی جذبے کے تحت علائقِ دنیوی سے خود کو محفوظ رکھنے کی تعلیم دیتے ہیں۔ زہد دنیوی خواہشات ولذات کو ترک کرنا ہے، اس کے بھی کئی طبقات ہیں، مثلاً:

محض خواہشاتِ دنیوی کا ترک کرنا زہد کا ادنیٰ درجہ ہے۔ ارفع یہ ہے کہ دنیا ملکیت میں ہو، اور یہ یقین بھی کہ اللہ کے یہاں ان کے مقام میں کوئی کمی نہ ہوگی تب بھی وہ دنیا کی طرف نظر اُٹھا کر نہ دیکھے۔

دنیوی ساز وسامان سے روگردانی کا یہی جذبہ فقر کے زیور سے آراستہ کرتا ہے۔ اللہ کے رسول نے الفقر فخری فرما کر اسی فقر کی عظمت کو ظاہر کیا ہے۔ فقر کے بھی الگ الگ درجات ہیں۔ فقرِ عوام، فقرِ خواص اور فقرِ خاص الخواص۔

تعلیماتِ صوفیہ کا ایک نہایت اہم سبق صبر ہے۔ یہ ارفع اور اعلیٰ منزل ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِیْنَ فرما کر اللہ نے ان کے مرتبے کو ظاہر کیا ہے۔ ادنیٰ صبر یہ ہے کہ تکلف کے ساتھ صبر کرے یعنی کبھی صبر پر قائم رہے اور کبھی صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹ بھی جائے۔ ایسے لوگ متصبّر کہلاتے ہیں۔ صابر وہ ہیں جو اللہ کے لیے صبر کرتے ہیں وہ کسی بھی حال میں اپنے آلام کا اظہار نہیں کرتے لیکن ممکن ہے کہ وہ مصائب سے نجات کے لیے اللہ سے فریاد گزار ہوجائیں۔ صبر کی

جوانتہائی منزل ہے، وہ یہ ہے کہ چاہے کچھ بھی ہوجائے ان کا ظاہر و باطن غیر متزلزل رہتا ہے اور وہ اپنی زبان پر اُف تک نہیں لاتے۔ ایسے لوگ صبّار کہلاتے ہیں۔ سیدنا عالی مقام حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقا اس کی بہترین مثال ہیں۔ اس کے بعد کی منزل رضا ہے۔ اپنے اختیارات سے دست بردار ہونا اور اللہ کی مرضی پر مسرور و مطمئن ہونا رضا ہے۔ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ یعنی اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی ایسے لوگوں کا انعام ہے۔ توکّل اس کے بعد کا مرحلہ ہے۔ صوفیہ کے نزدیک تمام معاملات اللہ پر ہی چھوڑ دینا توکّل عام ہے۔ توکلِ خاص یہ ہے کہ دنیا کی ساری لذتوں سے محرومی اور نفس کی موت متوکل کا شعار بن جائے۔ توکلِ خاص الخواص یہ ہے کہ متوکل اپنے وجود کو اس طرح وقف کردے کہ وجود بے نشاں ہوجائے اور اللہ کی ذاتِ لم یزل کے سوا کچھ محسوس نہ ہو۔

ان تعلیمات پر غور کریں تو حبِ الٰہی، اتباعِ رسول، خوفِ آخرت، تزکیۂ نفس، خدمتِ خلق اور مساوات کے مقاصد پنہاں نظر آئیں گے۔ ان تعلیمات کی عصری معنویتوں کا صحیح اندازہ تب ہی ہوسکتا ہے جب موجودہ عہد میں مروجہ تعلیمات کے مثبت اور منفی پہلوؤں پر ہماری نگاہ ہو۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جدید علوم کی فیض رسانیوں اور برکتوں نے انسانی ترقیات کے ہزارہا دروازے وا کیے۔ لوہا جیسے بے جان مادے کو چلنے پھرنے، دوڑنے، اڑنے یہاں تک کہ بولنے کی بھی صلاحیت حاصل ہوگئی۔ یہ موجودہ علوم کا ہی فیضان ہے کہ انسانوں نے چاند پر کمندیں ڈالیں، ہواؤں کو مسخر کیا، سمندر کے سینے میں اپنا مسکن بنایا اور آگ کو اپنے اشاروں کے تابع کیا۔ لیکن ان سب کے باوجود یہ اعتراف بھی کرنا پڑتا ہے کہ علومِ جدیدہ کی یہ حیرت انگیز حصولیابیاں انسانی ترقیات کی وہ داستان ہے جو مادہ سے شروع ہوتی اور مادیت پر ختم ہوتی ہے۔ اس کے برعکس تعلیماتِ صوفیہ کے نتائج و اثرات پر غور کریں تو یہ منکشف ہوگا کہ پانی، مٹی، آگ اور ہوا کی تسخیر یہاں بھی ہوئی لیکن یہ تسخیری عمل نہ مادے کا محتاج ہے اور نہ ہی ان پر مادیت غالب آسکی۔

جہاں تک مروجہ تعلیم کے منفی نتائج کا تعلق ہے تو یہ رائے قائم کرنے میں ذرا بھی تامل نہیں ہوتا کہ ان علوم سے انسان نے جس قدر ترقی کی بلندیاں حاصل کیں، اسی قدر انسانیت تنزل کے دلدل میں دھنستی چلی گئی۔ جسم نکھرتا گیا، روح بکھرتی گئی۔ ظاہر روشن ہوتا چلا گیا اور باطن تاریک۔ جذبات پسِ پشت چلے گئے، رشتے بے معنی ہوگئے۔ انسانی وجود مشینی سلطنت میں تبدیل ہوگیا۔ ہستی مادی خواہشوں کے قلم رو کی تابع ہوگئی۔ لوہے کی اڑانیں قوموں اور ملکوں کے پرخچے اڑانے کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ سمندر کے مکینوں نے سمندر کو ایسی کمین گاہ میں تبدیل کردیا کہ انسانی تاریخ بلبلا اٹھی۔ فنا پذیر انسان اپنی ٹکنالوجی اور اقتصادی ترقی کے فریب میں آکر زعمِ باطل کا شکار ہوگیا۔

توحّد سے فرار نے اسے کب توحّش کا شکار بنادیا، خبر بھی نہ ہوئی۔ آج کے انسان کا ناقص علم ہی انسانیت کے لیے عفریت بن گیا ہے۔ عناد، تفریق، تعصب، نفرت، ہوس، بداخلاقی، خودغرضی، مفاد پرستی، بدعملی، بدکاری، بے حیائی جیسی برائیاں ترقی یافتہ ہونے کی ضمانت دار بن گئیں۔ عیاری اور مکاری کو ذہانت و فطانت، شرافت کو بے وقوفی، خودغرضی اور مفاد پرستی کو دور اندیشی اور چالاکی، بدکاری کو جمالیات پسندی، بے حیائی کو روشن خیالی جیسے پُرفریب نام دیے گئے۔ غلط کی پہچان نہ ہونا جہالت ہے۔ غلط سمجھ کر اس کا مرتکب ہونا غفلت ہے لیکن غلط کو صحیح ثابت کرنا سرکشی اور شیطانی فعل ہے۔ آج ہم علمِ ناقص کا سہارا لے کر غلط کو صحیح ثابت کرنے کی تاویلات پیش کرنے میں ماہر ہوچکے ہیں۔ یہ ایسا فعل ہے جو انسان کو سچائی کی طرف لوٹنے نہیں دیتا اور انجام اضطراب ہے، بے چینی ہے۔ ہم کانٹے کو پھول تو ثابت کرسکتے ہیں لیکن اس کی چبھن کو فرحت آمیز نہیں بنا سکتے۔ اندھیرے کو روشنی سے تعبیر کرسکتے ہیں لیکن اندھیرے کے دامن میں چھپی ہوئی بے سمتی ہمیں منزل آشنا نہیں کرسکتی۔ اب پھول قرار دیے گئے کانٹوں کی چبھن اور روشنی سے تعبیر کی گئی ظلمت کی بے سمتی ابنِ آدم کے لیے وبالِ جان بن چکی ہے۔

ایسی صورتِ حال میں مذہب عموماً اور تصوف خصوصاً انسانی بقا کا سامان فراہم کرسکتا ہے۔ آپ یہ سوال اٹھا سکتے ہیں کہ مذہب عموماً کیوں اور تصوف خصوصاً کیوں۔ جواب ہم اس مثال سے حاصل کرسکتے ہیں کہ مذہب ایک ایسے باغ کی طرح ہے جہاں ہر مرض کے لیے جڑی بوٹی موجود ہے جب کہ تصوف اس مذہبی باغ کی وہ کیاری ہے جہاں صوفیہ کرام نے ایسے پودے الگ کردیے ہیں جو تواضع، انکسار، خوش خلقی، ملنساری، اخلاص، علمِ باعمل، پردہ پوشی اور ہمدردی جیسی قوتوں کو بحال کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ تعلیماتِ صوفیہ کے نوری سرچشمے سے روشنی حاصل کرکے موجودہ اور مروجہ تعلیمات کو اعتدال اور توازن کی تابانی عطا کی جائے تاکہ انسانی ترقی کی تاریخ کا چہرہ انسانیت کی موت کے بدنما داغ سے محفوظ و مامون رہ سکے۔

○○○

کیا تصوف شریعت کے مخالف ہے؟

عصرِ حاضر کی ترقیاں ہمارے گھروں کے درودیوار کو روشن کر سکتی ہیں مگر ہمارے دل کی تاریکیوں کو روشنی میں تبدیل نہیں کر سکتیں۔ نت نئے ایجادات جہاں انسان کی معلومات میں اضافے، آسائشیں اور راحتیں فراہم کر سکتی ہیں وہیں روحانیت و اخلاقیات میں شدید تنزل و انحطاط پیدا کر کے انسان کو انسانیت اور آدم کو آدمیت کے مقام سے قعرِ عمیق میں گرا سکتی ہیں۔ عصری ایجادات ظاہری سکون و قرار کا باعث ہو سکتی ہیں لیکن روحانی و قلبی چین و سکون نہیں پہنچا سکتیں۔ ہاں انسان کو انسانیت کا صحیح مقام بتاتے اور اس اشرف المخلوق کو اپنی اشرفیت کا احساس دلاتے ہوئے جو روحانی روحانی و قلبی سکون کی غذا فراہم کر سکتی ہے اور اسے بہیمیت کے جنگلات سے نکال کر نخلستانِ قوتِ ملکیہ کی راہ سے جو چیز روشناس کر سکتی ہے وہ تصوف ہے، جس کی اہمیت ہر دور، ہر عہد اور ہر زمانے میں رہی ہے اور آج اس کی کس قدر ضرورت ہے کسی پر مخفی نہیں۔ کیوں کہ تصوف ہی ہے جو انسان کو اپنی عبادات، عادات اور معاملات میں حضورِ قلب رکھتے ہوئے اس تصور کے ساتھ زندگی گزارنے کا درس دیتا ہے کہ اگر ہم خدا کو نہیں دیکھ سکتے تو ہمارا خدا ہمیں ضرور دیکھ رہا ہے۔

آج اس کی جس شدت کے ساتھ ضرورت ہے اسی قدر اس کی مخالفت کی بھی صدائیں بلند ہو رہی ہیں۔ کہیں سے آواز اٹھ رہی ہے کہ تصوف، اسلام کے مخالف ہے تو کہیں سے یہ صدائے بازگشت آرہی ہے کہ اس کا وجود زمانہ نبوی ﷺ میں نہ تھا اور اگر تھا تو اس کے لیے "تصوف" کا نیا لفظ کیوں؟ جو نہ کتاب اللہ میں موجود ہے اور نہ عامہ کتبِ حدیث میں اس کا وجود۔

لیکن تصوف کا بہ نظرِ عمیق مطالعہ کرنے سے تصوف پر کیے جانے والے تمام اعتراضات کی کمزوری خود بہ خود روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے۔ اس مختصر مقالے میں تعلیماتِ تصوف اور تصوف کے متعلق اسلافِ متقدمین و متاخرین کے اقوال پیش کیے جارہے ہیں جس کے مطالعہ کے بعد یہ فیصلہ

آسان ہو جائے گا کہ معترضین کے اعتراضات کس حد تک درست ہیں۔

تعلیماتِ تصوف کی ایک لمبی فہرست ہے جس کی یہاں گنجائش نہیں اس لیے ان میں سے توکل، تقویٰ، توبہ، اخلاص، خوف، صبر، صدق پر مختصر روشنی ڈالی جارہی ہے۔

توکل

اپنی تمام تر محنت و مشقت، جد و جہد اور سعی و کوشش کے بعد نتائج اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دینا توکل ہے۔ اگر کوئی عبادتوں میں خوب محنت کرے لیکن اپنی کامیابی کے لیے اللہ تعالیٰ پر توکل نہ کرے اور اپنے شب و روز کی عبادتوں پر نازاں و فرحاں رہے تو اس کی یہ عبادت اس کے کچھ کام نہ آئے گی۔ قرآن و احادیث میں بھی اس کی جا بہ جا تعلیم موجود ہے۔

توکل اور قرآن: چناں چہ اللہ تعالیٰ قرآنِ مجید میں ارشاد فرماتا ہے: "وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ" (۱) ترجمہ: بھروسہ کرو اس زندہ پر جو نہیں مرے گا۔ دوسری جگہ ارشاد فرماتا ہے: "وعلی اللہ فلیتوکل المؤمنون" (۲) ترجمہ: اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے ایک جگہ اس انداز میں توکل کی تعلیم ہے: "وعلی اللہ فتوکلوا ان کنتم مؤمنین" (۳) ترجمہ: اور اللہ ہی پر بھروسہ کرو اگر تمہیں ایمان ہے۔ نیز یہ طرزِ بیان ملاحظہ فرمائیں: "ان اللہ یحب المتوکلین" (۴) ترجمہ: بے شک توکل والے اللہ کو پیارے ہیں۔

توکل اور حدیث: حضور نبی کریم ﷺ نے بھی اپنی امت کو توکل کی تعلیم و تلقین کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: "لو انکم تتوکلون علی اللہ حق توکلہ لرزقکم کما یرزق الطیر تغدو خماصاً و تروح بطاناً" (۵) ترجمہ: اگر تم اللہ پر کما حقہ بھروسہ کرو تو وہ تمہیں اس طرح روزی دے گا جیسے وہ پرندوں کو دیتا ہے وہ صبح بھوکے نکلتا ہے اور شکم سیر ہو کر لوٹتا ہے۔

اتنا ہی نہیں، بلکہ توکل کو سرکارِ مدینہ ﷺ نے اپنا اوڑھنا بچھونا بنا رکھا تھا۔ آپ کوئی بھی کام کرتے تو اللہ تعالیٰ ہی پر توکل فرماتے اور لوگوں کو بھی اس کی تعلیم فرماتے حتیٰ کہ گھر سے نکلتے وقت بھی توکلت علی اللہ پر زور دیتے۔ چناں چہ آپ فرماتے ہیں: "اذا خرج الرجل من بیتہ فقال بسم اللہ توکلتُ علی اللہ لا حول و لا قوۃ الا باللہ" (۶) ترجمہ: جب مرد اپنے گھر سے نکلے تو کہے: اللہ کے نام سے شروع، میں نے اللہ ہی پر بھروسہ کیا، گناہ سے پھرنا اور نیکی کی قوت اللہ کی مدد کے بغیر ممکن نہیں۔

تصوف اور توکل: تعلیماتِ تصوف میں سب سے نمایاں اور اہم توکل ہے بلکہ اگر یوں کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کہ توکل درحقیقت تصوف کا دوسرا نام ہے۔ قرآن و حدیث میں توکل کی تعلیم مذکور ہوئی۔ تصوف میں توکل کو کیا درجہ حاصل ہے اور اہلِ تصوف توکل کے متعلق کیا فرماتے ہیں

،ملاحظہ فرمائیں۔حضرتِ امام قشیری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:"**ان التوکل محله القلب و الحرکة بالظاهر لا تنافی التوکل بالقلب**"(۷) ترجمہ: توکل کا مقام دل ہے اور ظاہری حرکت توکل کے منافی نہیں۔

حضرتِ بشر حافی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:"**یقول احدهم: توکلت علی الله و یکذب علی الله، لو توکل علی الله لرضی بما یفعله الله به**"(۸) ترجمہ: کوئی کہتا ہے: میں نے اللہ تعالیٰ پر توکل کیا لیکن جھوٹا دعوی کرتا ہے، اگر وہ اللہ پر توکل کرتا تو اللہ تعالیٰ کے ہر فعل پر راضی رہتا۔

حضرت یحییٰ بن معاذ سے پوچھا گیا کہ آدمی متوکل کب ہوتا ہے تو آپ نے فرمایا:"**اذا رضی بالله تعالیٰ وکیلا**"(۹) ترجمہ: جب وہ اللہ تعالیٰ کے کارساز ہونے پر راضی ہو جائے۔

حضرت ابو عبد اللہ قرشی سے توکل کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا:"**التعلق بالله تعالیٰ فی کل حال، فقال السائل: زدنی، فقال: ترک کل سبب یوصل الیٰ سبب حتیٰ یکون الحق هو المتولّی لذلک**"(۱۰) ترجمہ: توکل ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے رشتہ قائم رکھنا ہے، سائل نے عرض کیا: مزید کچھ فرمائیے، فرمایا: ہر اس سبب کو ترک کر دینا جو وصول الی اللہ میں رکاوٹ ہو۔

امامِ غزالی فرماتے ہیں: قوت وضعف کے اعتبار سے توکل کے تین درجات ہیں:

(۱) پہلا درجہ یہ ہے کہ انسان کا اللہ تعالیٰ اور اس کی کفالت وعنایت پر اس طرح اعتماد ہو جس طرح اپنے وکیل پر ہوتا ہے۔

(۲) دوسرا درجہ اور یہ اقویٰ ہے کہ اس کا حال اللہ کے ساتھ ایسا ہو جیسے بچے کا اپنی ماں کے ساتھ ہوتا ہے کہ اس کے سوا کسی کو نہیں پہچانتا اور اس کے سوا کسی کی پناہ نہیں لیتا اور اسی پر اعتماد کرتا ہے لہٰذا جب اسے دیکھتا ہے تو اس کے دامنِ (شفقت) سے لگ جاتا ہے اور اس سے الگ نہیں ہوتا اور اس کی غیر موجودگی میں کوئی معاملہ پیش آئے تو سب سے پہلے اپنی ماں کو آواز دیتا ہے اور اس کے دل میں پہلا خیال اپنی ماں کا گزرتا ہے، کیوں کہ وہ اس کی پناہ گاہ ہے کہ وہ اس کی کفالت، کفایت اور شفقت پر بھروسہ کرتا ہے،۔۔۔تو جس کا خیال اللہ تعالیٰ کی طرف ہو اور اسی پر نظر ہو اور اسی پر بھروسہ ہو کہ وہ اس (اللہ تعالیٰ) کا عاشق زار ہو جائے جس طرح بچہ اپنی ماں کا عاشق ہوتا ہے۔تو وہ سچا متوکل ہوگا کیوں کہ بچہ اپنی ماں ہی پر اعتماد کرتا ہے۔

(۳) تیسرا درجہ یہ سب سے بڑھ کر ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی حرکات وسکنات میں غسل دینے والے کے سامنے میت کی طرح ہو کہ وہ (بندہ) خود کو ایسا مردہ سمجھے جسے قدرتِ ازلیہ ہی حرکت دے سکتی ہے جیسے میت کو غاسل کا ہاتھ ہی حرکت دے سکتا ہے۔(۱۲)

تقویٰ

دنیا وآخرت کی بھلائیوں کے حصول کا بہترین ذریعہ تقویٰ ہے۔تقویٰ مشکلات سے نجات، رزق میں فراخی اور مہمّات میں آسانی کا باعث ہے۔تقویٰ وہ وصف ہے جو بنی نوعِ انسانی کے لیے بارگاہ خداوندی میں محبوبیت ومقبولیت اور اکرام واعزاز کا معیار ہے۔قرآن مجید میں ہے:"انّ اکرمکم عند اللّٰه اتقٰکم"(۱۲) ترجمہ: بے شک اللہ کے یہاں، تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے۔اس کے علاوہ متعدد مقامات پر مختلف انداز میں اس کا درس ملتا ہے۔جیسا کہ ذیل کی آیات سے واضح ہے۔

تقویٰ اور قرآن: (۱)"یٰاَیّھا الّذین اٰمنوْا اتّقوْا الله حقّ تقٰته"(۱۳) ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔

(۲) "یٰاَیّھا الّذین آمنوْا اتّقوا الله و قوْلوْا قولاً سدیداً"(۱۴) اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سیدھی بات کہو۔

نیز تقویٰ شعاری پر قرآن کریم میں بشارتیں بھی آئیں ہیں۔چناں چہ ارشادِ ربانی ہے: "انّ الله یحبّ المتّقین"(۱۵) ترجمہ: بے شک پرہیزگار، اللہ کے محبوب ہیں۔ایک جگہ تقویٰ کو ذریعہ نجات قرار دیتے ہوئے فرمایا:"و من یتّق الله یجعل له مخرجاً و یرزقْه من حیث لا یحتسب"(۱۶) ترجمہ: اور جو اللہ سے ڈرے، اللہ اس کے لیے نجات کی راہ نکال دے گا اور اسے وہاں سے روزی دے گا جہاں اس کا گمان نہیں۔دوسری جگہ تقویٰ کو قبولیتِ اعمال کا سبب بتایا جیسا کہ فرمایا:"انّما یتقبّل الله من المتّقین"(۱۷) ترجمہ: اللہ اسی سے قبول کرتا ہے، جسے ڈر ہے۔مزید فرماتا ہے:"انّ المتّقین فی مقامٍ امینٍ"(۱۸) ترجمہ: بے شک متقین امان کی جگہ میں ہے۔

تقویٰ اور حدیث: پیارے آقا ﷺ کی زبانِ مبارک سے نکلے ہوئے ان مقدس کلمات کو بھی ملاحظہ فرمائیں جن میں آپ نے اس عظیم صفت کو اپنانے کی تاکید فرمائی۔چناں چہ حضرت ابو طریف عدی بن حاتم طائی فرماتے ہیں:"**سمعتُ رسول الله ﷺ یقول: من حلف علیٰ یمین ثمّ رایٰ اتقیٰ لله منها فلیأْت التقویٰ**"(۱۹) ترجمہ: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: جس نے کسی بات پر قسم کھائی پھر وہ اس سے زیادہ پرہیزگاری کی بات دیکھے تو وہ پرہیزگاری (والا عمل) اختیار کرے۔

اللہ کے پیارے حبیب ﷺ خود بھی دعاؤں میں اللہ تعالیٰ سے تقویٰ کا سوال کرتے اور عرض کرتے:"**اللّٰھمّ انّی اسالک الھدیٰ و التقیٰ و العفاف و الغنیٰ**"(۲۰) ترجمہ:

اے اللہ! میں تجھ سے ہدایت، پرہیز گاری (تقویٰ) پاک دامنی اور (لوگوں سے) بے نیازی کا سوال کرتا ہوں۔

تقویٰ اور تصوف: اہلِ تصوف کے نزدیک تقویٰ کیا ہے اس کی اہمیت کیا ہے اور اس کے حصول کا کیا طریقہ ہے، ملاحظہ فرمائیں۔ حجۃ الاسلام امامِ غزالی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”التقوی: ھو اجتناب کل ماتخاف منہ ضرراً فی دینک“ (۲۱) ترجمہ: ہر اس چیز سے بچنے کا نام تقویٰ ہے جس سے تجھے اپنے دین میں نقصان پہنچنے کا خوف واندیشہ ہو۔

تقویٰ کی اہمیت وفضیلت کے بارے میں امام غزالی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

تقویٰ ایک نادر خزانہ ہے اگر آپ اس خزانے کو پا لینے میں کامیاب ہو گئے تو اس میں بیش قیمت موتی وجواہرات، علمی وروحانی دولت، پاکیزہ رزق، بڑی کامیابی، بہت بڑی غنیمت اور ملکِ عظیم (جنت) کے مالک بن جائیں گے، یوں سمجھئے کہ دنیا وآخرت کی بھلائیاں تقویٰ میں جمع کر دی گئی ہیں۔ آپ ذرا قرآنِ حکیم میں غور تو کریں کہ کہیں ارشاد فرمایا: اگر تم تقویٰ اختیار کرو گے تو ہر قسم کی خیر وبرکت کے مالک بن جاؤ گے۔ کہیں تقویٰ اختیار کرنے پر اجر وثواب کے وعدے فرمائے گئے ہیں اور کہیں فرمایا گیا کہ سعادت کا ذریعہ تقویٰ وپرہیز گاری اختیار کرنا ہے۔ (۲۲)

اور تقویٰ وپرہیز گاری کے حصول کی راہ کی طرف رہنمائی یوں فرماتے ہیں: تو نفس پر پورے عزم وثبات سے قابو پا کر اسے ہر معصیت اور ہر طرح کے فضول (حلال) سے دور رکھے۔ ایسا کرنے سے تیری آنکھ، کان، زبان، دل، پیٹ، شرم گاہ، اور باقی جملہ اعضا اور اجزائے بدن میں تقویٰ پیدا ہو جائے گا اور نفس تقویٰ کے لگام میں اچھی طرح آ جائے گا۔۔۔ (پھر چند سطروں کے بعد تحریر فرماتے ہیں) جو تقویٰ اختیار کرنا چاہے تو وہ (اپنے) اعضائے خمسہ کی حفاظت کرے، اس لیے کہ یہی اصل ہیں، اور وہ آنکھ، کان، زبان، دل، پیٹ ہیں تو وہ نفس کو ان (پانچ چیزوں) سے بچانے پر کوشاں رہے دین کو ضرر ونقصان سے بچانے کے لیے ان مذکورہ پانچ اعضا (آنکھ، کان، زبان، دل، پیٹ) کو ہر معصیت، ہر حرام، ہر فضول حلال اور ہر اسراف سے حفاظت میں رکھنا ضروری ہے، جب ان اعضا کی حفاظت ہو گئی تو امید ہے کہ بدن کے باقی اعضا بھی محفوظ ہو جائیں گے اور بندہ مکمل طور پر تقویٰ کی صفت سے موصوف ہو جائے گا۔ (۲۳)

توبہ

گناہوں کی آلودگی سے احکامِ الٰہی کی اطاعت وپیروی کی طرف ظاہری وباطنی طور پر رجوع کا نام توبہ ہے۔ قرآنِ کریم میں اس کے وجوب، اس کی فضیلت اور اس کے ثمرہ کو دلنشیں پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے۔

توبہ اور قرآن: مثلاً اس کے وجوب کے متعلق خدائے تعالیٰ نے فرمایا: ”استغفروا ربکم ثمّ توبوا الیہ“ (۲۴) ترجمہ: اپنے رب سے مغفرت چاہو اور توبہ کرو۔ توبہ وہی مقبول ہے جس میں بندہ مخلص ہو ورنہ صرف زبانی توبہ بے سود ہے، اس کی طرف اشارہ فرمایا: ”یٰایّھا الّذین آمنوا توبوا الی اللہ توبۃً نصوحاً“ (۲۵) ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ کی طرف ایسی توبہ کرو جو آگے کو نصیحت ہو جائے۔ توبہ کی اہمیت اس سے اور واضح ہوتی ہے کہ توبہ دارین میں فلاح ونجات سے ہمکنار کرنے کا ضامن ہے۔ چناں چہ آیت میں ہے: ”وتوبوا الی اللہ جمیعاً ایّہ المؤمنون لعلّکم تُفلحون“ (۲۶) ترجمہ: اور اللہ کی طرف توبہ کرو، اے مسلمانو! سب کے سب اس امید پر کہ تم فلاح پاؤ۔

توبہ اور حدیث: حدیثِ رسول ﷺ میں بھی توبہ کی فضیلت وعظمت اور ترغیب وتحریض پُر زور طرز میں بیان کی گئی ہے چناں چہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا:

”للہ اشدّ فرحاً بتوبۃ عبدہ حین یتوب الیہ من احد کم کان علیٰ راحلتہ بارضِ فلاۃٍ، فانفلتت منہ وعلیھا طعامہ وشرابہ فأیس منھا، فاتیٰ شجرۃً، فاضتجع فی ظلّھا، وقد ایس من راحلتہ، فبینماھو کذلک اذھو بھا قائمۃ عندہ، فاخذ بخطامھا وقال من شدۃ الفرحِ، اللّھمّ انت عبدی وانا ربک، أخطا من شدۃ الفرح“۔

ترجمہ: جب تم میں سے کوئی اللہ تعالیٰ (کی بارگاہ میں اپنی گناہوں) سے توبہ کرتا ہے تو وہ اپنے بندے سے اس شخص سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جو کسی بے آب وگیاہ میدان میں اپنی سواری پر ہو کہ اس کی سواری گم ہو جائے اور اسی پر اس کا کھانا اور پانی ہو، پھر وہ ناامید ہو کر ایک درخت کے پاس آئے اور اس کے سایہ میں لیٹ جائے جبکہ وہ اپنی سواری سے ناامید ہو چکا ہو، اور وہ اسی حالت میں ہو کہ سواری اس کے سامنے آ کھڑی ہو، پھر وہ اس کی لگام پکڑ کر مارے خوشی کے کہہ پڑے: اے اللہ! تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب، شدتِ خوشی میں اس سے غلطی ہو جائے۔ (۲۷)

نیز توبہ کی اہمیت اس وقت مزید واضح ہو جاتی ہے کہ ہمارے آقا نبی کریم ﷺ گناہوں سے محفوظ ہونے کے باوجود رب تعالیٰ کی بارگاہ میں خوب خوب توبہ کرتے حتیٰ کہ دن میں ستر اور بعض روایت کے مطابق سو مرتبہ توبہ کرتے۔ چناں چہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کا فرمانِ عالیشان روایت فرماتے ہیں: ”واللہ انّی لاستغفر اللہ واتوب الیہ فی الیوم اکثر من سبعین مرۃً“ (۲۸) ترجمہ: (رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں) اللہ کی قسم! میں دن میں ستّر مرتبہ سے زیادہ اللہ سے بخشش چاہتا ہوں اور اس کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں۔

توبہ اور تصوف: قرآن وحدیث سے توبہ کی اہمیت، فضیلت اور اس سے حاصل ہونے

والے ثمرہ کی وضاحت کے بعد اب توبہ کے متعلق اہلِ تصوف کی آرا ملاحظہ فرمائیں کہ ان کے یہاں توبہ کا کیا مفہوم ہے؟ کیا درجہ ہے؟ اور توبہ کی کیا تعلیم ہے؟ حضرت امام قشیری رضی اللہ عنہ اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''رسالہ قشیریہ'' میں توبہ کی تعریف کرتے ہیں: **''فالتوبة الرّجوع عمّا کان مذموماً فی الشّرع الیٰ ماھو محمود فیه''**۔(۲۹) ترجمہ: توبہ (نام ہے) جو شرع میں برا ہے اس سے اس کی طرف رجوع کرنا جو شرع میں پسندیدہ ہے۔

توبہ کے شرائط کے بارے اہلِ سنت و جماعت کے اربابِ اصول کا قول نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں: بصحت توبہ کی شرط تین ہیں۔

(اول) مخالفاتِ شرعیہ (اشیاء) پر نادم ہونا جنہیں انجام دیا۔

(دوم) فی الحال لغزشوں کا ترک۔

(سوم) ان معاصی کو دوبارہ نہ کرنے کا پختہ ارادہ کرنا جنہیں کیا۔(۳۰)

حضرتِ ذوالنون نے فرمایا:

''حقیقة التوبة ان تضیق علیک الارض بما رحبت، حتّٰی لا یکون لک قرار، ثم تضیق علیک نفسک''۔(۳۱) ترجمہ: حقیقتِ توبہ یہ ہے کہ روئے زمین اپنی فراخی کے باوجود تجھ پر اس قدر تنگ ہوجائے کہ تجھے قرار نہ آئے، پھر تیرا نفس تجھ پر تنگ ہوجائے۔

حضرتِ ابنِ عطا نے توبہ کی دو قسمیں (۱) توبة الانابه (۲) توبة الاستجابه کیں اور ان کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: **''فتوبة الانابة: ان یتوب العبد خوفاً من عقوبتة۔ و توبة الاستجابة: ان یتوب حیاءً من کرمه''**۔(۳۲) توبہ انابت یہ ہے کہ بندہ اس (اللہ تعالیٰ) کی سزا کے خوف سے توبہ کرے۔ اور توبہ استجابت یہ ہے کہ بندہ اس کی مہربانی سے شرم کے سبب توبہ کرے۔

حضرت ابوحفص سے دریافت کیا گیا: توبہ کرنے والا دنیا سے بغض کیوں رکھتا ہے؟ آپ نے فرمایا: اس لیے کہ دنیا وہ گھر ہے جہاں اس نے گناہ کیا ہے، تو کہا گیا: دنیا وہ گھر بھی تو ہے جہاں اللہ نے اسے توبہ کی توفیق بخشی۔ تو آپ نے فرمایا: گناہ کا تو اسے یقین ہے لیکن قبول توبہ کے بارے میں اسے گمان ہے۔(۳۳)

نیز حضرتِ جنید رضی اللہ عنہ سے توبہ کے تعلق سے پوچھا گیا فرمایا: **''ان لا تنسی ذنبک''**۔(۳۴) (توبہ یہ ہے کہ) تم اپنے گناہ کو فراموش نہ کرو۔

اخلاص

دینِ اسلام میں اعمال کا دار و مدار اخلاص پر ہے، کیوں کہ اس عمل کی بارگاہِ ایزدی میں کوئی وقعت نہیں اور نہ لائق قبول جس میں اخلاص کارفرما نہ ہو۔ اس کو سمجھنے کے لیے ''مہاجرِ امّ

قیس'' کو دیکھا جاسکتا ہے کہ اخلاص کی کمی کے سبب مدینہ کی طرف ہجرت کے باوجود ہجرت کے اجر و ثواب سے محرومی ہی مقدر میں آئی۔

اخلاص اور قرآن: اللہ تعالیٰ نے امتِ محمدیہ کی تعلیم کے لیے اپنے محبوب ﷺ کو عبادت میں اخلاص کا حکم فرمایا: **''قل انّی أمرت ان اعبد اللہ مخلصاً له''** (۳۵)

ترجمہ: تم فرماؤ مجھے حکم ہے کہ اللہ کو پوجوں نرا اس کا بندہ ہوکر۔ دوسری آیت میں فرمایا:

''فاعبد اللہ مخلصاً له الدّین الا للہ الدین الخالص'' (۳۶)

ترجمہ: تو اللہ کو پوجو نرے اس کے بندے ہوکر، ہاں خالص اللہ ہی کی بندگی ہے۔ علاوہ ازیں اپنے بندوں کو بھی تمام عبادات، خواہ مالیہ ہو فعلیہ ہو یا قولیہ، میں اخلاص کا حکم فرمایا: **''و ما أمروٓا الا لیعبدوٓا اللہ مخلصین له الدّین''**۔(۳۷)

ترجمہ: اور ان لوگوں کو تو یہی حکم ہوا کہ اللہ کی بندگی کریں نرے اسی پر عقیدہ لاتے۔ اور بروزِ قیامت لقائے الٰہی کا سبب اسی عمل کو قرار دیا جو خالص رضائے ربّ الانام کے جذبہ کے تحت کیا جائے۔ جیسا کہ فرمایا گیا: **''فمن کان یرجو لقاء ربّه فلیعمل عملاً صالحاً و لا یشرک بعبادة ربّه احداً''** (۳۸) ترجمہ: جو اپنے رب سے ملنے کا امیدوار ہے، اسے چاہیے کہ وہ نیک اعمال کرے۔

اخلاص اور حدیث: احادیثِ طیبہ بھی بندوں کو اپنے تمام اعمال، افعال اور اشغال میں اخلاص کا درس دیتی ہیں اور اس بات کی رہنمائی کرتی ہیں کہ ہر وہ عمل جو خالص اللہ کے لیے نہ ہو وہ قابلِ قبول نہیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ صورت نہیں بلکہ اعمال اور دل دیکھتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: **''قال رسول اللہ ﷺ: ان اللہ لا ینظر الیٰ اجسامکم، و لا الیٰ صورکم و لکن ینظر الیٰ قلوبکم و اعمالکم''** (۳۹) ترجمہ: اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہارے جسموں اور تمہاری صورتوں کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے۔

اخلاص اور تصوف: تصوف کی تعلیمات میں اخلاص بھی ہے۔ اہلِ تصوف نے ہمیشہ اس کی تعلیم دی اور لوگوں میں اسے عام کیا۔ لیجیے ملاحظہ فرمائیے اخلاص کے سلسلے میں صوفیہ کرام کا نظریہ۔ حضرت سیدنا سوسی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''الاخلاص فقد رؤیة الاخلاص فان من شاھد فی اخلاصه الاخلاص فقد احتاج اخلاصه الیٰ الاخلاص''۔(۴۰) ترجمہ: اخلاص یہ ہے کہ اخلاص پر بھی نظر نہ ہو، کیوں کہ جو شخص اپنے اخلاص میں اخلاص دیکھتا ہے تو اس کا اخلاص، اخلاص کا محتاج ہوتا ہے۔

حضرتِ سہل رحمۃ اللہ علیہ اخلاص کی وضاحت ان الفاظ میں فرماتے ہیں: **''الاخلاص**

ان یکون سکون العبد و حرکاته للہ تعالیٰ خاصۃً" (۴۱) ترجمہ: اخلاص یہ ہے کہ بندے کی حرکت وسکون صرف اللہ عزوجل (کی رضا) کے لیے ہو۔

نیز جب آپ سے نفس پر سب سے گراں چیز کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا: "**الاخلاص ، اذ لیس لھا فیہ نصیب**"۔ (۴۲) ترجمہ: اخلاص (نفس پر سب سے سخت ہے)، کیوں کہ اس (اخلاص) میں نفس کا کوئی حصہ نہیں۔

حضرتِ جنید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "**الاخلاص تصفیۃ العمل من الکدورات**"۔ (۴۳) اعمال کو کدورتوں سے پاک رکھنے کا نام اخلاص ہے۔

حضرتِ فضیل رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "**ترک العمل من اجل الناس ریاء والعمل من اجل الناس شرک ، و الاخلاص أن یعافیک اللہ منھما**"۔ (۴۴) ترجمہ: لوگوں (کو دکھانے) کے لیے عمل کرنا ریا ہے اور ان کے لیے عمل کرنا شرک ہے اور اخلاص یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے ان دونوں چیزوں سے محفوظ رکھے۔

امامِ غزالی رضی اللہ عنہ نقل فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ان کے حواریوں نے پوچھا: "**ما الخالص من الاعمال فقال: الذی یعمل للہ لا یحب أن یحمدہ علیہ أحد**"۔ (۴۵) ترجمہ: خالص اعمال کیا ہیں، تو آپ نے فرمایا: جو اللہ تعالیٰ (کی رضا) کے لیے کیا جائے کہ اس پر کسی کی تعریف کی خواہش نہ کی جائے۔

اور بعض نے فرمایا: "**الاخلاص فی العمل أن لا یطلع علیہ شیطان فیفسدہ و لا ملک فیکتبہ**"۔ (۴۶) ترجمہ: عمل میں اخلاص یہ ہے کہ شیطان اس (عمل) پر آگاہ نہ ہو کہ وہ اسے برباد کرے اور نہ فرشتہ اس پر مطلع ہو کہ وہ اسے لکھے۔

صبر

اللہ تعالیٰ جس طرح اپنے بندوں کو بے شمار نعمتوں سے نواز کر احسان فرماتا ہے اسی طرح انہیں مصائب وآلام میں مبتلا کر کے ان کے صبر کا امتحان بھی لیتا ہے اور صبر وہ عظیم وصف ہے جس سے انبیائے کرام علیہم السلام و اولیائے عظام رحمہم اللہ السلام متصف رہے اور کیوں نہ ہو کہ اس صفت سے آراستہ حضرات کے لیے قابلِ رشک انعام کا مژدہ ہے۔

صبر اور قرآن: اس وصف کو اپنانے والوں کو قرآن مجید اس طرح مژدۂ جاں فزا سنا رہا ہے: "ان اللہ مع الصٰبرین" (۴۷) ترجمہ: بے شک اللہ صابروں کے ساتھ ہے۔ نیز صبر کو جرأت و ہمت والا کام بھی بتایا گیا: "**ولمن صبر وغفر ان ذٰلک لمن عزم الامور**" (۴۸) ترجمہ: بے شک جس نے صبر کیا اور بخش دیا تو ضرور یہ ہمت کے کام ہیں۔

صبر اور احادیث: احادیثِ مبارکہ میں بھی صبر کی تعلیم وتلقین اور ترغیب وتحریض مختلف اور حسین پیرایے میں موجود ہے۔ چناں چہ حضور ﷺ ایک عورت کو صبر کا درس دیتے ہوئے فرماتے ہیں: "**انما الصبر عند الصدمۃ الأولیٰ**" (۴۹) ترجمہ: صبر تو پہلے ہی صدمہ کے وقت ہے۔ ایک جگہ نبی کریم ﷺ نے صبر کی ترغیب وتحریض اس انداز میں فرمائی:

"**یقول اللہ تعالیٰ ما لعبدی المؤمن عندی جزاء اذا قبضت صفیتہ من اھل الدنیا ثم احتسبہ الا الجنۃ**"۔ (۵۰) ترجمہ: اللہ جل جلالہ فرماتا ہے: جب میں اپنے مومن بندے کی کوئی دنیاوی محبوب چیز لے لوں، پھر وہ صبر کرے تو میرے پاس اس کی جزا جنت ہی ہے۔ مصائب وآلام پر صبر کی تلقین فرماتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے ایک نبی کے صبر عظیم وجمیل سے لبریز واقعہ کو بیان فرمایا، جس کی روایت حضرت عبد اللہ ابن مسعود یوں کرتے ہیں: "**یحکی عن نبیٍ من الانبیاء صلوات اللہ و سلامہ علیھم ، ضربہ قومہ فأدموہ ، وھو یمسح الدم عن وجھہ ، یقول: اللّٰھم اغفر لقومی فانھم لا یعلمون**"۔ (۵۱) ترجمہ: نبی پاک ﷺ ایک نبی علیہ السلام کے بارے میں بیان فرمارہے تھے کہ ان کی قوم نے انہیں اس قدر مارا کہ انہیں لہولہان کر دیا اور وہ اپنے رخِ زیبا سے خون پوچھتے فرمارہے تھے: اے اللہ! میری قوم کو بخش دے کہ یہ (مجھے) نہیں جانتی۔

صبر اور تصوف: کتبِ تصوف میں جہاں مذکورہ اوصاف کی تعلیم ملتی ہے وہیں صبر کا سبق بھی ملتا ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے تو بجا ہوگا کہ اہلِ تصوف ہی صبر کے صحیح نمونہ ہیں اور انہیں کے یہاں صبر کا حقیقی تصور نظر آتا ہے جیسا کہ ذیل کی عبارات سے اظہر من الشّمس ہے۔

صبر کیا ہے؟ اس کے بارے میں حضرتِ جنید بغدادی رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: "**ھو تجرع المرارۃ من غیر تعبیس**" (۵۲) ترجمہ: بے چون وچرا کڑوی (چیز کا) گھونٹ پی جانا صبر ہے۔

حضرتِ خوّاص علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: "**ھو الثبات علیٰ احکام الکتاب و السنۃ**" (۵۳) ترجمہ: کتاب اللہ اور سنتِ رسول ﷺ کے احکامات پر ثباتِ قدمی صبر ہے۔

حضرتِ ابو علی دقاق علیہ الرحمہ نے فرمایا: "**الصبر کاسمہ**" (۵۴) ترجمہ: صبر اپنے نام جیسا ہے۔

حضرتِ رویم نے فرمایا: "**الصبر ترک الشکویٰ**" (۵۵) ترجمہ: شکوہ وشکایت نہ کرنا صبر ہے۔

حضرتِ ذوالنون علیہ الرحمہ نے فرمایا: "**ھو استعانۃ باللہ تعالیٰ**"۔ (۵۶) ترجمہ:

(صرف) اللہ تعالیٰ سے مدد چاہنا صبر ہے۔

صبر کتنی طرح کا ہوتا ہے کس میں کیا مشقت ہے، اس کی وضاحت امام غزالی رضی اللہ عنہ نے یوں فرمائی: "واضح رہے کہ صبر کی دو قسمیں ہیں: پہلی قسم بدنی صبر ہے: جیسے بدنی مشقتیں برداشت کرنا اور ان پر ثابت قدم رہنا اور وہ یا تو فعل کی وجہ سے ہوتا ہے، مثلاً سخت اعمال برداشت کرنا۔ یا عبادات وغیرہ کی وجہ سے۔ یا اس کا تعلق برداشت سے ہوتا ہے، جیسے سخت مار، بڑی بیماری اور تکلیف دہ زخموں پر صبر کرنا۔ یہ صبر اگر شریعت کے موافق ہو تو لائق تعریف ہے۔ لیکن کامل طور پر قابلِ ستائش دوسری قسم ہے اور وہ طبعی خواہشات اور خواہش کے مقتضیات سے نفس کا صبر کرنا ہے۔ (۵۷)

صبر نفس پر کس قدر گراں ہے اس کے بارے میں امام غزالی علیہ الرحمہ حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ کا فرمان اس طرح نقل فرماتے ہیں:

"السیر من الدنیا الی الآخرۃ سھل علی المؤمن و ھجران الخلق فی حب الحق شدید و السیر من النفس الی اللہ تعالیٰ صعب شدید و الصبر مع اللہ اشد"۔ (۵۸)

ترجمہ: دنیا سے آخرت کی طرف جانا مومن پر آسان ہے اور (لیکن) محبتِ الٰہی میں مخلوق کو چھوڑنا سخت ہے اور نفس کو چھوڑ کر اللہ جل جلالہ کی طرف جانا سخت تر ہے اور اللہ (پر نظر رکھنے) کے ساتھ صبر اور بھی سخت تر ہے۔

اہلِ تصوف نے صرف زبانی تعلیم نہیں فرمائی بلکہ اس پر عمل کر کے بھی دکھایا۔ چناں چہ امام قشیری رضی اللہ عنہ حضرت سری سقطی رضی اللہ عنہ کے صبر کے واقعہ کی حکایت فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

حضرت سیدنا سری رضی اللہ عنہ سے صبر کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے صبر سے متعلق کلام شروع فرما دیا کہ ایک بچھو آپ کے پائے مبارک پر ڈنک مارنے لگا، (لیکن) آپ پُر سکون رہے۔ آپ سے پوچھا گیا کہ آپ نے اسے ہٹایا کیوں نہیں؟ تو آپ نے فرمایا: مجھے اللہ تعالیٰ سے حیا آ رہی تھی کہ میں صبر کے بارے میں بیان کروں اور خود صبر نہ کروں۔ (۵۹)

درج بالا تعلیماتِ تصوف ملاحظہ کرنے کے بعد کیا کوئی دانش مند یہ کہ سکتا ہے کہ تصوف شریعت کے مخالف ہے۔ نہیں اور ہر گز نہیں کیوں کہ یہ تعلیمات کوئی اپنی ذاتی تعلیمات نہیں بلکہ یہ وہی تعلیمات ہیں جو شریعتِ محمدیہ میں مذکور و مسطور ہیں جیسا کہ مذکورہ بالا تحریر سے عیاں ہے اور یہاں جو تعلیمات ذکر کی گئیں وہ "مشتے نمونہ از خروارے" کے مصداق ہیں ورنہ کتبِ تصوف میں ان تعلیمات کے علاوہ ارکانِ اسلام کی ظاہری و باطنی حد درجہ پابندی کے ساتھ خوف و رجا، زہد وفقر، محبت، شوق و رضا، صدق نیت، شکر وغیرہ کا بھی درس موجود ہے جسے اہلِ تصوف نے نہ صرف

کتابوں تک محدود رکھا بلکہ پہلے خود کو ان اوصاف سے آراستہ کیا پھر مخلوقِ خدا عز و جل کو ان صفاتِ محمودہ سے مزین ہونے کی دعوت دی۔ علاوہ ازیں شہواتِ نفسانیہ، غصہ و کینہ، حسد و بخل، حبِ جاہ و حبِ مال، ریا و سمعہ اور تکبر و غرور وغیرہ جیسی مذموم و ہلاکت خیز صفات سے اپنے آپ کو دور رکھا بلکہ اپنے ارد گرد انہیں بھٹکنے بھی نہ دیا اور خَلقِ خدا جل جلالہ کو ان سے احتراز کا سبق بھی دیا اور ان کے قریب نہ جانے کی مؤثر انداز میں سخت تنبیہ بھی کی۔ تصوف کے انہیں افکار و نظریات اور تعلیمات و ارشادات کے سبب ہمارے اسلاف اس سے قریب سے قریب تر ہوتے چلے گئے، ان کی تعلیمات کو گلے سے لگایا، ان کی نشر و اشاعت کی، ان کی حفاظت و صیانت کی اور کبھی بھی تصوف پر زبانِ طعن دراز نہ کیا، بلکہ ہمیشہ تصوف کو تحسینی کلمات سے یاد کیا۔

چناں چہ حضرت ابو محمد جریری علیہ الرحمہ نے فرمایا:

"(التصوف) الدخول فی کل خلق سنیٍ و الخروج من کل خلق دنی"۔ (۶۰)

ترجمہ: ہر اعلیٰ اخلاق میں داخل ہونا اور ہر ذلیل خلق سے نکلنا (تصوف) ہے۔

حضرت عمر بن عثمان مکی نے فرمایا:

"ان یکون العبد فی کل وقت بما ھو أولیٰ بہ فی الوقت"۔ (۶۱)

ترجمہ: (تصوف یہ ہے کہ) بندہ تمام اوقات میں اسی کے ساتھ ہو جو اس کے زیادہ مناسب ہے۔

حضرت سمنون نے کہا:

"ان لا تملک شیئا و لا یملکک شئی"۔ (۶۲)

ترجمہ: (تصوف یہ ہے کہ) نہ تو کسی چیز کا مالک رہے اور نہ کوئی چیز تیرا مالک رہے۔

شیخ محمد بن علی قصاب فرماتے ہیں:

"التصوف: اخلاق کریمۃ ظھرت فی زمان کریم من رجل کریم مع قوم کرام"۔ (۶۳) ترجمہ: تصوف وہ اخلاق کریمانہ ہے جو کریم زمانے میں کریم آدمی سے کریم قوم کے ساتھ ظاہر ہوا۔

حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے: **"ھو ان تکون مع اللہ تعالیٰ بلا علاقۃ"** (۶۴) ترجمہ: تصوف یہ کہ تو کسی واسطہ کے بغیر اللہ کے ساتھ ہو جائے۔

حضرت معروف کرخی رضی اللہ عنہ کا ارشاد گرامی ہے: **"الأخذ بالحقائق و الیأس مما فی ایدی الخلائق"** (۶۵) ترجمہ: حقائق کو اختیار کرنا اور مخلوق کی ملکیت سے نا امید رہنا۔

حضرت کنانی نے فرمایا: **"التصوف خلق، فمن زاد علیک فی الخلق فقد زاد**

علیک فی الصفاء" (٦٦) ترجمہ: تصوف (پاکیزہ) اخلاق ہے تو جس کے اخلاق تجھ سے زیادہ (اچھے) ہوں تو وہ صفا (یعنی صوفی ہونے) میں تجھ سے بہتر ہوگا۔

شیخ ابوعلی رودباری نے فرمایا: "**التصوف : الانا حة علیٰ باب الحبیب و ان طردعنه**" ترجمہ: درِ محبوب پر بیٹھ رہنے کا نام تصوف ہے اگرچہ وہ بھگائے۔(٦٧)

استاذ ابوسہل صعلوکی نے فرمایا: "**التصوف : الاعراض عن الاعتراض**"۔(٦٨)

ترجمہ: (تقدیرِ الٰہی پر) اعتراض نہ کرنا تصوف ہے۔

تصوف پر ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ اگر اس کا وجود زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں تھا تو اس کے لیے لفظِ "تصوف" کا استعمال کیوں جس لفظ کا وجود نہ کتاب اللہ میں ہے اور نہ عامہ کتبِ حدیث میں ہے؟۔ تصوف عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ضرور تھا جیسا کہ تصوف کی تعلیمات سے ظاہر ہے ورنہ زمانہ نبوی اور عہدِ صحابہ کا صبر و شکر، خوف و رجا، صدق و اخلاص وغیرہ کی تعلیم سے خالی ہونا لازم آئے گا۔

اگر یہ تسلیم کر بھی لیا جائے کہ عہدِ نبوی میں تصوف اسمی (نام کے ساتھ) طور پر موجود تھا اور نہ علمی اعتبار سے اس کا وجود تھا لیکن اس حقیقت سے انکار کی گنجائش نہیں کہ اس زمانے میں عملی طور پر تصوف کا وجود تھا۔ شاید اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت ابوالحسن فوشنجی علیہ الرحمہ نے فرمایا: "**التصوف الیوم اسم لا حقیقة وقد کان حقیقة**"۔(٧١) ترجمہ: آج بے حقیقت چیز کا نام تصوف سمجھ لیا گیا ہے ورنہ اس سے قبل بغیر نام ایک حقیقت تھی۔ اس کی تشریح میں حضرت داتا گنج بخش ہجویری علیہ الرحمہ رقم طراز ہیں: "صحابہ کرام اور سلفِ صالحین کے زمانے میں یہ نام تو نہ تھا مگر اس کے معنیٰ موجود تھے۔ اب نام تو ہے مگر معنیٰ کا وجود نہیں۔ یعنی معاملات و کردار تو معروف تھے لیکن دعویٰ مجہول تھا۔ اب دعویٰ معروف ہے لیکن معاملات مجہول ہیں۔"(٧٢)۔

لیکن جب علمی حیثیت سے تصوف کا وجود ہوا تو کسی مناسبت کی بنا پر اس کا نام "تصوف" رکھ دیا گیا تو اس کے نام پر اعتراض اور شور و غوغا چہ معنیٰ؟

مذکورہ بالا تمام شواہد کے باوجود اگر تصوف کے بالکلیہ انکار یا تصوف کے اسلام مخالف ہونے پر اصرار کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اہلِ سنت و جماعت اور اہلِ اسلام کے بہت سی قابلِ رشک ہستیاں، لائقِ تقلید شخصیات اور مایہ ناز عبقریات اور ان کی ذاتِ بابرکت سے معرضِ وجود میں آنے والے عطایا کے وجودِ مسعود کو کالعدم بلکہ بالکل معدوم تسلیم کرنا پڑے گا جو ایک نا قابلِ قبول بات اور حقیقت پر پردہ پوشی ہوگی۔

ان میں حضرت اویس قرنی، حضرت حسن بصری، حضرت ابومسلم خولانی، حضرت مالک بن

دینار، حضرت حبیب بن اسلم راعی، حضرت ابوحازم مدنی، حضرت امامِ اعظم ابوحنیفہ، حضرت عبداللہ بن مبارک مروزی، حضرت فضیل بن عیاض، حضرت ابراہیم بن ادہم، حضرت ذوالنون ثوبان بن ابراہیم مصری، حضرت بشر حافی، حضرت بایزید بسطامی، حضرت حارث محاسبی، حضرت سرّی سقطی، حضرت معروف کرخی، حضرت داؤد طائی، حضرت شفیق بن ابراہیم ازدی، حضرت امام محمد بن ادریس شافعی، حضرت امام احمد بن حنبل، حضرت ابوالحسن احمد بن محمد نوری، حضرت احمد بن یحییٰ بن جلالی، حضرت عمر بن عثمان مکی، حضرت سہل بن عبداللہ تستری، حضرت غوثِ اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی، حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی، خواجہ بہاء الدین نقشبندی، حضرت خواجہ غریب نواز اجمیری، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، حضرت نظام الدین اولیا، حضرت علاء الحق پنڈوی حضرت آلِ رسول مارہروی، حضرت ابوالحسین نوری میاں مارہروی وغیرھم علیہم الرحمہ اور ان کے علاوہ دیگر حضراتِ صوفیہ اور ان کے خدمات و کارنامے اور برکات و عطایا سے چشم پوشی کرنی پڑے گی۔

علاوہ ازیں تصوف میں تصنیف کردہ کتب مثلاً حضرت عبدالوہاب شعرانی کی "طبقات الشافعیۃ الکبریٰ اور میزان الشریعۃ الکبریٰ، حضرت حکیم ترمذی کی "ختم الاولیا، حضرت سراج عبد اللہ بن علی کی "کتاب اللمع فی التصوف"، حضرت ابوطالب مکی کی "قوت القلوب"، حضرت امام کلاباذی ابوبکر محمد بن اسحٰق کی "کتاب التعرف لمذھب اھل التصوف"، حضرت ابوالعباس نووی کی "طبقات الصوفیہ"، حضرت ابوالقاسم قشیری کی "رسالہ قشیریہ"، حضرت شہاب الدین سہروردی کی "عوارف المعارف"، حجۃ الاسلام امام محمد غزالی کی "احیاء العلوم والدین، منہاج العابدین، مکاشفۃ القلوب، امام حافظ ابونعیم اصبہانی کی "حلیۃ الاولیا وطبقات الاصفیا"، امام شاذلی کی "حزب البحر"، حضرت حارث محاسبی کی "رسالۃ المستر شدین"، حضرت عبدالقادر جیلانی کی "غنیۃ الطالبین، فتوح الغیب اور الفتح الربانی"، شیخ سلمی کی "طبقات الصوفیہ"، حضرت ابنِ قیرانی کی "صفوۃ التصوف"، داتا گنج بخش علی ہجویری کی "کشف المحجوب"، مخدومِ بہار شرف یحییٰ منیری کی "مکتوباتِ صدی اور مکتوباتِ دوصدی"، حضرت سید یوسف ہاشم رفاعی کی "الصوفیہ والتصوف فی ضوء الکتاب والسنۃ"، حضرت ابوالحسین مارہروی کی "سراج العوارف" وغیرہا نادر و نایاب کتب، ملفوظات، مکتوبات اور ارشادات کو چھوڑنا پڑے گا۔

اب آخر میں امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ کی بات پر اس مضمون کا اختتام کیا جا رہا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: "شریعت منبع ہے اور طریقت اس میں سے نکلا ہوا ایک دریا، بلکہ شریعت اس مثال سے بھی متعالی ہے۔ منبع سے پانی نکل کر دریا بن کر جن زمینوں پر گزرے انہیں سیراب کرنے میں اسے منبع کی احتیاج نہیں، نہ اس سے نفع لینے والوں کو اصل منبع کی اس وقت حاجت، مگر شریعت وہ

منبع ہے کہ اس سے نکلے ہوئے دریا یعنی طریقت کو ہر آن اس کی احتیاج ہے۔ منبع سے اس کا تعلق ٹوٹے تو یہی ہی نہیں کہ آئندہ کے لیے مدد موقوف ہو جائے۔ فی الحال جتنا پانی آچکا ہے چند روز تک پینے، نہانے، کھیتیاں، باغات سینچنے کا کام دے۔ نہیں نہیں منبع سے تعلق ٹوٹتے ہی یہ دریا فوراً فنا ہو جائے گا۔ بوند تو بوند نم کا نام نظر نہ آئے گا۔ نہیں نہیں میں نے غلطی کی کاش اتنا ہی ہوتا کہ دریا سوکھ گیا پانی معدوم ہوا، باغ سوکھے، کھیت مرجھائے، آدمی پیاس سے تڑپ رہے ہیں، ہرگز نہیں۔ بلکہ یہاں اس مبارک منبع سے تعلق ٹوٹتے ہی یہ تمام دریا والبحر المسجور ہو کر شعلہ فشاں آگ ہو جاتا ہے جس کے شعلے سے کہیں پناہ نہیں"۔ (۷۳)

حوالہ جات

(۱) پارہ:۱۸،سورۃ الفرقان،آیت:۵۸)

(۲) پارہ:۱۳،سورۃ الابراہیم،آیت:۱۱

(۳) پارہ:۶،سورۃ المائدہ،آیت:۲۳

(۴) پارہ:۴،سورہ آل عمران،آیت:۱۵۹

(۵) ترمذی شریف،کتاب الزہد،باب التوکل علی اللہ

(۶) ابوداؤد شریف،کتاب الادب،باب مایقول اذا خرج من بیتہ

(۷) رسالہ قشیریہ،ص:۷۶

(۸) مصدرِ سابق،ص:۷۶

(۹) مصدرِ سابق،ص:۷۶

(۱۰) مصدرِ سابق،ص:۷۶

(۱۱) احیاءالعلوم والدین،ص:۲۶۱

(۱۲) پارہ:۲۶،سورۃ الحجرات،آیت:۱۳

(۱۳) پارہ:۴،سورہ آل عمران،آیت:۱۰۲

(۱۴) پارہ:۲۲،سورۃ الاحزاب،آیت:۷۰

(۱۵) پارہ:۱۰،سورۃ التوبہ،آیت:۷

(۱۶) پارہ:۲۸،سورۃ الطلاق،آیت:

(۱۷) پارہ:۶،سورۃ المائدہ،آیت:۲۷

(۱۸) پارہ:۲۵،سورۃ الدخان،آیت:۵۱

(۱۹) مسلم شریف،کتاب الایمان،باب ندب من حلف یمیناً فرأی غیرھا خیراً منھا

(۲۰) مسلم شریف،کتاب الذکر،باب التعوذ من شر ما عمل

(۲۱) منہاج العابدین،ص:۱۳۰

(۲۱) مصدرِ سابق،ص:۱۲۲/۱۲۳-

(۲۳) مصدرِ سابق،ص:۱۳۱/۱۳۲-

(۲۴) پارہ:۱۲،سورہ ھود،آیت:۳۰

(۲۵) پارہ:۲۸،سورۃ التحریم،آیت:۸

(۲۶) پارہ:۱۸،سورۃ النور،آیت:۳۱

(۲۷) مسلم شریف،کتاب التوبہ،باب الحض علی التوبہ

(۲۸) بخاری شریف،کتاب الدعوات،باب استغفار النبی فی الیوم

(۲۹) رسالہ قشیریہ،ص:۴۴

(۳۰) مصدرِ سابق،ص:۴۴

(۳۱) مصدرِ سابق،ص:۴۷

(۳۲) مصدرِ سابق،ص:۴۷

(۳۳) مصدرِ سابق،ص:۴۷

(۳۴) مصدرِ سابق،ص:۴۷

(۳۵) پارہ:۲۳،سورۃ الزمر،آیت:۱۱

۳۶) پارہ:۲۳،سورۃ الزمر،آیت:۲

(۳۷) پارہ:۳۰،سورۃ البینہ،آیت:۵

(۳۸) پارہ:۱۶،سورۃ الکہف،آیت:۱۱۰

(۳۹) مسلم شریف،کتاب البر،باب تحریم ظلم المسلم وخذلہ واحتقارہ

(۴۰) احیاءالعلوم والدین،ج:۴،ص:۳۸۱

(۴۱) مصدرِ سابق،ج:۴،ص:۳۸۱

(۴۲) مصدرِ سابق،ج:۴،ص:۳۸۲

(۴۳) مصدرِ سابق،ج:۴،ص:۳۸۲

(۴۴) مصدرِ سابق،ج:۴،ص:۳۸۲

(۴۵) مصدرِ سابق،ج:۴،ص:۳۸۲

(۴۶) مصدرِ سابق،ج:۴،ص:۳۸۲

(۴۷) پارہ:۲،سورۃ البقرہ،آیت:۱۵۳

(۴۸) پارہ:۲۵،سورۃ الشوریٰ،آیت:۴۳

(۴۹) بخاری شریف، کتاب الجنائز، باب زیارۃ القبور

(۵۰) مصدرِ سابق، کتاب الرقاق، باب عمل الذی یبتغی بہ وجہ اللہ

(۵۱) مصدرِ سابق، کتاب احادیث الانبیا، باب حدیث الغار

(۵۲) رسالہ قشیریہ،ص:۸۴

(۵۳) مصدرِ سابق،ص:۸۵

(۵۴) مصدرِ سابق ص:۸۵

(۵۵) مصدرِ سابق ص:۸۵

(۵۶) مصدرِ سابق ص:۸۵

(۵۷) احیاءعلوم والدین،ج:۴،ص:۶۷

(۵۸) مصدرِ سابق،ص:۷۸

(۵۹) رسالہ قشیریہ،ص:۸۶

(۶۰) رسالہ قشیریہ،ص:۱۲۶

(۶۱) مصدرِ سابق،ص:۱۲۷

(۶۲) مصدرِ سابق،ص:۱۲۷

(۶۳) مصدرِ سابق،ص:۱۲۷

(۶۴) مصدرِ سابق،ص:۱۲۷

(۶۵) مصدرِ سابق،ص:۱۲۷

(۶۶) مصدرِ سابق،ص:۱۲۷

(۶۷) مصدرِ سابق،ص:۱۲۷

(۶۸) مصدرِ سابق،ص:۱۲۷

(۶۹) حلیۃ الاولیا وطبقات الاصفیا،ص:۱۷

(۷۰) کشف المحجوب (مترجم)،ص:۶۳

(۷۱) مصدرِ سابق،ص:۷۸

(۷۲) مصدرِ سابق،ص:۷۸

(۷۳) مقال العرفاء باعزاز شرع وعلماء، مصنف: اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان،ص:۶

کتابیات

(۱) القرآن الکریم

(۲) کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن، مترجم: اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ، مطبوعہ: مکتبۃ المدینہ دہلی (دعوتِ اسلامی)

(۳) صحیح البخاری، مصنف: امام محمد بن اسمٰعیل بخاری علیہ الرحمہ، مطبوعہ: المکتبۃ الشاملہ

(۴) صحیح مسلم، مصنف: امام مسلم بن حجاج نیشا پوری علیہ الرحمہ، مطبوعہ: المکتبۃ الشاملہ

(۵) جامع الترمذی، مصنف: امام محمد بن عیسیٰ ترمذی علیہ الرحمہ، مطبوعہ: المکتبۃ الشاملہ

(۶) سننِ ابی داؤد، مصنف: امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث علیہ الرحمہ، مطبوعہ: المکتبۃ الشاملہ

(۷) احیاء العلوم والدین، مصنف: امام محمد بن محمد غزالی علیہ الرحمہ، مطبوعہ: المکتبۃ الشاملہ

(۸) منہاج العابدین، مصنف: حجۃ الاسلام امام محمد بن محمد غزالی علیہ الرحمہ، مطبوعہ: مؤسسۃ الرسالہ، بیروت (نفسِ اسلام، ویب سائٹ سے)

(۹) رسالہ قشیریہ، مصنف: امام قشیری علیہ الرحمہ، مطبوعہ: المکتبۃ الشاملہ

(۱۰) حلیۃ الاولیا وطبقات الاصفیاء، مصنف: امام حافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ اصفہانی علیہ الرحمہ مطبوعہ: المکتبۃ الشاملہ

(۱۱) کشف المحجوب، مصنف: داتا گنج بخش علی ہجویری، مطبوعہ: رضوی کتاب گھر

(۱۲) مقال العرفاء باعزاز شرع وعلماء، مصنف: اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ (اعلیٰ حضرت نیٹ ورک ویب سائٹ سے)

○○○

تفسیر اشاری۔ایک تحقیقی مطالعہ

قرآن ظاہری و باطنی دونوں معانی کا حامل ہے،اس کے عجائبات کبھی ختم نہیں ہوں گے۔بنیادی طور سے قرآن کریم کی تفسیر دو طرح کی ہوتی ہے:

۱۔تفسیر ماثوری

۲۔تفسیر اشاری

تفسیر اشاری کی بھی دو قسمیں ہیں:

۱۔ایک نظری یا معقولی

۲۔دوسری صوفیانہ

اگر اشارہ علمائے راسخین اور فقہاو متکلمین کا ہو تو اُسے تفسیر نظری یا معقولی کہیں گے اور اگر اشارہ صوفیہ اور عارفین باللہ کا ہو تو اُسے تفسیر صوفیانہ یا صوفیہ کی اصطلاح میں تفسیر اشاری کہیں گے۔تفسیر معقولی کا تعلق ظاہری مسائل شرعیہ اور عقلی توجیہات ہوتا ہے، جب کہ تفسیر صوفیانہ کا تعلق مسائل طریقت وسلوک اور وجدانی حقائق سے ہوتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ کی تعریف کرتے ہوئے امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں:

بِاَنَّہٗ عِبَارَۃٌ عَنْ تَاوِیْلِ الْاٰیَاتِ الْقُرْآنِیَّۃِ الْکَرِیْمَۃِ عَلٰی خِلَافِ مَا یَظْھَرُ مِنْھَا بِمُقْتَضٰی اِشَارَاتٍ خَفِیَّۃٍ تَظْھَرُ لِاَرْبَابِ السُّلُوْکِ وَیُمْکِنُ التَّطْبِیْقُ بَیْنَھَا وَبَیْنَ الظَّوَاھِرِ الْمُرَادَۃِ (۱)

ترجمہ: آیات قرآنی کی ایسی تاویل، جو اُس کے ظاہری معنی کے علاوہ کسی ایسے معنی پر محمول ہو جو سالکین پر منکشف ہونے والے پوشیدہ اشارات کے مطابق ہو، ساتھ ہی ظاہری معنی اور اشاری معنی کے درمیان جمع و تطبیق بھی ممکن ہو(دونوں میں کوئی حقیقی تعارض واختلاف نہ ہو)۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ تفسیر اشاری میں وہ لطیف اور پوشیدہ معانی بیان کیے جاتے ہیں جن کا ادراک ارباب کشف ہی کو ہوتا ہے، یہ ایسے نکات ہوتے ہیں جو ظاہری معنی سے ہم آہنگ

ہوتے ہیں متعارض نہیں۔ بلاشبہ ایسے معانی کا سرچشمہ الہامات ربانیہ ہوتے ہیں، اُسے علم لدنی بھی کہا جاتا ہے جس کا ذکر قرآن کریم میں حضرت خضر علیہ الصلاۃ والسلام کے تعلق سے موجود ہے۔ اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے: فَوَجَدَا عَبْدًا مِنْ عِبَادِنَا آتَیْنَاہُ رَحْمَۃً مِنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنَاہُ مِنْ لَدُنَّا عِلْمًا۔ (۲) (ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو ان دونوں نے پالیا، جسے اپنے پاس سے ہم نے رحمت عطا کی اور اپنی جانب سے علم سکھایا)

اس آیت میں علم لدنی سے وہ عام علم مراد نہیں جو ظاہر عبارت سے معلوم ہوتا ہے بلکہ جو علوم ومعارف خالص ذات علیم وخبیر کے لطف وعطا سے پاکیزہ قلوب پر القا کیے جاتے ہیں وہ مراد ہیں۔

تفسیر اشاری کا ثبوت

تفسیر اشاری کے لیے کوئی شرعی اصل واساس ہے یا نہیں؟ اور کیا اس کا وجود عہد نبوی اور عہد صحابہ میں تھا یا نہیں یا پھر تفسیر اشاری اس وقت شروع ہوئی جب تصوف کا آغاز ہوا؟

اس بارے میں محققین علما وائمہ نے اس بات کی تائید وتوثیق فرمائی ہے کہ تفسیر اشاری دین میں کوئی نئی ایجاد نہیں، اس کی اصل قرآن وسنت سے ثابت ہے، معارف قرآن کے بیان کے لیے یہ کوئی نیا طریقہ نہیں بلکہ یہ اس وقت سے چلا آرہا ہے جب سے قرآن کریم کا نزول شروع ہوا تھا۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس منہج سے آگاہ فرمادیا تھا اور صحابہ کرام بھی اس سے بخوبی واقف تھے۔ امام شاطبی فرماتے ہیں:

ھٰذَا وَقَدْ قَرَّرَ عُلَمَاءُ التَّنْزِیْلِ اَنَّ لِلتَّفْسِیْرِ الْاِشَارِی اَصْلًا شَرْعِیًّا یَقُوْمُ عَلَیْہِ، وَاِنَّہٗ لَمْ یَکُنْ اِبْتِدَاعًا جَدِیْدًا فِی اِبْرَازِ مَعَانِی الْقُرْآنِ الْکَرِیْمِ، بَلْ ھُوَ اَمْرٌ مَعْرُوْفٌ مِّنْ لَّدُنْ نُزُوْلِہٖ عَلَی الرَّسُوْلِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَشَارَ اِلَیْہِ الْقُرْآنُ وَنَبَّہَ عَلَیْہِ الرَّسُوْلُ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَکَذٰلِکَ عَرَفَہُ الصَّحَابَۃُ الْاَطْھَارُ رِضْوَانُ اللّٰہِ عَلَیْھِمْ وَاَظْھَرُوْا اِقْبَاسًا مِّنْہُ لِلْاُمَّۃِ۔ (۳)

ترجمہ: علمائے قرآن نے اس بات کو ثابت کیا ہے کہ تفسیر اشاری کی بنیاد شرعی اصل پر قائم ہے، قرآن کے معانی بیان کرنے کے لیے یہ کوئی نیا طریقہ نہیں بلکہ نزول قرآن کے زمانے ہی سے یہ طریقہ موجود تھا جس کی طرف خود قرآن نے بھی اشارہ کیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی آگاہ فرمایا ہے، اسی طرح خود صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی اس سے واقف تھے اور اس سلسلے میں ان کے تفسیری نظائر وامثال بھی موجود ہیں۔

قرآنی آیات سے ثبوت

وہ آیتیں جن سے تفسیر اشاری کی طرف اشارے ملتے ہیں، وہ درج ذیل ہیں جنھیں علوم قرآن کے ماہرین ائمہ نے بطور شواہد ودلائل اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے، ارشاد ربانی ہے:

أَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْآنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا﴿٨٢﴾ (۴) (وہ لوگ قرآن کریم میں غور کیوں نہیں کرتے ہیں اگر یہ غیر اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہوتا، تو یقیناً لوگ اس میں بہت سارا اختلاف پاتے۔

ایک دوسرے مقام پر یوں فرمایا گیا:

وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوْا بِهٖ وَلَوْ رَدُّوْهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلٰى أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ﴿٨٣﴾ (۵)

ترجمہ: جب ان کے پاس امن یا خوف کا کوئی معاملہ پیش آیا تو اُسے ظاہر کر دیا اور اگر اُسے رسول اور امیر کی جانب لوٹا دیتے، تو اصحاب استنباط اُسے جان لیتے۔

مذکورہ بالا دونوں آیتوں سے یہ اشارہ مل رہا ہے کہ قرآن کے ظاہری معنی کے علاوہ اور دوسرے معانی بھی ہیں جو غور وفکر سے حاصل ہوتے ہیں، ورنہ دعوت غور وفکر کا کیا مطلب؟ اسی طرح استنباط کا لفظ آیا ہے جو اہل علم کی طرف منسوب ہے، اس سے بھی قران کے باطنی معنی کی طرف اشارہ ہے کہ اہل علم اپنے اپنے فہم وقیاس اور ذوق ووجدان سے معانی قرآن کے اتھاہ سمندر میں غواصی کرتے ہیں اور اللہ کے فضل سے لطیف حقائق ومعانی اخذ کرتے ہیں جو عام اور ظاہری مراد کے علاوہ ہوتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے :فَمَالِ هٰٓؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا﴿٧٨﴾ (۶) (اس قوم کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ لوگ بات نہیں سمجھتے۔)

ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرماتا ہے:أَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ أَقْفَالُهَا﴿٢٤﴾ (۷) (کیا یہ سچ مچ قرآن کو نہیں سمجھتے یا ان کے قلوب پر مہریں لگی ہوئی ہیں۔)

یہ آیتیں اس بات کی صراحت کرتی ہیں کہ قرآن کے ظاہری مفہوم کے علاوہ اس کے اندر پوشیدہ مطالب بھی ہیں، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے کفار کو زجر وتوبیخ فرمائی کہ وہ قرآن کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ قرآن کے ظاہری معانی کو نہیں سمجھتے تھے، بلکہ ظاہری مفہوم اس کو وہ بخوبی سمجھتے تھے، کیوں کہ قرآن خود اُنھیں کی زبان میں نازل ہوا، لہٰذا یہ ممکن نہیں کہ وہ اس کلام کو نہ سمجھ پائیں، بلکہ مراد یہ ہے کہ وہ ان معانی کو نہیں جانتے جو مرادِ الٰہی ہیں اور ان کو جاننے کے لیے فکر وبصیرت کی حاجت ہوتی ہے جو اُن کے پاس نہیں تھی۔

امام شاطبی اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَالْمَعْنٰى لَا يَفْهَمُوْنَ عَنِ اللهِ مُرَادَهٗ مِنَ الْخِطَابِ، وَلَمْ يُرِدْ أَنَّهُمْ لَا يَفْهَمُوْنَ نَفْسَ الْكَلَامِ: كَيْفَ وَهُوَ مَنَزَّلٌ بِلِسَانِهِمْ؟وَلٰكِنْ لَمْ يُحْظُوْا بِفَهْمِ مُرَادِ اللهِ مِنَ الْكَلَامِ وَكَانَ هٰذَا هُوَ مَعْنٰى مَا رُوِيَ عَنْ عَلِيٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، أَنَّهُ سُئِلَ: هَلْ عِنْدَكُمْ كِتَابٌ فَقَالَ: لَا،

إِلَّا كِتَابَ اللهِ، أَوْ فَهْمٍ أُعْطِيَهُ رَجُلٌ مُسْلِمٌ أَوْ مَا فِي هٰذِهِ الصَّحِيْفَةِ۔ (۸)

ترجمہ: مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ خطاب سے اللہ کی مراد نہیں سمجھتے، یہ معنی مراد نہیں کہ وہ نفس کلام کو ہی نہیں سمجھتے تھے، کیوں کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے جب کہ قرآن خود اُن کی زبان میں نازل ہوا، ہاں! وہ اس کلام سے مرادِ الٰہی تک نہیں پہنچ پاتے، اسی معنی کی طرف اس روایت سے بھی اشارہ ملتا ہے کہ جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے پوچھا گیا کہ تمہارے پاس کوئی کتاب ہے؟ تو آپ نے جواب دیا: ہمارے پاس کتاب اللہ کے سوا کوئی کتاب نہیں، یا وہ فہم ہے جو مرد مومن کو عطا کیا گیا ہے یا جو کچھ اس صحیفے میں موجود ہے (اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں)۔

احادیث سے ثبوت

وہ احادیث کریمہ جن سے تفسیر اشاری کا ثبوت ملتا ہے، مندرجہ ذیل ہیں:

ا۔ حضرت عبد اللہ ابن مسعود سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ لِلْقُرْآنِ ظَهْرًا وَ بَطْنًا وَ حَدًّا وَ مَطْلَعًا۔ (۹)

ترجمہ: قرآن کا ایک ظاہر ہے ایک باطن ہے، اس کی ایک حد ہے، ایک مطلع ہے۔

اس کی تخریج ابن حبان نے اپنی صحیح کے اندر کی ہے۔

ظاہر سے وہ ظاہری معنی مراد ہے جو عبارۃ النص سے معلوم ہو جاتا ہے باطن سے مراد وہ اسرار ہیں جن پر اللہ ارباب حقیقت کو باخبر کرتا ہے بعض لوگوں نے اس سے تاویل کا علم مراد لیا ہے جو حسنِ باطن کی صفت رکھنے والے بندوں کو عطا کیا جاتا ہے، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَأْوِيْلِ الْأَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ۔ (۱۰)

ترجمہ: ایسے تمہارا رب تمھیں چنتا ہے اور تمھیں تاویل وتعبیر کا علم سکھاتا ہے اور اپنی نعمت تمہارے اوپر مکمل فرماتا ہے۔

۲۔ علما نے اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے لیے یہ دعا فرمائی تھی: أَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ وَعَلِّمْهُ التَّاوِيْلَ۔ (۱۱)

ترجمہ: یا اللہ! (عبد اللہ ابن عباس کو) دین کی سمجھ عطا کر اور اسے تاویل کا علم دے۔

امام غزالی اس حدیث سے تفسیر اشاری پر استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:فَإِنْ كَانَ التَّاوِيْلُ مَسْمُوْعًا كَالتَّنْزِيْلِ وَمَحْفُوْظًا مِثْلَهٗ فَمَا مَعْنٰى تَخْصِيْصِهٖ بِذٰلِكَ (۱۲)

ترجمہ: اگر تاویل بھی تنزیل کی طرح محض سماعت سے حاصل ہو جاتی اور محفوظ ہوتی تو اس کو خصوصیت کے ساتھ علاحدہ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔

مطلب یہ ہے کہ تاویل ایک خاص علم ہے جس سے ایسے اعلیٰ معانی واحتمالات کا ادراک کیا جاتا ہے جو اشارات ورموز پر مبنی ہوتے ہیں اور یہ علم خواص کو ہی عطا کیا جاتا ہے ہر شخص اس کا اہل نہیں ہوتا۔

صحابہ کرام کے آثار واقوال سے ثبوت

اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کئی ایسی روایتیں ملتی ہیں جو تفسیر اشاری کو ثابت کرتی ہیں ذیل میں چند مستند روایات درج کی جاتی ہیں:

۱۔ابن ابی حاتم نے اس حدیث کی تخریج کی ہے حضرت عبداللہ ابن عباس سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا:

إِنَّ الْقُرْآنَ ذُوْ شُجُوْنٍ وَفُنُوْنٍ ،وَظُهُوْرٍ وَبُطُوْنٍ ،لَا تَنْقَضِي عَجَائِبُهُ وَلَا تُبْلَغُ غَايَتُهُ،فَمَنْ أَوْغَلَ فِيْهِ بِرِفْقٍ نَجَا ، وَمَنْ أَخْبَرَ فِيْهِ بِعَنَفٍ هَوىٰ،أَخْبَارٌ وَأَمْثَالٌ ،حَلَالٌ وَ حَرَامٌ،وَنَاسِخٌ وَمَنْسُوْخٌ ،وَمُحْكَمٌ وَمُتَشَابَهٌ ،وَظَهْرٌ وَ بَطْنٌ، فَظَهْرُهُ التِّلَاوَةُ وَبَطْنُهُ التَّاوِيْلُ،فَجَالِسُوْا بِهِ الْعُلَمَاءَ، وَجَانِبُوْا بِهِ السُّفَهَاءَ۔ (۱۳)

ترجمہ: قرآن تہہ در تہہ باتوں اور مختلف شاخوں والا ہے، ظاہری و باطنی دونوں معنوں کا حامل ہے، اس کے عجائب کبھی ختم نہیں ہوں گے اور نہ کوئی اس کی حد کو پہنچ سکتا ہے، تو جس نے نرم اور پاکیزہ طبیعت کے ساتھ حظّ اٹھایا وہ نجات پا گیا اور جس نے سخت طبیعت لے کر اس میں تحقیق کی وہ گمراہ ہو گیا، اس میں واقعات وامثال ہیں، حلال وحرام کا بیان ہے، ناسخ ومنسوخ ہے، محکم ومتشابہ آیتیں ہیں، اس کا ایک ظاہر بھی ہے اور ایک باطن بھی ہے۔ اس کا ظاہر تلاوت ہے اور باطن تاویل ہے تو تم قرآن کے جاننے والوں کی صحبت میں بیٹھو اور قرآن نہ جاننے والوں سے دور رہو۔

۲۔حضرت عبداللہ ابن مسعود سے مروی ہے:

مَنْ أَرَادَ عِلْمَ الْأَوَّلِيْنَ وَالْآخِرِيْنَ فَلْيُثَوِّرِ الْقُرْآنَ۔ (۱۴)

ترجمہ: جو اولین وآخرین کا علم حاصل کرنا چاہتا ہے، وہ قرآن کے معانی کے سلسلے میں بحث وکرید کرے۔

۳۔حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ فرماتے ہیں: لَا يَفْقَهُ الرَّجُلُ كُلَّ الْفِقْهِ حَتّٰى يَجْعَلَ لِلْقُرْآنِ وُجُوْهًا۔ (۱۵)

ترجمہ: کوئی شخص پورے طور سے اس وقت تک فقیہ نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ قرآن سے متعدد وجوہات ومعانی نکالنے کی صلاحیت پیدا نہ کر لے۔

امام سیوطی مذکورہ دونوں روایت سے تفسیر اشاری کی اصل پر استشہاد کرتے ہوئے

فرماتے ہیں: وَهٰذَا الَّذِيْ قَالَاهُ لَا يَحْصُلُ بِمُجَرَّدِ تَفْسِيْرِ الظَّاهِرِ۔ (۱۶)

ترجمہ: جو بات ان دونوں حضرات نے فرمائی ہے وہ بات صرف تفسیر ظاہری سے حاصل نہیں ہو سکتی (یعنی اس کا حصول تفسیر اشاری سے ہی ہوتا ہے)۔

اسی طرح امام غزالی قدس اللہ سرہٗ نے تفسیر اشاری کے لیے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی اس روایت سے استدلال کیا ہے جس میں آپ نے فرمایا تھا: لَوْ شِئْتُ لَأَوْقَرْتُ سَبْعِيْنَ بَعِيْرًا مِنْ تَفْسِيْرِ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ۔ (اگر میں چاہوں تو سورۂ فاتحہ کی تفسیر سے ستر اونٹوں کو بھر دوں۔)

اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد امام غزالی قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں: فَمَا مَعْنَاهُ وَتَفْسِيْرُهَا فِي غَايَةِ الْاِخْتِصَارِ۔ (۱۷)

ترجمہ: پھر حضرت علی کے اس قول کا کیا معنی ہوگا جب کہ اس کی تفسیر بہت مختصر ہے۔

مطلب یہ کہ قرآن کے معانی ومطالب ظاہری تفسیر میں محدود نہیں ہیں بلکہ اس کے اشارات بھی ہوتے ہیں، ورنہ سورۂ فاتحہ کی صرف ظاہری تفسیر سے ستر اونٹوں کو بھر دینا ممکن نہیں، اس کے لیے ان اشارات ونکات کا بحر ذخار چاہیے جو علام الغیوب کی طرف سے بصورت فیضان صالح بندوں کو عطا ہوتا ہے۔

صحابۂ کرام کی عملی زندگی میں بھی اس تفسیر کے نمونے موجود تھے اور وہ خود ایسے اشارات و اسرار بیان کرتے تھے جو ظاہر نص کے علاوہ تھے، اس کی وضاحت کرتے ہوئے امام شاطبی فرماتے ہیں: وَلَهُ أَمْثِلَةٌ تُبَيِّنُ مَعْنَاهُ بِإِطْلَاقٍ۔

تفسیر اشاری کی علی الاطلاق واضح مثالیں ہیں جو اس کے معنی کو ظاہر کرتی ہیں۔

اس کی ایک واضح مثال یہ روایت ہے جس کو امام شاطبی علیہ الرحمہ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے: لَمَّا نَزَلَ قَوْلُهُ تَعَالىٰ: اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ، فَرِحَ الصَّحَابَةُ وَبَكىٰ عُمَرُ، وَقَالَ: مَا بَعْدَ الْكَمَالِ إِلَّا النُّقْصَانُ مُسْتَشْعِرًا نَعْيَهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ، فَمَا عَاشَ بَعْدَهَا إِلَّا أَحَدًا وَثَمَانِيْنَ يَوْمًا۔ (۱۸)

ترجمہ: جب آیت کریمہ اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ نازل ہوئی تو سارے صحابہ اس بشارت کو سن کر جشن منانے لگے، مگر عمر فاروق رونے لگے اور کہنے لگے اس تکملہ کے بعد کمی ہی کمی ہے اس کمی سے اشارہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی طرف تھا، چنانچہ ایسا ہوا بھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کے نزول کے بعد صرف اکیاسی روز باحیات رہے۔

اس مثال سے ہم یہ سمجھ سکتے ہیں کہ مذکورہ آیت کے نزول کے وقت عام صحابہ کرام خوشی ظاہر کر رہے تھے، جب کہ عمر فاروق رونے لگے۔ صحابۂ کرام کی خوشی بھی اپنی جگہ صحیح تھی وہ اس

لیے کہ اس سے بڑھ کر بشارت کیا ہوگی کہ اللہ تعالیٰ نے دین کا تکملہ کر دیا اور نعمتوں کو مکمل کر دیا اور ان کے دین اسلام پر اپنی رضا مندی کی تصدیق کر دی جیسا کہ آیت کا ظاہری اور صریح مفہوم ہے ۔دوسری طرف عمر فاروق کا رونا بھی صحیح تھا وہ اس لیے کہ اس آیت سے انھوں نے یہ اشارہ اخذ کیا کہ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات قریب ہے عمر فاروق کا رونا اسی مفہوم اشاری و باطنی کی وجہ سے تھا۔اس طرح کی کثیر مثالیں روایتوں میں بیان کی جاتی ہیں۔

تفسیر اشاری: علما وائمہ کی نظر میں

تفسیر اشاری میں ذاتی فکر و اجتہاد کا کوئی دخل نہیں، یہ خالص الہامی امر ہے جو صرف مخصوص بندوں کو حاصل ہوتا ہے۔اس سلسلے میں بعض ائمہ فن اور محققین علما کے اقوال ونظریات پیش کیے جارہے ہیں جن میں تفسیر اشاری کی صحت اور اس کی معنویت کو واضح طور سے بیان کیا گیا ہے۔

حافظ ابن صلاح کی رائے

حافظ ابن صلاح کے بارے میں منقول ہے کہ جب ان سے تفسیر اشاری کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: میں نے امام واحدی کی ایک روایت دیکھی جس میں انھوں نے فرمایا ہے کہ حضرت ابوعبدالرحمٰن سلمی نے ''حقائق التفسیر'' نامی ایک کتاب تصنیف کی ہے، اگر اس کتاب سے اُن کا مقصد یہ ہے کہ وہ تفسیر ہے تو انھوں نے کفر کیا۔

امام واحدی کی اس عبارت پر تعلیق (نوٹ) لگاتے ہوئے حافظ ابن صلاح لکھتے ہیں :**الظن بمن یوثق به منهم ای الصوفية ۔انه اذا قال شيئا من امثال ذلک، انه لم یذکره تفسيرا ،ولا ذهب به مذهب الشرح للكلمة المذكورة من القرآن العظيم :فانهم لو كانوا كذلک كانوا قد سلكوا مسلک الباطنية وانما ذكر ذلک منهم لنظير ما ورد به القرآن فان النظير يذكر بالنظير ۔** (۱۹)

ترجمہ: صوفیۂ کرام میں جو اِس طرح کی تفسیر کرتے ہیں ان میں جو قابل اعتماد ہیں، اُن سے یہی حسن ظن ہے کہ وہ جب اس طرح کی باتیں کرتے ہوں گے تو اُسے تفسیر کا نام نہیں دیتے ہوں گے اور کلمات قرآنیہ کی تشریح کے طور پر نہیں بیان کرتے ہوں گے، اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو باطنیہ کے طرز کو اپناتے ہیں۔میرا تو یہی خیال ہے کہ وہ جو کچھ بیان کرتے ہیں وہ قرآن میں وارد مفہوم کی نظیر ہوتی ہے اور نظیر کو نظیر سے بیان کیا جاتا ہے۔

حافظ ابن صلاح کی باتوں سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ تفسیر اشاری کے سلسلے میں حسن ظن کے قائل ہیں اور اُسے بطور نظیر سمجھتے ہیں، ساتھ ہی اس کی بھی صراحت ہوتی ہے کہ تفسیر اشاری کے قبول میں شرائط وضوابط کا التزام ضروری ہے۔

امام تفتازانی کی رائے

علامہ سعد الدین تفتازانی، امام نسفی کی ایک عبارت: **والنصوص على ظواهرها فالعدول عنها الى معان يدعيها اهل الباطن الحاد** کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

و سمو الباطنية : لا دعائهم ان النصوص ليست على ظواهرها ،بل لها معان باطنة لا يعرفها الا المعلم ،و قصدهم بذلک نفی الشريعة بالكلية۔ثم قال و اما ما يذهب اليه بعض المحققين من ان النصوص محمولة على ظواهرها ،ومع ذلک ففيها اشارات خفية الى دقائق تنكشف على ارباب السلوک ،ويمكن التطبيق بينها و بين الظواهر المرادة فهو من كمال الايمان و محض العرفان۔ (۲۰)

ترجمہ: باطنیہ کو اس لیے باطنیہ کہا جاتا ہے چوں کہ ان کا یہ دعویٰ ہوتا ہے کہ نصوص کے ظاہری معنی کا اعتبار نہیں، بلکہ اس کا اصل معنی باطنی ہے جو معلم (امام) ہی جانتا ہے۔اس طرح ان کا مقصد شریعت کی بالکلیہ نفی کرنا ہوتا ہے۔رہ گیا وہ مسئلہ جس کی طرف بعض محققین گئے ہیں کہ نصوص قرآنی اپنے ظاہر ہی پر محمول ہوں گے مگر ساتھ ساتھ اس میں کچھ پوشیدہ اشارات بھی ہوتے ہیں جو نہایت لطیف معنی کی خبر دیتے ہیں اور یہ اشارات ارباب سلوک پر ہی کھلتے ہیں۔نیز اگر ظاہری معانی اور اشارات کے درمیان تطبیق بھی ممکن ہوتی ہے، تو بلاشبہ ایسا اشارہ، کمال ایمان اور خالص عرفان میں سے ہے۔

امام سعد الدین تفتازانی جو منقول ومعقول دونوں کے یکتائے روزگار امام شمار کیے جاتے ہیں، انھوں نے تفسیر اشاری کو واضح طور سے کمالِ ایمان اور خالص عرفان کا نام دیا ہے، ان کے اس قول سے نہ صرف تفسیر اشاری کی صحت ثابت ہوتی ہے، بلکہ اس کی اہمیت وضرورت بھی واضح ہو رہی ہے۔

ابن عطاء اللہ اسکندری کی رائے

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''الاتقان'' میں علامہ احمد بن عطاء اللہ اسکندری کی ایک تقریر نقل کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں: **وقال الشيخ تاج الدين احمد بن عطاء الله فی كتابه "لطائف المنن" اعلم أن تفسير هذه الطائفة، ای الصوفية، لكلام الله و كلام رسوله ﷺ بالمعانی العربية ليس احالة للظاهر عن ظاهره ولكن ظاهر الآية مفهوم منه ما جلبت الآية له، و دلت عليه فی عرف اللسان، وثَمّ افهام باطنة تفهم عند الآية والحديث لمن فتح الله قلبه ، وقد جاء فی الحديث ،، لكل آية ظهر وبطن فلا يصدنک عن تلقی هذه المعانی منهم ان يقول لک ذو جدل و معارضة فليس ذلک باحالة، وانما يكون احالة لو قالوا لا معنى للآية الا هذه، وهم لم يقولوا ذلک بل يقرؤن الظواهر على ظواهرها مرادا بها موضوعاتها ويفهمون عن الله تعالى ما افهمهم۔** (۲۱)

ترجمہ: شیخ تاج الدین احمد بن عطاء اللہ سکندری اپنی کتاب 'لطائف المنن' میں فرماتے ہیں کہ کلام اللہ اور حدیث کی جو تفسیر صوفیہ کرام انوکھے معانی کی صورت میں بیان کرتے ہیں وہ ایسی تفسیر نہیں ہے کہ ظاہر قرآن وحدیث کو ظاہری معنی سے پھیر دیتی ہو، بلکہ ان کا موقف یہی ہوتا ہے کہ آیت کا ظاہری مفہوم وہی ہے جس کے لیے آیت لائی گئی ہے اور جس پر زبان کے عرف کے مطابق وہ آیت دلالت کر رہی ہے۔ ہاں! مگر اس کے ساتھ کچھ باطنی اسرار بھی ہوتے ہیں جن کو آیت یا حدیث سے وہی شخص سمجھتا ہے جن کا سینہ اللہ تعالیٰ نے کشادہ کر دیا ہے، چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ ہر آیت کا ایک ظاہری معنی ہے اور ایک باطنی معنی، تو ایسا نہ ہو کہ تم کو اُن معانی کے حاصل کرنے سے کسی مُجادِل یا مُعْتَرِض کا یہ شوشہ باز رکھے کہ یہ تو اللہ و رسول کے کلام کی مراد بدلنا ہے۔ حالانکہ یہ اللہ و رسول کے کلام کو بدلنا نہیں ہے، یہ تو اس وقت ہوتا جب وہ یہ کہتے کہ اس باطنی معنی کے علاوہ آیت کا کوئی اور معنی مراد نہیں ہے، لیکن وہ ایسا نہیں کہتے ہیں۔ ان کا حال تو یہ ہے کہ وہ ظواہر کو ان کے ظاہر ہی کے مطابق پڑھتے ہیں اور اُن سے وہی مراد لیتے ہیں جس پر ظاہری الفاظ دلالت کر رہے ہیں، پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ جو اُن کو فہم عطا کرتا ہے وہ سمجھتے ہیں یا اشارات اخذ کرتے ہیں۔

ابن تیمیہ کی رائے

حافظ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

مثل مایاخذونها من القرآن ونحوه فتلک الاشارات هی من باب القیاس و الاعتبار، والحاق ما لیس بمنصوص بالمنصوص مثل الاعتبار و القیاس الذی یستعمله الفقها فی الاحکام، لکن هذا یستعمل فی الترغیب والترهیب وفضائل الاعمال و درجات الرجال ونحو ذلک فان کانت الاشارة اعتباریة من جنس القیاس الصحیح کانت حسنة مقبولة، وان کانت کالقیاس الضعیف کان لها حکمه، وان کان تحریفا للکلام عن مواضعه وتاویلا للکلام علی غیر تاویله کانت من جنس کلام القرامطة والباطنیة والجهمیة۔ (۲۲)

ترجمہ: صوفیہ کرام قرآن یا دوسری نص سے جو اشارات اخذ کرتے ہیں وہ قیاس و اعتبار اور غیر منصوص کو منصوص سے لاحق کرنے کے باب سے ہوتے ہیں، جیسے احکام مستنبط کرنے کے لیے فقہا قیاس کرتے ہیں، ایسے ہی یہ بھی ہے، مگر ان اشارات کا استعمال ترغیب و ترہیب ،فضائل و اعمال اور سالکین کے درجات اور اس طرح کے دوسرے امور میں ہوتا ہے، چنانچہ اگر اشارۂ قیاس صحیح کی جنس سے ہو، تو عمدہ اور قابل قبول ہے، اگر قیاس ضعیف کی طرح ہو، تو اس کے لیے وہی حکم ہے جو قیاسِ ضعیف کا ہے اور اگر وہ اشارہ ایسا ہو کہ کلام کو اس کے محل سے دور

کر دے یا فاسد تاویل پر مبنی ہو، تو وہ قرامطہ، باطنیہ اور جہمیہ کا کلام شمار ہوگا۔

ابن تیمیہ جیسے متشدد ناقد اگر اس بات کا اعتراف کر لیں کہ تفسیر اشاری کی صحت و معنویت مسلم ہے، تو یہ بلاشبہ اس کی شرعی حیثیت بتانے کے لیے ایسے لوگوں کے برخلاف مضبوط دلیل ہے جو اِس کی مخالفت کرتے ہیں اور اِسے کتاب اللہ میں تحریف و رائے زنی قرار دیتے ہیں۔

ابن قیم جوزی کی رائے

ابن قیم تفسیر کو درج ذیل تین حصوں میں تقسیم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

۱۔تفسیر علی اللفظ: وهو الذی ینحو الیه المتاخرون

۲۔وتفسیر علی المعنی وهو الذی یذکره السلف

۳۔وتفسیر علی الاشارة والقیاس :وهو الذی ینحو الیه کثیر من الصوفیة وغیرهم، هذا لاباس به باربعة شرائط: ان لا یناقض معنی الایة ۔وان یکون معنی صحیحا فی نفسه۔ وان یکون بینه وبین معنی الآیة ارتباط و تلازم۔ وان یکون فی اللفظ اشعار به۔ فاذا اجتمعت هذه الامور الاربعة کان استنباطا حسنا۔ (۲۳)

ترجمہ: پہلی تفسیر لفظی بنیاد پر ہوتی ہے جس کی طرف متاخرین علما گئے ہیں، دوسری تفسیر معنی کے اعتبار سے ہوتی ہے جو اسلاف سے منقول ہے اور تیسری تفسیر اشارہ و قیاس سے متعلق ہے جسے صوفیہ کرام وغیرہ نے بیان کیا ہے۔ اس تفسیر میں کوئی قباحت نہیں، جب کہ یہ شرائط پائے جائیں:

اول یہ کہ آیت کے ظاہری معنی سے نہ ٹکرائے ،دوم یہ کہ وہ معنی فی نفسہ صحیح بھی ہو، تیسری یہ کہ آیت کے ظاہری معنی اور اس اشاری معنی کے درمیان ربط و تلازم ہو، چوتھی یہ کہ نص کی عبارت میں اس معنی کی طرف کسی جہت سے اشارہ و احتمال ہو۔ جب یہ چاروں امور جمع ہوں تو ایسی تفسیر حسنِ استنباط کے قبیل سے ہوگی۔

شیخ ابن عاشور مالکی کی رائے

ابن عاشور مالکی لکھتے ہیں:

واما ما یتکلم به اهل الاشارات من الصوفیة فی بعض آیات القرآن من معان لاتجری علی الفاظ القرآن ولکن بتاویل ونحوه فینبغی ان تعلموا انهم ما کانوا یدعون ان کلامهم فی ذلک تفسیر للقرآن بل یعنون ان الآیة تصلح للتمثل بها فی الغرض المتکلم فیه وحسبکم فی ذلک انهم سموها اشارات ولم یسموها معانی۔ (۲۴)

ترجمہ: صوفیہ کرام میں جو اہل اشارات ہیں وہ قرآن کی بعض آیتوں میں ایسے معانی بیان کرتے ہیں جو ظاہر الفاظ سے تاویل کیے بغیر مطابقت نہیں رکھتے، ایسے معانی کے سلسلے میں یہ

جان لیں کہ صوفیہ کرام کبھی بھی یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ یہ اشارات تفسیر قرآن ہیں، بلکہ اُن کی مراد یہ ہوتی ہے کہ یہ آیت، مطلوبہ مقصد میں مثال بن سکتی ہے۔اس کی صحیح حقیقت جاننے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ ایسی باتوں کو آیات کے اشارات کہتے ہیں معانی نہیں۔

سرخی امام آلوسی کا قول

امام آلوسی لکھتے ہیں: **فا لانصاف کل الانصاف التسلیم للسادة الصوفية الذين هم مركز الدائرة المحمدية ماهم عليه و اتهام ذهنک السقيم فيما لم يصل لكثرة العوائق اليه و اذالم تر الهلال فسلم. لاناس رأوه بالابصار۔** (۲۵)

ترجمہ: صوفیہ کرام سے منقول اشارات کے بارے میں انصاف کی بات یہی ہے کہ ان کی باتیں قبول کی جائیں، کیوں کہ یہی وہ لوگ ہیں جو حقیقت میں دائرۂ محمدی کا مرکز ہیں، ان کے وہ معاملات جن کی حقیقت ہم نہیں جان پاتے، اس میں اپنی کج فہمی کو قصوروار ٹھہرانا مناسب ہے، کیوں کہ اس میں بہت سے حجابات ہوتے ہیں۔ جب تم چاند نہ دیکھو تو ان لوگوں کے لیے ماہ نو کا دیکھنا تسلیم کرلو جنھوں نے دیکھا ہے۔ (یعنی چاند کے ہونے کا انکار مت کرو)

خلاصۂ کلام

مذکورہ تمام اقوال کی روشنی میں جو باتیں نتیجہ کے طور پر سامنے آتی ہیں وہ درج ذیل ہیں:

الف: تفسیر اشاری مشروط طریقے پر قابل قبول ہوگی، لہٰذا علمائے فن نے جن شرائط و ضوابط کا ذکر کیا ہے اُن کا التزام ضروری ہے، اگر کسی بھی شرط کا فقدان ہوا تو قابل قبول نہ ہوگی۔

ب: ہر شخص اس کا اہل نہیں ہوگا، بلکہ اللہ جسے نورِ فہم اور قلبی فتوحات عطا کرے اور اس کے سینے کو ایسے نکات و اسرار کا حامل بنا دے وہی اس کا اہل ہوگا۔ اَب کون اس کا حامل ہوگا، کون نہیں، یہ اللہ کی عطا اور اس کے فضل پر موقوف ہے۔ (ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ) یہ اللہ کا فضل وانعام ہے جسے چاہے وہ عطا کرتا ہے۔

ج: مذکورہ مستند علما وائمہ نے تفسیر اشاری کی حمایت کی ہے مخالفت نہیں، بلکہ بعض نے تو اُسے کمالِ ایمان اور جوہر عرفان قرار دیا ہے۔

د: تفسیر اشاری کو سادات صوفیہ کا وہ علم کہا گیا ہے جو معارف قدسیہ اور فیوض سبحانیہ کی صورت میں من جانب اللہ ان کو عطا کیا جاتا ہے۔ البتہ! لوگوں کی تعبیرات الگ الگ ہیں، کچھ لوگ اُسے قیاس واستنباط کی قبیل سے مانتے ہیں اور کچھ اُسے الہامات اور وجدانیات کے باب سے سمجھتے ہیں۔

غرض کہ مجموعی طور پر سب صوفیہ سے حسنِ ظن کے قائل ہیں اور اس تفسیر کو سلوک و معرفت کا کمال گردانتے ہیں۔

تفسیر اشاری کے شرائط اور اس کا حکم

مذکورہ اقوال سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ تفسیر اشاری مطلقاً قابل قبول نہیں، بلکہ مشروط طریقے پر مقبول ہوگی۔ ذیل میں اہل علم کے ذکر کردہ اصول وشرائط بیان کیے جارہے ہیں:

حافظ ابن قیم جوزی نے چار شرطوں کا ذکر کیا ہے جن کا تفصیلی ذکر اس سے قبل ہو چکا ہے یاددہانی کے طور پر اجمالاً اس کا ذکر یہاں پر بھی کیا جارہا ہے:

پہلی شرط یہ ہے کہ آیت کا ظاہری معنی اشاری معنی کے مخالف نہ ہو۔

دوسری شرط یہ ہے کہ وہ معنی فی نفسہ صحیح ہو (کوئی فرضی یا وہمی خیال نہ ہو)۔

تیسری شرط یہ ہے کہ ظاہری معنی اور اشارہ کے مابین ربط وتلازم ہو۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ عبارت نص میں بھی اس معنی کی طرف اشارہ واحتمال موجود ہو۔ (۲۶)

اگر مذکورہ چاروں شرطیں مجتمع ہوں تو یہ استنباط حسن کے قبیل سے ہوگا۔

امام شاطبی تفسیر اشاری کے شرائط بیان فرماتے ہیں:

۱۔ ان يصح على مقتضى الظاهر المقرر فى لسان العرب ويجرى على المقاصد العربيه۔

پہلی شرط یہ ہے کہ وہ معنی عربی زبان کے اصول کے مطابق ظاہری معنی سے ہم آہنگ ہو اور وہ معنی قواعد عربیہ کے مطابق جاری ہو۔

پھر اس شرط کا ماخذ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہ ضابطہ ہم نے قرآن کے عربی ہونے سے اخذ کیا ہے، جیسا کہ اللہ رب العزت نے فرمایا ہے۔ (ہم نے قرآن کو عربی زبان میں نازل کیا ہے تاکہ تم اس کو سمجھ سکو)۔ چنانچہ اگر کسی نے قرآن کی ایسی تفسیر وتاویل کی جو کلام عرب کے موافق نہیں اور عربی قواعد کی رو سے مخالف ہے، تو گویا اُس نے قرآن کے عربی ہونے کا لحاظ نہیں کیا، اس لیے کہ ایسا مفہوم قرآن میں داخل ہوجائے گا جس مفہوم پر نہ تو اس کے الفاظ دلالت کررہے ہیں اور نہ معنی۔ جب معاملہ ایسا ہو تو ایسی تفسیر کو قرآن سے ہرگز منسلک نہیں کیا جائے گا اور اس کا قائل اس گناہ کا مرتکب شمار ہوگا جو کتاب اللہ میں بغیر علم کے رائے زنی کرتا ہے۔

۲۔ ان يكون له شاهد شرعى يويده من الكتاب او السنة او الاصول المعتمدة و يشهد بصحته۔

دوسری شرط یہ ہے کہ اس معنی اشاری کے لیے کتاب وسنت یا معتمد ومتفق علیہ اصول سے کوئی شرعی دلیل ہو جو اس کی صحت کی تائید کرے۔

اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے وہ فرماتے ہیں:

ترجمہ: اگر دوسری جگہ اس معنی پر کوئی منصوص یا ظاہری شاہد نہ ہو جو اُس کی صحت کی تائید کرے، تو اس کا شمار ایسے دعویٰ محض میں ہوگا جو اہل باطل قرآن کے معاملے میں کیا کرتے ہیں اور یہ بات علما کے اتفاق سے مسلّم ہے کہ محض دعویٰ مقبول نہیں ہوتا۔ (۲۷)

۳۔ ان لایکون للتفسیر الاشاری معارض شرعی او عقلی ،و ذلک کتاویلات الباطنیة التی توصلوا بها الی نفی الشریعة بالکلیة ،کتفسیر هم الکعبة بالنبی والصلوات الخمس بالاصول الاربعة والامام۔

تیسری شرط یہ ہے کہ تفسیر اشاری کا کوئی شرعی یا عقلی مخالف ومعارض نہ ہو، جیسے باطنیہ فرقہ کی تاویلات جن سے بالکلیہ شریعت کی نفی ہوتی ہے، مثلاً وہ لوگ کعبہ کی تفسیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اور صلاۃ خمسہ کی تفسیر اصول اربعہ اور امام سے کرتے ہیں۔

۴۔ ان لایدعی ان التفسیر الاشاری هو وحده المراد دون الظاهر بل لابد من اقرار التفسیر العباری الظاهر اولا ثم الاخذ بالمعنی الاشاری۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ ہرگز یہ دعویٰ نہ کیا جائے کہ آیت کا مفہوم و مراد صرف تفسیر اشاری ہی ہے، ظاہری معنی مراد نہیں، بلکہ اولاً ظاہری معنی کا اقرار کیا جائے، پھر اس کے بعد تفسیر اشاری کا قول کرے۔

اس شرط کی طرف امام غزالی قدس اللہ سرہٗ اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اولاً ظاہری تفسیر سے غفلت برتنا اور محکم معنی کو چھوڑ کر باطنی معنی کا قصد کرنا جائز نہیں، اس لیے کہ جو اسرار قرآن سمجھنے کا دعویٰ کرے اور ظاہری تفسیر کا قول نہ کرے وہ ایسا ہے جیسے کوئی گھر کی چھت پر جانے کا دعویٰ کرے اور دروازے کو پار نہ کرے، یا ترکیوں کی بات سمجھنے کا دعویٰ کرے حالاں کہ ترکی زبان سے ناآشنا ہو۔ (۲۸)

امام زرقانی نے بھی تقریباً انھیں شرطوں کو قدرے ترمیم و اضافے کے ساتھ بیان کیا ہے۔ وہ پانچ شرطوں کا ذکر کرتے ہیں:

۱۔ ان لایتنافی ومایظهر من معنی النظم الکریم۔

پہلی شرط یہ ہے کہ اشاری معنی نظم قرآن کے ظاہری معنی کے مخالف نہ ہو۔

۲۔ الایدعی انه المراد وحده دون الظاهر۔

دوسری شرط یہ ہے کہ یہ دعویٰ نہ کیا جائے کہ آیت کی مراد بس یہی اشاری معنی ہے دوسرا معنی مراد نہیں۔

۳۔ الا یکون تاویلا سخیفا بعیدا کتفسیر بعضهم قوله تعالیٰ (ان الله لمع المحسنین) بجعل کلمة لمع فعلا ماضیا و کلمة (محسنین) مفعوله۔

تیسری شرط یہ ہے کہ اشاری معنی کمزور اور بعید تاویل پر مبنی نہ ہو جیسے بعض لوگ اللہ تعالیٰ کے اس قول (ان اللہ لمع المحسنین) میں لمع کو فعل ماضی اور محسنین کو مفعول گردانتے ہیں۔

۴۔ الایکون له معارض شرعی وعقلی۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ اس اشاری معنی کے مخالف کوئی شرعی یا عقلی دلیل نہ ہو۔

۵۔ ان یکون له شاهد شرعی یویده۔ (۲۹)

پانچویں شرط یہ ہے کہ اس معنی کی تائید میں کوئی شرعی دلیل موجود ہو۔

اگر مذکورہ تمام شرائط پر غور کیا جائے تو اصلاً وہ چار ہی ہیں:

اول یہ کہ جو اشاری معنی بیان کیا جائے اس میں اور آیت کے ظاہری معنی میں تعارض و تضاد نہ ہو کہ آیت کا ظاہری معنی جس چیز کی نفی کر رہا ہے، اشاری معنی اسی کا اثبات کر رہا ہو۔

دوم یہ کہ اولاً ظاہری معنی کو تسلیم کرے، پھر اس کے بعد اشاری معنی کو بیان کرے۔ ایسا نہ کہے کہ اس آیت کا مقصود صرف یہی باطنی معنی ہے، اس کے علاوہ کوئی معنی مراد نہیں۔ ایک طرح سے وہ ظاہری مفہوم کا منکر ہو، ورنہ ایسی اشاری تفسیر باطل ہوگی۔

سوم یہ کہ اشاری تفسیر کی تائید کسی نہ کسی جہت سے شرعاً ہو رہی ہو، چاہے مدلولِ قرآن سے یا اصولِ دین سے۔ وہ کسی ثابت شدہ شرعی اصل کے مخالف نہ ہو۔

چہارم یہ کہ اشاری معنی ایسی تاویل نہ ہو جو نہایت کمزور اور سطحی دلیل پر مبنی ہو، بلکہ وہ معقول اور مستحکم اساس پر قائم ہو اور نہ ہی ایسی دور کی تاویل ہو جو سمجھ سے بالاتر ہو۔

تفسیر اشاری کا حکم

تفسیر اشاری کا حکم کیا ہے؟ کیا اُسے بالکلیہ تسلیم کرنا واجب ہے، یا بالکلیہ قابل تردید ہے؟ یا اُسے نہ قبول کیا جائے نہ رد کیا جائے۔ اس سلسلے میں ارباب علم کا صحیح اور معتدل رویہ یہی ہے کہ تفسیر اشاری اپنے شرائط کے ساتھ مقبول و محمود ہے، کوئی اس کا رد نہ کرے۔ ہاں! کسی کے لیے تسلیم کرنا واجب بھی نہیں، مگر تردید بھی جائز نہیں۔

امام شاطبی فرماتے ہیں کہ ایسے اعتبارات واشارات جو قرآنی آیات کے ضمن میں بیان کیے جاتے ہیں وہ دو قسم کے ہوتے ہیں:

ایک قسم یہ ہے کہ اولاً اس کا اصل سرچشمہ قرآن ہوتا ہے، باقی سارے موجودات اس کے تابع ہوا کرتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ وہ اشارہ اور کنایہ قرآن کریم سے حاصل کرتے ہیں، پھر کائنات وموجودات کے نظریات وحقائق کو اِس قرآنی فکر کے تابع کرتے ہیں، قرآن کو اُن حقائق کے تابع نہیں کرتے، کیوں کہ انھیں وہ نورِ بصیرت حاصل ہوتا ہے جو بلاتوقف کائنات کی حقیقت کا مشاہدہ کراتا ہے اور مادی حقائق کے سارے حجاب اٹھا دیتا ہے۔

دوسری قسم یہ ہے کہ اس کا اصل سرچشمہ عالم موجودات کی جزئیات وکلیات ہوا کرتے ہیں اور قرآن کو اس فکر ونظر کے تابع کرتے ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے وہ اس کائنات کے موجودات سے کوئی حقیقت یا اشارہ لیتے ہیں، پھر اُس کو قرآن سے ہم آہنگ کرتے ہیں، گویا اُن کی فکر اصلاً کائناتی فلسفہ پر مبنی ہوتی ہے اور تبعاً قرآن کریم سے اس کی تائید کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ پھر ان دونوں قسموں کے تعلق سے امام شاطبی فرماتے ہیں: اگر اس اعتبار واستنباط کا تعلق پہلی قسم سے ہے تو وہ بلا اشکال باطنِ قرآن کے سمجھنے میں معتبر ومقبول ہے، اس لیے کہ فہم قرآن اسی کا نام ہے جو قلوب پر اُس کے مطابق وارد ہو، جس کے لیے قرآن نازل کیا گیا، یعنی ایسی ہدایت تامہ ہو جو مکلفین کے احوال کے مطابق ہو۔

اگر دوسری قسم سے ہے تو باطن قرآن کی فہم میں ایسا اشارہ واعتبار اخذ کرنے سے گریز ضروری ہے۔ مطلقاً اُسے قبول کرنا ممنوع ہے، اس لیے کہ یہ پہلی قسم کی ضد ہے اس طور سے کہ وہاں قرآن کی حیثیت مصدر اصلی کے طور پر تھی جو مدارِ ایمان وایقان ہے اور باقی اعیان وموجودات اس قرآنی فکر کے تابع تھے، جب کہ یہاں اعیان وموجودات کو اصل سرچشمہ بنا کر ایک تصور اخذ کیا گیا، پھر قرآن کو اس کے تابع کیا گیا اور یہ راہ کہیں نہ کہیں اس تفسیر بالرائے کی طرف لے جا رہی ہے جس کے لیے حدیث پاک میں سخت وعید آئی ہے، اگر اس بے راہ روی کے جواز کا دروازہ کھول دیا جائے تو ہر شخص قرآن میں اپنی من مانی تاویل شروع کر دے گا اور لوگ قرآن کے تابع ہونے کے بجائے اپنے نفس وخواہش کی پیروی کرتے نظر آئیں گے۔ اس طرح یہ کتابِ ہدایت کے بجائے ان کے لیے کتابِ ضلالت بن جائے گی، کیوں کہ اسی سے کتنے لوگ ہدایت بھی پا جاتے ہیں اور اسی سے گمراہ بھی ہو جاتے ہیں (یُضِلُّ بِہٖ کَثِیْرًا وَّیَھْدِیْ بِہٖ کَثِیْرًا)۔ (۳۰)

اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ قرآن اصلاً گمراہی کی کتاب ہے (معاذ اللہ)، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اپنی طبیعت اور اپنی فکر کو قرآن کے تابع کریں گے وہ ہدایت یافتہ ہوں گے اور جو اس کے برعکس کریں گے، یعنی قرآن کو اپنی مرضی وخواہش کے تابع کرنے کی کوشش کریں گے وہ گمراہ ہو جائیں گے۔

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ دوسری قسم کا تعلق صوفیہ کے اس طبقے سے نہیں جو اہل صفا ہیں اور نفس وہوا کی پیروی سے محفوظ ہیں، بلکہ اس کا تعلق نام نہاد جاہل مستصوفین سے ہے، یہ ایسے نفس پرست فساق وفجار طبقہ کا طرز عمل ہے جن کا مقصد شریعت کو اپنے تابع کرنا اور فاسد تاویلات کے ذریعے اپنے آوارہ افکار وخیالات کو صحیح ثابت کرنا ہوتا ہے۔

امام زرقانی نے بھی تفسیر اشاری کے اخذ وقبول کے حوالے سے بہت عمدہ بات کہی ہے وہ لکھتے ہیں: تفسیر اشاری کی قبولیت میں جو شرائط ہیں وہ شرائط صحت ہیں، وہ اس لیے نہیں ہے کہ تفسیر اشاری کو واجب الاتباع یا واجب التسلیم ثابت کیا جائے، شرائط صرف اس بات کے لیے ہیں کہ تفسیر اشاری کو مطلقاً مردود قرار دینا درست نہیں، کیوں کہ جب یہ ظاہر قرآن کریم کے مخالف بھی نہیں اور اس کی تائید شرعی دلیل سے بھی ہو رہی ہو، تو اس میں رد وانکار کی گنجائش نامناسب ہے۔ ہاں! اس تفسیر کو تسلیم کرنا بھی واجب نہیں، کیوں کہ نظم قرآن معنی موضوع لہ کے اعتبار سے اس معنی اشاری پر دلالت نہیں کر رہا ہے، بلکہ وہ اشارات ایسے الہامات کے قبیل سے ہیں جو اَربابِ کشف پر کھلتے ہیں وہ کسی قواعد یا کسی لغت کے پابند نہیں ہوتے۔ (۳۱)

حاصل کلام یہی ہے کہ تفسیر اشاری جو حقیقتاً وجدانیات کے قبیل سے ہوتی ہے، ہر شخص کے لیے اس کو تسلیم کرنا واجب نہیں اور نہ ہی اس کی تردید کی جائے گی، بلکہ اس کے بارے میں یہی خیال کیا جائے گا کہ یہ معنی حق ہے، اس کی صحیح حقیقت وہی جانتا ہے جس پر وہ معنی کھلا ہے: ؎

چوں بشنوی سخن اہل دل مگو کہ خطاست
سخن شناس نہ ای دلبرا خطا ایں جاست

تفسیر اشاری: عقلی توجیہات اور نمونے

اگر یہ کہا جائے تو اس میں کوئی مبالغہ نہیں ہوگا کہ معانی قرآن کے ذخیرے میں تفسیر اشاری کو ذکر نہ کرنا ایک طرح سے خود مدلول قرآنی کے تقاضے کے برخلاف ہے، صرف ظاہری تفسیر پر اکتفا کرنا غیر مناسب ہے، اس لیے تفسیر اشاری بھی نگاہوں میں رکھنا ہوگا، تا کہ اِس حدیث کا مکمل مصداق عیاں ہو جائے: لِکُلِّ اٰیَۃٍ ظَھْرٌ وَّ بَطْنٌ، وَلِکُلِّ حَرْفٍ حَدٌّ وَلِکُلِّ حَدٍّ مُطَّلَعٌ۔ (۳۲)

ترجمہ: ہر آیت کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن، ہر حرف کی ایک حد ہے اور ہر حد کا ایک مطلع۔

عقلی توجیہات

☆ اس امت کے طبقۂ خواص کے حق میں تفسیر اشاری کا وجود یقینی ہے۔ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، آپ فرماتے ہیں: کِتَابُ اللہِ عَلٰی أَرْبَعَۃِ أَشْیَاءٍ: اَلْعِبَارَۃُ وَالْإِشَارَۃُ وَاللَّطَائِفُ وَالْحَقَائِقُ، فَالْعِبَارَۃُ لِلْعَوَامِ، وَالْإِشَارَۃُ لِلْخَوَاصِ، وَاللَّطَائِفُ لِلْأَوْلِیَاءِ

وَالْحَقَائِقُ لِلْأَنْبِيَاءِ۔ (۳۳)

ترجمہ: کتاب اللہ چار چیزوں پر مشتمل ہے ،عبارت ، اشارہ ،لطائف اور حقائق۔ عبارت یعنی ظاہری معنی عوام کے لیے ہے اور اشارہ خواص کے لیے، لطائف اولیا کے لیے ہیں اور حقائق انبیا کے لیے۔

فہم قرآن کے سلسلے میں اس درجہ بندی کی تقسیم وترتیب قرآن کی اس آیت سے بھی سمجھ میں آتی ہے جس میں فرمایا گیا ہے: يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ (۳۴) ترجمہ: اللہ تعالیٰ تم میں سے ایمان والوں اور علم والوں کو درجوں بلند فرمائے گا۔

☆ تفسیر اشاری کی ضرورت واہمیت اس اعتبار سے بھی مسلم ہے کہ قرآن کریم میں جو ماضی کے واقعات ہیں، جیسے انبیا کے قصے اور گزشتہ قوموں کے واقعات، اُن میں ایسے معانی واشارات پر باخبر ہونا جو ہر زمانے میں عبرت ونصیحت کے لیے کارآمد ہوں انھیں تفسیر اشاری کے ذریعے آسانی سے حاصل کیا جاسکتا ہے، تاکہ خطاب قرآن ہر دور میں بامقصد قرار پائے، مثلاً ظاہری تفسیر میں یہ ہوتا ہے کہ کسی نبی کا واقعہ جو گزر چکا ہے اُسے محض اس اعتبار سے لیا جائے کہ زمانے کے ختم ہونے کے ساتھ واقعہ بھی ختم ہوگیا اور جو اس زمانے میں اس کی تلاوت ہورہی ہے وہ محض عبرت ونصیحت کے لیے ہے۔ مگر تفسیر اشاری کا یہ کمال ہے کہ وہ اس واقعے کو ہر زمانے کے مخاطب کے لیے مفید ومستحکم بنادیتی ہے، مثلاً وہ موسیٰ اور فرعون کے واقعے میں موسیٰ سے کنایتاً قلب مراد لیتے ہیں اور فرعون سے نفس، اس طرح رمزیہ نکات بیان کر کے کسی واقعے کے کردار کو ہر مخاطب کے حق میں ہر زمانے میں منطبق کردیا جاتا ہے۔ یہ بات اس طرح بھی سمجھی جاسکتی ہے کہ قرآن کریم کا خطاب انتہائے زمان کے ساتھ ختم نہیں ہوجاتا، کیوں کہ یہ اصلاً کلام ربانی ہے، یعنی صفت باری تعالیٰ ہے اور اللہ کی ہر صفت قائم ہے معطل نہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیشہ متکلم ہے وہ زمان ومکان کی قید سے بالاتر ہے اور اُس کی ساری صفات ہمہ دم جاری وساری ہیں۔

☆ بہت سے مقامات پر تفسیر وتوضیح کے وقت مشکلات درپیش ہوتی ہیں، ایک آیت کسی اور معنی کو بیان کرتی ہے اور دوسری آیت اس کے خلاف معنی کو بیان کرتی ہے۔ خاص طور سے جہاں تناقض کا وہم پیدا ہوتا ہے، اس مقام پر تفسیر اشاری مشکلات کو بہترین انداز میں حل کردیتی ہے، وہ ایسا معنی بیان کرتی ہے جس سے تناقض وتعارض کا وہم زائل ہوجاتا ہے، مثلاً قرآن کی آیت (وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَّغُلَّ۔ آل عمران: ۱۶۱) سے عصمت نبی کا ثبوت ملتا ہے کہ نبی سے کسی گناہ کا صدور ناممکن ہے مگر دوسری آیت (لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ۔ فتح: ۲) سے نبی سے بھی گناہ کے صدور ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ اس مقام پر صاحب ''بحر مدید'' ایسی

اشاری تفسیر بیان کرتے ہیں جس سے شان عصمت پر ذرہ برابر حرف نہیں آتا، وہ بیان کرتے ہیں: (إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا) بان کشفنا لک عناسرار ذاتنا و انوار صفاتنا و جمال افعالنا فشاهدتنا بنا: (لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ) ای لیغیبک عن وجودک فی شعور محبوبک ویستر عنک حسک ورسمک حتی تکون بنا فی کل شئی قدیما و حدیثا۔ (۳۵)

ترجمہ: إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے نبی! ہم نے آپ کے لیے اپنی ذات کے اسرار، صفات کے انوار اور افعال کا حسن منکشف کردیا جس کی وجہ سے آپ نے ہمارا مشاہدہ کیا۔ (لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ) کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو خیال محبوب میں اس قدر استغراق حاصل ہو جائے کہ آپ اپنے وجود اور اپنے شعور و خیال سے غائب ہو جائیں، یہاں تک کہ ہر قدیم وجدید حالت میں ہماری ہی معیت آپ کو حاصل ہو۔

ایسی اور بھی بہت سی منطقی توجیہات ہیں جو تفسیر اشاری کی اہمیت وضرورت کو بخوبی واضح کرتی ہیں، بلکہ احکام دین کی روح کو سمجھنا تفسیر اشاری کے بغیر ممکن نہیں اور بلاشبہ صوفی منہج پر ایسی تفسیر، تفسیر وہبی ہوا کرتی ہے جس کی طرف جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کا یہ قول اشارہ کررہا ہے جو انھوں نے علوم ضروریہ کے تحت ایک مفسر کے لیے بیان کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: **الخامس عشر: علم الموهبة: وهو علم يورثه الله تعالى لمن عمل بما علم وإليه الإشارة بحديث (من عمل بما علم ورثه الله علم ما لم يعلم۔ (۳۶)**

ترجمہ: مفسر کے لیے پندرہواں علم، علم وہبی ہے، وہ ایسا علم ہے جو اللہ اُسے عطا کرتا ہے اور جس نے اپنے علم پر عمل کیا اس کی طرف یہ حدیث بھی اشارہ کررہی ہے کہ ''جس نے اپنے علم پر عمل کیا تو اللہ اسے ایسا علم عطا کرے گا جو اُسے معلوم نہیں ہوگا۔''

دراصل یہ علم تقویٰ کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا، اس کی طرف قرآن بھی اشارہ کررہا ہے کہ (وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ۔ بقرہ: ۲۷۲) اللہ سے ڈرو، اللہ تجھے علم عطا فرمائے گا۔

اور تقویٰ کا مفاد یہی ہے کہ قلب ہر طرح کے گناہ کی آلودگیوں سے پاک ہو، جس کا قلب ایسا نہیں تو وہ اسرارِ قرآن کا ادراک نہیں کرسکتا۔ امام زرکشی فرماتے ہیں:

إعلم انه لا يحصل للناظر فهم معاني الوحي، ولا يظهر له أسراره، وفي قلبه بدعة أو كبر أو هوى أو حب الدنيا أو وهو مصر على ذنب أو غير متحقق باالايمان أو ضعيف التحقيق، أو يعتمد على قول مفسر ليس عنده علم أو راجع إلى معقوله وهذه كلها حجب و موانع بعضها أكد من بعض۔ (۳۷) (البرھان، ص: ۴۳۵)

ترجمہ: معانی وحی کا فہم، اسرارِ قران پر اطلاع، اس تالی کو حاصل نہیں ہوتا جس کے دل میں

بدعت، کبر، ہوس اور حبِ دنیا ہو، یا وہ معصیت پر اصرار کرتا ہو یا حقیقی ایمان سے محروم ہو، یا ضعیف التحقیق ہو یا ایسے مفسر کے قول پر اعتماد کرتا ہو جس کے پاس کوئی علم و دلیل نہیں، یا منقول چھوڑ کر معقول کی طرف رجوع کرتا ہو، یہ سب حجابات و موانع ہیں جن میں بعض بعض سے مضبوط ہیں۔

تفسیر اشاری کے چند نمونے

۱۔امام سہل بن عبداللہ تستری (۲۷۳ھ) آیت کریمہ **(الذی خلقنی فھو یھدین۔ والذی ھو یطعمنی ویسقین۔ واذا مرضت فھو یشفین ۔ والذی یمیتنی ثم یحیین۔ شعر ا)** کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: **(الذی خلقنی) لعبودیتہ یھدینی الی قربہ (والذی ھو یطعمنی و یسقین) قال : یطعمنی لذۃ الایمان ویسقینی شراب التوکل والکفایۃ (واذا مرضت فھو یشفین) قال: اذاتحرکت بغیرہ لغیرہ عصمنی واذاملت الی شھوۃ من الدنیا منعھا عنی (والذی یمیتنی ثم یحیینی) الذی یمیتنی با الغفلۃ ثم یحیینی بالذکر۔** (۳۷)

ترجمہ: جس نے مجھے اپنی بندگی کے لیے پیدا کیا اور اپنے راہِ قرب کی ہدایت دی، وہ مجھے لذت ایمان کا ذائقہ عطا کرتا ہے اور توکل و کفایت کی شراب پلاتا ہے، جب میں کسی غیر کے لیے حرکت کرتا ہوں تو وہ مجھے بچا لیتا ہے، جب میں دنیا کی طرف مائل ہوتا ہوں تو وہ مجھے روک دیتا ہے، وہ مجھے غفلت میں موت دیتا ہے اور ذکر میں زندگی عطا فرماتا ہے۔ (۳۸)

۲۔امام قشیری آیت کریمہ: یایھا الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم والذین من قبلکم لعلکم تتقون۔ میں اعبدوا کا معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: **اعبدوا با لتجرد عن المحظورات، والتجلد فی اداء الطاعات، ومقابلۃ الواجبات با لخشوع والاستکانۃ والتجافی عن التعریج فی منازل الکسل والاستھانۃ۔** (۳۹)

ترجمہ: اللہ کی عبادت کرو، خود کو ممنوعہ چیزوں سے پاک کر کے، طاعات کی ادائیگی میں سختی کر کے، واجبات میں خشوع و خضوع پیدا کر کے اور سستی و کاہلی کی جگہوں سے خود کو دور رکھ کے۔

تفسیر اشاری: چند مشہور تصنیفات اور اُن کا تعارف

کتاب اللہ معانی و مطالب کا بحرِ بے کراں ہے، اس کے لطائف و عجائب کبھی ختم نہیں ہوں گے۔ اللہ رب العزت کا یہ بے پناہ فضل و احسان ہے کہ اس نے تفسیر اشاری کے ذخیرۂ کتب کی حفاظت فرما کر مطالبِ قرآن کا ایک نادر تحفہ عطا کیا جس سے اجلہ علمائے تفسیر سیراب ہوتے رہے ہیں۔

تفسیر اشاری پر مستقل و غیر مستقل دونوں طرح کی تصنیفات موجود ہیں۔ ذیل میں چند مشہور تصنیفات کا تذکرہ و تعارف درج کیا جا رہا ہے۔ لیکن اس سے پہلے یہ بنیادی بات ملحوظ رکھیں

کہ فن تفسیر میں بعض ایسی کتابیں ہیں جو محض تفسیر ظاہری پر مبنی ہیں، اس میں کسی بھی جہت سے تفسیر اشاری نہیں، جیسے واحدی کی تفسیر بسیط، زمخشری کی تفسیر کشاف وغیرہ۔

ایک قسم وہ ہے جس میں تفسیر ظاہری کا غلبہ ہے مگر اس کے ساتھ تفسیر اشاری بھی کہیں کہیں موجود ہیں، جیسے تفسیر رازی، تفسیر نیشاپوری، تفسیر قرطبی، تفسیر آلوسی وغیرہ۔

ایک قسم وہ ہے جس میں تفسیر ظاہری اور تفسیر اشاری دونوں قدرے فرق کے ساتھ متوازن اور برابر ہیں، جیسے تفسیر روح البیان، البحر المدید، تفسیر مہائمی وغیرہ۔

ایک قسم وہ ہے جس میں تفسیر اشاری کی کثرت ہے اور تفسیر ظاہری کی مقدار نہایت کم ہے، جیسے تفسیر تستری، تفسیر قشیری، التاویلات النجمیۃ وغیرہ۔

ایک قسم وہ ہے جس میں پوری توجہ صرف تفسیر اشاری پر دی گئی ہے، اس میں خالص تفسیر اشاری کے مواد ہیں، جیسے حقائق التفسیر للسلمی (۴۱۲ھ)، تفسیر ابن عربی (۶۳۸ھ)، عرائس البیان فی حقائق القرآن للشیرازی (۶۰۶ھ)، تفسیر حسینی فارسی از ملا واعظ حسین کاشفی (متوفی ۹۱۰ھ) وغیرہ

ان کے علاوہ اور بھی بہت سی کتابیں ہیں جو صوفی منہج تفسیر کے حوالے سے جانی جاتی ہیں۔ ذیل میں چار اہم اور مشہور کتابوں کا ایک اجمالی تعارف اور ان کے منہج و اسلوب کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

تفسیر تستری

اس تفسیر کے مولف امام ابو محمد سہل بن عبداللہ تستری قدس اللہ سرہٗ ہیں (متوفی ۲۸۳ھ) آپ کا شمار کبار عارفین میں ہوتا ہے، صاحب کمالات و کرامات مشائخ میں سے ہیں، آپ کی ملاقات مشہور صوفی حضرت ذوالنون مصری قدس اللہ سرہٗ سے بھی ہے، آپ کو اعلیٰ درجے کا اجتہاد بھی حاصل تھا، آپ کافی عرصے بصرہ میں اقامت پذیر رہے۔

منہج و تفردات

یہ تفسیر مطبوعہ صورت میں دستیاب ہے، یہ بہت زیادہ ضخیم نہیں ہے، کیوں کہ اس میں ہر آیت کی تفسیر نہیں ہے بلکہ ہر سورت کی کچھ مخصوص آیتوں کی تفسیر بیان کی گئی ہے۔ دوسری چیز یہ کہ تفسیر کے جو بھی مواد ہیں وہ سب آپ کے وہ اقوال ہیں جن کو آپ نے وقتاً فوقتاً کسی آیت کی تشریح کے وقت فرمائے تھے۔ اس طرح آپ نے اس کتاب کی تالیف نہیں کی ہے، بلکہ آپ کے اقوال کو جمع کر کے ایک تصنیف کی شکل دے دی گئی ہے۔ اس کا اسلوب علمی و عرفانی ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ اس میں صرف تفسیر اشاری ہی موجود ہے، بلکہ کہیں کہیں تفسیر ظاہری بھی موجود ہے اور ایسا بھی ہے کہ اس میں کہیں صرف تفسیر اشاری ہے اور کہیں صرف تفسیر ظاہری۔ اس منہج سے

صاف واضح ہے کہ آپ نے تفسیر ظاہری کا بھی اہتمام کیا ہے اور اُسے بھی اہم مانتے ہیں محض تفسیر اشاری پر اکتفا نہیں کیا۔ (۴۰)

حقائق التفسیر للسلمی

اس تفسیر کے مولف امام ابو عبد الرحمٰن محمد بن حسین بن موسیٰ الازدی السلمی (متوفی ۴۱۲ھ) ہیں، خراسان کے مشہور عالم و محدث اور امام الاصفیاء تھے۔ آپ کو بہت سے علوم وفنون پر ید طولی حاصل تھا، خاص طور سے علم حدیث پر زبردست مہارت تھی، یہاں تک کہ حاکم ابو عبداللہ نیشاپوری اور امام ابوالقاسم قشیری جیسی ہستی آپ سے درس حدیث لیا کرتی تھی۔ مرو، عراق، خراسان میں آپ کی علمی وروحانی جلالت کا شہرہ تھا اور مختلف علوم وفنون میں آپ کی تقریباً سو سے زائد تصانیف موجود ہیں۔

منہج وامتیازات

یہ قرآن کی مکمل تفسیر ہے مگر اس میں صرف تفسیر اشاری پر اکتفا کیا گیا ہے اس میں تفسیر ظاہری کہیں بھی نہیں ہے۔ اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ آپ تفسیر ظاہری کے قائل نہیں تھے بلکہ اولاً اسی تفسیر کو قابل اعتبار مانتے تھے۔ اس کتاب کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ یہ حقیقت میں شیخ سلمی کی اپنی ذاتی تفسیر نہیں بلکہ انھوں نے ارباب حقیقت کے اقوال کو حسب سورت و آیت بیان کر دیا ہے اور اسے مرتب کر کے حقائق القرآن کے نام سے موسوم کیا ہے، اس اعتبار سے وہ اس کتاب کے مولف نہیں بلکہ مرتب وجامع ہیں۔ خصوصی طور سے جن کے اقوال کو تفسیر میں ذکر کیا گیا ہے، ان میں امام جعفر صادق، شیخ جنید بغدادی، فضیل بن عیاض، سہل بن عبد اللہ تستری قدست اسرارہم جیسی مستند ومقدس شخصیات سرفہرست ہیں۔ (۴۱)

مذکورہ کتاب کے بارے میں علما کے کچھ اعتراضات ہیں مگر اُن اعتراضات کا معقولی جواب بھی موجود ہے، مثلاً: حافظ ابنِ تیمیہ اس کتاب پر جرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَمَا یُنْقَلُ فِی حَقَائِقِ السُّلَّمِی عَنْ جَعْفَرِ الصَّادِقِ عَامَّتَهٗ کُذِبَ عَلٰی جَعْفَرٍ کَمَا قَدْ کُذِبَ عَلَیْهِ فِی غَیْرِ ذٰلِکَ۔

ترجمہ: سلمی کی حقائق التفسیر میں جو روایت امام جعفر صادق سے منقول ہیں درحقیقت وہ ان پر کذب ہے، جیسا کہ اس کے علاوہ بھی جھوٹی باتیں ان کی طرف منسوب کی گئیں ہیں۔ (۴۲)

ابن تیمیہ کے اس اعتراض کا جواب بہت لوگوں نے معقولی انداز میں دیا ہے جن سے ان کا اعتراض بے محل نظر آتا ہے اور یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ امام سلمی جیسا محقق ومحدث اور اصولی انسان کسی روایت کو نقل کرنے میں موضوع اور غیر موضوع کے درمیان تمیز ملحوظ نہ رکھے۔

لطائف الاشارات

اس کتاب کے مصنف امام عبد الکریم بن ہوازن قشیری (متوفی ۴۶۵ھ) ہیں۔ یہ اپنے وقت کے مشہور متکلم، محقق وفقیہ اور صوفی واعظ تھے اور ارباب سلوک کے مقتدا وامام تھے، انھیں خطیب نیشاپور بھی کہا جاتا تھا اور علوم ظاہر وباطنی میں یکساں کمال حاصل تھا۔ آپ کے شیوخ میں شیخ بوعلی دقاق اور شیخ ابوسعید ابوالخیر، امام سلمی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

منہج وخصوصیات

خود امام قشیری قدس اللہ سرہٗ اس کتاب کے اسلوب کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ہماری یہ کتاب قرآنی اشارات کے ذکر پر مبنی ہے۔ رہ گئے علما کے اقوال اور اُن کے اصولی مسائل تو ہم نے طوالت کے خوف سے نہایت اختصار سے کام لیا ہے۔

اس کتاب میں صرف تفسیر اشاری نہیں، بلکہ تفسیر ظاہری بھی موجود ہے، جو خالص علمی انداز میں ہے، اگرچہ تفسیر اشاری کا غلبہ ہے۔ اس کتاب سے مصنف کا علمی مقام بھی واضح ہوتا ہے، انھوں نے علمی طور سے اشارات اخذ کیے ہیں، اسلوب بہت بلیغ ہے۔ (۴۳)

عرائس البیان فی حقائق القرآن

اس کتاب کے مصنف ابو محمد روزبہان بن ابو نصر بقلی فسوی شیرازی (متوفی ۶۰۶ھ) ہیں۔ آپ بڑے نامور متکلم، مفسر، صوفی محقق اور شیخ نجم الدین کبریٰ کے مشائخ میں تھے۔ آپ کثیر التصانیف تھے۔

منہج اور خصوصیات

اس کتاب میں خالص تفسیر اشاری ہے تفسیر ظاہری بالکل نہیں ہے، اگرچہ مصنف کے نزدیک اولاً تفسیر ظاہری کی اہمیت ہے، جیسا کہ مقدمۃ الکتاب میں اس کی صراحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: جس طرح علما نے قرآن کے ظاہری معانی اور مطالب بیان کیے ہیں اسی طرح میں نے حقائق قرآن کے حوالے سے ایک مختصر سی کتاب تصنیف کی ہے جو طویل اور تفصیل سے خالی ہے۔ میں نے اس میں رحمٰن کی جانب سے جو اشارات ولطائف عطا ہوئے ان کو عمدہ انداز اور نفیس عبارت میں بیان کیا ہے۔ بعض مقامات پر میں نے کسی آیت کی ایسی تفسیر کی ہے، جو اس سے پہلے کسی مشائخ نے نہیں کی ہے۔

مصنف کی اس تحریر سے واضح ہے کہ اس میں خالص عرفان ووجدان کی باتیں ہیں جو معارف وحقائق اور اسرار ودقائق سے متعلق ہیں۔ مزید یہ کہ اس میں ندرت بیان کے ساتھ نکات واشارات میں بھی انوکھا پن ہے۔ یہ کتاب ایک مستقل علمی ذخیرہ ہے جس سے ارباب عرفان وعشق اپنے ذوق ووجدان کی تسکین حاصل کرتے ہیں۔ مشائخ کے نزدیک اس کتاب کی بڑی قدر ومنزلت ہے۔ (۴۴)

حوالہ جات

۱۔الاتقان فی علوم القرآن، ج:۴،ص:۱۹۸

۲۔کہف:۸۵

۳۔الموافقات،ص:۶۹۹-۶۹۸ دارالکتب العلمیہ

۴۔نسا:۸۲

۵۔نسا:۸۳

(۔نسا:۸۷

۷۔محمد:۲۴

۸۔الموافقات،جلد:۳،ص:۲۷۳،اخرجہ البخاری والنسائی

۹۔اخرجہ العراقی فی المغنی بحاشیۃ الاحیاء،جلد:۱،ص:۹۹

۱۰۔یوسف

۱۱۔مسندامام احمد،جلد:۱،ص:۲۶۶ط دارصادرالکتب العلمیہ بیروت

۱۲۔احیاءالعلوم،ج:۱،ص:۲۹۰

۱۳۔الاتقان للسیوطی،ص:۴۷۴

۱۴۔المعجم الکبیرللطبرانی،حدیث:۸۶۶۴

۱۵۔الاتقان،ص:۴۷۴

۱۶۔مصدرسابق

۱۷۔احیاءعلوم الدین،جلد:۱،ص:۲۸۹

۱۸۔الموافقات،جلد:۳،ص:۳۸۴

۱۹۔موافقات،ج:۳،ص:۴۰۴

۲۰۔شرح عقائدنسفی،ص:۱۴۳

۲۱۔ص:۴۷۲

۲۲۔فتاوی ابن تیمیہ جلد۶ص۳۷۶

۲۳۔التبیان فی اقسام القرآن ص۵۱

۲۴۔التبیان فی اقسام القرآن ص۵۱

۲۵۔مقدمہ تفسیرآلوسی،ص:۸

(۲۶)(التبیان فی اقسام القرآن

۲۷۔الموافقات،ج:۴،ص:۲۳۲

۲۸۔احیاءالعلوم،ج:۱،ص:۲۹۱

۲۹۔مناہل العرفان

۳۰۔تلخیص ازموافقات،ج:۳،ص:۴۰۴

۳۱۔مناہل،ج:۲،ص:۷۰

۳۲۔تخریج سابق

۳۳۔مقدمہ لطائف الاشارات للقشیری،ص:۸

۳۴۔مجادلہ

۳۵۔البحرالمدید،ج:۵،ص:۵۸۳

۳۶۔الاتقان،ج:۴،ص:۱۸۸

۳۷۔تفسیرتستری،ج:۱،ص:۷۱تا۷۴

۳۸۔تفسیرتستری:ج:۱،ص،۱۷-۱۸

۳۹۔لطائف الاشارات،ج:۱،ص:۷۹

۴۰۔تلخیص ازتفسیرومفسرون ازدکتورمحمدحسن ذہبی،ج:۴،ص:۳۲۷-۳۲۶

۴۱۔تلخیص ازنفس مصدر

۴۲۔نفس مصدر،ص:۳۲۹

۴۳۔ماخذومراجع،اکمال الرجال،تفسیرقشیری،اسرارالتوحید

۴۴۔عرائس البیان التفسیروالمفسرون،مناہل العرفان

○○○

مخدوم جہاں کی فقہی بصیرت

مکتوبات وملفوظات کی روشنی میں

لغت میں فقہ کے معنی سمجھنے کے ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم میں جہاں کہیں اس مادہ سے مشتق کسی لفظ کا استعمال ہوا ہے، وہاں اسی معنی میں ہوا ہے۔

(۱) وَلٰکِنۡ لَّا تَفۡقَهُوۡنَ تَسۡبِيۡحَهُمۡ : ہاں! تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے۔ (بنی اسرائیل: ۴۴)

(۲) قَالُوۡا يٰشُعَيۡبُ مَا نَفۡقَهُ كَثِيۡرًا مِّمَّا تَقُوۡلُ : بولے: اے شعیب! ہماری سمجھ میں نہیں آتیں تمہاری بہت سی باتیں. (ھود: ۹۱)

(۳) اُحۡلُلۡ عُقۡدَةً مِّنۡ لِّسَانِىۡ يَفۡقَهُوۡا قَوۡلِىۡ : اور میری زبان کی گرہ کھول دے کہ وہ میری بات سمجھیں۔ (طٰہٰ: ۲۸)

(۴) فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الۡقَوۡمِ لَا يَكَادُوۡنَ يَفۡقَهُوۡنَ حَدِيۡثًا : تو ان لوگوں کو کیا ہوا؟ کوئی بات سمجھتے معلوم ہی نہیں ہوتے۔ (النساء: ۷۸)

(۵) اُنۡظُرۡ كَيۡفَ نُصَرِّفُ الۡاٰيٰتِ لَعَلَّهُمۡ يَفۡقَهُوۡنَ : دیکھو! ہم کیوں کر طرح طرح سے آیتیں بیان کرتے ہیں کہ ان کو سمجھ ہو۔ انعام: ۶۵)

(۶) قَدۡ فَصَّلۡنَا الۡاٰيٰتِ لِقَوۡمٍ يَّفۡقَهُوۡنَ : بیشک ہم نے مفصل آیتیں بیان کردیں سمجھ والے کے لیے۔ (انعام: ۹۸)

(۷) لَهُمۡ قُلُوۡبٌ لَّا يَفۡقَهُوۡنَ بِهَا : وہ دل رکھتے ہیں جن میں سمجھ نہیں۔ (الاعراف: ۱۷۹)

(۸) يَغۡلِبُوۡۤا اَلۡفًا مِّنَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِاَنَّهُمۡ قَوۡمٌ لَّا يَفۡقَهُوۡنَ : کافروں کے ہزار پر غالب آئیں گے اس لیے کہ وہ سمجھ نہیں رکھتے۔ (انفال: ۶۵)

(۹) قُلۡ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ‌ؕ لَوۡ كَانُوۡا يَفۡقَهُوۡنَ : تم فرماؤ: جہنم کی آگ سب سے سخت گرم ہے، کسی طرح انہیں سمجھ ہوتی۔ (توبہ: ۸۱)

(۱۰) طُبِعَ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ فَهُمۡ لَا يَفۡقَهُوۡنَ : اور ان کے دلوں پر مہر کردی گئی تو وہ کچھ نہیں سمجھتے۔ (توبہ: ۸۱)

(۱۱) صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوۡبَهُمۡ بِاَنَّهُمۡ قَوۡمٌ لَّا يَفۡقَهُوۡنَ : اللہ نے ان کے دل پلٹ دیے کہ وہ ناسمجھ لوگ ہیں۔ (توبہ: ۱۲۷)

(۱۲) وَجَدَ مِنۡ دُوۡنِهِمَا قَوۡمًا ۙ لَّا يَكَادُوۡنَ يَفۡقَهُوۡنَ قَوۡلًا : ان سے ادھر کچھ ایسے لوگ پائے کہ کوئی بات سمجھتے معلوم نہ ہوتے تھے۔ (کہف: ۹۳)

(۱۳) فَسَيَقُوۡلُوۡنَ بَلۡ تَحۡسُدُوۡنَنَا ‌ؕ بَلۡ كَانُوۡا لَا يَفۡقَهُوۡنَ اِلَّا قَلِيۡلًا : تو اب کہیں گے: بلکہ تم ہم سے جلتے ہو! بلکہ وہ بات نہ سمجھتے تھے۔ (فتح: ۱۵)

(۱۴) ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ قَوۡمٌ لَّا يَفۡقَهُوۡنَ : اس لیے کہ وہ ناسمجھ لوگ ہیں۔ (حشر: ۱۳)

(۱۵) ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ اٰمَنُوۡا ثُمَّ كَفَرُوۡا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ فَهُمۡ لَا يَفۡقَهُوۡنَ : یہ اس لیے کہ وہ زبان سے ایمان لائے پھر دل سے کافر ہوئے تو ان کے دلوں پر مہر کردی گئی تو اب وہ کچھ نہیں سمجھتے۔ (منافقون: ۳)

(۱۶) وَلٰكِنَّ الۡمُنٰفِقِيۡنَ لَا يَفۡقَهُوۡنَ : مگر منافقوں کو سمجھ نہیں۔ (منافقون: ۷)

(۱۷-۱۹) وَجَعَلۡنَا عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ اَكِنَّةً اَنۡ يَّفۡقَهُوۡهُ : اور ہم نے ان کے دلوں پر غلاف کردیے ہیں کہ اسے نہ سمجھیں۔ (انعام: ۲۵؛ اسراء: ۴۶؛ کہف: ۵۷)

(۲۰) فَلَوۡلَا نَفَرَ مِنۡ كُلِّ فِرۡقَةٍ مِّنۡهُمۡ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوۡا فِى الدِّيۡنِ : تو کیوں نہ ہوا کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کریں۔ (توبہ: ۱۲۲)

متقدمین علمائے اسلام نے اپنی اصطلاح خاص میں اس لفظ کو **معرفۃ النفس ما لها وما علیها** (نفع بخش اور ضرر رساں چیزوں کی معرفت) کے لئے استعمال کیا ہے، جس کی بنیاد پر علم کلام ہی کی طرح تصوّف بھی فقہ ہی کا حصّہ تھا۔ متاخّرین نے جب علم کی تقسیم کی اور ذرا ذرا سے فرق سے الگ الگ نام رکھے تو علم کلام ہی کی طرح علم تصوّف بھی فقہ سے الگ ہوگیا، اور اب یہ **علم الحلا ل والحرام** کے ساتھ خاص ہوا۔ فقہ کا اطلاق صرف اس علم پر ہونے لگا جس کے ذریعہ مکلّفین کے اعمال ظاہری کا درست و نادرست اور فرض، واجب، سُنّت موکّدہ، غیر موکّدہ، مستحب۔ مباح۔ خلاف اولیٰ، مکروہ تنزیہی، اسائت، مکروہ تحریمی اور حرام ہونا معلوم ہوسکے۔ تصوّف ایسے اعمال باطنی سے متعلق رہا جو ظاہری اعمال کا نتیجہ ہوں اور ظاہری اعمال ان کے

غمّاز۔ گویا قیام وقرأت، رکوع وسجود اور قعود وخروج کا عامل، عاملِ فقہ ہے اور اس کے ساتھ حضور قلب بھی ہو تو عاملِ تصوف۔ صلّوا کما رأیتمونی اصلّی (تم لوگ نماز اس طرح پڑھو جس طرح مجھے پڑھتے دیکھتے ہو) کی تعمیل فقہ ہے اور اعبدالله کانّک تراہ (اللہ کی عبادت اس طرح کرو جیسے تم اسے دیکھ رہے ہو) کی تکمیل تصوّف۔ مکتوبات صدی میں ہے:

شریعت (فقہ) میں توحید، طہارت، نماز، روزہ، حج، جہاد، زکوۃ، اور دوسرے احکام شرائع ومعاملات ضروری کا بیان ہے۔ طریقت (تصوف) کہتی ہے کہ ان معاملات کی حقیقت دریافت کرو، ان مشروعات کی تہ تک پہنچو، اعمال کو قلبی صفائی سے آراستہ کرو، اخلاق کو نفسانی کدورتوں سے پاک کرو: جیسے ریاکاری ہے، ہوائے نفسانی ہے، ظلم وجفا ہے، شرک وکفر ہے وغیرہ وغیرہ ــــ اچھا! اس طرح نہ سمجھے ہو تو یوں سمجھو کہ ظاہری طہارت، ظاہری تہذیب سے جس امر کو تعلق ہے، وہ شریعت (فقہ) ہے۔ تزکیۂ باطن وتصفیۂ قلب سے جس کو لگاؤ ہو، وہ طریقت (تصوف) ہے۔ کپڑے دھوکر ایسا پاک بنالینا کہ اس کو پہن کر نماز پڑھ سکیں یہ فعل شریعت (فقہ) ہے اور دل کو کدورت بشری سے پاک رکھنا یہ فعل طریقت (تصوف) ہے۔ ہر نماز کے لئے وضو کرنے کو شریعت (فقہ) کا ایک کام سمجھو اور ہمیشہ باوضو رہنے کو طریقت (تصوف) کا دستور العمل تصور کرو۔ نماز میں قبلہ رو کھڑا ہونا شریعت (فقہ) ہے اور دل سے اللہ کی طرف متوجّہ ہو جانا طریقت (تصوف) ہے۔ حواس ظاہری سے جن معاملات دینی کا تعلق ہے اس کی رعایت ملحوظ رکھنا شریعت (فقہ) اور جن معاملات دینی کو قلب وروح سے تعلق ہے اس کی رعایت کرنا طریقت (تصوف) ہے۔ (مکتوب ۲۵: ص ۱۹۲)

اس اعتبار سے فقہ ایوان تصوف کا زینہ۔ یا۔ کتاب معرفت کا ا ب ت ث قرار پایا، جس کے بغیر تصوف ومعرفت تک رسائی ممکن ہی نہیں۔ مکتوبات صدی ہی میں ہے:

جو شخص طریقت (تصوف) کی راہ کا طلب گار ہو اس کے پاس شریعت (فقہ) کی پونجی ہونا ضرور چاہیے تاکہ قصبۂ شریعت (فقہ) سے شہر طریقت (تصوف) میں پہونچے۔ طریقت میں جہاں قدم درست ہوا ملک حقیقت میں پہنچ جانا آسان ہے۔ جس نے علم شریعت (فقہ) ہی کو نہیں سمجھا ہے وہ طریقت (تصوف) کو کیا پہچانے گا؟ اور جب طریقت ہی سے شناسائی نہیں ہے تو حقیقت تک کیوں کر رسائی ہوسکتی ہے؟ اس لئے بے علم ومعرفت اور ناواقفِ شریعت (فقہ) کو اس راہ پر چلنے کی اجازت نہیں۔ اگر اپنی خود رائی سے کوئی ایسا کرے گا تو بھٹک کر رہ جائے گا اور اسی چکّر میں اس کی جان بھی چلی جائے گی۔ جب تک کوئی شریعت (فقہ) میں محقق نہ ہوگا طریقت (تصوف) سے اس کو کوئی فائدہ نہ پہنچے گا۔ (مکتوب: ۳۹: ص (۳۸۴)

تصوف تو بہت دور کی چیز ہے، فقہ کے بغیر عام اسلامی زندگی کا بھی تصور نہیں کیا جاسکتا۔ سچ پوچھیے تو ایک مسلمان کو بحیثیت مسلمان کسی بھی حال میں فقہ کے بغیر چارہ نہیں جب ایک عام مسلمان کو اس کے بغیر چارہ نہیں تو اہل معرفت صوفیہ کرام جو خواص ہیں، وہ اس کے بغیر کیسے اپنی منزل مقصود تک پہنچ سکتے ہیں؟ اس لئے اُن کا ارشاد ہے: **من تصوّف ولم تفقه فقد زندق** (ترجمہ) جو فقہ کے بغیر تصوف میں لگے گا زندیق ہو جائے گا'' خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ارشاد فرمایا ہے: **المتعبّد من غیر فقه کالحمار فی الطاحون** (ترجمہ) فقہ کے بغیر عبادت کی کلفت اُٹھانے والا چکّی کے گدھے کی طرح ہے'' دوسری حدیث میں ارشاد ہے: **فقیه واحد اشد علی الشیطان من الف عابد** (ترجمہ) شیطان کے لئے ہزار عبادت گذاروں کی بہ نسبت ایک فقیہ زیادہ گراں ہے۔''

حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین یحیٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کے سرخیل صوفیہ تھے، جن سے ایک جہاں نے فیض پایا ہے اور سیکڑوں صوفیہ نے استفادہ کیا ہے۔ حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی علیہ الرحمۃ جیسی بزرگ ہستی نے ان کے مزار پر چلہ کشی کی ہے اور مستفید ہوئے ہیں، بھلا آپ اس سے کیسے کنارہ کش رہ سکتے تھے! اس لئے آپ نے تصوف سے پہلے فقہ کی تحصیل میں عمر کا ایک بڑا حصّہ (22 سال) صرف کیا، اور ابوتوامہ جیسے فاضل روزگار وفقیہ وقت سے اس کی تحصیل کی۔ اس کے بعد تصوف کے میدان میں قدم رکھا اور بیشتر معاصرین پر سبقت لے گئے۔ آپ نے اپنے مریدین ومسترشدین کے لئے جو ملفوظات ارشاد فرمائے اور مکتوبات لکھے اُن میں جابجا فقہ پر عمل پیرا ہونے کی سخت تاکید، مسائل کے استخراج واستنباط اور افتا کے اصول وقواعد کی جھلکیاں۔ نیز مفتیٰ بہ مسائل کا بیان ملتا ہے۔ جن سے آپ کے نزدیک فقہ پر عمل کی اہمیت، مسائل فقہ پر آپ کا عبور نیز آپ کی فقہی بصیرت اور ایک گونہ مجتہدانہ شان نمایاں ہوتی ہے۔

فقہ پر عمل کی اہمیت: ۔ حضرت مخدوم جہاں رحمۃ اللہ علیہ نے تمام مسلمانوں کو عموماً اور اپنے منتسبین ومعتقدین کو خصوصاً ہر ہر قدم پہ فقہ پر عمل پیرا ہونے کی جو تاکید فرمائی ہے اور اس کی اہمیت سے انہیں آگاہ کیا ہے، وہ ان کے مکتوبات وملفوظات کے ورق ورق سے عیاں ہے۔ یہاں ہم قاضی شمس الدین کے نام لکھے ہوئے مکتوبات سے کچھ تلخیص پیش کر رہے ہیں، جن سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت مخدوم جہاں کے نزدیک فقہ پر عمل پیرا ہونا کتنا ضروری ہے اور اس کی کیا اہمیت ہے؟ حضرت مخدوم جہاں رحمۃ اللہ علیہ ایک مکتوب کے اندر نماز سے متعلق فرض، واجب اور سنت ہی کا التزام نہیں، مستحبات تک کی رعایت کے بارے میں فرماتے ہیں:

معلوم ہونا چاہیے کہ جب ایمان کامل ہوگیا اور توبہ درست ہوگئی تو مرید کو چاہیے کہ:

(۱) ہمیشہ باوضو رہے ہرگز ہرگز ایک ساعت بے وضو نہ رہے۔

(۲) ہر وضو کے بعد دو رکعت تحیّۃ الوضو ضرور ادا کرے، اس کو فوت نہ ہونے دے۔

(۳) پانچوں وقت کی نماز با جماعت ادا کرے، ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرتا رہے۔

(۴) نماز فرض مسجد میں ادا کی جائے اور نماز نفل گھر میں۔

(۵) رات رہتے صبح کے قبل بیدار ہو، اور بعد وضو شکرانۂ وضو کی نماز پڑھ کر سو بار کہے:

استغفر اللہ من الذنوب کلھا صغیرھا و کبیرھا سرِّھا و جھرھا، اللّٰھم اغفرلی برحمتک (ترجمہ) میں خدا سے اپنے چھوٹے بڑے ظاہر اور چھپے تمام گناہوں کی معافی چاہتا ہوں۔ اے اللہ! مجھے اپنی رحمت سے بخش دے۔

(۶) جب صبح صادق ظاہر ہو، دو رکعت نماز سنت فجر ادا کرے۔ سنت کے بعد یہ دعا پڑھے:

اللّٰھم انی اسئلک رحمۃ من عندک تھدی بھا قلبی (ترجمہ) اے اللہ! میں تجھ سے تیری اس رحمت کا طلبگار ہوں جو میرے دل کو تیری راہ پر چلاتا رہے'' اور ستر بار کہے: **استغفر اللّٰہ الذی لاالٰہ الا ھو الحی القیوم۔ اللّٰھم انی اسئلک التوبۃ۔** (ترجمہ) میں اللہ کی بارگاہ میں استغفار کرتا ہوں۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہی حی و قیوم ہے۔ اے اللہ! میں تجھ سے توبہ کی توفیق چاہتا ہوں۔

(۷) اس کے بعد نماز فجر بحضور قلب اور با جماعت ادا کرے۔

(۸) جب آفتاب نکل کر تھوڑا بلند ہو جائے، دو رکعت نماز اشراق پڑھا کرے، کم سے کم اشراق کا یہ درجہ ہے۔

(۹) جب آفتاب بہت زیادہ بلند ہو جائے، دو رکعت نماز چاشت ادا کرے۔

(۱۰) جب نماز ظہر کا وقت آ جائے تو طہارت کرے، پہلے چار رکعت سنت پڑھے، اس کے بعد فرض ادا کرے، پھر دو رکعت سنت پڑھے۔

(۱۱) جب عصر کا وقت آ جائے تو مزید چار رکعت سنت ادا کرے، بعد اس کے چار رکعت فرض پڑھے۔

(۱۲) پھر نماز مغرب کی تیاری کرے، پہلے تین رکعت فرض، اس کے بعد دو رکعت سنت پڑھے۔

(۱۳) اس کے بعد بیس رکعت صلوۃ اوابین ادا کرے، اگر ممکن ہو تو بیسوں رکعت پڑھا کرے ورنہ جس قدر ہو سکے مقرر کرے۔

(۱۴) جب عشا کی نماز کا وقت آئے، چار رکعت سنت، پھر چار رکعت فرض ادا کرے، اور دو رکعت سنت پڑھے۔ وتر کو آخر شب کے لئے اٹھا رکھے، اگر اٹھ جانے پر قادر ہو اور جاگنے کا اعتماد ہو اور سمجھتا ہو کہ نیند ضرور ٹوٹ جائے گی۔ اور اگر خوف سوتے رہ جانے کا ہو تو عشاء کے ساتھ

ساتھ وتر پڑھ لے۔ (مکتوبات صدی مترجم: مکتوب: ۲۸)

انہی قاضی شمس الدین کے نام ایک دوسرے مکتوب میں فرماتے ہیں: مرید کے مرتبوں میں پہلا مرتبہ شریعت (فقہ) کا راستہ ہے۔ جب مرید شریعت (فقہ) کے احکام کی شرطوں پر قائم رہ کر چلتا رہا اور شریعت (فقہ) کے حدود کی پوری حفاظت کی، پھر ہر طرح اس کا حق بھی ادا کیا تو اب چاہیے کہ وہ اپنی ہمت کو بلند رکھے تا کہ شریعت (فقہ) کا حق ادا کرنے کی برکت سے اور عالی ہمتی کے طفیل طریقت (تصوف) اپنا جلوہ دکھائے۔ یہ خیال ہی خیال ہے کہ بغیر شریعت (فقہ) پر چلے ہوئے طریقت (تصوف) کا راستہ کھول دیا جائے گا۔ بغیر شریعت (فقہ) کے طریقت (تصوف) کام آنے والی نہیں ہے۔ (مکتوبات صدی: مکتوب: ۵۶)

حضرت مخدوم جہاں رحمۃ اللہ علیہ کا ایک خاص اسلوب یہ ہے کہ آپ حتی الامکان امر و حکم کے پیرایہ سے گریز کرتے ہوئے ترغیب و تحریص کا انداز اپناتے ہیں۔ اس لئے عام طور پر قرآن وحدیث کے پہلو بہ پہلو بزرگان دین کے حالات و واقعات بھی بکثرت بیان فرماتے ہیں۔ قاضی شمس الدین کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں: اگر بزرگوں کے معاملات پر غور کرو تو سمجھو کہ شریعت کے ساتھ ان کے کیا آداب رہے ہیں؟ مرتے دم بھی آداب شریعت سے منہ نہیں موڑتے۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا جب وقت اخیر ہوا، ضعف کا عالم طاری تھا، حسب حکم ایک صاحب وضو کرانے میں مشغول ہوئے۔ عجب اتفاق کہ وہ صاحب رِیش مبارک میں خلال کرانا بھول گئے، آپ نے خود سے ان کا ہاتھ پکڑا اور اس سُنّت کو پورا کیا۔ حاضرین نے عرض کی: اے میرے دین کے سردار! ایسے نازک وقت میں اس قدر تکلیف کی حاجت نہیں۔ آپ نے کہا: سچ ہے، مگر یہ بھی تو دیکھو کہ اللہ کس کی بدولت ملا؟ اسی شریعت (فقہ) ورزی نے وہاں تک پہونچایا'' جو اہلِ کمال ہوتے ہیں ان کی یہی روش رہی ہے۔ (مکتوبات صدی: مکتوب: ۱۷)

ایک اور مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں: تم اپنا عقیدہ ان بزرگانِ دین کی طرف سے بہت پاک وصاف رکھو اور دل میں سمجھو کہ یہ حضرات کبھی خلاف شریعت (فقہ) کوئی کام نہیں کرتے۔ جو شخص آداب شریعت (فقہ) سے ایک ادب بھی ترک کرنا پسند نہ کرے، وہ فرض و واجب کیوں کر ترک کرے گا؟ سیکڑوں حکایتیں آداب شریعت (فقہ) میں ان بزرگان دین کی اس قدر مشہور و معروف ہیں کہ زیادہ بیان کی ضرورت نہیں۔ ایک بزرگ کہا کرتے تھے کہ: ہم خدا سے عمرِ ابدی چاہتے ہیں تا کہ تمام خلق بہشت کے ناز و نعمت میں مشغول رہے اور ہم دنیا کے بلاؤں میں گرفتار رہ کر آداب شریعت (فقہ) میں ثابت قدمی کی منزلیں طے کرتے رہیں'' سچ ہے: شریعت (فقہ) کی قدر جو یہ بزرگان دین جانتے ہیں، کوئی کیا جانے گا؟ اور آداب شریعت (فقہ) کا جوان کو خیال ہے،

کیا کسی کو خیال ہوگا ؟ اللہ اکبر !اتنی بڑی دولت آخر کس کے طفیل ان کو ملی ہے؟ اسی پاک شریعت (فقہ) کے طفیل میں۔ (مکتوبات صدی: مکتوب:۲۶)

بعض مدعیان تصوف جو شیطان کے بہکاوے میں آکر فقہ پر عمل پیرا ہونے کو ضروری نہیں سمجھتے اور اس سے اعراض کرتے ہیں، ان کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

افسوس کے قابل ان لوگوں کی حالت ہے جو شریعت (فقہ) کی راہ کی پرواہ نہیں کرتے اور اہل حقیقت (تصوف) بن بیٹھے ہیں۔ دعوی ان کا یہ ہے کہ جب حقیقت منکشف ہوگئی تو شریعت (فقہ) کی ضرورت کیا باقی رہی؟ نعوذ باللہ من ذلك! یہ مذہب ملحدانہ ہے۔ ایسے مذہب و اعتقاد پر خدا کی پھٹکار ہو۔ (مکتوبات صدی:۲۶)

ایک دوسرے مکتوب میں فرماتے ہیں جس شخص کو ایسا دیکھو کہ مدّعیٔ طریقت (تصوف) ہوکر شریعت (فقہ) کے موافق نہیں چلتا تو سمجھ لو کہ اس کو طریقت (تصوف) سے کچھ حاصل نہیں ہونے والا ہے، اس لئے اسفل السافلین میں جا گرا ہے کہ اوپر آنا اس کا دشوار ہے۔ یہ مذہب تو ملحدوں کا ہے کہ طریقت (تصوف) کا قیام بغیر شریعت (فقہ) کے وہ جائز رکھتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ جب حقیقت منکشف ہوتی ہے تو شریعت (فقہ) کی پابندی باقی نہیں رہتی ہے۔ ایسے اعتقاد پر خدا کی پھٹکار۔
(مکتوبات صدی: مترجم مکتوب 28)

اصول استنباط اور قواعد افتا: حضرت مخدوم جہاں رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات و مکتوبات میں استنباط مسائل کے جو اصول اور افتا کے قواعد مذکور ہوئے ہیں، وہ آپ کے علمِ فقہ میں راسخ ہونے کا واضح پتہ دے رہے ہیں۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ فقہ کا پہلا مصدر و ماخذ کلام الٰہی (قرآن) ہے، اس لئے فقیہ کے لئے لازم ہے کہ سب سے پہلے وہ قرآن کریم میں مسئلہ کی جستجو کرے۔ وہاں دستیاب ہوجائے تو کہیں اور خاک چھاننے کی ضرورت نہیں، مگر قرآن کریم اپنے اعجاز و ایجاز بیانی کی وجہ سے جہاں آیات محکمات رکھے ہوئے ہے وہیں متشابہات بھی۔ جہاں اس کے سرِ بالا پر مفسرّات کا زرّیں تاج ہے وہیں اس میں مشکلات کی بخیہ گری بھی ہے۔ جہاں اس کے رخِ روشن سے ظواہر کی شعائیں پھوٹ رہی ہیں، وہیں اس کے کاکل مشکیں سے خفیات کا ملگجا بھی معلوم پڑتا ہے۔ جہاں اس کے قدِ موزوں پر خاص و عام کی حسین قبا ہے وہیں اس میں مشترک و مأوّل کا استر بھی لگا ہے۔ اسی لئے بغیر واسطۂ رسالت محض لغت و عقل کے سہارے اس کے گوہر مراد تک رسائی کی کوشش بھی گمرہی کے سوا کچھ نہیں۔ خود قرآن کا اعلان ہے: **یضل به کثیرا**۔ پڑھ کر بہت سے لوگ گمراہ بھی ہوجاتے ہیں۔

اسی وجہ سے فقہ کا دوسرا ماخذ حدیث رسول ہے۔ قرآن کا ارشاد ہے: **مَاآتَاکُمُ الرَّسُوْلُ**

فَخُذُوْهُ وَمَانَهٰکُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا۔ اور جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو (حشر:۷) مگر حدیث کی روایت کرنے والے خواہ عدالت کے پیکر صحابہ ہی کیوں نہ ہوں بہرحال انسان ہی ہیں ان سے بھی کسی لفظ کا معنی کچھ سے کچھ سمجھ جانا۔ یا۔ سہو و نسیان ہوجانا ناممکن نہیں، جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ بنت قیس کی روایت کردہ ایک حدیث کے تعلق سے فرمایا ہے: **لاندع کتاب ربّنا و سنّة نبیّنا بقول امرأة لاندری اصدقت ام کذبت احفظت ام نسیت**۔ ہم ایک عورت کے کہنے پر اپنے رب کی کتاب اور نبی کی سُنّت کو چھوڑ نہیں دیں گے۔ پتہ نہیں کہ اس کی یہ بات کہاں تک صحیح ہے۔ اسے صحیح صحیح یاد بھی ہے یا بھول گئی ہے۔ (نورالانوار: ص۱۸۵)

اس لئے امام بخاری کے استاذ الاساتذہ امام ابن عیینہ جیسے محدث جلیل کو کہنا پڑا: **الاحادیث مضلة الاللفقها**۔ غیر فقیہ حدیث سے استدلال کرے تو گمراہ ہوجائے۔ حضرت مخدوم جہاں فرماتے ہیں کہ: علم احادیث مشکل علمے است۔ جملہ اقسام کتاب دراں موجود است۔ تا آں جملہ نداند، معنیٔ یک حدیث نتواند گفت۔ معنیٔ حدیث کسے تواند گفت کہ برمعانیٔ کتاب حاوی باشد۔ اگر حدیثے اورا پیش آید، آں را بکتاب مقابلہ کند۔ اگر با کتاب برابر یابد قبول کند و اگر مخالف یابد رد کند۔ پس کسے کہ معنیٔ کتاب نداند، مقابلہ بچہ کند؟

(ترجمہ):۔ احادیث کا علم بہت ہی مشکل علم ہے قرآن کے سارے اقسام اس میں موجود ہیں۔ جب تک ان سب کو نہ جانے کوئی صحیح معنی میں ایک حدیث کی مراد نہیں بتا سکتا۔ حدیث کا معنی وہی بتا سکتا ہے جو قرآن کے علوم پر حاوی ہو۔ جب حدیث سامنے آئے تو ضروری ہے کہ اسے کتاب اللہ پر پیش کرے۔ اس کے مطابق ہو تو قبول کرے ورنہ چھوڑ دے۔ جو شخص کتاب اللہ کے معنی نہ جانے گا وہ کس پر پیش کرے گا؟ (خوان پر نعمت: ص۱۶)

اسی طرح جب آیات یا احادیث بظاہر ایک دوسرے کی مخالف و معارض ہوں یا بداہت عقل یا مسلمّہ عقیدہ کے خلاف نظر آتی ہوں تو فقیہ کی پہلی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ ان میں تطبیق و توفیق دے اور ہر ایک کا اپنا اپنا محمل بتائے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ: **من زنی بامرأة ثم نکحها فهما زانیان ابدا**۔ جو کسی عورت سے زنا کرکے اس سے نکاح کرلے تو زن و شوہر ہمیشہ زنا کار ہی رہیں گے۔ یہ بات بظاہر عقل و شرع دونوں کے خلاف معلوم ہوتی ہے، مگر حضرت مخدوم جہاں نے اس کی جو خوبصورت تاویل فرمائی ہے ملاحظہ کیجیے:

بندگی مخدوم **عظمه الله** فرمود کہ فعل زنا کہ از ایشاں قبل نکاح در وجود آمدہ است، آں حرام است۔ بعد از نکاح آں فعل زنا حلال نمی شود۔ چوں آں فعل زنا بعد نکاح برنمی خیزد، پس ایشاں

موصوف باشند بصفت زنا ابداً۔ امّا اگر توبہ کند بہ توبہ رفع اثمی شود، نہ رفع آں عین فعل زنا؟ تا اگر نزدیک قاضی زنائے ایشاں معلوم شود بزنند اگر چہ ایشاں توبہ کردہ اند۔

(ترجمہ) مخدوم جہاں نے فرمایا: حدیث کا معنی یہ ہے کہ نکاح کے بعد بھی قاضی کے ہاں ان کا وہ زنا شرعی طور پر ثابت ہوجائے تو وہ حد جاری کریں گے۔ کیونکہ زنا کا ارتکاب جو آج کے ان زن وشوہر نے نکاح سے پہلے کیا ہے وہ حرام تھا تو نکاح کر لینے کے بعد وہ فعل حرام، حلال نہیں ہوگیا، بلکہ حرام ہی رہا۔ اور وہ لوگ نکاح کے بعد بھی اُس فعل زنا کی وجہ سے زنا کار ہی رہے۔ توبہ کرلے تو توبہ کی وجہ سے گناہ معاف ہوجائے گا یہ نہیں کہ فعلِ زنا فعلِ زنا نہیں رہے گا۔

(خوان پر نعمت: ۲۷-۲۸)

حدیث میں ہے کہ: **تنزل البرکة فی وسط الطعام فکلوا من حافیه و لاتأکلوا من وسطه**۔ کھانے کے بیچ میں برکت اُترتی ہے اس لئے بیچ سے نہ کھاؤ، سائڈ سے کھایا کرو۔ بظاہر اس کے برخلاف حضرت ابن عباس کا یہ فرمان ہے کہ: **انّا أکل وسط الطعام و قال أکل البرکة و لاادعها** میں بیچ سے کھالیتا ہوں، میں برکت کو کھالیتا ہوں، اسے چھوڑ نہیں دیتا۔ حدیث رسول معلوم ہوتے ہوئے بھی حضرت ابن عباس جیسے صحابیٔ رسول کا عمل ہی اس کے خلاف نہیں، بلکہ جرأت ودلیری بھی کیا متصور ہونے کی چیز ہے؟ مگر حضرت مخدوم جہاں نے کس طرح تطبیق وتوفیق دے کر اسے دیدنی بنادیا ہے، دیکھئے: فرماتے ہیں:

آں جائے فرمودہ باشد کہ از ہر دو کنارہ اول خوردہ باشد بعدہ وسط ہم۔

(ترجمہ) حضرت ابن عباس نے یہ اس موقع پر فرمایا ہوگا جب سائڈ سے کھانا کھالیا ہوگا۔

(مخ المعانی ص ۱۲)

قواعد افتا

جس طرح فقیہ کی ذمّہ داری ہے کہ احادیث میں بظاہر تخالف وتعارض ہو تو وہ ہر ایک کا جداگانہ محمل تلاش کر کے ان کے درمیان تطبیق وتوفیق دے۔ اسی طرح کوئی مسئلہ قرآن وحدیث میں مصرح یا اجماعی نہ ہو، ائمۂ مجتہدین نے اپنے اپنے اجتہاد کی روشنی میں الگ الگ حکم بتایا ہو تو ایک مفتی کے لئے ضروری ہے کہ وہ فتوی دینے میں صرف اپنے مذہب کی فقہی کتاب سے عبارت نقل کر دینے پر اکتفا نہ کرے، بلکہ زمانہ کے تقاضے، مقامِ سوال کا عرف وتعامل اور وہاں کے مسلمانوں کے حالات کو پیش نظر رکھ کر فتوی دے۔ ایسا نہ ہو کہ اس کے فتوی کے مطابق شریعت پر عمل پیرا ہونا ہی دشوار ہوجائے۔ اس سلسلہ میں حضرت مخدوم جہاں کی ہدایت ملاحظہ ہو:

عرض داشت کہ یتغیر الفتویٰ بتغیر الزمان این مطلق است؟ فرمود: آرے کہ در عصر اول فتویٰ بہ چیزے دادہ اند کہ آں بر خلق در عصر ثانی وثالث تشدید است وآں مجتہد فیہ است این چنیں فتویٰ در عصر ثانی وثالث بگردد یتغیر الفتویٰ بتغیر الزمان این جا محمول است۔

(ترجمہ) آپ سے سوال ہوا کہ: زمانہ کے بدلنے سے فتویٰ بدل جانے کا حکم کیا مطلق ہے؟ تو ارشاد ہوا کہ: ہاں! مختلف فیہ مسئلہ میں پہلے زمانہ کے فتوی کے مطابق دوسرے زمانہ میں۔ یا۔ دوسرے زمانہ کے فتویٰ کے مطابق تیسرے زمانہ میں عمل کرنا دشوار ہوجائے، تو وہ فتویٰ دوسرے، تیسرے زمانوں میں بدل جائے گا۔ ''زمانہ کے بدل جانے سے فتوی بدل جاتا ہے'' کا مطلب یہی ہے۔ (خوان پر نعمت ص ۱۵)

حضرت مخدوم جہاں نے صرف اصول فتویٰ بتانے ہی پر اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ اس کا عملی ثبوت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے: در سنارگاؤں ہم یکبارگی متعلمان در خوردن چونہ شغب آغاز کردند کہ حرام است زیرا کہ صدف از اجزائے حشرات بحر ست وحشرات بحر حرام است پس چونہ ہم حرام باشد۔ شورے در سنارگاؤں افتاد۔ بامراد ملوک خبر رسید کہ متعلمان خوردن چونہ حرام می گویند ایشاں ہم متردد شدند کہ بخوریم یا نہ؟ مفتیاں را جمع کردند۔ مفتیاں ہم گفتند کہ چندیں ہزار خلق در یں مبتلا است، پس در آنچہ خلق مبتلا باشد اگر بر حرمت آں جواب نویسم حکم کردہ باشم کہ چندیں مسلماناں حرام می خورند۔ بعدہ ہیچ کس بر حرمت آں فتویٰ نہ نبشت۔ باز مولانا کریم الدین عرض داشت کہ فقاہت دریں چیست کہ ایشاں بر حرمت آں جواب نہ نبشتند؟ گفتند: برائے آں کہ بر خلق آسان آید زیرا کہ راہ اسلام ہمہ کشادہ است ہر چہ بر خلق دشوار آید آں امر جائز نیست کہ بر خلق بہ نہند، مگر آنکہ حرمتِ چیزے کہ بہ نص وکتاب ثابت شدہ باشد وخلق آں را آتی می شوند دراں مبتلا شد، چنیں چیز ہا روا نہ باشد کہ بر خلق آسانی گیرند۔۔۔۔۔ اما چیزے کہ در حد مجتہد فیہ رفتہ است وخلقے بداں مشغول ومبتلا اند بر خلق آں را دشوار نہ گیرند چنانچہ آسانیٔ خلق باشد در آں چیز حکم کنند ہر چہ اجتہاد را دراں مدخل است فتویٰ بر وجہے بہ نویسند کہ خلق را آسان باشد وحرجے بر ایشاں نہ رسد۔ وایں حکم از قرآن ثابت است۔ قال اللہ تعالیٰ: **مَا جَعَلَ عَلَيۡكُمۡ فِي الدِّيۡنِ مِنۡ حَرَجٍ**۔

(ترجمہ) سنارگاؤں میں طلبہ نے آواز اُٹھائی کہ سیپ سے بنا ہوا چونہ کھانا حرام ہے کیونکہ سیپ دریائی کیڑا ہے اور دریائی کیڑا کھانا حرام ہے۔ حکومت کے کارپردازوں کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ بھی متردد ہوئے کہ کھائیں یا نہیں؟ مفتی حضرات بلائے گئے اور ان کے سامنے مسئلہ پیش ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ اس دیار کے ہزاروں ہزار مسلمان اس میں مبتلا ہیں اگر اس کی حرمت کا فتویٰ دیا جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ چونا کھانے والے سارے مسلمان حرام کھاتے رہے

ہیں۔مولانا کریم الدین نے عرض کی کہ کس فقہی قانون کے مطابق ان حضرات نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا؟ ارشادفرمایا: اسلام کی راہ وسیع ہے جو چیز کتاب وسنّت میں منصوص نہیں ہے، **مجتهد فيه** ہے یعنی اجتہاد کواس میں دخل ہے اورمخلوق اس میں مبتلا،تو قاعدہ یہ ہے کہ ایسا فتویٰ دیں کہ لوگوں کے لیے اس پرعمل پیرا ہونا آسان ہو۔اور یہ قاعدہ قرآنِ کریم سے مستنبط ہے۔ارشادِ ربّانی ہے: مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ (ترجمہ) اللہ نے تم پردین میں کچھ تنگی نہ رکھی۔(الحج:۷۸)

مفتی کے لئے سب سے مشکل مرحلہ وہ ہوتا ہے جب ایک ہی طرح کے دو مسئلوں کا حکم الگ الگ جائز وناجائز ہو۔مخدوم جہاں ایسے مشکل مرحلہ سے کس حسین انداز سے سُرخ روہوکر نکلے ہیں ملاحظہ کیجیے:

اگر مرد بمرد و پہلوئے او کسے نیست کہ اوراغسل دہد مگر زن او، اینجا حکم ہم چنین است کہ زن مرشوہر خود راغسل دہد۔واگر زن مرد و پہلوئے او کسے نیست ،مگر شوہر دریں صورت شوہر مرزن راغسل ندہد ۔حکمت دریں چیست ؟ فرمود بندگی عظمہ اللّٰہ دریں صورت اول زن بعد نقل شوہر درعدت خواہد نشست ،وعدت حکمے از احکام نکاح است ۔پس ایں مقدار ازنکاح میان ایشاں باقی باشد۔ پس چوں ایں مقدار ازنکاح باقی باشد ،ایں مقدار زوجیت میان ایشاں باقی باشد ۔وچوں زوجیت نیز میان ایشاں باقی باشد،مقدار محرمیت میان ایشاں باقی ماند۔پس بحکم محرمیت زن شوہر راغسل دہد ۔بخلاف آنکہ زن مرد۔شوہر بمردن او از زن بیگانہ می شود ۔و بیگانہ رامساس زن بیگانہ جائز نہ۔پس شوہر غسل نہ دہد۔

(ترجمہ) شوہر کا انتقال ہوجائے اور وہاں کوئی مرد نہ ہو توحکم ہے کہ اس کو بیوی ہی غسل دے گی۔اس کے برخلاف بیوی کا انتقال ہوجائے اور وہاں کوئی عورت نہ ہو توحکم ہے کہ شوہر غسل نہیں دے سکتا۔ دونو ں صورتوں میں وجہ فرق کیا ہے؟ مخدوم جہاں نے ارشادفرمایا: شوہر کے انتقال پر عورت عدت میں رہتی ہے اورعدت نکاح کا حکم ہے تو معلوم ہوا کہ ابھی نکاح باقی ہے ۔جب نکاح باقی ہے تو وہ بیوی ہے لہٰذا غسل بھی دے سکتی ہے۔اس کے برخلاف بیوی کے انتقال سے شوہر پرعدت نہیں ہے۔ تو پتہ چلا کہ نکاح باقی نہیں ہے ،دونوں بالکل ہی اجنبی ہیں،اس لئے شوہر غسل نہیں دے سکتا۔(خوان پرنعمت:ص 61)

فتوی دینے کا حق کس کو ہے اور مسلمانوں کوکس کے فتویٰ پرعمل درآمد کرنا چاہیے؟ حضرت مخدوم جہاں نے اس سلسلہ میں جو رہنما اصول بتائے ہیں وہ آج کے دور میں بالخصوص سنہری حروف سے لکھ رکھنے کی ضرورت ہے۔فرماتے ہیں:

فرمود: کسانے کہ اصحاب دین اند ومعانیٔ کتاب خدائے تعالیٰ واحادیث رسول راواقف شدہ اند توانند کہ بدانند ایں روایت کدام محل است وکجا صرف کنند دریں وقت حدیثے را اگر از مفتیاں پُرسند درمانند واصل ہمیں بیش نیست تفسیر واحادیث مستحضر شدہ باشد توانند کہ احکام ہم ازاں گویند کہ احکام آں از قرآن وحدیث کشیدہ اند۔قرآں سخن ایں چنیں کسانرا چہ اعتبار اول ایں چنیں کسانرا چہ اعتبار؟ اول ایں چنیں کساں راسخن دران است کہ بارے روایت فہم می کنند سخن کہ قبول می کند از صاحب صحیح دینی و مقتدائے ومعتمدے شنیدہ باشد آنگاہ قبول کند۔ امّا سخن ہر کسے راچہ اعتبار؟ ایں جا ہمیں کہ ہدایہ و بزدوی خواندند مفتی شدند جواب فتویٰ نبشتن آغاز کردند۔اگر مسئلہ ازعقیدہ ومعرفت پُرسند درمانند پس ایچنیں کساں راچہ اعتبار؟ ایشاں رافہم کجاو دین ایشاں کجا؟

(ترجمہ) مخدوم جہاں نے ارشادفرمایا: جوحضرات اصحاب دین ہوں،قرآن واحادیث کے معانی کی واقفیت بہم پہونچائی ہو۔جانتے ہوں کہ کس روایت کا محل کیا ہے؟اوراس کا حکم کب ہے؟ تفسیر واحادیث مستحضر ہوں اوران سے احکام مستنبط کرسکتے ہوں،وہ فتوی دینے کے اہل ہیں۔ہر مولوی کے فتوے کا کیا اعتبار؟ یہ لوگ پہلے روایت سمجھیں۔ہدایہ وبزدوی پڑھ کر مفتی نہ کہلانے لگیں۔ان کا حال تو یہ ہے کہ عقیدہ ومعرفت کا کوئی مسئلہ پوچھا جائے تو جواب نہ دے سکیں،ایسے لوگوں کے فتوی کا کیا اعتبار ہو؟(خوان پرنعمت ص۱۵)

بیان مسائل: حضرت مخدوم جہاں نے خاص فقہی مسائل کے بیان میں اگرچہ کوئی تصنیف نہیں فرمائی،پھر بھی آپ کے ملفوظات ومکتوبات میں ضمناً بہت سے مسائل بیان ہوئے ہیں۔ہم یہاں مختلف ابواب کے کچھ مسائل اوران کی تائید وثبوت میں فقہی کتابوں کی عبارتیں پیش کررہے ہیں۔واضح رہے کہ یہ کتابیں حضرت مخدوم جہاں رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے سے بہت بعد کی تصنیف ہیں۔حضرت مخدوم جہاں رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں مسائل پراتنی کتابیں تصنیف ہی نہیں ہوئیں تھیں اور جوتصنیف ہوئیں تھیں وہ بھی چھپی ہوئی نہیں تھیں کہ آسانی سے دستیاب ہوجاتیں۔

(۱)مسئلہ از حضرت مخدوم جہاں رحمۃ اللہ علیہ :چشم راگفتہ اند کہ دروقت قیام بر جای سجدہ دارد و درسجدہ نظر بہ بینی دارد و درقعدہ نظر بکنار خود دارد۔

(ترجمہ) نمازی کے لئے حکم ہے کہ قیام کے وقت نظر سجدہ کی جگہ پر ہو،سجدے کی حالت میں ناک پر اورقعدہ کی حالت میں گود میں۔(خوان پرنعمت: مجلس:۸ ص ۲۴)

☆فقہی کتاب سے تائید وثبوت: **و آدابها نظره الى موضع سجوده حال القيام۔۔۔ والى ارنبته حالة السجود والى حجره حالة القعود۔**(فتاویٰ عالمگیری: جلد ا:صفحہ ۸۲)

(۲)مسئلہ از حضرت مخدوم جہاں رحمۃ اللہ علیہ: نفل پیش از نماز عید درنمازگاہ مکروہ است۔

(ترجمہ) عیدگاہ میں عید کی نماز سے پہلے نفل نماز پڑھنا مکروہ ہے۔
(خوان پرنعمت: مجلس ۴۶: صفحہ: ۱۱۸)

☆فقہی کتاب سے تائیدوثبوت: **و لا یتطوع فی الجبانه قبل صلاۃ العید۔**
(فتاوی قاضی خاں: جلدا: صفحہ ۱۸۳)

(۳) مسئلہ ازحضرت مخدوم جہاں رحمۃ اللہ علیہ: اگر تکبیر (تحریمہ) میں مقتدی نے (امام پر) تقدیم کی تو اقتدا نہ ہوگی۔ (معدن المعانی مترجم: باب ۱۲: صفحہ ۱۲۸)

☆فقہی کتاب سے تائیدوثبوت: **و اذا رفع المقتدی رأسه من الرکوع او السجود قبل الامام ینبغی ان یعود و الا یصیر رکوعین و سجودین کذا فی الخلاصة و ان رفع المقتدی رأسه من السجدة الثانیة قبل ان یضع الامام جبهته علی الارض لا یجوز و کان علیه اعادة تلک السجدة و لو لم یعد تفسد صلاته** (فتاوی عالم گیری: جلدا صفحہ ۹۰)

(۴) مسئلہ ازحضرت مخدوم جہاں رحمۃ اللہ علیہ: شیخ معزالدین نے عرض کی کہ اگر امام سر رکوع وسجود سے اٹھالے اور مقتدی نے اس وقت تک تسبیح رکوع وسجود تمام نہیں کی ہے، یہاں پر کیا کرنا چاہئے؟ موافقت کرے یا تسبیحوں کو تمام کرے؟ حضرت مخدوم عظمہ اللہ نے فرمایا کہ اس جگہ موافقت امام کی چاہیے، اس لئے کہ موافقت واجب ہے اور رکوع وسجود کی تسبیحیں سنت ہیں۔ مگر قعدہ اولی میں تشہد کے وقت اگر امام اٹھ جائے اور مقتدی نے ہنوز تشہد تمام نہیں کیا ہے۔ یہاں پر امام کی موافقت نہ کرے بلکہ تشہد تمام کر کے اٹھے۔ کیونکہ جس طرح موافقت امام کی واجب ہے اسی طرح قرأت تشہد بھی واجب ہے۔ (معدن المعانی مترجم: صفحہ ۱۲۸)

☆فقہی کتاب سے تائیدوثبوت: **و رفع الامام راسه من الرکوع او السجود قبل ان یتم المأموم التسبیحات الثلاث و جب متابعته بخلاف قیامه لثالثة قبل تمام المؤتم التشهد فانه لا یتابعه بل یتمه لو جوبه۔** (درمختار مع ردالمحتار: جلد ۲ صفحہ ۱۹۹)

(۵) مسئلہ ازحضرت مخدوم جہاں رحمۃ اللہ علیہ (ایک رکعت کے بعد دوسری رکعت کے لئے اٹھتے وقت) ہاتھ زمین پر رکھ کر نہیں اٹھنا چاہئے۔

☆فقہی کتاب سے تائیدوثبوت: **و یکبر للنصوص علی صدور قدمیه بلا اعتماد (در مختار) قوله بلا اعتماد ای علی الارض فیکره فعله تنزیهاً۔** (ردالمحتار جلد ۲: صفحہ ۱۲۳)

(۶) مسئلہ ازحضرت مخدوم جہاں رحمۃ اللہ علیہ: (پہلے قعدہ میں درود) اگر بھول کر پڑھا ہے تو سجدۂ سہو لازم آئے گا۔ اس حالت میں کہ درود تمام وکمال پڑھ لیا ہو۔ اللھم صل علی محمد پڑھ لینے سے درود کامل ہوجاتا ہے۔ اور اگر صرف اللھم صل پڑھنے کے بعد یاد آ گیا کہ قعدہ اولی

ہے تو اس صورت میں سجدہ سہو نہ ہوگا۔ (معدن المعانی مترجم: صفحہ ۱۳۲)

☆فقہی کتاب سے تائیدوثبوت: **و کذا لو زاد علی التشهد الصلاة علی النبی صلی الله علیه و سلم۔ کذا فی التبیین و علیه الفتوی کذا فی المضمرات۔ و اختلفوا فی قدر الزیادة فقال بعضهم یجب علیه سجود السهو بقوله اللّٰهم صل علی محمد و قال بعضهم لا یجب علیه حتی یقول و علی آل محمد و الاول اصح۔** (فتاوی عالمگیری: جلدا صفحہ ۱۸۷)

(۷) مسئلہ ازحضرت مخدوم جہاں رحمۃ اللہ علیہ: دوگانہ تحیۃ المسجد مسجد میں داخل ہوتے ہی بیٹھنے سے قبل ادا کرنا چاہیے۔ اگر مسجد میں جا کر بیٹھ گئے، بعد اس کے تحیۃ المسجد ادا کیا تو تحیہ کا ثواب نہ ہوگا۔ (معدن المعانی مترجم: صفحہ ۱۴۱)

☆فقہی کتاب سے تائید و ثبوت: **اما حدیث الصحیحین: اذا دخل احدکم المسجد فلا یجلس حتی یصلی رکعتین فهو بیان للاولی** (ردالمحتار جلدا: صفحہ ۴۶۰)

(۸) مسئلہ ازحضرت مخدوم جہاں رحمۃ اللہ علیہ: مخدوم عظمہ اللہ برلفظ مبارک راندکہ: اتمام التحیة بالمصافحة تحیت تمام بمصافحہ شود چنانکہ روایت کردہ است ابی امامہ ازحضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم: تمام تحیتکم بینکم المصافحة۔ تمام تحیت میان شما آنست کہ مصافحہ بود با یک دیگر بعد ازاں فرمود کہ درمصافحہ وعدہ ہم ازحضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم مرویست ہرکہ با برادرمومن مصافحہ کند ازگناہاں چناں بروں آید گوئی از مادر ہماساعت زادہ است و گناہان او ہم چو برگ درختان بریزند۔ شیخ معزالدین عرض داشت کہ بعد از نماز دیگر یکدگر مقتدیان بے سلام مصافحہ می کنند آں چوں باشد؟ فرمود کہ اتمام التحیہ گفتہ اند و مجرد مصافحہ ہم آمدہ است کہ باطلاق حدیث کہ براء بن عازب ازحضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم روایت کردہ است: **مامن مسلمین یلتقیان فیصافحان الا غفر لهما قبل ان یتفرقا** یعنی نیستند دو مسلمان کہ جمع شوند پس با یک دیگر مصافحہ کنند مگر آں کہ آمرزیدہ شود، ایشان راگناہ پیش ازاں کہ جدا شوند از یک دیگر۔

(ترجمہ) ایک مرید نے عرض کی کہ لوگ فجر کی نماز پڑھ کر سلام کے بعد ایک دوسرے کا ہاتھ چومتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟ مخدوم عظمہ اللہ نے فرمایا: تحیت مصافحہ سے پوری ہوتی ہے جیسا کہ ابی امامہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے درمیان پوری تحیت یہ ہے کہ آپس میں مصافحہ بھی ہو۔ پھر مخدوم نے فرمایا: مصافحہ کے سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ وعدہ بھی مروی ہے کہ ''جو مومن بھائی کے ساتھ مصافحہ کرے گا وہ گناہوں سے ایسا پاک ہو جائے گا جیسے ابھی شکم مادر سے پیدا ہوا ہو۔ اس کے گناہ درختوں کے پتوں کی طرح جھڑ جائیں گے''۔ شیخ معزالدین نے عرض کی کہ مقتدی حضرات سلام کے بغیر بھی مصافحہ کر لیتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے

؟ مخدوم جہاں رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مصافحہ کو اتمام تحیت بھی کہا گیا ہے اور صرف مصافحہ بھی مروی ہے۔ براء بن عازب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ دو مسلمان ملتے وقت جب مصافحہ کرتے ہیں تو جدا ہونے سے پہلے ہی بخش دیے جاتے ہیں۔ (مخ المعانی: مجلس ۳۱: صفحہ ۸۸)

☆فقہی کتاب سے تائید وثبوت: **تجوز المصافحه لانها سنة قديمة متواترة لقوله عليه الصلاة و السلام: من صافح اخاه المسلم و حرک يده تناثرت ذنوبه۔ و اطلاق المصنف تبعا للدرر والكنز والوقاية والنقاية والمجمع والملتقى و غيرها يفيد جوازها مطلقا و لو بعد العصر، و قولهم انه بدعة ای مباحة حسنة كما افاده النووی فی اذكاره و غيره فی غيره، و عليه يحمل مانقله عنه شارح المجمع من انها بعد الفجر و العصر ليس بشئی توفيقا فتامله۔ (درمختار) قوله: كما افاده النووی فی اذكاره) حيث قال: اعلم ان المصافحة مستحبة عند كل لقاء، و اما اعتاده الناس من المصافحة بعد صلاة الصبح و العصر فلا اصل له فی الشرع علی هذا الوجه، و لكن لا باس به، فان اصل المصافحة سنة و كونهم حافظوا عليها فی بعض الاحوال و فرطوا فی كثير من الا من المصافحه التی و رد الشرع باصلها اه: قال الشيخ ابو الحسحوال او اكثرها لايخرجه ذلک البعض عن كونهن البكری: و تقييده بما بعد الصبح و العصر علی عادة كانت فی زمنه و الا فعقب الصلاة كلها كذلک كذا فی رسالة الشرنبلالی فی المصافحة۔ و نقل مثله عن الشمس الحانوتی، و انه انفی به مستد لا بعموم النصوص الواردة فی مشروعيتها و هو الموافق لما ذكره الشارح من اطلاق المتون**

(ردالمحتار: جلد ۹: صفحہ ۵۴۷)

(۹) مسئلہ از حضرت مخدوم جہاں رحمۃ اللہ علیہ: کھانا پینا مسجد میں مکروہ ہے لیکن معتکف کے لئے جائز ہے (خوان پر نعمت مترجم: مجلس ۲۹: صفحہ ۱۲۲)

☆فقہی کتاب سے تائید وثبوت: **و خص المعتكف باكل و شرب**

(درمختار مع ردالمحتار: جلد ۳ صفحہ ۴۴۰)

(۱۰) مسئلہ از حضرت مخدوم جہاں رحمۃ اللہ علیہ: شمس الدین خوارزمی مسافر مجلس میں حاضر تھے۔ عرض کی اگر مسجد میں کوئی سائل سوال کرے تو مسجد میں دے یا نہیں؟ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا: مسجد میں دینا درست نہیں ہے، نہیں دینا چاہیے۔ یہ اس لئے کہ سوال بنفسہ حرام ہے اور مباح شخص معین کے لئے مخصوص حال میں ہوتا ہے اور یہ خاص خاص حالتیں بہت کم ہوتی ہیں اور مسجد عبادت کی جگہ ہے۔ عبادت کے لئے ہے تو مسجد میں جو شخص سوال کریگا وہ حرام کا

قصد کریگا اور یہ گناہ ہے اگر دے دیا تو یہ گناہ پر اعانت کرنا ہوگا۔

(معدن المعانی مترجم: باب ۴۴: صفحہ ۴۳۴)

☆فقہی کتاب سے تائید وثبوت: **يكره اعطاء سائل المسجد الا اذا لم يتخط رقاب الناس فی المختار** (ردالمحتار: جلد ۹: صفحہ ۵۹۷)

(۱۱) مسئلہ از حضرت مخدوم جہاں رحمۃ اللہ علیہ: روزہ رکھنا عبادت ہے لیکن اپنے محل وموقع میں عبادت ہے۔ اگر بے محل روزہ رکھ لو مثلاً عید کے دن روزہ دار بن جاؤ تو یہ جائز نہیں ہوگا۔

☆فقہی کتاب سے تائید وثبوت: **و المكروه تحريما كالعيدين۔**

(درمختار مع ردالمحتار: جلد ۳: صحہ ۳۳۶)

(۱۲) مسئلہ از حضرت مخدوم جہاں رحمۃ اللہ علیہ: نماز گاہ مسجد نیست و احکام مسجد بدان مترتب نیست مگر آں روز در ساعت مسجد می گردد در یک حکم صحت اقتدفحسب و دیگر احکام نہ۔

(ترجمہ) عیدگاہ مسجد نہیں اور مسجد کے احکام اس پر صادق نہیں ہوتے۔ کبھی تھوڑی دیر کے لئے مسجد کا حکم ہوتا ہے وہ بھی صرف صحت اقتداء کے لئے تمام احکام کے لئے نہیں۔ (خوان پر نعمت: مجلس ۴۶: صفحہ ۱۱۹)

☆فقہی کتاب سے تائید وثبوت: **اختلفوا فی مصلیٰ العيد و الجنازة الا صح انه لاياخذ حكم المسجد و ان كان فی حق جواز الاقتداء كالمسجد كونه مكانا و احدا كذا فی التبيين** (فتاوی عالمگیری: جلد ۱: صفحہ ۱۰۹)

(۱۳) مسئلہ از حضرت مخدوم جہاں رحمۃ اللہ علیہ: اگر مردی خواہد کہ در جہاد رود در رضائے ابوین شرط باشد، اما چون جہاد نفیر شود فرض لازم گردد واین جا رضائے مادر و پدر شرط نہ باشد۔

(ترجمہ) کوئی شخص چاہے کہ جہاد میں جائے تو والدین کی رضامندی شرط ہوگی لیکن اگر اسی جہاد کے لئے اعلان عام ہو تو فرض لازم ہو جائے گا۔ اب والدین کی رضا مندی شرط نہیں ہو گی۔ (مخ المعانی: مجلس ۴: صفحہ ۱۱۰)

☆فقہی کتاب سے تائید وثبوت: **عامة المشائخ قالو الجهاد فرض علی كل حال غير انه قبل النفير فرض كفاية و عند النفير فرض عين۔** (فتاوی عالمگیری: جلد ۲ صفحہ ۱۸۸)

(۱۴) مسئلہ از حضرت مخدوم جہاں رحمۃ اللہ علیہ: مخدوم عظمہ اللہ تعالی فی الدارین فرمودہ کہ در ہفت جائے گاہ رجوع از ھبہ درست نیست واین بیت موانع برزبان مبارک راند ے

موانع رجوع فصل الھبۃ یا ☆ صاجبی حروف دمع خزقہ

دمع خزقہ ہفت حروف است واین ہفت جائے گاہ مانع است مرجوع را از ھبہ۔ بعدہ ہر ہفت

حروف رابیان فرمودند بدین منوال: دال: زیادت متصل ۔میم: موت احدھما۔عین: عوض، خا: خروج عین از ملک موھوب بالبیع و بالھبۃ ۔زا: زوجیت ۔قاف: قرابت ۔ھا: ھلاک موھوب۔

(ترجمہ و اشارے): حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا: سات جگہوں میں ہبہ سے رجوع جائز نہیں، اور ممانعت کا یہ شعر پڑھا: اے دوست! فضل ہبہ میں رجوع کے موانع حروف دمع خزقہ ہیں ۔ پھر فرمایا: دمع خزقہ میں سات حروف ہیں ۔ان سات جگہوں میں ہبہ سے رجوع منع ہے۔دال: زیادت متصل (یعنی جس کو ہبہ کیا گیا ہے اس نے ہبہ کی ہوئی چیز میں اپنی کوئی چیز ملا دی تو اب ہبہ کی ہوئی چیز واپس نہیں ہوسکتی) میم: کسی ایک کی موت (یعنی ہبہ کرنے والا ۔ یا۔جس کو ہبہ کیا گیا ہے، ان میں سے کوئی مر جائے تو ہبہ کی ہوئی چیز واپس نہیں ہوسکتی) عین: عوض، (جو ہبہ کسی چیز کے عوض میں ہو وہ واپس نہیں ہوسکتا) خا: خروج عین از ملک موہوب لہ (یعنی جس کو ہبہ کیا گیا ہے اس کی ملک سے ہبہ کی ہوئی چیز نکل جائے تو واپسی نہیں ہوسکتی) زا: زوجیت (یعنی شوہر بیوی کو یا بیوی شوہر کو کوئی چیز ہبہ کرے تو اس کی واپسی نہیں ہوسکتی) قاف: قرابت (یعنی کسی نے ذی رحم محرم رشتہ دار کو کوئی چیز ہبہ کی تو اس کی واپسی نہیں ہوسکتی) ھا: ہلاک موہوب (یعنی جس کو ہبہ کیا گیا تھا اس کے پاس سے ہبہ کی ہوئی چیز تلف ہو جائے تو اس کی واپسی نہیں ہوسکتی)۔

(خوان پر نعمت: مجلس ۳۲: صفحہ ۷۹)

☆فقہی کتاب سے تائید وثبوت: و اما العوارض المانعة من الرجوع فانواع منها هلاک الموهوب و منها خروج الموهوب عن ملک الموهوب له، و منها موت الواحد، و مها الزيادة فی الموهوب زيادة متصلة ، و منها العوض ، و منها الزوجية، و منها القرابة المحرمية۔ (فتاوی عالمگیری: جلد ۴ صفحہ ۳۸۶)

(۱۵) مسئلہ از حضرت مخدوم جہاں رحمۃ اللہ علیہ : فرمودند کہ در خرید و فروخت این، مقدار نگاہ باید داشت کہ اول کال بستاند بعد از اں ادائے ثمن کند اگر چہ ثمن حرام نہ باشد تواند بود کہ نوع شبہ در آن باشد برای احتیاط این چنین کند۔

(ترجمہ) خرید و فروخت میں اتنا خیال رکھنا چاہیے کہ پہلے چیز لے لیں اس کے بعد قیمت ادا کریں اگر چہ وہ رقم حرام کی نہ ہو، کیونکہ شبہ تو اس میں ہو ہی سکتا ہے۔لہذا احتیاط یہی ہے کہ ایسا ہی کریں۔ (خوان پر نعمت: مجلس ۳۸ صفحہ ۹۷)

☆فقہی کتاب سے تائید و ثبوت : اكتسب حراما و اشترى به او بالدراهم المغصوبة شيئا قال الكرخي ان فقد قبل البيع تصدق بالربح الا لا و هذا قياس و كذا لو اشترى و لم يقل بهذه الدراهم و اعطى من الدراهم (درمختار مع ردالمحتار: جلد ۷: صفحہ ۴۹۰)

(۱۶) مسئلہ از حضرت مخدوم جہاں رحمۃ اللہ علیہ: جب کوئی زیارت قبر کے لئے جانا چاہے تو اول گھر میں دو رکعت نماز ادا کرے اس طور پر کہ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ ایک بار آیۃ الکرسی ایک بار قل ھو اللہ احد یعنی سورہ اخلاص تین بار پڑھے پھر سلام کے بعد اگر کسی معین قبر کے لئے جانا ہے تو کہے اس دو رکعت نماز کا ثواب فلاں کی روح کو بخشا اور اگر عام مردوں کی زیارت کا ارداہ ہو تو یوں کہے اس دوگانہ کا ثواب جملہ مردگان کی روح کو بخشا۔۔۔۔اس کے بعد روانہ ہو۔جب مزار کے قریب پہونچے تو جوتے اتار لے اور جب قبر پر پہونچ جائے تو کھڑا رہے۔۔۔پشت قبلہ کی جانب کرے اور رخ میت کی طرف، میت کے سینے کے سامنے کھڑا ہو۔۔۔جب سینے کے سامنے کھڑا ہو لے تو سلام پیش کرے۔ (معدن المعانی: باب ۵۵: صفحہ ۵۲۴)

☆فقہی کتاب سے تائید وثبوت: و اذا اراد زيارة القبور يستحب له ان يصلی فی بيته ركعتين يقرأ فی كل ركعت الفاتحة و آية الكرسی مرة واحدة و الاخلاص ثلاث مرات و يجعل ثوابها للميت۔۔۔فاذا بلغ المقبرة يخلع نعليه ثم يقف مستدبر القبلة مستقبلا لوجهه و يقول السلام عليكم يا اهل القبور الخ (فتاوی عالمگیری: جلد ۵ صفحہ ۳۵۰)

(۱۷) مسئلہ از حضرت مخدوم جہاں رحمۃ اللہ علیہ : پھول قبر میں رکھنا اچھا ہے الخ۔

(معدن المعانی: باب ۵۵: صفحہ ۵۲۹)

☆فقہی کتاب سے تائید وثبوت: وضع الورد و الرياحين على القبور حسن۔

(فتاوی عالمگیری: جلد ۵: صفحہ ۳۵۱)

(۱۸) مسئلہ از حضرت مخدوم جہاں رحمۃ اللہ علیہ : بے چارہ عرض داشت کہ در روز جمعہ وقت خطبہ اگر کسے عطسہ کرد و گفت شنوندگان را جواب او بلند یا آہستہ گفتن واجب است یا نہ؟ فرمود: نگویند۔نہ بلند، نہ اہستہ۔

(ترجمہ) خاکسار نے دریافت کیا کہ جمعہ کے خطبہ کے وقت کسی کو چھینک آئی اور اس نے الحمد للہ کہ دیا تو سننے والوں پر بلند آواز سے یا آہستہ جواب دینا واجب ہے یا نہیں؟ حضرت مخدوم جہاں رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جواب نہ دے۔ بلند آواز سے بھی نہیں، آہستہ بھی نہیں۔

(خوان پر نعمت: صفحہ ۷)

☆فقہی کتاب سے تائید وثبوت: و لا يجب تشميت به يفتیٰ۔

(درمختار مع ردالمحتار: جلد ۳ صفحہ ۳۶)

(۱۹) مسئلہ از حضرت مخدوم جہاں رحمۃ اللہ علیہ: فاسق اور بدعتی کا تذکرہ آ گیا۔حضرت مخدوم عظمہ اللہ نے فرمایا کہ ان دونوں کی صحبت ہی ممنوع ہے، جس طرح نوجوانوں کی صحبت منع

ہے۔ یہ اس لئے کہ الصحبة توثر (صحبت اثر کرتی ہے) اور دوسری بات یہ کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: المرء علی دین خلیله فلینظر احد کم مع من یخال (انسان اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے، اس لئے تم میں سے ہر شخص غور کرے کہ اس کی کس کے ساتھ دوستی ہے)۔ پس جب لوگ اپنے دوست کے دین کو اختیار کر لیتے ہیں تو لازم ہے کہ بدعتی اور فاسق اور اس طرح کے لوگوں کی صحبت و دوستی سے خود کو دور رکھیں۔ (معدن المعانی: باب ۴۸: صفحہ ۴۶۳)

☆فقہی کتاب سے تائید و ثبوت: **جاز عیادة فاسق ,و هذا غیر حکم المخالطة ,ذکر صاحب الملتقط یکره للمشهور المقتدی به الاختلاط بر جل من اهل الباطل و الشر الا بقدر الضرورة الخ۔** (درمختار و ردالمحتار ج ۹ ص ۵۵۷)

(۲۰) مسئلہ از حضرت مخدوم جہاں رحمۃ اللہ علیہ: صوتہائے نا مشروع راچنانکہ مزامیر و جز آں کہ صوت شیطان می گویند۔ (مخ المعانی مجلس ۱۹: صفحہ ۳۹)

(ترجمہ) مزامیر وغیرہ ناجائز آوازوں کو شیطانی آواز کہتے ہیں۔

☆فقہی کتاب سے تائید و ثبوت: **قال رسول اللہ ﷺ انما نهیت عن نوح عن صوتین احمقین فاجرین صوت عند نغمة لهو و لعب و مزامیر شیطان و صوت عند مصیبة خمش و جوه و شق جیوب و رنة شیطان۔** (المصنف جلد ۳ صفحہ: ۳۹۳)

یہ مخدوم جہاں کی فقہی بصیرت کی بطور نمونہ ”مُشتے از خروارے“ چند مثالیں ہیں۔ بھلا کیوں نہ ہوں! جبکہ مخدوم جہاں صوفیٔ باصفا ہی نہیں اپنے وقت میں تصوف کی امامت کے منصب پر فائز تھے اور اس منصب پر وہی فائز ہوتا ہے جس کی نگاہ بصیرت کا یہ عالم ہوتا ہے کہ خود مخدوم جہاں کے بقول:

نظر اولیاء از مشرق تا بمغرب بلکہ ہفت آسمان و زمین و عرش و کرسی و تحت الثریٰ میرسد ہیچ چیز از نظر ایشاں غائب نمی آید۔۔۔ہم چنیں جملہ چیزہا آید تا آں جا کہ مسموعات است در سمع ایشاں در آید و تا آں جا کہ مرئیّات است در رویت ایشاں در آید تا آں کہ معلومات است در علم ایشاں در آید از یں جامی گویند کہ یک شرط در پیر آنست کہ متصرف مما لک گشتہ بود یعنی ہر چہ در روز و شب از عالم غیب در ظہور می آید او را علم دادہ باشد۔

(ترجمہ) اولیا کی نظر مشرق سے مغرب بلکہ ساتوں زمین و آسمان، عرش و کرسی اور تحت الثریٰ تک پہونچتی ہے۔ ان کی نگاہ سے کوئی چیز مخفی نہیں رہتی۔ تمام سنی جانے والی آوازیں ان کے کانوں میں آتی ہیں، تمام دیکھی جانے والی چیزیں ان کی نگاہ میں ہوتی ہیں، تمام معلومات ان کے علم میں ہوتی ہیں، اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ پیر کے لئے ایک شرط یہ بھی ہے کہ وہ مما لک

میں متصرف ہو یعنی ہر رات دن عالم غیب سے جو بھی ظہور میں آئے اس کو اس کا علم دے دیا گیا ہو۔ (خوان پُر نعمت ۹۳)

یہی نہیں، بلکہ: اولیا صاحب تصرافانند فی مملکۃ اللہ تعالیٰ ہر چہ خواہند در مملکت خداوند تصرف کنند کہ ایشاں را تصرف در مملکت خداوند جائز است ۔۔۔۔۔ و ایں را گردش گویند یعنی از اں چہ بود بگشت، بُت پرست بود خدا پرست گشت دیو بود مردم گشت مس بود زر گشت دیگر ہمچنیں یک شرط در پیری آنست کہ او را تصرف باشد فی مملکۃ اللہ تعالیٰ ہر کرا ایں نیست شیخی را نشاید ہم از یں جا است توانند کہ یکے را دنیا دہند و یکے را آخرت دہند و اگر خواہند ہر دو دہند و یکے را بخواہند و دیگرے را براننداایں ہمہ تصرف ایشان را فی مملکۃ اللہ تعالیٰ ہست۔

(ترجمہ): اولیائے کرام اللہ تعالی کی مملکت میں صاحب تصرف ہوتے ہیں خدا کی مملکت میں جو چاہتے ہیں تصرف کرتے ہیں کیونکہ ان حضرات کو خدا کی مملکت میں تصرف کا اختیار دے دیا جاتا ہے جس کو گردش کہتے ہیں۔ یعنی وہ جو چاہتے ہیں باذن اللہ ہو جاتا ہے۔ بت پرست خدا پرست بن جاتا ہے۔ شیطان صفت ولی بن جاتا ہے۔ مس خاک سونا بن جاتا ہے۔ اسی لئے پیری کی ایک شرط یہ بتائی گئی ہے کہ وہ اللہ تعالی کی مملکت میں صاحب تصرف ہوں۔ جس کے اندر یہ صفت نہ ہو وہ پیر بننے کے لائق نہیں ہے۔ یہ حضرات جسے چاہیں دنیا اور جسے چاہیں دین عطا فرما سکتے ہیں اور چاہ لیں تو دونوں ہی دے سکتے ہیں۔ اسی طرح جسے چاہیں مقرب بارگاہِ رب کر دیں اور جسے چاہیں راندۂ درگاہ فرما دیں۔ الغرض باذن اللہ مملکت خداوندی میں ہر طرح کے تصرف کا اختیار یافتہ ہوتے ہیں۔ (خوان پُر نعمت ۸۹)

میں یہاں یہ واضح کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ حضرت مخدوم کا یہ نظریہ ان کا کوئی خود ساختہ نظریہ نہیں ہے، بلکہ حضرت مخدوم سے پہلے کے بزرگان دین کا بھی تسلسل کے ساتھ یہی نظریہ رہا ہے۔ چنانچہ حضرت بہاء الدین نقشبند علیہ الرحمۃ کا ارشاد ہے: زمین در نظر ایں طائفہ چوں سفرہ ایست و مامی گوئم کہ چوں ناخنی است ہیچ چیز از نظر ایشاں غایب نیست۔

(ترجمہ) کہتے ہیں: زمین بزرگوں کی نظر میں دسترخوان کی طرح ہے۔ میں کہتا ہوں دسترخوان ہی کی طرح نہیں بفرق مراتب ناخن کی طرح بھی ہوتی ہے۔ کوئی چیز ان کی نگاہ سے غائب نہیں رہتی ہے۔ (نفحات الانس از حضرت مولانا جامی علیہ الرحمۃ)

حضرت پیران پیر غوث اعظم شیخ عبد القادر جیلانی علیہ الرحمۃ نے فرماتے ہیں:

نظرت الی بلاد اللہ جمعاً — کخردلة علی حکم اتصال

(ترجمہ) ہم نے اللہ کے سارے شہروں کو اس طرح دیکھ لیا جیسے رائی کے کچھ دانے ملے

ہوئے ہوں۔(قصیدۂ غوثیہ)

مزید فرمایا ہے: **وعزة ربّي ان بوبوء ة عيني في اللوح المحفوظ واناغائص في بحار علم الله۔** (ترجمہ) خدا کی قسم! ہمارا گوشۂ چشم لوح محفوظ میں ہے اور میں علوم الٰہی کے سمندر میں غوطے لگا رہا ہوں۔(زبدۃ الاسرار از شیخ عبدالحق محدث دہلوی)

شیخ عبداللہ شیرازی علیہ الرحمۃ کے حوالہ سے ملا علی قاری نے فرمایا ہے: **يطلع العبد على حقائق الاشياء ويتجلى له الغيب وغيب الغيب** (ترجمہ) انسان جب کمال بندگی کے مرتبہ پر پہونچتا ہے تو اسے چیزوں کی حقیقتوں سے باخبر کر دیا جاتا ہے اور اس پر غیب اور غیب الغیب کھل جاتے ہیں۔(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ)

دور اخیر کے حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے: **ثم انه ينجذب الى حيز الحق فيصير عبدالله فيتجلى له كل شئ۔** (ترجمہ) مرد عارف کی رسائی جب حق تک ہو جاتی ہے تو وہ عبد کامل بن جاتے ہیں اور ان پر ہر چیز ظاہر ہو جاتی ہے۔(فیوض الحرمین)

فقیر رضوی عرض کرتا ہے کہ ان بزرگوں نے جو کچھ فرمایا ہے سب کا ماخذ دراصل بخاری شریف کی کتاب الرقاق باب التواضع جلد ۲ ص ۹۶۳ کی یہ حدیث قدسی ہے: **ما تقرب الى عبدى بشئ احب الى مما افترضت عليه ولا يزال عبدى يتقرب الى بالنوافل حتى احببت فكنت سمعه الذى يسمع به وبصره الذى يبصر به ويده التى يبطش بها ورجله التى يمشى بها۔** (ترجمہ) بندہ جن چیزوں کے ذریعہ میرا تقرب چاہتا ہے ان سب میں میرے نزدیک محبوب تر فرائض ہیں۔پھر میرا بندہ جب نوافل کے ذریعہ میرا تقرب حاصل کر لیتا ہے تو میں اس کے کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، پیر ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔

امام رازی علیہ الرحمۃ نے اس حدیث قدسی کی تشریح کرتے ہوئے **تفسیر کبیر جلد ۲۱** ص ۸۹۱ میں آیت کریمہ **ام حسبت ان اصحاب الكهف** کے تحت فرمایا ہے:

العبد اذا واظب على الطاعات بلغ الى المقام الذى يقول الله: كنت له سمعا وبصرا فاذا صار نور جلال الله سمعا له سمع القريب والبعيد واذا صار قرآن النور بصرا له رأى القريب والبعيد واذا صار ذلك النور يدا له قدر على التصرف فى الصعب والسهل والبعيد والقريب۔

(ترجمہ) بندہ جب اللہ کی عبادت میں لگا رہتا ہے تو اس مقام پر پہونچ جاتا ہے جس کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے کہ میں اس کا کان اور آنکھ ہو جاتا ہوں، تو جب نور جلال اس بندہ کی آنکھ

ہو جاتا ہے تو وہ بندہ قریب بعید سب دیکھنے لگتا ہے اور جب وہ نور اس بندے کا ہاتھ ہو جاتا ہے تو وہ بندہ آسان و مشکل، قریب و بعید سب میں تصرف کرنے لگتا ہے۔

جناب شاہ اسماعیل دہلوی نے بھی اپنے پیر جناب سیّد احمد صاحب رائے بریلوی کا تعارف کراتے ہوئے لکھا ہے:

ان مراتب عالیہ اور مناصب رفیعہ کے صاحبان، عالم مثال اور عالم شہادت میں تصرّف کرنے کے مطلق ماذون و مجاز ہوتے ہیں؛ اور ان بزرگواروں کو پہنچتا ہے کہ تمام کلّیات کو اپنی طرف نسبت کریں۔مثلاً ان کو جائز ہے کہ کہیں: عرش سے فرش تک ہماری سلطنت ہے۔(صراط مستقیم مترجم، مکتبہ تھانوی دیوبند ۱۹۹۸ء)

مقالہ کے اختتام پر مجھے یہ لکھتے ہوئے انتہائی خوشی ہو رہی ہے کہ میرا ابتدائی جملہ جس میں مَیں نے کہا ہے کہ:

مخدوم جہاں کے ملفوظات و مکتوبات سے فقہ پر عمل کی اہمیت، مسائل فقہ پر آپ کا عبور نیز آپ کی فقہی بصیرت اور ایک گونہ مجتہدانہ شان نمایاں ہوتی ہے۔مبالغہ یا عقیدت محض کی بنیاد پر نہیں، بلکہ حقیقت ثابتہ کا اعتراف کے طور پر ہے، جس کی شاہد عدل ملفوظات و مکتوبات کے علاوہ تسلسل کے ساتھ بزرگان دین کی تحریریں اور حدیث قدسی بھی ہے۔

○○○

سماع مزامیر پر چند اہم کتابیں

توضیحی کتابیات

مسئلۂ سماع اہل اسلام کے یہاں شروع سے ہی متنازع رہا ہے اور دونوں جانب سے خوب خوب کتابوں اور رسالوں کا تبادلہ ہوا ہے۔ بعض حضرات اس مسئلے میں افراط وتفریط کے شکار ہو گئے تو بعض نے راہ اعتدال تلاش کرنے کی کوشش کی۔ اس سلسلے میں عموماً بعض حضرات جلد باز ہوتے ہیں اور تائید یا مخالفت میں بہت جلد رائے قائم کر لیتے ہیں، جب کہ سنجیدہ، متوازن اور علمی رائے قائم کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ جانبین سے لکھی گئی اہم تحریریں پیش نگاہ رہیں۔ اسی مقصد کی تحصیل یا تسہیل کے لیے ہم نے مسئلۂ سماع وغنا اور مزامیر کے موضوع پر گذشتہ ہزار سال میں لکھی گئی اہم کتابوں کی توضیحی کتابیات پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ امید ہے کہ اہل علم کو ان اہم کتابوں کی تلخیص سے مسئلے کو سمجھنے میں بڑی مدد ملے گی۔ واضح رہے کہ مسئلۂ سماع پر مختلف ادوار میں بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ مستقل کتابوں کے علاوہ امام غزالی نے احیاء العلوم میں، امام ابوبکر بن عربی نے تفسیر احکام میں، شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے مدارج النبوۃ میں اور دیگر علمائے اسلام نے اپنی اپنی کتابوں میں ضمنی طور پر بڑی عالمانہ گفتگو کی ہے جس سے محققین کے لیے صرف نظر کرنا ممکن نہیں ہے۔ یہاں صرف مستقل کتابوں سے چند منتخب کتابوں کا خلاصہ زمانی ترتیب سے پیش کیا جا رہا ہے۔

(۱) رسالة فی الغناء الملهی: أمباح هو أم محظور
علامہ ابن حزم اندلسی (۱۰۶۴ھ)

علامہ ابن حزم اندلسی (۱۰۶۴ء) فقہ ظاہری کے ائمہ میں آتے ہیں۔ سماع غنا پر آپ کا مختصر رسالہ رسالة فی الغناء الملهی: أمباح هو أم محظور (غنائے لہو: جائز یا ناجائز؟) اس

موضوع پر بہت ہی قدیم اور علم حدیث کی روشنی میں عظیم ہے۔ آپ نے دونوں طرح کی احادیث نقل کی ہیں اور پھر ان کی صحت وضعف پر گفتگو کرتے ہوئے اپنے موقف جواز کو واضح کیا ہے۔ رسالے کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:

امابعد! اللہ کریم تجھے اور مجھے اپنی عنایت خاص سے نوازے اور اپنے حقوق کی ادائیگی کی توفیق بخشے۔ تو نے اس بات کی تحریک کی کہ میں غنائے لہو کے بارے میں اپنی رائے دوں کہ آیا یہ مباح ہے یا ممنوع؟ واقعہ یہ ہے کہ اس کے جواز وعدم جواز ہر دو سے متعلق احادیث موجود ہیں۔ میں یہاں سب سے پہلے عدم جواز والی احادیث نقل کروں گا اور ان کے سقم کو واضح کروں گا اور پھر جواز والی احادیث پیش کروں گا اور ان کی صحت کو واضح کروں گا۔ ان شاء اللہ!!

اس کے بعد ترتیب وار ۱۲/ احادیث نقل کی ہیں اور ان میں سے ہر ایک کے سقم اور ضعف کو واضح کیا ہے، اس کے ساتھ ہی بعض وہ آیات جن سے مخالفین سماع اپنے موقف پر استدلال کرتے ہیں، ان کو نقل کر کے ان کے استدلال کو غلط ثابت کیا ہے اور کتاب وسنت کی روشنی میں اس فقہی اصول کو واضح کیا ہے کہ اشیا میں اصل اباحت ہے اور یہ کہ اگر کسی چیز کو اللہ کریم نے واضح طور پر حرام نہ کیا ہو تو کسی کو یہ جائز نہیں کہ اس کو حرام کرے۔

بعد ازاں علامہ ابن حزم نے جواز والی ۶، احادیث نقل کی ہیں اور ان کی صحت وصداقت کو ثابت کرتے ہوئے ان کو اپنے موقف کے اثبات میں پیش کیا ہے۔ آخر میں لکھتے ہیں:

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ (یونس: ۳۲) حق کے آجانے کے بعد اب جو کچھ ہے سب گم راہی ہے۔ پھر غنا کس خانے میں جائے گا؟ تو اس کو جواب دیا جائے گا: یہ اسی خانے میں آئے گا جس میں باغات کی سیر وتفریح، کپڑوں کی رنگائی اور دیگر لہو آتے ہیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہر عمل کی بنیاد نیت پر ہے اور ہر شخص کو اس کی نیت کا بدلہ ہی ملنا ہے۔ اس لیے اگر کوئی شخص طاعت الٰہی میں نشاط کے لیے غنا سے تفریح طبع اور جمال نفس کا ارادہ رکھتا ہو تو اس کے حق میں یہ ضلال کیوں کر ہو سکتا ہے۔ مزید یہ کہ امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں: جس نے مزمار یا عود چوری کی اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا اور جس نے ان کو توڑا اس سے تاوان لیا جائے گا۔ اس لیے اللہ ورسول کے واضح فرمان کے بغیر کسی بھی چیز کو حلال یا حرام نہیں قرار دیا جا سکتا۔ اس لیے کہ تحلیل وتحریم اللہ کی طرف منسوب ہوتی ہے اور نص قطعی کے بغیر کسی چیز کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا جائز نہیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: جو جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھتا ہے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں ڈھونڈے۔

علامہ ابن حزم کا یہ رسالہ www.aldahereyah.com پر موجود ہے۔

(۲) کتاب السماع

علامہ ابوالفضل محمد بن طاہر مقدسی شیبانی معروف بہ ابن القیسرانی (۵۰۷ھ/ ۱۱۱۳ء)

علامہ ابوالفضل محمد بن طاہر مقدسی شیبانی معروف بہ ابن القیسرانی (۵۰۷ھ/ ۱۱۱۳ء) اپنے عہد کے معروف حافظ حدیث ظاہری عالم دین ہیں۔ ان کی کتاب السماع اپنے موضوع پر فن حدیث کی جہت سے نہایت عالمانہ ہے۔ حدیث اور علم حدیث کی روشنی میں اس مسئلے پر ایسی جامع کتاب مشکل سے ملے گی۔ علامہ مقدسی نے اپنی اس کتاب کو دو حصوں میں بانٹا ہے۔ پہلا حصہ سماع، نغمہ، دف، مزامیر اور ملاہی کے اثبات میں ہے اور دوسرا حصہ اس کے برخلاف آنے والی روایات وآثار کے علمی وفنی جائزہ اور ان کی تردید میں ہے۔ شروع میں ایک مختصر مقدمہ لکھا ہے جس میں آیات واحادیث کی روشنی میں یہ ثابت کیا ہے کہ اللہ ورسول جس چیز کو حرام نہ کریں کسی فرد بشر کو اس کو حرام کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

الْقَولُ فِي الْغِنَاءِ عَلَى الإِطْلَاقِ کے ذیل میں متعدد صحیح احادیث وآثار نقل کیے ہیں اور سماع وغنا کے جواز پر صحابہ وتابعین کا اتفاق واجماع ثابت کیا ہے۔ **الْقَوْلُ فِي ضَرْبِ الدُّفِّ وَ اسْتِمَاعِهِ** کے تحت دف بجانے اور سننے کے جواز پر بہت ساری صحیح روایتیں نقل کی ہیں۔ کتاب کا ایک عنوان یہ ہے: **الْقَوْلُ فِي اسْتِمَاعِ الْقَضِيبِ وَ الأَوْتَارِ**۔ اس کے تحت لکھتے ہیں:

رہا اوتار کا مسئلہ تو اس کا حکم بھی وہی ہے جو قضیب کا ہے۔ اس کی حلت یا حرمت کے حوالے سے شریعت کا کوئی حکم وارد نہیں ہے۔ اس کی تحریم کے حوالے سے جتنی روایتیں ہیں ان میں کوئی بھی رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں ہیں۔ ہم دوسری فصل میں ان کا جواب دیں گے اور ان کے راویوں کا حال بیان کریں گے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے سماع کا جواز اہل مدینہ کا متفقہ موقف بن گیا۔ یہی حال اہل الظاہر کا ہے۔

چند واقعات وروایات سے اس بات کو مزید واضح اور مستحکم کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

یہ ایسا امر ہے جس کی حلت یا حرمت کے حوالے سے نبی کریم ﷺ سے کوئی مستند ومعتمد نص وارد نہیں ہے، لہٰذا اس کا حکم جواز کا ہوگا۔ متقدمین میں جن لوگوں نے اسے ترک کیا انھوں نے محض کمال ورع کے پیش نظر ترک کیا، جیسا کہ انھوں نے نرم لباس، عمدہ کھانا، ٹھنڈا پانی اور خوب صورت عورتوں سے لطف اندوزی کو ترک کر دیا۔ ظاہر ہے کہ یہ ساری باتیں جائز ومباح ہیں۔

پھر ان کے بعد کچھ لوگ ایسے آئے جنھوں نے اس مسئلے میں اس وجہ سے سختی کی، کہ مبادا لوگ اس کی وجہ سے اس سے اہم چیز سے برگشتہ نہ ہو جائیں، پھر ان کے بعد کچھ ایسے لوگ ہوئے

جنھوں نے اپنی جہالت اور عامۃ الناس میں زاہد وصالح کہلانے کے لیے سرے سے اس کو حرام کر دیا۔ ایسے حضرات اس مسئلے کی تحقیق سے کما حقہ واقف نہ ہو سکے۔ واللہ اعلم بالصواب

علامہ ابن طاہر مقدسی ابن قیسرانی نے ایک عنوان **الْقَوْلُ فِي المزامير والملاهي** باندھا ہے اور اس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ احادیث صحیحہ سے ان کا سماع جائز ہے۔ اس سیاق میں انھوں نے اس آیت کریمہ کو بھی پیش کیا ہے: وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انْفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا. قُلْ مَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ مِنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ وَاللَّهُ خَيْرُ الرَّازِقِينَ اور کہا ہے کہ اس آیت میں لہو کا عطف تجارت پر ہے اور جب تجارت جائز ہے تو یقیناً لہو بھی جائز ہوگا۔

دوسری فصل میں حافظ ابن قیسرانی نے اپنے موقف کے خلاف بہت ساری احادیث وآثار نقل کیے ہیں اور پھر سب کا سقم پیش کرتے ہوئے اپنے موقف کو ہر طرح سے ثابت کیا ہے۔ یہ حصہ خاصہ دلچسپ ہے۔

میرے پیش نظر کتاب السماع قاہرہ کی وزارۃ الاوقاف سے مطبوعہ ہے جو المکتبۃ الشاملہ میں شامل ہے۔ اہل علم اس کا ضرور مطالعہ کریں۔

(۳) بوارق الالماع فی تکفیر من یحرم السماع وتعین شرفہ بالاجماع

امام احمد بن محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ (۵۲۰ھ/ ۱۱۲۶ء)

امام احمد بن محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ (۵۲۰ھ/ ۱۱۲۶ء) کی شخصیت تاریخ اسلام میں محتاج تعارف نہیں۔ آپ امام محمد غزالی کے چھوٹے بھائی تھے۔ زہد وتجرد میں امام غزالی سے بھی سبقت لے گئے۔ آپ کے مستفیدین میں شیخ ابونجیب سہروردی اور عین القضاۃ ہمدانی جیسے مشائخ ہیں۔ آپ نے مسئلۂ سماع پر بہ مشکل ۲۵ صفحات پر ایک مختصر مگر انتہائی مدلل رسالہ لکھا ہے جس کا نام ہے: **بوارق الالماع فی تکفیر من یحرم السماع وتعین شرفہ بالاجماع** (سماع کو حرام کہنے والے کی تکفیر میں چمکتی ہوئی بجلیاں اور اجماعی طور سے اس کی عظمت کے شواہد)

شیخ غزالی نے تصنیف رسالہ کے پس منظر میں لکھا ہے کہ مجھ سے بعض صالحین نے سماع کے آداب وشرائط کے حوالے سے ایک رسالہ لکھنے کی گذارش کی تو میں نے شواہد کے ساتھ اپنی بات لکھی اور ثابت کیا کہ جو سماع کو حرام کہے اس کی بالاجماع تکفیر کی جائے گی۔ اس رسالے میں سماع کی فضیلت کو بہت زوردار انداز میں بیان کیا گیا ہے اور اس کے لیے زمان، مکان اور اخوان کی شرطیں بیان کی گئی ہیں۔ زمان کے حوالے سے شیخ غزالی نے لکھا ہے کہ سماع کے لیے صحیح وقت وہ ہے جب اہل ذوق کا قلب مصفّٰی ہو، وہ نفسانیت سے پاک ہوں اور ان کی طلب رضائے الٰہی کا حصول ہو، مکان کے حوالے سے لکھا ہے کہ سماع کے لیے مناسب جگہ صوفیہ کی خانقاہیں ہیں اور

سب سے بہتر مساجد ہیں اور اخوان کے حوالے سے لکھا ہے کہ یا تو وہ اصحاب صفا وارباب ذوق ہوں یا محبان صوفیہ ہوں۔

شیخ نے سماع کے جواز کے ثبوت میں بطور خاص ان احادیث کو پیش کیا ہے جن میں لڑکیوں سے دف پر اشعار پڑھنا اور رسول اللہ ﷺ سے سننا ثابت ہے۔ شیخ غزالی نے استدلال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لڑکیوں سے دف اور اشعار سنے جب کہ بلاضرورت ان کی آواز سننا حرام ہے، پھر مردوں سے سننا کیوں کر حرام ہو جائے گا۔ اگر کوئی سماع نغمہ یا ضرب دف کو حرام کہتا ہے تو گویا نعوذ باللہ وہ ایک امر حرام کو رسول اللہ کی طرف منسوب کرتا ہے اور یہ یقیناً اجماعاً کفر ہے۔

اس سیاق میں شیخ غزالی نے مسند احمد کی وہ روایت بھی پیش کی ہے جس میں یہ ہے کہ حبشی نبی کریم ﷺ کی موجودگی میں گا رہے تھے، دف بجا رہے تھے اور رقص کر رہے تھے، مگر نبی کریم ﷺ نے انہیں منع نہیں فرمایا۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی روایتیں نقل کی ہیں۔

اس کتاب میں سماع کے مسئلے پر بہت سے سوالات وجوابات بھی ہیں۔ مثلاً اس سوال کے جواب میں کہ امام ابوحنیفہ نے سماع کو حرام کہا ہے، شیخ غزالی نے کئی باتیں کہی ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ جب صحیح احادیث سے رسول اللہ ﷺ سے سماع نغمہ و دف ثابت ہے، تو ایسی صورت میں فقہ کی کتابوں میں تبدیلی اور نقص ماننا ہمارے لیے اس کے بہ نسبت زیادہ آسان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف امر حرام کا انتساب کریں۔ اس سوال کے جواب میں کہ رسول اللہ ﷺ نے بغیر گھنگھرو والے دف سنے تھے، لہٰذا گھنگھرو والے دف کا سننا جائز نہیں ہونا چاہیے، شیخ غزالی فرماتے ہیں کہ اس حوالے سے کراہت یا حرمت کسی طرح کی روایت نہیں آئی ہے لہٰذا گھنگھرو والا دف سننا بھی مباح ہوگا، ناجائز وحرام نہیں ہوگا۔ اس کے بعد شیخ نے قصب فارسی کو مباح اور مزمار کو حرام کہا ہے۔ قصب فارسی کی اباحت کی دلیل یہ دی ہے کہ اس کے خلاف کوئی نص نہیں ہے اور مزمار کو اس لیے حرام کہا ہے کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ نے مزمار سنا تو اپنے کان بند کر لیے۔ رہے قصب و مزمار کے معانی تو قصب بانسری کو کہتے ہیں اور صحاح میں جوہری نے قصب کو مزمار کے معنی میں لکھا ہے۔ تاہم یہ مسئلہ تحقیق طلب ہے کہ ان دونوں الفاظ کو شیخ غزالی نے کن معانی میں بیان کیے ہیں؟ اس کے بعد ہی قصب کے جواز اور مزمار کی حرمت کا مفہوم واضح ہو سکے گا۔

آخر میں شیخ غزالی نے رقص اور وجد کے بھی دلائل لکھے ہیں اور سماع کے فضائل پر خامہ فرسائی کی ہے۔ کتاب بطور خاص قابل مطالعہ ہے۔ کتاب کا جو نسخہ میرے سامنے ہے وہ سماع پر دیگر عربی رسائل کے ساتھ ۱۳۱۷ھ میں مطبع انوار محمدی محمد تیغ بہادر لکھنؤ کا مطبوعہ ہے۔

(۴) سماع الاغناء

علامہ موفق الدین ابن قدامہ مقدسی حنبلی (۶۲۰ھ/ ۱۲۲۳ء)

علامہ موفق الدین ابن قدامہ مقدسی حنبلی (۶۲۰ھ/ ۱۲۲۳ء) علمائے اسلام میں عظیم مقام کے حامل ہیں۔ مکتب حنبلی کے ممتاز محدثین اور فقہا میں شمار ہوتے ہیں۔ علامہ ابن قدامہ مقدسی علامہ ابن قیسرانی مقدسی کے برخلاف سماع ومزامیر کے سخت مخالف ہیں۔ آپ کی کتاب سماع الاغناء کا اردو ترجمہ قوالی اور گانا بجانا اس وقت میرے سامنے ہے۔ غازی عزیز نے اسے اردو قالب عطا کرنے کے ساتھ اس کی تحقیق وتحشیہ کا کام بھی کیا ہے جب کہ مکتبہ دارالسلام، الریاض نے ۱۴۲۶ھ میں اسے شائع کیا ہے۔ کتاب کی کل ضخامت حواشی کے ساتھ ۴۰ صفحات ہے۔ متن اس وقت پیش نظر نہیں ہے اس لیے ترجمے پر اعتبار کرنا ہماری مجبوری ہے۔

یہ کتاب مجموعی طور پر سماع ومزامیر کے خلاف انتہائی شدید اور جارحانہ موقف کی حامل ہے۔ یہ دراصل ایک استفتا کا جواب ہے۔ استفتا کی عبارت حسب ذیل ہے:

اس شخص کے بارے میں جو دف، شبابہ اور غنا کو سنتا اور تواجد اور رقص کرتا ہے؟ کیا یہ تمام چیزیں شرعاً جائز ہیں؟ یہ بات ذہن نشین رہے کہ ایسا کرنے والا شخص یہ اعتقاد بھی رکھتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا عاشق ہے اور اس کا یہ سماع، تواجد اور رقص صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہے۔ کن حالات میں دف کا بجانا جائز ہے؟ کیا دف کا بجانا مطلقاً جائز ہے؟ یا یہ کہ صرف مخصوص حالات میں اس کی اجازت ہے؟ نیز کیا اماکن شریفہ، مثلاً مساجد وغیرہ میں اشعار کا راگ والحان کے ساتھ گانا اور انھیں سننا جائز ہے؟ اس سلسلہ میں فتویٰ عنایت فرما کر ماجور ہوں۔ **رحمکم اللہ**

فتویٰ اس طرح شروع ہوتا ہے:

ایسا کرنے والا شخص خطا کار اور ساقط مروت ہے۔ جو شخص ہمیشہ اس فعل کا ارتکاب کرتا ہو شریعت میں اس کی شہادت مردود اور اس کا قول غیر مقبول ہے۔ اس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے سلسلہ میں اس کی کوئی روایت قبول نہیں کی جائے گی۔ اسی طرح ہلال رمضان وعیدین کی رویت کے سلسلہ میں اس کی شہادت قابل قبول ہے اور نہ ہی دین کے کسی اور معاملہ میں اس کی خبر کا کوئی اعتبار ہے۔

جہاں تک اللہ عز وجل کے ساتھ اس کی محبت کے عقیدہ کا تعلق ہے تو یہ بعید از امکان نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ان امور کے علاوہ بعض دوسری باتوں میں وہ اللہ تعالیٰ کا مطیع فرمان ہو اور اس خلاف شریعت عمل کے علاوہ اس کے دوسرے اعمال صالحہ بھی ہوں جن کے باعث وہ اپنے متعلق محب اللہ ہونے کا اعتقاد رکھتا ہو اور اس کے اس فعل کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہو۔ مگر جہاں تک

ان مسئولہ امور کا تعلق ہے تو بلا شبہہ یہ معصیت اور لہو ولعب کی چیزیں ہیں، جن کی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے مذمت فرمائی ہے۔ علماء نے ان افعال کو مکروہ سمجھا ہے، ان کا نام بدعت رکھا اور ان کے ارتکاب سے منع فرمایا ہے۔ کوئی شخص معاصی (گناہ اور نافرمانی) کے ان کاموں کے ذریعہ ہرگز اللہ سبحانہ کا تقرب حاصل نہیں کر سکتا اور نہ ہی ان ممنوعہ کاموں کا مرتکب ہو کر اس کا مطیع وفرمانبردار ہو سکتا ہے۔ جس شخص نے اپنے معاصی کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے تقرب کا ذریعہ بنایا، وہی ذریعہ اس کے بعد کا مقدر بن گیا، نیز جس نے لہو ولعب کو دین کے طور پر اپنایا، اس کی یہ کوشش فساد فی الارض کے مشابہ قرار پائے گی۔ اگر کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے اور آپ ﷺ کی سنت کے علاوہ کسی اور طریقہ سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا تقرب طلب کرے گا تو ہرگز وہ اپنی مراد تک نہیں پہنچ سکتا۔

علامہ ابن قدامہ مقدسی نے اس کے بعد اپنے موقف پر متعدد شواہد اور احادیث واقوال نقل کیے ہیں اور پھر لکھا ہے کہ مزامیر کی حلت کے حوالے سے ہمیں کسی عالم کا کوئی قول نہیں ملا البتہ غنا سے متعلق علما کا اختلاف ہے، اکثر اہل علم اس کے خلاف ہیں، ہاں! مسجد میں اس کا اہتمام ناجائز ہے۔ دف کے سلسلے میں لکھا ہے کہ اس کی حرمت مجھ پر واضح نہیں ہے۔ سماع کی ایسی محفل جس میں عورتیں اور امرد شریک ہوں اس کی سخت مذمت کی ہے۔

(۵) کشف القناع عن اصول السماع
علامہ فخر الدین زرادی، سامانوی ثم دہلوی (۷۴۸ھ/۱۳۴۷ء)

کتاب ہذا کے مصنف علامہ فخر الدین زرادی، سامانوی ثم دہلوی (۷۴۸ھ/۱۳۴۷ء) ہیں، جو حضرت محبوب الٰہی کے خلفا میں علمی لحاظ سے بہت ہی ممتاز تھے۔ آپ حضرت نصیر الدین چراغ دہلی کے ہم سبق اور مولانا فخر الدین ہانسوی کے شاگرد تھے۔ چراغ دہلی کی کوششوں سے بارگاہ سلطان المشائخ میں حاضر ہو کر اس زلف جاناں کے اسیر ہو گئے، ورنہ اس سے پہلے سخت مخالف تھے۔ سفر حج کے دوران آپ کا جہاز ڈوب گیا تھا، اس طرح آپ کو شہید راہ محبت کا درجہ بھی حاصل ہے۔

کشف القناع مسئلۂ سماع ومزامیر پر ایک اجتہادی نوعیت کی کتاب ہے۔ فاضل بریلوی کی تحقیق کے مطابق آپ نے یہ کتاب حضرت نظام الدین اولیا کے حکم وتاکید پر لکھی تھی۔(۱) یہ رسالہ مختصر مگر انتہائی جامع، محققانہ اور مجتہدانہ نوعیت کا ہے۔ میرے سامنے اس کا جو نسخہ ہے وہ

(۱) فتاویٰ رضویہ: ۲۴/ ۱۱۴-۱۱۷

مطبع مسلم پریس، جھجھر سے ۱۳۱۱ھ میں مولانا غلام محمد خان حنفی چشتی نظامی کے اردو ترجمہ کے ساتھ بڑی تقطیع میں ۶۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ پوری کتاب ایک مقدمہ، دس اصول اور ایک خاتمے پر محیط ہے۔ مقدمہ دراصل تقلید جامد کے خلاف اعلان بغاوت اور تحقیق وتنقیح کی دعوت عام پر مبنی ہے۔ مقدمے کے اندر صوفیہ کے مسلک علمی کی عظمت کو اجاگر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ محدثین کو فقہا اصحاب الظواہر کہتے ہیں، اس لیے کہ محدثین ظاہر لفظ کے متبع ہوتے ہیں اور فقہا کو محدثین اہل الرای کہتے ہیں، جو خبر واحد کی موجودگی میں قیاس پر عمل کرتے ہیں، لیکن صوفیہ ان دونوں گروہوں سے افضل ہیں، کیوں کہ وہ غیر اللہ کو چھوڑ کر اللہ کی طرف متوجہ رہتے ہیں اور مذہب معین کو ترک کر کے مذہب احتیاط کا اتباع کرتے ہیں، جیسا کہ صوفیہ کا ارشاد ہے کہ **الصوفی لا مذهب له**۔ صوفیہ اپنے موقف پر اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں، جس میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ میری امت کا اختلاف دین میں وسعت ہے اور جب اختلاف وسعت ہے تو ایسی صورت میں مذہب معین کی پیروی تنگی ہوئی اور وسعت کو تنگ کرنا دین میں ممنوع ہے۔ (ص:۷،۸) مقدمے میں اس طرح کی اور بھی باتیں ہیں جن کو زید وبکر کے نام سے موجودہ دارالافتا تک پہنچا دیا جائے تو فتویٰ لگتے دیر نہیں لگے گی۔

کتاب کے دس اصول اس طرح سے ہیں: اصل اول: سماع کی لفظی واصطلاحی تحقیق، اصل دوم: اچھی آواز سننے کا بیان، اصل سوم: مزامیر کی تحقیق، اصل چہارم: تحقیق شعر، اصل پنجم: اچھی آواز اور موزوں کلام سننے کی حلت، اصل ششم: جواز سماع کی شرائط، اصل ہفتم: چند قرآنی شواہد، اصل ہشتم: اخبار مشہورہ سے استدلال، اصل نہم: اقوال مشائخ سے استدلال، اصل دہم: حقیقت تواجد کا بیان

علامہ زرادی مزامیر کے بارے میں رقم طراز ہیں:

مزمار وہ آلہ ہے جس میں موزون آواز پائی جائے اور اپنی ذات کی طرف نظر کرتے ہوئے یہ مباح ہے، جیسا کہ اہل علم نے بتایا ہے۔ رہی اس کی حرمت تو اس کی علت ایک دوسری چیز ہے اور وہ ہے شراب نوشی کی یاد کا تازہ ہونا، جیسا کہ نبی کریم ﷺ سے ثقہ راویوں نے بیان کیا ہے کہ جب شراب حرام ہوئی تو مزامیر بھی حرام ہو گیا۔ اس لیے کہ شراب پیتے وقت لوگ مزامیر بجایا کرتے تھے، اس لیے اب اس کا بجانا حرام کر دیا گیا تا کہ اس سے شراب نوشی کی یاد تازہ نہ ہو جائے۔ اس طرح مزامیر قبیح لغیرہ ہوا۔ تو اب جب بھی یہ علت حرمت مفقود ہو گی، اس وقت یقینی طور پر مزامیر کی حرمت بھی ختم ہو جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ جنگوں میں طبل اور اچھے اوقات میں 'شخ' (شہنائی) وغیرہ بجانا درست ہے۔ ثابت ہوا کہ علت بدلنے سے مزامیر کا حکم بھی بدل جائے گا۔

اگر نفس لہو سے پاک ہو، مزکّٰی و مصفّٰی ہو، مشتاق لقائے مولیٰ ہو، ایسی صورت میں مزامیر کی آواز آلودگی سے صفائی کی طرف داعی اور پستی سے بلندی کی طرف اٹھانے والی ہوگی۔ اس لیے کہ اچھی آواز روح کی غذا ہے اور یہ غذا عالم ملکوت میں روح کی پرواز میں معاون ہوگی۔ اس کی تائید حضرت ذوالنون مصری کے ایک ارشاد سے بھی ہوتی ہے۔ آپ سے اچھی آواز کے بارے میں سوال ہوا تو آپ نے فرمایا کہ خطاب غیبی اور اشارات غیبی ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے ہر اچھے اور پاک مرد وعورت کے اندر ودیعت فرمادی ہے۔ ثابت ہوا کہ اچھے مرد وعورت کے لیے سماع مزامیر جائز ہے، کیوں کہ ان کے حق میں مزامیر کی حرمت کی علت مفقود ہے۔ اسے جنگوں میں بجنے والے نقاروں پر بھی قیاس کیا جاسکتا ہے۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اعلان نکاح کے لیے نبی کرم ﷺ نے دف بجانے کو جائز کہا ہے۔ صحیح حدیث ہے: **اعلنوا النکاح و لو بالدف** اگر چہ دف سے ہو، نکاح کا اعلان کرو۔ عید اور دیگر مسرت کے دنوں میں بھی دف بجانے کی دیگر روایتیں موجود ہیں۔ غور کرو کہ دف میں دو اوصاف ہیں؛ مسرت انگیزی اور اعلان، مسرت اس کی آواز کی موزونیت کی وجہ سے ہے اور اعلان اس آواز کی بلندی کے سبب ہے۔ نبی کریم ﷺ نے انھیں دو اوصاف کے پیش نظر دف بجانے اور سننے کو مباح فرمایا۔ لہٰذا دف کے علاوہ دیگر مزامیر کو بھی انھیں پر قیاس کیا جاسکتا ہے۔ اس لیے کہ ان کی حرمت، علت حرمت کی موجودگی کے سبب تھی، جب علت نہ رہی تو اب حرمت بھی نہ رہی۔ امام غزالی نے اسی استدلال کے پیش نظر مزامیر کی آواز کو خوش الحان پرندوں کی آواز پر محمول کیا ہے اور سماع مزامیر کو جائز قرار دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض مغلوبین نے غلبۂ شوق میں مزامیر سنا، البتہ ہمارے مشائخ کا سماع اس تہمت سے پاک ہے۔ انھوں نے صرف قوال سے کمال الٰہی کا پتہ دینے والے روح افروز اشعار سنے۔ (۱۸-۲۲)

جواز سماع کی شرائط کے ذیل میں علامہ زرادی لکھتے ہیں:

صوفیہ اور محدثین کا اجماع ہے کہ سماع بالذات مباح ہے اور اس کی حرمت کی علت لہو ہے اور فقہا نے اس کی حرمت میں جو اخبار و روایات نقل کیے ہیں، وہ سب کے سب اسی پر محمول ہیں۔ لہٰذا جب علت مفقود ہوگی تو حرمت بھی مفقود ہوگی۔ ہمارے شیخ حضرت نظام الدین اولیا جو علمائے دین کے مقتدا اور اپنے زمانے کے مجتہد ہیں، فرماتے ہیں: سماع فی نفسہ مباح ہے۔ اس کے حکم میں اختلاف ان چار میں سے کسی ایک چیز کے سبب ہوتا ہے، جن کی سماع میں ضرورت ہوتی ہے۔ وہ چار چیزیں یہ ہیں: (۱) سنانے والا (۲) وہ کلام جسے وہ سنائے (۳) سننے والا اور (۴) آلۂ سماع۔ سنانے والے کے بارے میں یہ ہے کہ وہ محل فتنہ ہو، سنائے جانے والے کلام کے بارے میں یہ ہے کہ وہ غیر شرعی ہو، سننے والے کے بارے میں یہ ہے کہ سماع کی وجہ سے اس کے لہو میں اضافہ ہو

اور اس کے اندر ریا اور تصنع پیدا ہو اور آلۂ سماع کے بارے میں یہ ہے کہ وہ آلہ مزامیر سے ہو۔ جو سماع ان عوارض سے پاک ہو وہ متفقہ طور پر مباح ہے۔ (۳۰-۳۲)

مذکورہ دونوں اقتباسات پر غور کیجیے تو پتہ چلتا ہے کہ علامہ زرادی مذکورہ چار امور سے پاک سماع کو متفقہ طور پر جائز سمجھتے ہیں، جب کہ سماع بالمزامیر کو مختلف فیہ خیال کرتے ہیں، البتہ مزامیر کے حوالے سے ان کا موقف واضح ہے کہ مزامیر ہر اس آلے کو کہتے ہیں جس سے موزون آواز نکلے اور یہ بالذات مباح ہے، البتہ اس کی حرمت ایک علت کے ساتھ مشروط ہے اور وہ علت ہے شرب خمر کا یاد آنا، اگر یہ علت نہ ہو تو سماع مزامیر مباح ہے، بلکہ اگر سننے والا مصفّٰی و مزکّٰی ہو تو سماع مزامیر اس کی روحانی ترقی اور رفع درجات کا باعث ہے۔

ایک مسئلہ سماع کی اہلیت کا ہے، علامہ زرادی کی تحقیق کے مطابق اس کا تسلسل ہنوز قائم ہے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اب سماع کے اہل نہیں رہے ایسے حضرات گویا مدعی وحی ہیں۔ اس طرح کی باتیں کھلی ہوئی گمراہی ہیں۔ (خاتمہ)

(۶) الکلام علی مسئلۃ السماع

علامہ ابن قیم الجوزیہ (۷۵۱ھ/۱۳۵۰ء)

الکلام علی مسئلۃ السماع مسئلۂ سماع پر علامہ ابن قیم (۷۵۱ھ/۱۳۵۰ء) کی بہت ہی مبسوط کتاب ہے۔ میرے پیش نظر ۱۴۰۹ھ میں دارالعاصمہ، ریاض کی مطبوعہ ہے جس کی تحقیق راشد بن عبدالعزیز الحمد نے کی ہے اور شروع میں ایک وقیع مقدمہ بھی لکھا ہے جس میں کتاب اور مصنف کتاب کے بارے میں تفصیلی گفتگو ہے۔ مطبوعہ کتاب کی مجموعی ضخامت ۵۳۱ صفحات ہے۔

یہ کتاب دراصل ایک استفتا کا جواب ہے۔ ۷۴۰ھ میں ایک سوال ہوا تھا کہ ایسے سماع کا کیا حکم ہے جس میں دف، شبابہ اور دیگر آلات طرب موجود ہوں، تالیاں بجائی جارہی ہوں اور دیگر خرافات ہوں، اس میں مرد وعورت سب جمع ہو کر رقص کر رہے ہوں اور اس عمل کو باعث تقرب الٰہی سمجھا جاتا ہو اور اس میں رقص کرنے والے کو مغفور خیال کیا جاتا ہو۔ اس سوال کے جواب میں اس عہد کے آٹھ بڑے علما نے سماع کے خلاف فتویٰ دیا جن میں سب سے مبسوط فتویٰ علامہ ابن قیم کا ہے۔ محقق کتاب **موضوع الکتاب** کے تحت کتاب کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس کتاب کا موضوع ایک اہم مسئلے میں بیان حق ہے جس میں بہت سے لوگ فتنوں کا شکار ہوگئے اور یہ مسئلہ سماع کا ہے۔ مصنف نے اسے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے اور اسے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے: پہلے حصے میں ایک مقدمہ ہے پھر اس کے بعد سوال کا جواب دیتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ ان دریافت شدہ مسائل کا جواب دو فصلوں میں منقسم ہے۔ پہلی فصل حکم

شرعی کے بیان میں تاکہ یہ واضح ہو کہ یہ حرام ہے، مکروہ ہے یا مباح ہے یا افترا پردازوں کے بقول مستحب و مستحسن ہے۔ دوسری فصل میں اس بات کی وضاحت ہے کہ انعقاد سماع بطور لہو ولعب چیزے دیگر ہے اور افترا پردازوں کے خیال کے مطابق اسے قربت وطاعت، باعث تقرب حق اور تسکین خاطر چیزے دیگر ہے۔ پہلے حصے کے آخر میں ایک فصل قائم کی ہے جس میں اس حقیقت کو واضح کیا ہے کہ یہ محال ہے کہ ایک ہی دل میں بارگاہ رب العالمین میں حضوری کا ذوق اور بارگاہ مغنی میں حضوری کا ذوق جمع ہو جائے۔ اسی طرح یہ بھی محال ہے کہ ایک ہی دل میں ذکر الٰہی اور کلام الٰہی کے معانی کی لذت حاصل ہو اور اسی دل میں معانی غنا کی لذت حاصل ہو جو زنا کا منتر ہے۔ کتاب کا دوسرا حصہ اہل نغمہ کے شبہات پر مشتمل ہے۔ مصنف نے اس میں ۲۹ شبہات ذکر کیے ہیں اور پھر ہر ایک کا کتاب وسنت اور اقوال صحابہ وائمہ کی روشنی میں جواب دیا ہے۔

علامہ ابن قیم کی یہ کتاب سماع ونغمہ اور آلات سماع کے خلاف ایک مدلل اور جامع کتاب ہے۔ اس مسئلے کے تحقیق کاروں کو یہ کتاب ضرور دیکھنی چاہیے البتہ اس کے مشتملات کے ساتھ استفتا کے مندرجات کو بھی سامنے رکھنا چاہیے۔ اس سے بہت سے پہلوؤں کا سمجھنا آسان ہوگا۔

اس کتاب کے آخر میں **ملحق الرسالۃ** کے زیر عنوان دیگر علما کے فتاوے بھی شامل ہیں جنھوں نے مذکورہ سوال کا جواب دیا تھا۔ ان علماے اعلام کے اسما اس طرح ہیں: ۱۔ علامہ تقی الدین سبکی، ۲۔ علامہ جلال الدین بن حسام حنفی، ۳۔ شیخ برہان الدین عبدالحق حنفی، ۴۔ شیخ ابوعمرو بن ابی الولید مالکی، ۵۔ شیخ عبداللہ بن ابی الولید مالکی، ۶۔ شیخ احمد بن حسن حنبلی، ۷۔ علامہ ابن کثیر شافعی۔ یہ سارے علما مجموعی طور پر ہم خیال ہیں۔

(۷) فرح الأسماع برخص السماع

شیخ محمد بن احمد بن سلامۃ تونسی مالکی شاذلی معروف بہ ابن زغدان (۸۸۲ھ/۱۴۷۷ء)

ابوالمواہب شیخ محمد بن احمد بن سلامۃ تونسی مالکی شاذلی معروف بہ ابن زغدان (۸۸۲ھ/۱۴۷۷ء) کا رسالہ **فرح الاسماع برخص السماع** بھی اہل ذوق سماع میں کافی معروف ومقبول ہے اور جواز سماع ومزامیر پر ایک شہ کار تصنیف ہے۔ میرے سامنے ۱۳۱۷ھ میں مطبع انوار محمدی لکھنوی کا یہ مطبوعہ رسالہ موجود ہے جس کے ساتھ مسئلہ سماع پر امام احمد غزالی، علامہ شوکانی اور شاہ محمد حسین الہ آبادی کے رسائل بھی ہیں۔ پورے مجموعے کی ضخامت فقط ۹۴ صفحات ہے، جب کہ خود یہ رسالہ ۲۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ رسالے کا خطبہ براعت استہلال (۱) کا خوب صورت مرقع ہے۔

(۱) خطبے میں ایسے الفاظ کا استعمال جس سے مدعا کی طرف اشارہ اور اس کی وضاحت ہو جائے۔

شیخ ابن زغدان شاذلی نے خطبے کے بعد غنا کی تین تقسیم بیان کی ہے۔ پہلی قسم جس میں غنا کے ساتھ کوئی آلۂ غنا نہ ہو۔ صحابہ و تابعین اور مشائخ کبار سے اس کے مجوزین کی ایک لمبی فہرست دی ہے اور آخر میں لکھا ہے کہ امام غزالی، قاضی ابوبکر بن عربی اور علامہ ابن رشیق وغیرہ نے اس پر اجماع کا قول کیا ہے۔ نیز بعض علما نے نکاح وغیرہ کے مواقع پر اس کے استحباب کا قول کیا ہے۔ غنا کی دوسری قسم وہ ہے جس میں دف اور بانسری (شبابہ) کے ساتھ نغمہ سنجی ہو۔ اس کے بارے میں مصنف لکھتے ہیں:

ہمارے اصحاب مالکیہ نے کہا ہے کہ دف سے نکاح کا اعلان سنت ہے۔ یہی قول المقنع کے شارح نے حنابلہ سے اور ابوبکر عامری نے شوافع سے بھی نقل کیا ہے، جب کہ اہل علم کی ایک جماعت مطلقاً اس کے جواز کی طرف گئی ہے، جن میں امام الحرمین اور امام غزالی شامل ہیں۔ دوسری طرف نکاح اور شادی کے علاوہ دیگر مواقع کے سلسلے میں بے شمار علما نے شوافع کے دو قول نقل کیے ہیں اور امام رافعی اور قاضی ابوبکر بن عربی مالکی نے جواز کو صحیح قرار دیا ہے۔

رہی بانسری (شبابہ) اور یہ بانس کی بنی ہوتی ہے اور اس میں سوراخ ہوتے ہیں، تو اس کے تعلق سے ماہرین موسیقی کا کہنا ہے کہ یہ ایک مکمل آلہ ہے جو تمام نغموں کو محیط ہوتا ہے اور علما کا اس کے جواز کے سلسلے میں اختلاف ہے۔ ایک جماعت حرمت کی قائل ہے جب کہ دوسری جواز کی قائل ہے۔

مصنف نے اس کے جواز کے قائلین میں امام غزالی، امام رافعی، امام عامری، امام عزالدین بن عبدالسلام، امام ابن دقیق العید، قاضی القضاۃ بن جماعۃ، علامہ تاج الدین وغیرہ کے نام لکھے ہیں۔

غنا کی تیسری قسم وہ ہے جس میں غنا کے ساتھ سارنگی اور دیگر آلات مزامیر بھی موجود ہوں۔ اس پر گفتگو کرتے ہوئے طنبور کے بارے میں لکھا ہے کہ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے اس کو سیدنا آدم علیہ السلام کے بیٹے حضرت مالک نے سنا اور ایک قول یہ ہے کہ اسے اہل ہند نے انسانی طبائع کو سامنے رکھ کر بنایا ہے۔ سارنگی اور اس طرح کے وہ تمام آلات جن کے اندر تار لگا ہوتا ہے، ان کے جواز کے سلسلے میں علما کا اختلاف ہے۔ ائمہ اربعہ کا مذہب معروف یہ ہے کہ ان کا بجانا اور سننا حرام ہے، جب کہ ایک جماعت علما جواز کی قائل ہے۔ صحابہ میں حضرت عبداللہ ابن عمر، عبداللہ ابن جعفر، عبداللہ ابن زبیر، معاویہ بن ابی سفیان اور عمرو ابن العاص، تابعین میں خارجہ بن زید، عبدالرحمٰن ابن حسان، سعید ابن مسیب، عطا ابن ابی رباح، شعبی، ابن عتیق اور اکثر فقہاے مدینہ سے اس کا سماع ثابت ہے۔

اس تعلق سے جن مجوزین علما کے نام یا اقوال نقل کیے ہیں ان میں یہ نام اہم ہیں: استاذ

ابومنصور بغدادی، شیخ ابواسحاق شیرازی، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے شیخ استاذ ابراہیم بن سعد زہری (یہ طنبور بجائے بغیر حدیث کا درس شروع نہیں کرتے تھے)، عبداللہ بن حکم، امام عزالدین بن عبدالسلام وغیرہ۔ پھر لکھا ہے کہ جو لوگ اس کی حرمت کے قائل ہیں ان میں یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ آیا یہ گناہ صغیرہ ہے یا گناہ کبیرہ؟ متاخرین شافعیہ کا مذہب اصح یہ ہے کہ یہ صغیرہ ہے، یہی امام حرمین کا مذہب مختار ہے۔

مصنف نے اس کے بعد ایک عنوان **فصل فی الرقص** کے عنوان سے قائم کیا ہے اور رقص کے حوالے سے بھی فقہا کے مختلف اقوال لکھے ہیں۔ اس باب میں خود ان کا میلان جواز کی طرف ہے۔ اس کے بعد ایک ذیلی عنوان کے تحت چند مشاہیر کے نام دیے ہیں جنھوں نے دف اور بانسری کے ساتھ سماع نغمہ کیا ہے۔ وہ نام اس طرح سے ہیں:

امام عزالدین بن عبدالسلام، شیخ تاج الدین فزاری مفتی دمشق، حافظ تقی الدین بن دقیق العید، شیخ بہاء الدین نفطی، شیخ علی الکردی، قاضی القضاۃ بدرالدین بن جماعہ، شمس العلماء شمس الدین اصفہانی، شیخ نقوشانی، شیخ علاء الدین ترکمانی، شیخ شہاب الدین کرکی، سلطان ابوالحسن سلطان فاس، امام ابوموسیٰ، حافظ ابوعبداللہ محمد البساطی، امام ابوعبداللہ دایلی، امام عبدالرزاق جزولی، امام ابوالفضل مردعی، امام ابوعبداللہ صفار، امام ابوعبداللہ بن الحفید، امام ابومحمد عبدالمہیمن حضرمی، امام ابوعبداللہ زبدی، علامہ ابن الکاتب، علامہ ابن عبدالسلام، امام ابن ہارون، قاضی القضاۃ شمس الدین بساطی، شیخ علی ابن وفا۔ آخر میں نہایت سخت لہجے میں لکھتے ہیں: جو اس کو حرام کہتا ہے وہ گدھا ہے۔ اس کے آگے محرمین سماع ومزامیر کو انھوں نے بہت سخت وسست کہا ہے۔ محروم نعمت، غلیظ الطبع، جاہل، سفیہ، لئیم جیسے الفاظ استعمال کیے ہیں۔

(۸) کف الرعاع عن محرمات اللهو والسماع
شیخ الاسلام علامہ احمد بن محمد بن حجر ہیتمی مصری شافعی (۹۷۳ھ/۱۵۶۶ء)

شیخ الاسلام علامہ احمد بن محمد بن حجر ہیتمی مصری شافعی کا شمار اکابر علمائے اسلام میں ہوتا ہے۔ فقہ وحدیث کے حوالے سے آپ کا نام بہت ہی نمایاں ہے۔ آپ شیخ الاسلام زکریا انصاری کے قابل فخر شاگرد ہیں۔ الصواعق المحرقہ اور فتاوی حدیثیہ آپ کی معروف تالیفات ہیں۔ **کف الرعاع عن محرمات اللهو والسماع** (لہو وسماع کے ارتکاب حرام سے عوام کی ممانعت) مسئلۂ سماع پر آپ کا قابل قدر رسالہ ہے۔

ہمارے سامنے عادل عبدالمنعم ابوالعباس کا تحقیق کردہ مطبوعہ از مکتبۃ القرآن، القاہرہ، والا نسخہ ہے۔ محقق نے شروع میں ایک وقیع مقدمہ بھی لکھا ہے، جس میں مسئلۂ سماع پر روشنی ڈالنے

کے ساتھ کتاب اور صاحب کتاب کا تعارف کرایا ہے۔ پیش نظر کتاب ایک مقدمہ اور دو ابواب پر منقسم ہے۔ مقدمے میں مزامیر ومعازف کی مذمت کے حوالے سے احادیث نقل کیے ہیں، پہلا باب غنائے حرام اور غنائے غیر حرام سے متعلق ہے، جب کہ دوسرا باب لہو حرام اور غیر حرام کے اقسام واحکام سے متعلق ہے۔ اس باب میں نردشیر، شطرنج، گنجفہ، کبوتر بازی اور کشتی وغیرہ کے احکام بھی تفصیل سے لکھ دیے گئے ہیں۔

یہ کتاب بنیادی طور پر امام محمد شاذلی تونسی کی کتاب **فرح الاسماع برخص السماع** کے جواب میں ہے، اس لیے اسلوب میں مناظرانہ اور جارحانہ رنگ آ گیا ہے۔ کتاب اور اس کے اسلوب کا تعارف کراتے ہوئے محقق کتاب لکھتے ہیں:

محترم قاری! مصنف نے پیش نظر کتاب میں غنا، شطرنج، موسیقی، دوڑ، کبوتر بازی اور دیگر لہو ولعب کے تعلق سے حکم شرعی بیان کیا ہے۔ اس کے سبب تالیف کا پس منظر یہ ہے کہ جس وقت علامہ ابن حجر مکہ معظّمہ میں اپنے کسی دوست کے پاس مقیم تھے، کسی نے سماع کے تعلق سے دریافت کیا تو آپ نے نہایت سخت جواب دیا۔ پھر آپ سے تونس میں مقیم ایک مصری عالم کی کتاب کے بارے میں بتایا گیا جس میں اس کے مصنف نے سماع کے جواز واباحت کا قول کیا تھا۔ بتانے والے کی مراد امام محمد شاذلی تونسی سے تھی جنھوں نے اپنی کتاب کا نام **فرح الاسماع برخص السماع** رکھا ہے۔ علامہ ابن حجر نے جب اس کتاب کو پڑھا تو اس کے جواب میں یہ کتاب **کف الرعاع عن محرمات اللهو والسماع** لکھی۔ اس کتاب میں علامہ ابن حجر ہیتمی کا اسلوب تنقیدی ہے۔ انھوں نے علامہ شاذلی کا ایک ایک جملہ نقل کیا ہے اور پھر الگ الگ ہر جملے کا رد کیا ہے اور اپنے موقف کی تائید میں علما کی آرا نقل کی ہیں اور شافعی علما کے اقوال پر اعتماد کیا ہے۔ ہم نے اس کتاب کے اندر مخالفین کے تعلق سے امام ابن حجر کے جارحانہ اسلوب پر نوٹس لیا ہے۔ مصنف نے اپنے مخالفین کو کذب، خبث اور نفاق جیسے اوصاف سے یاد کیا ہے۔ پھر یہ کہ حقیقت یہ ہے کہ جواز سماع کے حوالے سے بنیادی کتاب امام ادفوی کی ہے۔ امام محمد شاذلی نے اپنی کتاب **فرح الاسماع** میں جو کچھ لکھا ہے وہ امام ادفوی سے ماخوذ ہے، لیکن اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ امام ابن حجر نے شاذلی، ابن حزم اور ابن طاہر مقدسی کے لیے جارحانہ اسلوب اختیار کیا ہے، جب کہ وہ امام ادفوی کے حوالے سے یک گونہ نرمی اور احترام کا لہجہ رکھتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس زمانے میں مذہبی فقہی تعصب اپنے شباب پر تھا۔ امام ادفوی چوں کہ امام ہیتمی کی طرح شافعی ہیں اور دوسرے ان کے مخالف مذہب ہیں۔ امام ہیتمی نے جہاں کہیں علما کے خلاف جارحانہ لب ولہجہ اختیار کیا ہے، ہم نے حاشیے میں اس پر گرفت کی ہے۔ اللہ کریم ہمیں اور ان کو

معاف فرمائے۔ اسی طرح مصنف نے مختلف مقامات پر ایک ہی حدیث کو جو مکرر نقل کیا ہے اس پر بھی ہم نے متنبہ کردیا ہے۔

ہمارے خیال میں علامہ ابن حجر کے اسلوب کی کرختگی کی بڑی وجہ امام محمد شاذلی کی کتاب **فرح الاسماع** کی جارحیت ہے، جس کے جواب میں یہ کتاب منصۂ شہود پر آئی ہے۔

(۹) ایضاح الدلالات فی سماع الآلات
علامہ عبدالغنی نابلسی (۱۱۴۳ھ/۱۷۳۱ء)

علامہ عبدالغنی نابلسی (۱۱۴۳ھ/۱۷۳۱ء) کا شمار عالم اسلام کے ان چند جید علما میں ہوتا ہے جن پر گذشتہ کئی صدیوں سے اہل سنت اور اہل تصوف کا اعتماد رہا ہے۔ سماع مزامیر کے مسئلے پر علامہ موصوف کا مذکورہ رسالہ بھی بہت ہی معتمد و مستند سمجھا جاتا ہے۔ اس وقت اس کتاب کا اردو ترجمہ موسیقی اور سماع کے عنوان سے پیش نظر ہے، مترجم و محقق ہیں ابو محمد اعجاز احمد اور اس کو دارالبیان، کراچی نے ۲۰۱۳ء میں شائع کیا ہے۔ کتاب کی موجودہ ضخامت ۲۲۲ صفحات کو محیط ہے، جب کی اس کی طباعت عمدہ اور دیدہ زیب ہے۔ کتاب کی تصنیف کے پس منظر کے حوالے سے محقق لکھتے ہیں:

کتاب ہذا کا تحریری پس منظر بھی ہماری بیان کردہ گفتگو ہی کی غمازی کر رہا ہے۔ اس کتاب کی تالیف کا سبب بھی ایسے ہی فریقین کا رویہ تھا جن میں فکری انتہا پسندی اپنے عروج پر تھی اور انھیں دلائل کی معرفت اور شریعت کے منشا سے زیادہ اپنے موقف کی بالا دستی مطلوب تھی جس کے مقابلے میں نہ تو وہ حضرات کسی تحقیقی کلام کو سننے کے قائل تھے اور نہ ہی اپنے موقف کے خلاف کسی تحریر کو دیکھنے کے لیے تیار تھے۔ ایسی نازک کیفیت میں جب اس زمانے کے کچھ احباب نے حق و باطل کے فرق کو واضح کرنے کے لیے امام اجل سیدی عبدالغنی نابلسی رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے صرف تین دن کی محنت میں اکابرین کے کلام سے فیض یاب ہوتے ہوئے بھی قرآن وسنت کے دلائل اور صحابۂ کرام وائمۂ اسلام کے احوال سے مزین شاندار کتاب تالیف فرمائی۔

کتاب ہذا کے چند اہم اجمالی نکات کے زیر عنوان مترجم کتاب نے حسب ذیل عمدہ تلخیص لکھی ہے:

۱۔ موسیقی وسماع کے حوالے سے جو اختلاف کی فضا قائم ہوگئی ہے اس کا بنیادی سبب نااہل فقہا اور قلیل المطالعہ علما ہیں جن کی سطحی گفتگو سے عوام کے مابین فساد کا ماحول ساز ہوتا ہے۔ لہٰذا ایسے میں علمی تشنگی مٹانے کے لیے وسیع المطالعہ اور اصول وفروع کے ماہر فقہا کی طرف رجوع کرنا چاہیے اور ان سے اس بارے میں شرعی دلائل کی حقیقت کے بارے میں سوال کرنا چاہیے

اور ان حضرات کو بھی چاہیے کہ وہ لوگوں کے سامنے کسی فریق کی رعایت کیے بغیر حق بات کو آسان اور مدلل انداز میں بیان کریں، تاکہ لوگوں کو تشفی ہو سکے۔

۲۔ ائمۂ عظام اور جلیل القدر فقہائے کرام جب اپنی کتابوں میں کسی مسئلے کو مطلقاً ذکر کریں تو ایسے مقامات پر بھی اکثر اوقات کچھ نہ کچھ قیودات ضرور ہوا کرتی ہیں۔ لہٰذا مسئلہ کو ان قیودات کے ساتھ ہی پرکھا جائے گا اور نفس مسئلہ کی علت کو جمیع احوال کے ساتھ نتیجے کے لیے معیار بنایا جائے گا، صرف ظاہری عبارت سے استدلال نہیں کیا جائے گا۔

۳۔ فقہائے اسلام کو اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ وہ امت مسلمہ کے ساتھ آسانی کی راہیں ممکنہ حد تک استوار کریں اور انھیں مشکلات سے دور رکھیں۔ نیز تاثیم امت کے وبال سے بچنے اور بچانے کی سبیل کریں۔

۴۔ موسیقی اور سماع کے بارے مطلقاً حرام ہونے کا فتویٰ بالکل جائز نہیں ہے۔

۵۔ لہو ولعب قابل مذمت ہیں۔ مطلقاً سماع وغنا قابل مذمت نہیں ہیں۔

۶۔ آلات موسیقی اور سماع وغنا میں ہر وقت لہو ولعب کا پایا جانا بھی ضروری نہیں، لہٰذا جس وقت ان میں لہو ولعب نہیں پایا جائے تو اس وقت ان پر حرمت کا حکم بھی نہیں لگایا جائے گا اور جب لہو ولعب کا وجود متحقق ہو تو حرمت کا حکم بھی پایا جائے گا۔

۷۔ لہو ولعب بھی صرف وہی قابل مذمت اور حرام وممنوع ہوں گے جن کے سبب کسی حرام ومکروہ افعال کا وقوع ہو یا پھر یہ انسان کو فرائض اور واجبات شریعت سے غافل کردیں۔ مثلاً لہو ولعب کے سبب شراب نوشی یا زنا کا وجود پایا جائے یا پھر ان میں مشغولیت نماز پنجگانہ یا واجبات سے غافل کردے۔

۸۔ اچھی ونغماتی آوازیں یا آلات موسیقی وغناء فقط اپنی ذات کے لحاظ سے مطلقاً حرام وممنوع نہیں ہیں، جب تک ان کے ساتھ کسی ممنوع فعل کا الحاق نہ ہو یا یہ ان کا سبب نہ بنیں۔

۹۔ آلات موسیقی سے بعض صورتوں میں لہو ولعب کا جدا ہونا ممکن ہے اور اس بات پر احادیث مبارکہ کی روشنی میں دلائل بھی موجود ہیں۔

۱۰۔ موسیقی وغناء کی مذمت کے بارے میں اکثر احادیث ودلائل میں حرام امور کا تذکرہ موجود ہے۔ لہٰذا شرعی حکم لگاتے وقت ان باتوں کو بھی پیش نظر رکھا جائے گا۔

۱۱۔ منکرین مسئلہ ہذا کی سب سے بنیادی دلیل حضرت سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس سے یہ حرام ہونے پر استدلال کرتے ہیں، حالاں کہ اس سے سماع وغناء کی حرمت کے بجائے اباحت ثابت ہو رہی ہے۔

١٢۔غناء وسماع مع آلات موسیقی بہت سے صحابۂ کرام، تابعین عظام اور بانیان مذاہب اربعہ کے اقوال واعمال سے ثابت ہے۔

١٣۔جلیل القدر ائمۂ کرام اور سینکڑوں صوفیائے عظام سے سماع وغنا کا ثبوت موجود ہے۔

علامہ نابلسی اپنی آخری سطور میں لکھتے ہیں:

بندۂ محتاج نے فیض ربانی سے اس مسئلہ سماع کے بارے میں مختلف مذاہب کے اقوال کے درمیان توفیق وتطبیق کردی ہے اور اس قدر کلام وتفصیل کسی ماننے والے انصاف پسند کے لیے کافی ہے جب کہ کسی جاہل وہٹ دھرم کے لیے بے کار ہے اور ویسے بھی میں نے یہ رسالہ ان جیسوں کے لیے تحریر ہی نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ عزوجل ہی سیدھے راستے کی جانب ہدایت فرمانے والا ہے۔

علامہ نابلسی کا یہ رسالہ سماع ومزامیر کے مسئلے پر انتہائی عالمانہ اور مبنی بر اعتدال ہے۔

(١٠) ابطال دعوی الاجماع علی تحریم مطلق السماع

قاضی شوکانی شیخ محمد بن محمد یمنی (١٢٥٠ھ/ ١٨٣٥ء)

اٹھارہویں صدی میں پیدا ہونے والی وہ چند شخصیات جنھوں نے اپنی علمی تحقیقات و تفردات سے دنیا کو چونکا دیا ان میں قاضی شوکانی شیخ محمد بن محمد یمنی (١٢٥٠ھ/ ١٨٣٥ء) ایک منفرد شخصیت ہیں۔ بقول مولانا ضیاء الرحمٰن علیمی جنھوں نے اپنے مختلف ادوار میں اپنی ہی آرا کی تردید کی اور کبھی کسی مسلک ومشرب سے جڑے تو دوسرے مرحلے میں اس کی مخالفت بھی کی۔ اس طرح ان کا تعلق کس جماعت سے رہا، ایک معمہ بنا رہا۔ (الاحسان: ٥/ ١٢٢)

اس میں کوئی شک نہیں کہ سماع ومزامیر کا مسئلہ شروع سے ہی مختلف فیہ رہا ہے۔ لیکن بعد میں اس مسئلے کے جواز وعدم جواز ہر دو جانب تشدد کرنے والے حد سے گزر گئے۔ یہاں تک کہ جب مخالفین سماع کی جماعت کے بعض افراد اس حد تک غلو کر گئے کہ انھوں نے مطلق سماع کو بھی اجماعی طور پر حرام قرار دیا تو اس کے بعد قاضی شوکانی اس مسئلے پر خامہ فرسائی کے لیے مجبور ہو گئے اور اس لیے اس کا عنوان باندھا: **ابطال دعوی الاجماع علی تحریم السماع** مطلق سماع کی حرمت پر ادعائے اجماع کی تردید۔ علامہ شوکانی نے تاریخی حوالوں اور اسناد سے سب سے پہلے ان اکابر کا ذکر کیا جنھوں نے نغمہ ومزامیر سنے ہیں یا جن سے اس کی اباحت مروی ہے، جن میں اہل مدینہ، علمائے ظاہر، صوفیہ کی ایک جماعت، عبداللہ بن جعفر بن ابوطالب، قاضی شریح، سعید بن مسیب، عطا بن رباح، زہری، شعبی، عبداللہ بن زبیر، ابن عمر، حسان بن ثابت، عمر ابن عبدالعزیز، سعد بن ابراہیم، عبدالعزیز بن سلمہ، امام مالک بن انس، شعبہ، ابراہیم بن سعد، بعض شوافع، ابواسحاق شیرازی، رویانی، ماوردی، استاذ ابومنصور، ابن طاہر، عزالدین بن عبدالسلام،

ابوبکر بن عربی، ادفوی وغیرہ کے نام شامل ہیں۔ علامہ شوکانی نے اس کے بعد سماع بالمزامیر کے حوالے سے مخالفین کی مضبوط ترین دلائل نقل کیے ہیں اور ان کا علمی وفنی تجزیہ ومحاکمہ کرتے ہوئے آخر میں لکھتے ہیں:

معازف اور دیگر آلات لہو کی حرمت سے متعلق بہت زیادہ حدیثیں مروی ہیں، لیکن سب پر ائمۂ حدیث نے جرح وکلام کیا ہے اور بعض نے انھیں موضوع تک کہا ہے۔ (ص: ٥٢٢٢)

اس کے بعد مطلق سماع کے بارے میں کہا ہے کہ جمہور اس کے جواز کی طرف گئے ہیں، جب کہ امام غزالی اس کے جواز پر اجماع کے مدعی ہیں۔ اسی طرح ابن طاہر نے مطلق سماع کے جواز پر صحابہ وتابعین کا اجماع بتایا ہے، تاج فزاری اور ابن قتیبہ نے علمائے حرمین کا اجماع کہا ہے۔ اس حوالے بہت سے اقوال وروایات کو نقل کیا ہے، بعد ازاں سماع ومزامیر کی موید احادیث وآثار نقل کیے ہیں۔ اس کے بعد لکھتے ہیں:

اس باب میں بہت سی احادیث مروی ہیں، یہاں تک کہ بعض نے انھیں متواتر کہا ہے۔ دف کے مجوزین نے انھیں احادیث سے استدلال کیا ہے، چنانچہ دف کا جواز جمہور سے ثابت ہے۔ (ص: ٥٢٣١)

اس کے بعد غنا کے خلاف بہت سی رواتیں نقل کر کے ان پر کلام کیا ہے اور پھر آگے چل کر لکھا ہے کہ اس باب کی تمام روایات ضعیف ہیں اور امام ابوبکر ابن عربی، ابن طاہر اور ابن حزم کے حوالے سے کہا ہے کہ نغمات وآلات کے حرمت یا حلت کے تعلق سے کوئی ایک حرف بھی ثابت نہیں ہے۔ (ص: ٥٢٤١)

غناء ومزامیر کے ہر پہلو پر عقلاً ونقلاً گفتگو کرنے کے بعد ایک مقام پر لکھتے ہیں:

اس گفتگو اور وضاحت کے بعد طریق استدلال سے آشنا اور بحث ونظر سے واقف مصنف (منصف) پر واضح ہوگیا کہ سماع بالمزامیر اور سماع بغیر المزامیر دونوں ہی علمائے اعلام کے نزدیک محل اختلاف رہے ہیں، یہ وہ مسائل ہیں جن میں کسی پر بہت زیادہ تشدد مناسب نہیں ہے۔ یہی وہ مقصد ہے جس نے اس رسالے کی تالیف پر مجھے آمادہ کیا۔ کیوں کہ طریق استدلال سے ناآشنا اور فہم وتدبر سے دور رہنے والے بعض حضرات نے یہ سمجھ لیا ہے کہ سماع بالمزامیر اور سماع بغیر المزامیر دونوں کی حرمت قطعی اور اجماعی ہے۔ (ص: ٥٢٤٩)

غنا ومزامیر کی اس تحقیق کے بعد علامہ شوکانی نے آخر میں اجماع پر بھی تفصیلی گفتگو کی ہے، جو اہل علم کے لیے قابل مطالعہ ہے اور پھر لکھا ہے کہ اس مسئلے کی نہ حلت اجماعی ہے اور نہ حرمت، ایسے میں یہ امور مشتبہہ میں سے ہے، جس میں احتیاط ہی اولیٰ ہے۔ (ص: ٥٢٥٨) خود اپنے

بارے میں لکھا ہے کہ میں خود سماع میں کبھی شریک نہیں ہوا، لیکن اس کے باوجود مجھے یہ رسالہ اس لیے لکھنا پڑا کہ بعض مخالفین سماع، اسے ایک دم سے حرام قطعی سمجھ بیٹھے ہیں۔ (ص: ۵۲۵۰)

ابطال دعوی الاجماع علی تحریم مطلق السماع کے جس نسخے کو ہم نے سامنے رکھا ہے وہ علامہ شوکانی کے مجموعۂ فتاویٰ **الفتح الربانی** کی دسویں جلد میں ص: ۵۱۹۹ تا ۵۲۶۰ پر محیط ہے۔ مکتبۃ الجیل الجدید نے ابومصعب محمد صبحی کی تحقیق وترتیب کے ساتھ نہایت عمدگی سے شائع کیا ہے۔ اس کے علاوہ بعض دوسرے نسخے بھی میری دسترس میں موجود ہیں۔

(۱۱) رسالہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی

قاضی ثناء اللہ پانی پتی قدس سرہ (۱۲۵۵ھ/ ۱۸۳۹ء)

سماع اور وحدۃ الوجود کے مسائل پر بیہقی وقت قاضی ثناء اللہ پانی پتی قدس سرہ (۱۲۵۵ھ / ۱۸۳۹ء) کا فارسی رسالہ ان کے علم وتحقیق اور اعتدال وانصاف پر بین ثبوت ہے۔ پیش نظر رسالہ خانقاہ عالیہ عارفیہ سید سراواں کے موسس سلطان العارفین شاہ عارف صفی قدس سرہ العزیز (۱۳۲۰ھ/ ۱۹۰۳ء) کے پیر ومرشد واقف سرقل ہو اللہ شاہ عبدالغفور صفوی بارہ بنکوی قدس سرہ (۱۳۲۴ھ/ ۱۹۰۶ء) کے حسب الارشاد مطبع آئین دانش، بارہ بنکی سے ۱۳۰۵ھ کا مطبوعہ ہے اور بڑی سائز میں بڑے حروف میں ۱۷ صفحات پر مشتمل ہے۔

قاضی ثناء اللہ صاحب کا یہ رسالہ مکتوب کی شکل میں ہے۔ کسی صاحب نے سماع اور وحدۃ الوجود کے خلاف بڑے ہی جارحانہ لب ولہجے میں خامہ فرسائی کی تھی جس کا جواب قاضی صاحب نے انتہائی سنجیدہ اور عالمانہ اسلوب میں رقم کیا ہے۔ سماع کے مسئلے پر وہ انتہائی جارحانہ تحریر یہ ہے:

موجودہ زمانہ میں سماع بالمزامیر پر وجد وسرور بہت زیادہ بڑھ گیا ہے۔ ارباب وجد حق حق کا نعرہ لگاتے ہیں۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ مطلق غنا فعل حرام ہے، خاص طور پر وہ غنا جو مزامیر کے ساتھ ہوتا ہے، وہ حرام قطعی ہے جس کا انکار کرنے والا اور سماع بالمزامیر کو مباح کہنے والا کافر ہے۔ ایسے مقامات پر اسمائے الٰہی میں سے کسی اسم کا ورد موجب کفر ہے، جیسا کہ حاوی قدسی میں مذکور ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جہاں مزامیر بجایا جا رہا ہو وہاں پر اللہ کا کوئی نام لینا کفر ہے۔

قاضی ثناء اللہ صاحب نے سب سے پہلے احادیث واقوال کی روشنی میں یہ بتایا ہے کہ بات بات پر اہل قبلہ کی تکفیر کس قدر بری بات ہے۔ فرماتے ہیں:

برخوردار! اہل اسلام کی تکفیر میں جلدی نہیں کرنی چاہیے، خاص طور پر ایسے مقام میں کہ این طعن منجر می شود باکابر دین۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کی محبت واطاعت کی دولت سے سرفراز فرمائے۔ کمال علم ظاہر اور معراج علم باطن کے باوجود حضرت شاہ عالم شیخ عبدالقدوس گنگوہی قدس

سرہ العزیز کو غنا بالمزامیر میں انتہائی غلو تھا۔

اس کے بعد اہل قبلہ سے حسن ظن اور تکفیر مسلم میں جلد بازی کی مذمت پر بعض روایات و اقوال نقل کرنے کے بعد قاضی صاحب نے لکھا ہے کہ سماع ومزامیر کے تعلق سے نصوص میں تعارض ہے اور پھر دونوں طرح کے نصوص بھی نقل کیے ہیں، بعد ازاں لکھا ہے کہ غنا کی حلت و حرمت میں تعارض ہے، اس لیے امام ابوحنیفہ نے احتیاطاً حرمت کا فتویٰ دیا ہے، جب کہ امام شافعی نے غنا کی مذمت میں وارد احادیث کو اس غنا پر محمول کیا ہے جو از راہ لہو ہو، یا جس میں خوف فتنہ ہو اور ہر وہ غنا جس کی بنیاد کوئی غرض صحیح ہو، مثلاً اعلان نکاح وغیرہ میں اس کو مباح سمجھتے ہیں اور اس طرح کی روایت کتب حنفیہ میں بھی ہے۔

آگے چل کر مزامیر پر فیصلہ کن رائے دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

نبی کریم ﷺ نے نکاح میں دف بجانے کا حکم دیا جس کو امام مالک نے شرط نکاح بتایا ہے اور جب نکاح میں دف بجانا مباح یا مستحب ہے، پھر ڈھول، طنبورہ اور نقارہ وغیرہ دف سے کیوں کر مختلف ہیں، برائے لہو سب حرام ہیں اور برائے غرض صحیح سب حلال ہے، ان میں سے ہر ایک سے اعلان نکاح ہو سکتا ہے۔ دف اور غیر دف کا فرق کرنا ناقابل فہم ہے اور اگر حرمت مزامیر کو تسلیم کر بھی لیا جائے تو اس حرمت کو قطعی قرار دینا چہ معنی دارد؟ دلیل قطعی صرف آیت محکم، حدیث متواتر اور اجماع امت ہے۔ اگر یہ آلات حرام بھی ہوں تو یہ حرمت اخبار آحاد سے ہوگی اور احادیث آحاد دلیل ظنی ہیں، ان کا انکار ثبوت کفر کو مستلزم نہیں ہے۔ حرمت سماع احادیث آحاد سے ثابت ہے، امام مالک اس کو حرام نہیں مکروہ کہتے ہیں، امام شافعی شطرنج کو مباح سمجھتے ہیں، حالاں کہ یہ لہو ہے اور اس کی حرمت احادیث سے ثابت ہے۔

حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب نے فرمایا ہے کہ بہر حال اصحاب سماع ومزامیر کی تکفیر کسی بھی طرح درست نہیں، یہ بھی درست نہیں کہ کوئی یہ کہے کہ اب سماع کے اہل نہیں رہے، نہ ارباب وجد پر اعتراض درست ہے، کیوں ارباب وجد یا تو کاملین ہیں یا طالب کمال ہیں، جو کمال کی طلب میں بہ تکلف وجد کرتے ہیں یا دنیا کی نظر میں کامل ومتقی دکھنے کے لیے بطور ریا وجد کرنے والے ہیں، ان میں پہلا اور دوسرا وجد محمود ہے جب کہ تیسرا مذموم ہے، لیکن کسی کے بارے میں ہمیں یہ فیصلہ کرنے کا حق نہیں کہ فلاں شخص بطور ریا وجد کر رہا ہے، بلکہ اس کے برخلاف اہل اسلام کے ساتھ حسن ظن واجب ہے۔ (ملخصاً)

اس کے آگے وحدۃ الوجود پر گفتگو ہے جو غیر متعلق ہے۔ بہر کیف! قاضی ثناء اللہ صاحب نے مسئلۂ سماع ومزامیر پر نہایت عالمانہ اور معتدل ومنصفانہ گفتگو کی ہے۔

(۱۲) مسائل سماع

مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی (۱۹۲۱ء)

بیسویں صدی کے ممتاز فقیہ و محدث مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی (۱۹۲۱ء) کو ماضی قریب میں سماع بالمزامیر کی مخالفت کا نمائندہ سمجھا جاتا ہے۔ فتاویٰ رضویہ میں سماع بالمزامیر کے حوالے سے آپ کے بے شمار فتاوی موجود ہیں۔ ۲۴ ویں جلد میں ص: ۱۴۵ تا ۱۶۵ مسائل سماع کے عنوان سے ایک مستقل رسالہ ہے، جو اس وقت میرے پیش نگاہ ہے۔ مستفتی نے پانچ سوالات کیے ہیں جن میں پہلا سوال یہ ہے:

متصوفہ زمانہ جو مجلس سماع وسرود مرتب کرتے ہیں جس میں راگ ورقص ومزامیر ومعازف ہر قسم کے موجود رہتے ہیں اور جھاڑ وفانوس وشامیانہ وفرش ودیگر تکلفات چشتیہ واسرافات بے جا کے علاوہ اہل ونااہل وصالح وفاسق وعالم وجاہل وہندو اور مسلمان وغیرہ کا کچھ تقید نہیں ہوتا سب کو اذن عام رہتا ہے اور اطراف واکناف سے بذریعہ خطوط واشتہارات لوگوں کو بلایا جاتا ہے آیا اس کاروائی کی قرآن وحدیث یا فقہ وتصوف سے کوئی اصل اور حضرت شارع یا صحابہ یا مجتہدین وائمہ شریعت وطریقت سے کوئی نقل قولی خواہ فعلی ثابت ہے یا نہ، وبر تقدیر ثانی اگر کوئی شخص اس کو مباح بلکہ مستحب اور مسنون وموجب تقرب الی اللہ سمجھ کر ہمیشہ خود بھی مرتکب رہے اور دوسروں کو بھی راغب کرے حتی کہ اس کی تحریک سے بعض مقامات میں اس فعل کا چرچا شروع ہوجائے اور ہوتا جائے تو ایسا شخص ضال ومضل ٹھہرے گا یا نہیں؟

اس کے جواب میں لکھی گئی فاضل بریلوی کی تحریر سے چند اقتباسات یہ ہیں:

۱۔ سماع مجرد کو ائمہ محققین علمائے عاملین واولیائے کاملین نے صرف اہل پر محدود اور نااہل پر قطعاً مسدود فرمایا ہے، نہ کہ مزامیر محرمہ کہ خود منکر وحرام ہیں۔

۲۔ احادیث اس بارے میں حد تواتر پر ہیں، اور کچھ نہ ہو تو حدیث جلیل جمیل رجیح صحیح بخاری شریف کافی ووافی ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **لیکونن من امتی اقوام یستحلون الحر والحریر والخمر والمعازف** ضرور میری امت میں کچھ لوگ ایسے ہونے والے ہیں کہ حلال ٹھہرائیں گے عورتوں کی شرمگاہ یعنی زنا اور ریشمی کپڑوں اور شراب اور باجوں کو۔ (ت)

۳۔ فقیر غفرلہ المولی القدیر نے اپنے فتاوٰی میں ثابت کیا ہے کہ ان پیروان ہوائے نفس کا حضرات اکابر چشت قدست اسرارہم کی طرف سماع مزامیر کی نسبت کرنا محض دروغ بے فروغ ہے ان کے اعاظم اجلہ تصریح فرماتے ہیں کہ یہ ہمارے مشائخ کرام رضی اللہ تعالی عنہم پر افترا

ہے، نیز ان کے تمام تمسکات واہیہ کا ایک اجمالی جواب موضع صواب ان لفظوں میں گزارش کردیا ہے کہ بعض جہال بدمست یا نیم ملّا ہوس پرست یا جھوٹے صوفی بادہ بدست کہ احادیث صحیحہ مرفوعہ محکمہ کے مقابل بعض ضعیف قصے یا محتمل واقعے یا متشابہ کلمے پیش کرتے ہیں انہیں اتنی عقل نہیں یا قصداً بے عقل بنتے ہیں کہ صحیح کے سامنے ضعیف، متعین کے آگے محتمل، محکم کے حضور متشابہ واجب الترک ہے پھر کہاں حکایت فعل پھر کجا محرم کجا مبیح، ہر طرح یہی واجب العمل، اسی کو ترجیح، مگر ہوس پرستی کا علاج کس کے پاس ہے؟

۴۔ ایسے محرمات کو معاذ اللہ موجب قربت جاننا جہل وضلال اور ان پر اصرار کبیرہ شدید الوبال اور دوسروں کو ترغیب اشاعت فاحشہ واضلال، والعیاذ باللہ من سوء الحال

۵۔ رہا رقص اگر اس سے یہ متعارف ناچ مراد ہو تو مطلقاً ناجائز ہے زنان فواحش کا ناچ ہے اور متصوفہ زمانہ سے بھی بعید نہیں بلکہ معہود ومعلوم ومشہور ہے، جب تو بنصوص قطعیہ قرآنیہ حرام ہے وقد تلوناھا فی فتاوٰنا (اسے ہم نے اپنے فتاوٰی میں ذکر کیا ہے۔ت) اب اُسے مستحب وقربت جاننا درکنار مباح ہی سمجھنے پر صراحۃً کفر کا الزام ہے اور اگر کھٹکوں کا ناچ تثنّی وتکسّر یعنی لچکے توڑے کے ساتھ ہے جب بھی حرام وموجب لعن ہے کما نطقت بہ الاحادیث وصرح بہ شراح الحدیث (جیسا کہ احادیث اس پر ناطق ہیں اور شارحین حدیث نے اس کی صراحت فرمائی ہے) اور اگر ایسا نہیں بلکہ صرف حرکات مضطربہ ہیں کہ نہ خود موزوں، نہ منکرات پر مشتمل، نہ حالاً یا مآلاً فتنے کی طرف منجر، نہ اس کے فاعلین اہل ہیات ووقار بلکہ بازاری خفیف الحرکات بے وقار، تو بااینہمہ قیود بھی اس کا اقل مرتبہ یہ ہے کہ ایک قسم لہو ولغو ہے اور ہر لہو ولغو رد وباطل اور ہر باطل کا ادنٰی درجہ مکروہ وناجائز۔۔۔۔ بالجملہ وجد صوفیہ کرام طالبین صادق اصلا محل طعن نہیں اور دربارہ امر قلب ونیت باطن صادق وکاذب میں تمیز مشکل اور اساءت ظن حرام وباطل

اس رسالے میں فاضل بریلوی نے بطور خاص حضرت خواجہ نظام الدین اولیا اور ان کے مرید وخلیفہ علامہ فخر الدین زرادی کے اقتباسات سے اپنے موقف کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

(۱۳) حق السماع

مولانا اشرف علی تھانوی (۱۹۴۳ء)

مولانا اشرف علی تھانوی (۱۹۴۳ء) کا شمار اکابر علمائے دیو بند میں ہوتا ہے۔ موصوف حاجی امداد اللہ شاہ مہاجر مکی (۱۸۹۹ء) کے مرید وخلیفہ ہیں، جنھوں نے فیصلۂ ہفت مسئلہ میں سماع بالمزامیر اور سماع بغیر المزامیر دونوں کو ہی اختلافی بتایا ہے اور وہ احادیث جو سماع کے رد میں پیش کی جاتی ہیں ان کو محتمل تاویل بتاتے ہوئے اس حوالے سے کسی پر بھی اعتراض کرنے سے منع کیا

ہے۔(کلیات امدادیہ: ۸۳ دارالاشاعت، کراچی)

مولانا اشرف علی تھانوی کی کتاب حق السماع مطبوعہ ادارہ اشرف العلوم، کراچی (۱۳۷۰ھ) اس وقت میرے پیش نظر ہے۔سبب تصنیف کتاب مولانا نے یوں رقم کیا ہے:

اس زمانہ میں دیکھا جاتا ہے کہ ہر چہار طرف قوالی کا زور ہے اور مجالس سماع کا شور ہے، نہ اس کے آداب پر نظر ہے، نہ اس کے شرائط وموانع پر خبر ہے۔ ہر عامی اجتہاد کا دم بھر رہا ہے اور محققین سے حجتیں کر رہا ہے۔کوئی بزرگان پیشیں کے فعل کو سند لاتا ہے،کوئی رسالے اور اشتہار دکھاتا ہے، اسی طرح طرف ثانی میں کسی کو اولیاء اللہ پر انکار ہے اور علی الاطلاق اس عمل کی حرمت پر اصرار ہے۔(ص:۲)

زیر نظر کتاب ایک تمہید، دس فصول اور خاتمے پر مشتمل ہے۔تمہید میں موضوع کا تعارف ہے۔پہلی فصل میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ سماع ائمہ اربعہ کے نزدیک حرام ہے۔ دوسری فصل میں یہ بتایا ہے کہ سماع کے تعلق سے امام ابوحنیفہ کا موقف حرمت کا ہے۔تیسری فصل میں یہ بتایا ہے کہ بعض کتب میں امام ابوحنیفہ سے جو جواز منقول ہے وہ درست نہیں ہے۔ چوتھی فصل میں لکھا ہے کہ ضرورت شدیدہ کے بغیر اپنے امام کی تقلید کو چھوڑنا ضعف دین کی دلیل ہے۔ پانچویں فصل میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ دیگر ائمۂ مجتہدین کے یہاں جو سماع کی اجازت ملتی ہے وہ سماع بالمزامیر نہیں، سماع بغیر المزامیر ہے۔چھٹی فصل میں یہ بات سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ بر تقدیر جواز سماع، یہ جواز قیاسی ہے نہ کہ اجتہادی، ساتویں فصل آداب سماع کے حوالے سے ہے۔اس میں مصنف نے کتب تصوف بطور خاص احیاء العلوم کے اقتباسات نقل کیے ہیں اور آخر میں یہ ذہن دینے کی کوشش کی ہے کہ موجودہ مجالس سماع، آداب سماع سے خالی ہوتی ہیں۔آٹھویں فصل میں یہ فرمایا گیا ہے کہ اگر کسی کے اندر شرائط سماع موجود ہیں لیکن اس کے باوجود اگر مجلس میں کسی نااہل کی شرکت ہوسکتی ہے تو اہل کو بھی لازمی طور سے چاہیے کہ سماع ترک کر دے۔نویں فصل میں یہ نادر نکتہ سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ اگر سماع اپنی تمام تر شرطوں کے ساتھ ہو، لیکن اس سے اہل بدعت کی مشابہت ہوتی ہو، تو بھی سماع ترک کر دینا چاہیے۔ دسویں فصل میں اس سے بھی بڑا نکتہ یہ کہ اگر کہیں تشبہ کا بھی شبہہ نہ ہو تب بھی بوجہ مختلف فیہ اور محل خطر ہونے اس عمل کا ترک ہی کرنا افضل اور موجب اجر وثواب واقرب الی الاحتیاط ہے۔مصنف کتاب نے خاتمہ کے اندر موید ین کے شبہات کا ازالہ کرنے اور یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ شریعت میں خیر القرون کے علاوہ بعد والوں کا عمل حجت شرعیہ نہیں ہے۔

زبان وبیان اور استدلال کے لحاظ سے یہ کتاب اصلاحی اور عوامی رنگ میں ہے، جس کی وجہ سے اہل علم کو بہت زیادہ متاثر نہیں کر سکتی۔

(۱۴) اسلام اور موسیقی

مفتی محمد شفیع دیوبندی (۱۹۷۶ء)

مفتی محمد شفیع دیوبندی (۱۹۷۶ء) کی کتاب اسلام اور موسیقی، سماع بالمزامیر پر لکھی جانے والی نئی کتابوں میں بہت ہی اہم، جدید اور محققانہ اسلوب کی حامل ہے۔ بقول مفتی تقی عثمانی: اس موضوع پر اردو میں جتنی کتابیں یا رسالے احقر کی نظر سے گزرے ہیں، بفضلہٖ تعالیٰ یہ کتاب ان سب سے زیادہ مفصل اور مدلل اور محققانہ ہے۔(ص:۲۸) ترتیب بھی بہت ہی عمدہ ہے۔ یہ کتاب مصنف نے عربی میں کشف القناع عن وصف الغناء کے نام سے لکھی تھی جس کا اردو ترجمہ مولانا عبد المعز نے اسلام اور موسیقی کے عنوان سے کیا ہے۔مترجم نے شروع میں ۵۰ صفحات پر ایک وقیع مقدمہ اور آخر میں ۷۰ صفحات پر ایک ایک وقیع تکملہ بھی لکھا ہے۔

مصنف نے ابتدائیہ میں اس مسئلے میں افراط وتفریط پر اظہار افسوس کیا ہے اور ایک معتدل نقطۂ نظر پیش کرنے کی ضرورت واہمیت پر زور دیا ہے اور اسی تناظر میں انھوں نے یہ کتاب لکھی ہے۔مگر خود آں جناب کا خامہ کس حد تک راہ اعتدال پر قائم رہ سکا ہے، یہ ایک الگ مسئلہ ہے۔ کتاب کل پانچ ابواب پر منقسم ہے اور ہر باب مختلف ذیلی عناوین میں منقسم ہے۔کتاب پر ایک نظر ڈالنے کے بعد کوئی بھی شخص اس کے حسن ترتیب کی داد دیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ترتیب اس طرح ہے:

ابتدائیہ

باب اول: دلائل حرمت: آیات قرآنی، احادیث نبوی، اقوال صحابہ وسلف صالحین

باب دوم: دلائل اباحت: آیات قرآنی، احادیث نبوی اور آثار صحابہ، آثار وروایات

باب سوم: توفیق روایات: پہلی تطبیق، دوسری تطبیق

باب چہارم: مذاہب اربعہ اور صوفیہ کی آرا: فقہ حنفی، فقہ شافعی، فقہ مالکی، فقہ حنبلی، صوفیہ کی آرا

باب پنجم: معتدل فیصلہ: اختلاف ائمہ کی بنیاد، معتدل روش

معتدل روش کے زیر عنوان مصنف لکھتے ہیں: خلاصہ یہ کہ فقہا کا نقطۂ نظر غنا کے سلسلے میں مختلف ہے اور ہر ایک کے اپنے دلائل ہیں۔لہٰذا متاخرین میں بعض صوفیا سے سماع کے جو قصے منقول ہیں، اگر انھیں صحیح مان لیا جائے، تو بھی غنا ایک اختلافی مسئلہ ہے۔اسی لیے بعض لوگوں نے ان صوفیا پر نکیر کی ہے اور بعض نے انھیں ٹھیک سمجھا ہے۔اس سلسلے میں سب سے بہتر روش یہ ہے کہ مختلف حالات کی رعایت کی جائے، جیسا کہ فتاویٰ خیریہ اور امام سبکی کے حوالے سے گزر چکا ہے۔ چنانچہ وہ حضرات جن کا تقویٰ اور پرہیزگاری مشہور ہے، اور ان سے مختلف فیہ سماع میں اشتغال منقول ہے، تو جو اسے جائز سمجھ کر کرتے ہیں، تو وہ جانیں اور ان کا اجتہاد اور جو اسے ناجائز سمجھتے ہیں، اور پھر بھی ان

سے اس میں اشتغال منقول ہے، تو ہمارا فرض ہے کہ ہم ان سے حسن ظن رکھیں، اوران کے اس فعل کو اضطرار پر محمول کریں، اورانھیں ایسا ہی مجبور سمجھیں جیسے کوئی مریض دوا کے لیے ہوتا ہے۔ اوراس میں کوئی شبہہ نہیں کہ حالت اضطرار میں جمہور حنفیہ کے نزدیک بھی غنا میں اشتغال جائز ہے۔ ہمیں ان بزرگوں کو لعن طعن اوران کے بارے میں زبان درازی نہیں کرنا چاہیے تاکہ ان کے متبرک نفوس اور احوال سے محرومیت نہ ہو۔۔۔۔ خلاصہ یہ کہ ہمارے زمانے میں سماع کے لیے شرائط کا لحاظ رکھنا انتہائی نادر بلکہ عادۃً ناممکن ہے۔ اگر بالفرض مان بھی لیا جائے کہ شاذ و نادر کسی محفل میں شرائط کا لحاظ رکھا جاسکتا ہے، تب بھی سماع جائز نہیں، اس لیے کہ یہ لوگوں کو معصیت میں مبتلا کرنے کا سبب بنے گا، اور معصیت کا سبب اور ذریعہ بننے والی چیز بجائے خود معصیت ہے۔۔۔۔ حاصل یہ کہ ایک خداترس اور متقی شخص کا فرض ہے کہ وہ سماع کی حرام اور مختلف فیہ صورتوں سے مکمل اجتناب کرے۔۔۔۔ لہٰذا عام لوگوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ غناء اور سماع سے پرہیز کریں۔ اور اپنے آپ کو ان دونوں چیزوں سے بچائیں۔ نیز جن خداترس صوفیاے کرام کے بارے میں سماع کے قصے منقول ہیں، ان کے بارے میں زبان درازی کرنے سے بھی پرہیز کریں۔

۴۵۰ صفحات پر مشتمل اس کتاب کو مکتبہ دارالعلوم کراچی نے ۱۴۲۲ھ میں شائع کیا ہے۔

(۱۵) اسلام اور موسیقی

مولانا شاہ محمد جعفر پھلواروی (۱۹۸۲ء)

سماع و موسیقی کے جواز پر ماضی قریب میں جو کتابیں لکھی گئیں ہیں ان میں مولانا شاہ محمد جعفر پھلواروی (۱۹۸۲ء) کی کتاب اسلام اور موسیقی سب سے زیادہ نمایاں، وقیع، مبسوط، عالمانہ اور محققانہ ہے۔ عصر حاضر کے نامور محقق فقیہ علامہ غلام رسول سعیدی نے بھی شرح مسلم میں مزامیر کے خلاف لکھتے ہوئے اس کا اظہار کیا ہے اوراسی لیے انھوں نے اسی کتاب کو رد کرنے کے لیے انتخاب فرمایا ہے۔

مصنف کتاب نے موسیقی کے حوالے سے تین مکاتب فکر کا نقطۂ نظر یوں پیش کیا ہے:

۱۔ محدثین عام طور پر اس کی اباحت کے قائل ہیں۔

۲۔ فقہا عام طور پر اس کی حرمت کے قائل ہیں۔

۳۔ صوفیہ عام طور پر اس کے جواز کے قائل ہیں۔ مگر اس کے لیے کڑی شرطیں رکھی ہیں، تاکہ کوئی اس کا غلط استعمال نہ کرسکے۔ (مقصد تحریر)

کتاب کے نمایاں عنوانات جن کو ابواب بھی کہا جاسکتا ہے، اس طرح ہیں:

قرآن اور جمالیات - قرآن میں ذکر موسیقی - حدیث اور جمالیات - سیدنا داؤد علیہ

السلام - صحابۂ کرام - تابعین - تبع تابعین - چند فقہا - چند مزید صلحا - موسیقی سے علاج امراض - لہوالحدیث - فقہاے کرام کا تشدد - چند صالحین - حضرات خواجگان چشت - حضرات نقشبندیہ - چند اور شبہات - صوفیہ کی شرائط سماع - مزید مباحث - قرآنی میں موسیقی کا ذکر - وغیرہ

قرآن اور جمالیات اوراسی طرح حدیث اور جمالیات بہت جمال افروز مضامین ہیں۔ قرآن اور موسیقی کے حوالے سے فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِیْ رَوْضَةٍ یُّحْبَرُوْنَ (روم:۱۵) کو پیش کیا ہے اوراس کے تحت تفسیر و لغت سے یہ ثابت کیا ہے کہ جنت میں ملنے والی نعمت ہاے ربانی میں نغمہ بھی شامل ہوگا۔ مزمار داؤد کا ذکر خیر بھی بائبل کے واقعات اور روایات حدیث کی روشنی میں دلچسپ ہے۔ صحابہ کی سرخی کے تحت سیدنا عبداللہ بن جعفر، عبداللہ بن زبیر، معاویہ بن ابوسفیان، عمر فاروق، عثمان ذوالنورین جیسے ۲۴ صحابہ کا ذکر ہے، جن سے سماع نغمہ یا سماع مزامیر ثابت ہے۔ اسی طرح انھوں نے تابعین کے تحت سعید بن مسیب، سالم بن عبداللہ بن عمر، عبدالعزیز بن عبدالمطلب، خارجہ بن زید، عبدالرحمٰن بن حسان بن ثابت، قاضی شریح، شعبی، عبداللہ بن محمد بن عبدالرحمان بن ابوبکر، عطا بن رباح، سعد بن ابراہیم اور امام مالک کا ذکر کیا ہے اور پھر تبع تابعین کے تحت عبدالمالک بن جریج، عبدالملک بن ماجشون، عبداللہ بن مبارک، شعبہ، ابراہیم بن سعد، امام ابوحنیفہ، امام داؤد طائی، قاضی ابویوسف، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، احمد بن ابوداؤد، محمد بن اسحاق، ابوطالب مکی کے نام لیے ہیں۔ اس کے بعد بہت سے فقہا اور صلحا کے حوالے سے سماع کی بات کی ہے۔ اس ضمن میں انھوں نے جو کچھ گفتگو کی ہے، اس کا ایک علمی نقص یہ ہے کہ انھوں نے سماع بالمزامیر اور سماع بغیر المزامیر سے متعلق شخصیات کو باہم مخلوط کردیا ہے۔

اس کے بعد امام تقی الدین سبکی، امام شوکانی، ابن حزم، امام مالک، علامہ فاکہانی، سید جمال الدین محدث حنفی، علامہ خیرالدین رملی، علامی شامی، علامہ عبدالغنی نابلسی، ابوالفضل طاہر مقدسی، امام ابواسحاق شیرازی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مرزا مظہر جان جاناں، قاضی ثناء اللہ پانی پتی اور نواب صدیق حسن خان بھوپالی جیسے مشاہیر کی تفصیلی آرا سماع موسیقی کے حوالے سے نقل کی ہیں اور جواز کو ثابت کیا ہے۔

مسلک صوفیہ کے زیر عنوان صوفیہ کے مسلک کو بھی بہت تفصیلی اور مدلل لکھا ہے۔ اس ذیل میں مولانا روم، امام غزالی، موسیقی سے علاج امراض، ابن ساعد اور ملاجیون کے حوالے سے تفصیلی گفتگو کی ہے۔ اس کے بعد مصنف نے ایک عنوان قائم کیا ہے: افراط و تفریط کی ایک مثال۔ اس کے تحت لکھا ہے کہ ایک طرف بعض متشدد فقہا نے بعض ضعیف یا موضوع روایات کو بنیاد بنا کر جواز سماع کے اعتقاد کو کفر کہہ دیا تو دوسری طرف امام احمد غزالی نے رد عمل میں سماع کو

حرام کہنے والوں کی تکفیر کرڈالی۔

روایات اہل اسلام کے ذیل میں مصنف نے لکھا ہے کہ اہل اسلام نے ہر دور میں نہ صرف سماع وموسیقی سے عملی تعلق رکھا ہے بلکہ اس پر علمی اور فنی گفتگو کرنے کے لحاظ سے بھی یہ امت دوسری امتوں سے پیچھے نہیں رہی۔اس ضمن میں ابونصر فارابی، یعقوب بن اسحاق کندی، احمد بن طیب سرخسی، ابن باجہ، محمد بن زکریا رازی جیسے ۱۲۸ اہل علم کا تذکرہ کیا ہے، جوفن موسیقی کے ماہر تھے۔شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے بارے میں لکھا ہے کہ آں حضرت فن موسیقی میں غزالی، جامی اور رازی سے بھی آگے تھے۔اس کے بعد چند شواہد سنت کے حوالے سے کتب احادیث سے ۱۸ شواہد پیش کیے ہیں اور موسیقی ومزامیر کے حوالے سے مثبت نتائج اخذ کرنے کی کوشش کی ہے۔بعد ازاں ان قرآنی آیات اور احادیث کی تفسیر وتوضیح پر گفتگو کی ہے جن کو منکرین سماع اپنے موقف میں پیش کرتے ہیں۔یہ تجزیہ بھی وقیع اور علمی ہے۔

مختصر یہ کہ مولانا شاہ جعفر پھلواروی نے اسلام اور موسیقی کے مسئلے پر انتہائی محققانہ، عالمانہ، معلوماتی اور تجزیاتی کتاب لکھی ہے۔البتہ اس کی ترتیب وتدوین اور بہتر ہوسکتی ہے۔ ۱۹۵۶ء میں اس کتاب کی پہلی اشاعت کے بعد علمی حلقوں سے جو ردعمل ہوا اور جو نئے سوالات اٹھائے گئے، مصنف نے دوسرے ایڈیشن میں ان سوالات پر بھی اچھے مباحث کا اضافہ کیا۔ میرے سامنے یہی دوسرا ایڈیشن ہے، جس کو جون ۱۹۹۷ء میں ادارہ ثقافت اسلامیہ نے اہتمام کے ساتھ شائع کیا ہے۔کتابیات، حواشی اور اشاریہ سمیت کتاب کی کل ضخامت ۳۶۶ ہے۔

(۱۶) مزیلۃ النزاع موسومہ بہ اثبات السماع

علامہ احمد سعید کاظمی (۱۹۸۶ء)

علامہ احمد سعید کاظمی (۱۹۸۶ء) کا نام بیسویں صدی کے سنی بریلوی علما میں بہت نمایاں ہے۔آپ کو غزالی زماں کے لقب سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔آپ نے مسئلہ سماع پر پیدا نزاعات کا تصفیہ کرنے کی کوشش کی ہے۔کتاب کے نام سے بھی اسی طرف اشارہ ہوتا ہے۔کتاب کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:

برادران اسلام وبندگان حضرت خیر الانام علیہ التحیۃ والسلام کی خدمت میں عرض ہے کہ مسئلۂ غنا میں اگرچہ متقدمین سے اختلاف چلا آتا ہے، لیکن ان کا اختلاف بوجہ مبنی برحقانیت ہونے کے اختلاف امتی رحمۃ کا مصداق تھا۔ہمارا اختلاف خواہشات ونفسیات پر مبنی کی وجہ سے موجب حرمان وخذلان وباعث حجاب محبوب حقیقی ہے۔

علامہ کاظمی نے اپنی اس کتاب کے آغاز میں ہی اس بات کی امید ظاہر کی ہے کہ اگر کوئی

شخص تعصب کا عینک اتار کر بہ نظر انصاف اس کا مطالعہ کرتا ہے تو ان شاء اللہ العزیز اس کے جملہ شکوک وشبہات از خود رفع ہوجائیں گے۔آگے لکھتے ہیں:

اس مختصر کو چار مباحث پر منقسم کرتا ہوں۔پہلی بحث کتاب اللہ میں، دوسری سنت رسول اللہ میں (ﷺ)، تیسری بحث قیاس ائمہ ومجتہدین واقوال فقہائے احناف میں، چوتھی بحث اقوال مشائخ کبار میں۔اس کے بعد خلاصۃ الکلام کے عنوان سے ایک تتمہ ملحق کیا جائے گا جس میں تمام بحثوں کا لب لباب اور نتیجہ مذکور ہوگا۔(ص:۷)

پوری کتاب سوال وجواب کی شکل میں ہے۔مثلاً پہلی بحث میں پہلے قرآن کی کوئی آیت نقل کرتے ہیں اور اس کے بعد اعتراض کے زیر عنوان اس سے سماع ومزامیر کے خلاف منکرین کا سوال نقل کرتے ہیں، پھر اس کا جواب لکھتے ہیں۔ایک سوال کا بسا اوقات کئی کئی جواب رقم کرتے ہیں۔اس طرح مسئلہ سماع ومزامیر پر کتاب وسنت اور قیاس واجتہاد کی روشنی میں بہت سے سوالات اٹھائے ہیں اور پھر سب کے جواب دیے ہیں۔

علامہ کاظمی نے خلاصۃ الکلام کے تحت لکھا ہے کہ فقہا کی عبارات سے واضح ہوگیا کہ غنا اور آلات غنا ضروریات شرعیہ کے تحت جائز اور بغرض لہو ولعب ناجائز ہے۔پھر ضروریات شرعیہ اور لہو ولعب کی وضاحت کی ہے اور مثالیں دی ہیں اور پھر نتیجے کے طور پر لکھا ہے:

پس غناء صوفیہ میں چونکہ رقت قلب اور عشق الٰہی ومعرفت کی صفات حسنہ پائی جاتی ہیں، اس لیے وہ قطعاً حلال وجائز اور اس کے علاوہ جن گانوں میں صفات لہو، تغافل طاعات اللہ سے پایا جائے، وہ سب ناجائز وحرام، رہی تحقیق آلات غنا کی تو وہ ہم اپنے بیان میں واضح کرچکے ہیں اور ثابت کردیا ہے کہ معازف ومزامیر میں دف داخل ہے، اس لیے کہ وہ بھی ایک آلۂ لہو ہے اور دف کا بجانا جائز، لہٰذا معازف ومزامیر مطلقاً حرام نہیں ہوں گے، ورنہ دف بھی حرام ہوگا اور یہ باطل ہے۔(ص:۴۵)

علامہ کاظمی کے یہ دونوں جملے قابل غور ہیں:

۱۔(حضرت موسیٰ وخضر علیہما السلام کے تناظر میں لکھتے ہیں:) معلوم ہوا کہ اہل اللہ کے رازوں کا سمجھنا انبیاء ورسل علیہم الصلاۃ کے لیے بھی مشکل ہے، چہ جائیکہ جنھیں استنجا کرنے تک کی تمیز نہ ہو، وہ اہل اللہ کی شان میں گستاخیاں کریں۔(ص:۴۶)

۲۔میں نے جن حضرات کے لیے غنا کو جائز لکھا ہے وہ وہی ہیں جو صحیح معنی میں اس کے اہل ہوں اور وہ غنا اپنے اوصاف میں حقیقی لہو ولعب اور معصیت سے پاک ہو۔پس عوام الناس کے لیے میں سماع کو ہرگز جائز نہیں کہتا، ہاں! جس کا شیخ کامل اس کو سماع کی اجازت دے دے، اس

کے لیے بھی جائز ہے، اس لیے کہ مرشد کامل اپنے مرید کے قلب پر متصرف ہوتا ہے۔(ص:۴۷)

کتاب ہٰذا کو مرکزی انجمن غلامان نظام، ملتان نے ۱۳۶۴ھ میں شائع کیا ہے۔

(۱۷) تحریم طرب الآلات

شیخ ناصرالدین البانی (۱۹۹۱ء)

سلفیت معاصرہ کے امام شیخ ناصرالدین البانی (۱۹۹۱ء) کا نام عصر حاضر میں محتاج تعارف نہیں۔ علم حدیث اور نقد رجال کے حوالے سے ان کی شخصیت موجودہ عہد میں معروف ترین بھی ہے اور متنازع ترین بھی۔ شیخ محمد الغزالی، ڈاکٹر یوسف القرضاوی اور شیخ ابوزہرہ وغیرہ نے جب موسیقی کے حوالے سے نرم رویہ اپناتے ہوئے اس کے جواز کی شکلوں پر گفتگو کی تو ردعمل کے طور پر شیخ البانی بھی میدان میں اتر آئے۔ مقدمے میں خود آں موصوف نے اسی تناظر کو سبب تالیف بتایا ہے۔ اس کے ساتھ ہی انھوں علامہ ابن حزم کو سب سے پہلے نشانہ بنایا ہے اور دیگر مجوزین موسیقی کو انھیں کا مقلد بتایا ہے اور ابن حزم اور ان کے ان متبعین کے استدلالات کا بھرپور تعاقب کیا ہے۔

پوری کتاب ۸ فصول پر مشتمل ہے۔

پہلی فصل: غنا اور آلات طرب کو حرام قرار دینے والی احادیث صحیحہ

دوسری فصل: مفردات حدیث اور کلمات غریب کی شرح

تیسری فصل: ابن حزم اور دیگر ناقدین کا رد جو احادیث مذکورہ کی تضعیف کرتے ہیں۔

چوتھی فصل: احادیث حرمت سے تمام ملاہی کی حرمت پر استدلال

پانچویں فصل: آلات سماع کی حرمت کے باب میں مذاہب علما

چھٹی فصل: مجوزین سماع کے شبہات اور ان کا ازالہ

ساتویں فصل: غنا بغیر المزامیر

آٹھویں فصل: آلات طرب و غنا کی حرمت کی حکمت

پوری کتاب سماع کے خلاف شواہد و استدلالات سے پر ہے۔ اس کے بعد ایک عنوان ہے: صوفی سماع اور اسلامی نغمے۔ اور پھر اس کی حرمت و عدم اباحت کو بھی واضح کیا ہے اور کہا ہے کہ جس طرح ہمارے لیے یہ جائز نہیں کے اللہ کے علاوہ کسی غیر کی عبادت کریں اسی طرح یہ بھی جائز نہیں کہ تقرب الٰہی کے حصول کے لیے طریق پیمبر کی مخالفت کریں۔

مجموعی لحاظ سے یہ کتاب اپنے موضوع پر ایک قابل قدر تصنیف ہے۔ اس میں وہ تمام اوصاف موجود ہیں جو اہل علم کو شیخ البانی کی تحریروں میں متوقع ہوتے ہیں۔ ۲۱۶ صفحات پر مشتمل اس کتاب کو مکتبۃ الدلیل نے ۱۹۹۷ء/ ۱۴۱۸ھ میں شائع کیا ہے۔

(۱۸) غنا و سماع اصفیا

مولانا شاہ ابوالحسن زید فاروقی (۱۹۹۳ء)

مولانا شاہ ابوالحسن زید فاروقی ازہری نقش بندی مجددی (۱۹۹۳ء) سابق سجادہ نشیں درگاہ حضرت مرزا مظہر جان جاناں دہلی کا شمار ماضی قریب کے ان ہندوستانی علما میں ہوتا ہے جن کے یہاں تحقیق اور اعتدال کا عنصر نمایاں نظر آتا ہے۔ آپ اسی سلسلۃ الذہب کی ایک تابندہ کڑی ہیں جس میں بیہقی وقت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی جیسے نامور درویش و محقق گزرے ہیں۔ قاضی صاحب کے رسالے کی طرح آپ کا رسالہ بھی اہم ہے جسے مسئلۂ سماع پر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ کتاب ہٰذا کے حوالے سے مولانا محمد نعیم اللہ خاں خیالی بہرائچی لکھتے ہیں:

آپ کے سلسلۂ تحریر میں اس وقت ایک آخری رسالہ جو مسئلۂ سماع و غنا کے متعلق ہے اور درحقیقت وہ حضرت علامہ موصوف کی ایک ضخیم فارسی تصنیف کا ایک جزو ہے جو اردو ترجمہ کی شکل میں زیر طبع ہے۔ حضرت علامہ موصوف کو اگرچہ سلاسل طریقت میں سات سلسلوں سے اجازت و خلافت حاصل ہے، مگر بطور خصوصی آپ نقش بندی مجددی ہیں اور نقش بندیوں کے بارے میں عام خیال یہ ہے کہ وہ لوگ سماع و غنا کے خلاف ہوتے ہیں۔ حالاں کہ نقش بندی بزرگوں کا عمل اس بات میں حضرت خواجۂ نقشبند بخاری قدس سرہ کے اس قول پر ہے کہ نہ ایں کار می کنم و نہ انکار می کنم، یعنی میں نہ یہ کرتا ہوں اور نہ ہی اس کا انکاری ہوں۔

متذکرہ بالا رسالے میں حضرت علامہ موصوف نے تقابلی مطالعہ کے طور پر پہلے ص:۱ سے ۱۱ تک منفی دلائل جو حرمت سماع و مزامیر کے بارے میں عموماً پیش کیے جاتے رہے ہیں، ان میں آپ نے سات آیات قرآنی نقل کی ہیں، جن کی تفسیر میں حضرت ابن عباس و مجاہد و ابن مسعود کے اقوال کو خاص کر ذکر کیا گیا ہے اور پھر نفی ہی میں اٹھائیس احادیث جو حامیان حرمت نے نقل کی ہیں، وہ پیش کر دی ہیں۔ بعدہٗ ص:۱۲ سے ص:۳۴ تک ان سب پر علما و ائمہ کے اقوال و واقعات اور جرحیں نقل کی ہیں، جو اثبات و اباحت سے متعلق ہیں۔ اور ص:۲۷ سے ۳۴ تک علامہ عبدالغنی نابلسی دمشقی حنفی کی کتاب الدلالات فی سماع الآلات سے طویل عربی اقتباسات مع مختصر اردو خلاصہ کے تحریر فرمائے ہیں اور سب سے آخر میں ص:۳۵ سے ص:۴۳ تک حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ کا مسئلہ ہٰذا پر ایک طویل جوابی مکتوب بطور قول فیصل کے نقل کر کے مسک الختام یوں فرمایا ہے کہ عاجز نے علمائے اعلام کا کلام نقل کر دیا ہے، ان حضرات نے جو کچھ تحریر فرمایا ہمارے لیے حجت ہے۔(ص:۱۶)

علامہ ابوالحسن زید فاروقی کا یہ رسالہ متقدمین میں پانچ اکابر اسلام کی کتابوں پر مبنی

ہے۔امام غزالی کی احیاء العلوم، علامہ شہاب الدین نویری کی نہایۃ الارب فی فنون الادب ، علامہ عبدالغنی نابلسی کی ایضاح الدلالات فی سماع الآلات، قاضی ثناء اللہ پانی پتی کا رسالہ سماع اور اپنے والد شاہ ابوالخیر کا رسالہ اباحۃ السماع والمزامیر ۔ پہلے دلائل حرمت نقل کی ہیں اور پھر ان پر نقد و جرح کرتے ہوئے دلائل اباحت پیش کی ہیں اور اپنے موقف کو ثابت کیا ہے۔غنا وسماع اصفیا کے پیش نظر نسخے کے صفحۂ آخر کا عنوان ہے: مسک الختام در بیان مسلک شاہ ولی اللہ اور آخری پیراگراف حسب ذیل ہے:

حضرت شاہ ولی اللہ نے احیاناً مزامیر کے ساتھ غنا سنا ہے اور بغیر مزامیر کے زیادہ سنا ہے۔القول الجلی فارسی کے ص: ۳۸۷ میں ہے کہ آپ کو شدید مرض لاحق ہوا، جب مرض میں کچھ تخفیف ہوئی آپ نے گانے والے سے گانا سنا، آپ پر جوش وخروش کا عالم طاری ہوا۔آپ نے فرمایا: ہمہ اوست ہے نہ ہمہ از وست، یعنی وحدت صرفہ ہے اور بس۔ اور القول الجلی کے ص: ۳۶۳ میں ہے کہ ایک شخص نے آپ سے دریافت کیا: مزامیر کی آواز میں آپ کو حسن و لذت محسوس ہوتی ہے یا نہیں؟ آپ نے فرمایا: میں بہت لذت محسوس کرتا ہوں، اگر میں کچھ وقت اس میں صرف کروں میں باقی اشغال سے ہاتھ دھو بیٹھوں گا۔اللہ نے مجھ کو شریعت کی پابندی کا لباس پہنایا ہے، لہٰذا خلاف شرع امور سے مجھ کو نفرت دی ہے۔ بدعتیوں میں بیٹھنے، امردوں اور نامحرموں کے گانے سننے یا کسی غیر شریفہ عورت سے نکاح کرنے سے مجھ کو نفرت ہے۔میری جان جاں کی فطرت اس پر ہے کہ تجلی اعظم کا نقش اس پر لگا رہے اور یہ بات رسول اللہ ﷺ سے میراث میں مجھ کو ملی ہے۔آنحضرت نے فرمایا ہے: سن لو، اللہ نے مجھ کو اپنا خلیل بنایا ہے اور جس کو اللہ اپنا خلیل بنائے وہ غیر اللہ کو کیسے خلیل بنائے۔

غناء وسماع اصفیا کا تاریخی مادہ ۱۴۱۰ھ ہے، جب کہ پیش نظر رسالہ ۱۹۹۱ء/۱۴۱۱ھ میں شاہ ابوالخیر اکاڈمی، شاہ ابوالخیر مارگ، دہلی-۶ سے طبع شدہ ہے۔

(۱۹) الغناء والموسیقی حلال أم حرام؟

ڈاکٹر محمد عمارہ (پ: ۱۹۳۱ء)

ڈاکٹر محمد عمارہ (پ: ۱۹۳۱ء) کا شمار مصر کے ان جدید علما میں ہوتا ہے جو نئے عہد میں اسلامی فلسفے اور دانشوری کی علامت سمجھے جاتے ہیں۔موصوف **ہیئۃ کبار العلماء** کے رکن اور جامعۃ الازہر کے استاذ بھی ہیں۔غنا اور موسیقی حلال یا حرام؟ یہ کتاب بھی علم و فکر اور تحقیق وتجدید کی راہ میں ان کی ایک اہم کاوش ہے۔ پوری کتاب چار بڑے عناوین/مقالات میں منقسم ہے اور وہ اس طرح ہیں:

۱۔القضیۃ فی اللغۃ والقرآن والسنۃ

۲۔اذن, فیما الخلاف؟: (الف) الفتاویٰ (ب) المرویات المحرمۃ للغناء

۳۔القضیۃ فی المذاهب المختلفۃ

۴۔نظرۃ عامۃ الی الفنون

ڈاکٹر محمد عمارہ نے سب سے پہلے غنا اور لہو کے مفہوم کی تعیین کی ہے۔ان کے مطابق لہو ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس سے انسانی طبیعت کو انسیت حاصل ہو۔وہ چیز اچھی بھی ہو سکتی ہے، کوئی ضروری نہیں کہ وہ ہمیشہ بری ہی ہو، الا یہ کہ وہ فرائض و واجبات کی ادائیگی میں خلل انداز ہو جائے۔اسی طرح غنا اچھی آواز کو کہتے ہیں، جو موزوں لحن ونغمگی کے ساتھ ہو، جس سے حسن میں اضافہ ہوتا ہے۔اس لیے اس کے اندر بالذات کوئی برائی نہیں ہے۔اس کے بعد انھوں نے امام غزالی کی وہ طویل عبارت نقل کی ہے جس میں انھوں نے نغمہ وموسیقی کو پرندوں کی آوازوں پر قیاس کرتے ہوئے، جائز قرار دیا ہے۔بعد ازاں مصنف نے بتایا ہے کہ اسلامی طبیعت اور پیغمبرانہ اسوہ جمال پسند ہے اور سماع ونغمہ کا تعلق بھی سمعی جمالیات سے ہے، لہٰذا یہ بھی عین فطرت اسلامی کے موافق ہوا۔اس کی مزید تائید خود سیرت نبوی سے ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے غنا و موسیقی سنا، اس کی تلقین کی، پھر غنا وموسیقی کیوں کر حرام ہو سکتے ہیں، ہاں! ان کے ساتھ اگر کوئی ناجائز وصف شامل ہو جائے تو البتہ یہ بھی حرام ہو جائیں گے۔(ملخصاً)

ایک بڑا سوال یہ ہے کہ اگر بات اتنی ہی آسان ہے تو یہ مسئلہ شروع سے متنازع کیوں بنا رہا؟ ڈاکٹر عمارہ نے اس کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے کہ اس کی دو وجوہات ہیں؛ ایک تو یہ کہ غنا و موسیقی کی حرمت یا کراہت کے جو فتاویٰ ہیں، وہ کسی خاص تناظر میں ہیں، ان فتاویٰ کو حکم عام سمجھ لیا گیا۔اور دوسری وجہ یہ ہوئی کہ بعض علما نے معازف ومزامیر کی کراہت یا حرمت کے تعلق سے ۱۹ ضعیف وسقیم احادیث نقل کر دیں اور ان احادیث صحیحہ کی طرف نہیں دیکھا جن سے ان کا ثبوت ہوتا ہے۔ایک غلط فہمی قرآن پاک کے لفظ لہو کی غلط تفسیر وتشریح سے بھی ہوئی۔اس کے بعد پھر مصنف نے اکابر امت کے مختلف فتاویٰ نقل کیے ہیں اور یہ ثابت کیا ہے کہ ان علما کا فتویٰ عمومی نہیں تھا، کسی خاص تناظر میں تھا اور اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ خود انھیں کا قول یا عمل ان کے فتوے کے خلاف ہے۔مسئلۂ سماع پر جتنی کتابیں نظر سے گزریں ان میں یہ پہلی کتاب ہے جس میں اس پہلو سے گفتگو کی گئی ہے، اسے ڈاکٹر عمارہ کا امتیاز بھی کہا جا سکتا ہے۔اس کے بعد پھر غنا و آلات غنا کے خلاف مروی احادیث کو نقل کر کے ان پر کلام فرمایا ہے۔کتاب میں سماع مزامیر کے حوالے سے شیخ ازہر شیخ محمود شلتوت حنفی (۱۹۶۳ء) کا فتویٰ بھی بہت ہی وقیع اور قابل مطالعہ

ہے،جس میں انھوں نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ سماع مزامیر جب تک کسی حرام کا باعث یا ترک واجب کا موجب نہ ہو،حرام نہیں ہوسکتا۔

کتاب میں شامل آخری مقالہ اسلام اور فنون لطیفہ سے مشتمل ہے، جو اپنے موضوع پر خاصا اہم ہے۔اس میں انھوں نے تصویر اور ویڈیو کے مسئلے کو بھی چھیڑا ہے۔اور پھر امام غزالی کے ان الفاظ پر اپنی کتاب ختم کی ہے:

من لم يهزه العود و اوتاره، والروض و ازهاره، فهو فاسد المزاج، ليس له علاج

سارنگی اور اس کے تار، باغ اور اس کے پھول جس کے اندر نشاط نہ بھر دے، وہ فاسد المزاج، بلکہ لاعلاج ہے۔

کتاب پیش لفظ اور مقدمہ سے خالی ہے۔ضخامت ۷۶ صفحات، ناشر نہضۃ مصر، سال ۱۹۹۹ء

مسئلۂ سماع ومزامیر سے متعلق مختلف ادوار تاریخ سے منتخب یہ چند اہم کتابوں کی تلخیص ہے،جس سے قاری کو اس بات کا بخوبی اندازہ ہوجائے گا کہ یہ مسئلہ بہت پہلے سے امت میں مختلف فیہ رہا ہے۔عموماً سماع بغیر المزامیر کا جواز متفق علیہ سمجھا جاتا ہے،لیکن یہ بھی کلیۃً درست نہیں ہے۔اس تلخیص سے کم از کم یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ مسئلۂ سماع کی حلت وحرمت قطعیات سے نہیں ہے، ورنہ امت میں اس مسئلے پر اتنا جدال نہیں ہوتا۔ اس کا تمام تر رشتہ اجتہادات و استدلالات سے ہے،جس کا درجہ قطعیت کا نہیں ہوتا۔اس تلخیص وتوضیح سے قارئین پر یہ حقیقت بھی آفتاب نیم روز کی طرح روشن ہوجائے گی کہ سماع ومزامیر کے تعلق سے ہمارا موقف کچھ بھی ہو، ہمیں یہ زیب نہیں دیتا کہ ہم اپنے فریق مخالف کو طنز وتعریض اور لعن طعن کا نشانہ بنائیں؛ کیوں کہ بقول حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی: ایں طعن منجر میشود بہ اکابر دین۔

○○○

ابرار رضا مصباحی

شیخ محمد رشید جون پوری اور شیخ محب اللہ الہ آبادی

تعلقات وروابط

ہندوستان میں گیارہویں صدی ہجری کا عہد علمی و دینی لحاظ سے یادگار رہا ہے،اس عہد میں تاریخ ساز علما،صوفیہ، محققین، مفکرین اور مصنفین پیدا ہوئے،جنھوں نے ملک کے مختلف مقامات میں تعلیمی و تدریسی ، تصنیفی و تحقیقی،دعوتی و تبلیغی اور اخلاقی و روحانی سرگرمیوں کا سلسلہ شروع کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے ہر خطے کو شمع علم وعرفان سے پرنور کردیا۔اس طرح اس دور میں علوم و فنون اور اخلاق وتصوف کی خدمت واشاعت کا عظیم تاریخی کام بھی انجام پایا۔شیخ محمد رشید جون پوری اسی تابناک عہد کے ایک بلند پایہ عالم ومحقق اور عظیم المرتبت عارف وصوفی تھے۔

شیخ محمد رشید جون پوری

آپ ’’برونہ‘‘ نامی گاؤں میں ۱۰؍ذی قعدہ سنہ ۱۰۰۰ھ میں پیدا ہوئے۔والد بزرگوار جمال الحق بندگی شیخ مصطفی عثمانی تھے، جو ایک جید عالم وفقیہ اور باعظمت عارف طریقت تھے۔ مزار قدس درگاہ شریف چمنی بازار، پورنیہ سیٹی، بہار میں زیارت گاہ خاص وعام ہے۔

آپ نے علوم وفنون کی تحصیل والد بزرگوار، ماموں مفتی شمس الدین جون پوری اور شیخ محمد افضل جون پوری وغیرہ سے کی۔صاحب شمس بازغہ ملا محمود جون پوری آپ کے درسی رفقا میں تھے۔شیخ نور الحق بن شیخ عبد الحق محدث دہلوی سے باضابطہ درس حدیث لے کر سند واجازت حدیث حاصل کی۔

نسبت بیعت وارادت اور شرف خلافت واجازت دونوں اپنے والد گرامی سے رکھتے تھے۔مخدوم شاہ طیب بنارسی، میر سید شمس الدین کالپوی بخاری، راجی سید احمد بن مجتبیٰ مانک پوری،

شیخ عبدالقدوس قلندر جون پوری وغیرہ سے بھی خلافت واجازت حاصل تھی۔عقد مسنون شیخ حاجی ارزانی کی دختر سے ہوا جن سے شیخ محمد حمید، شیخ محمد ارشد، شیخ غلام معین الدین اور شیخ غلام قطب الدین پیدا ہوئے۔ چاروں صاحبزادے علوم ظاہری و باطنی میں یکتائے روزگار، فضائل وکمالات میں بے نظیر اور اپنے والد کے سچے علمی وروحانی وارث تھے۔

تحصیل علوم کے بعد آپ نے تعلیم وتدریس کا ایک ایسا نظام قائم کیا کہ طلبۂ علوم آپ سے سلسلۂ تلمذ جوڑنے پر فخر اور سعادت سمجھتے۔مرشد گرامی راجی سید احمد بن مجتبیٰ مانک پوری کے حکم پر تقریباً ۱۰۴۰ھ میں خانقاہ رشیدیہ کی بناڈالی اور اس کے ذریعے رشد وہدایت کا وسیع پیمانے پر کام انجام دیا۔آپ کو شعر وادب میں بھی خاصہ درک اور کمال تھا، شاعری فارسی و ہندی دونوں زبانوں میں عارفانہ رنگ وآہنگ لیے ہوئے سلوک ومعرفت کے اسرار ورموز سے معمور ہے۔علمی وتحریری ذوق کو بروئے کار لاتے ہوئے مختلف اصناف علوم پر بیش قیمت قلمی نقوش بھی بطور یادگار چھوڑے، جن میں مناظرۂ رشیدیہ، شرح اسرار المخلوقات، حاشیہ فتوحات مکیہ، زاد السالکین، مقصود الطالبین، ترجمۂ معینیہ شرح تذکرۃ النحو، ملفوظات قطب الاقطاب، خلاصۃ النحو، ہدایۃ النحو، شرح ہدایۃ الحکمت، شرح مختصر عضدی، مکتوبات رشیدیہ، دیوان شمسی وغیرہ شامل ہیں۔۹؍رمضان سنہ ۱۰۸۳ھ کو آپ نے وصال فرمایا، مزار پرانوار رشید آباد، جون پور میں مرجع خلائق ہے۔

آپ اپنے دور کے عظیم المرتبت ہادی ومرشد تھے اور نامور عالم وفاضل۔علم وفن اور فضل وکمال کا شہرہ ملک وبیرون ملک میں پھیل چکا تھا۔اکابر ومعاصر علما وصوفیہ سے علمی، دینی اور روحانی تعلقات وروابط تھے جو ایک تحقیق طلب موضوع ہے اور طویل وقت کا متقاضی بھی۔انھیں علما وصوفیہ میں ایک شیخ کبیر شیخ محب اللہ الہ آبادی بھی تھے جو دور شاہجہانی کے ایک عظیم عالم شریعت اور معروف عارف حقیقت تھے۔

شیخ محب اللہ الہ آبادی

آپ ۲؍صفر ۹۹۶ھ میں صید پور (خیرآباد، اودھ) میں پیدا ہوئے، سلسلۂ نسب شیخ فرید الدین گنج شکر کے واسطے سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔تحصیل علم کے لیے لاہور تشریف لے گئے اور وہاں مفتی عبدالسلام لاہوری کی درس گاہ میں داخل ہو کر تکمیل درس کیا اور پھر بعد فراغت الہ آباد واپس آگئے۔معروف چشتی بزرگ شیخ ابوسعید گنگوہی سے سلسلۂ چشتیہ میں بیعت تھے اور اجازت وخلافت بھی حاصل تھی۔ایک مدت تک اپنے شیخ کی صحبت میں رہ کر ذکر وفکر اور ریاضت ومجاہدے میں زندگی بسر کی، یہاں تک کہ مقامات عالیہ پر فائز ہوئے۔

آپ کی تصانیف میں شرح فصوص الحکم (عربی)، شرح فصوص الحکم (فارسی)، رسالہ

ہفت احکام، غایت الغایات، سر الخواص، عبادۃ الخواص، طرق الخواص، اخص الخواص، رسالہ تسویہ اور رسالہ وجود مطلق قابل ذکر ہیں۔آپ کا وصال ۹؍رجب ۱۰۵۸ھ کو الہ آباد میں ہوا اور وہیں آپ کی آخری آرام گاہ قرار پائی۔

شیخ محب اللہ اور شیخ محمد رشید کے درمیان تعلقات

شیخ محب اللہ، شیخ محمد رشید کے ہم عصر تھے۔دونوں بزرگان طریقت کی کتاب حیات کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان میں باہمی تعلقات اور دوستانہ مراسم استوار تھے۔شیخ محب اللہ، شیخ محمد رشید کو نظریۂ وحدت الوجود پر مبنی خطوط بھیجا کرتے تھے۔شیخ محمد رشید سے براہ راست ان کی ملاقاتیں بھی تھیں، جب کبھی شیخ محمد رشید الہ آباد پہنچتے تو شیخ محب اللہ ان سے ملاقات کرتے اور دونوں کے درمیان مختلف علمی موضوعات خصوصا مسائل تصوف پر باتیں ہوتیں۔

دیار الہ آباد میں جھونسی، پھول پور اور شیخ پورہ میں بانی خانقاہ رشیدیہ شیخ محمد رشید کے مشائخ اور پیران طریقت میں خواجہ کلاں جھونسوی، شیخ تاج الدین جھونسوی، شیخ ناصر الدین جھونسوی یہیں آرام فرما ہیں۔شیخ پورہ میں مخدوم شاہ طیب بنارسی کے پیران کرام کا مکان تھا۔اس جگہ سے آپ کو ایک خاص انسیت اور نسبت تھی۔یہی وجہ ہے کہ آپ اس خطہ سے تعلق رکھنے والے طلبۂ علوم کو بھی نہایت عزیز رکھتے۔آپ نے اس خطے میں رشد وہدایت کا بھی فریضہ انجام دیا ہے۔اس سرزمین میں آپ کے کئی جید خلفا اور تلامذہ بھی گزرے ہیں جن میں شیخ یٰسین جھونسوی [مصنف مناقب العارفین] اور شیخ ضیاء الدین الہ آبادی قابل ذکر ہیں۔ان کے علاوہ مریدین ومعتقدین کا بھی ایک بڑا حلقہ موجود تھا۔

اس طرح سے آپ پیران کرام کے مزارات کی زیارت اور دینی ودعوتی امور کی غرض سے اکثر الہ آباد اور اس کے اطراف کا دورہ فرماتے۔

عہد شاہجہانی کے مشہور عالم اور کثیر التصانیف بزرگ شیخ عبداللہ خویشگی (مصنف معارج الولایت) جب بھی شیخ محمد رشید سے شرف نیاز کے لئے خانقاہ رشیدیہ، جون پور پہنچے، آپ الہ آباد ہی کے دورے پر تھے۔بالآخر دوسری مرتبہ آپ سے ان کی ملاقات الہ آباد کے ہی شیخ پورہ کے راستے میں ہوئی۔

چنانچہ شیخ عبداللہ، شیخ شہباز محمد بھاگل پوری کے مرید وخلیفہ مولانا خواجہ علی بہاری (متوفی: ۱۰۵۰ھ) کی خدمت میں حاضر ہوئے، انھوں نے ان کو شیخ محمد رشید کی خدمت میں حاضری کی تاکید اور نصیحت کی جس سے ان کا شوق ملاقات اور اشتیاق زیارت بڑھ گیا۔

شیخ عبداللہ اپنی تصنیف ''معارج الولایت'' میں لکھتے ہیں:

"بعد از اں از خدمت ایشان مرخص شدم در حین رخصت فرمودند کہ در جون پور شیخ عبد الرشید بزرگی ممتاز است و بعنایات و الطاف ربانی سرفراز بزیارت وے مشرف شوند و فوائد دینی اخذ کنند۔ چون قبل ازین احرام زیارت آن کعبہ شدہ بود بوصیت وی عزم بالجزم نمودم کہ بدین دوست مستعد شوم"[۱]

یعنی اس کے بعد جب شیخ خواجہ علی لاہوری/ بہاری کی خدمت سے رخصت ہونے لگا تو انھوں نے وقت رخصت فرمایا کہ جون پور میں شیخ عبد الرشید ایک ممتاز بزرگ ہیں اور عنایات و الطاف ربانی سے سرفراز، لوگ ان کی زیارت سے مشرف ہوتے ہیں اور دینی فوائد حاصل کرتے ہیں۔ میں پہلے ہی ان سے ملاقات کا ارادہ رکھتا تھا لیکن ان کی وصیت پر اب میں نے یہ عزم مصمم کرلیا کہ اس دوست سے بہرہ ور ہوں گا۔

چناں چہ جب شیخ عبداللہ جون پور پہنچے تو شیخ محمد رشید الٰہ آباد کی سیر کے لئے تشریف لے گئے تھے اور ملاقات نہ ہوسکی۔

ڈاکٹر اقبال مجددی لکھتے ہیں:

"دلیر خان کے ہمراہ جب عبدیؔ (یعنی شیخ عبداللہ خویشگی) بنارس گیا تو شیخ محمد رشید کی خدمت میں حاضری کے لئے جون پور کی بھی راہ لی۔ اس وقت شیخ صاحب شیخ پور (قریب الٰہ آباد) سیر کی غرض سے گئے ہوئے تھے۔ عبدی، شیخ کے صاحب زادے شیخ محمد ارشد متوفی ۱۱۱۳ھ سے ملا، انھوں نے عبدی کا اشتیاق دیکھ کر شیخ صاحب کو جون پور بلایا؛ لیکن عبدی، شیخ محمد ارشد کو اطلاع دیئے بغیر ہی شیخ صاحب کی زیارت کے لئے ان کے قیام مذکور کی طرف چل دیا۔ ادھر شیخ صاحب بھی اپنے صاحب زادے کی اطلاع پر جون پور کے لئے روانہ ہوگئے۔ اس طرح عجب اتفاق ہوا کہ عبدی، شیخ صاحب سے نہ مل سکا۔ عدم وصال شیخ پر تاسف کا اظہار کرتے ہوئے "اخبار الاولیا" میں لکھتا ہے:

"کم طالعی خود بدولت پابوس مشرف نگشت ہنوز تاسف و تلہف عدم وصال آن قبلہ اقبال باقی است حضرت ایشان بجہت تسکین و تسلی این احقر نوازش نامہ ہائے متواتر مبذول داشتند و بکسب جاروب و شغل بھونکم اشارتا فرمودند"[۲]

یعنی اپنی کم نصیبی کی بدولت قدم بوسی کا شرف حاصل نہ ہوا، اس قبلۂ اقبال کی عدم ملاقات کا رنج و افسوس ابھی باقی ہے۔ آں حضرت تسکین و تسلی کی جہت سے اس احقر کو نوازش نامے میں برابر یاد رکھتے اور......

"عبدی جب بنگالہ سے لوٹا تو واپسی پر شیخ محمد رشید جون پوری کی زیارت کے لئے جون

پور بھی گیا۔ اس مرتبہ بھی شیخ، شیخ پورہ گئے ہوئے تھے۔ شیخ کے صاحبزادے شیخ محمد ارشد نے خط لکھ کر شیخ کو بلایا۔ اس مرتبہ بھی عبدی شیخ پور روانہ ہوگیا تو راستے میں شیخ سے عبدی کی ملاقات ہوگئی۔ لکھتا ہے:

این ضعیف وقتی کہ از سفر بنگالہ معاودة کردہ برائے زیارت ایشان در جون پور رفتہ و ایشان بواسطہ دیدن بعضی اعزہ بجانب قصبہ شیخ پور تشریف ارزانی داشتہ بودند و مخدوم زادہ محمد ارشد...... مکتوبی بآن حضرت نوشتند کہ فلانی برائے زیارت بہ جون پور آمدہ اگر حکم شود بہ شیخ پور بیاید از آنجا کہ کمال عطوفت و رافت در بارۂ این ضعیف داشتند خود متوجہ جون پور شدند و در راہ ملاقی واقع شد"[۳]

یوں تو تعلقات کے اسباب میں مذہبی، مسلکی، مشربی، مکانی، زمانی، علمی، نظریاتی اور روحانی امور شامل ہیں، اگر شیخ محب اللہ اور شیخ محمد رشید کے روابط کی بنیاد پر غور کریں تو وہ کئی چیزوں کے گرد طواف کرتے نظر آتے ہیں۔

شیخ محب اللہ اور شیخ محمد رشید دونوں گیارہویں صدی ہجری کے معروف اور مشاہیر علما وصوفیہ میں ہیں۔ یہ دونوں ہم زمانہ ہیں اور تقریبا ہم عمر بھی، دونوں ہم مشرب یعنی چشتی بھی ہیں، شیخ محمد رشید کو یوں تو مختلف سلاسل کی اجازت وخلافت حاصل تھی، لیکن یہ اصلا چشتی تھے۔ اپنے والد بندگی شیخ جمال الحق مصطفی سے سلسلۂ چشتیہ میں بیعت تھے اور شیخ محب اللہ بھی شیخ ابوسعید گنگوہی سے سلسلۂ چشتیہ میں۔ دونوں ایک ہی مسلک و نظریۂ تصوف پر گامزن تھے اور اس کے سرگرم ترجمان اور مبلغ بھی۔ یعنی وحدت الوجودی تھے اور اتنے بڑے وحدت الوجودی اور شیخ محی الدین ابن عربی کے افکار و نظریات کے حامی تھے کہ شیخ محب اللہ الٰہ آبادی کو صاحب تذکرہ علمائے ہند نے شیخ کبیر گردانا[۴] اور شیخ محمد رشید، ہندوستان میں شیخ اکبر کے شارح کی حیثیت سے مشہور ہوئے۔

جب کہ ڈاکٹر شبیر احمد قادر آبادی، شیخ محمد رشید کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ:

"فلسفہ و کلام کا مطالعہ ان کی روح کی غذا بن گئی تھی۔ محی الدین ابن عربی سے کافی متاثر ہوئے۔ یہاں تک کہ ہندوستان میں ان کے شارح کی حیثیت سے مشہور ہوگئے۔ شیخ عربی کے خیالات کی تاویل وتوجیہ خوبصورت پیرایہ میں کی ہے اور انہیں دلکش افکار وخیالات کا جامہ پہنایا ہے۔"[۵]

ان کے علاوہ دیگر تذکرہ نگاروں نے بھی اس امر کو ذکر کیا ہے۔

دونوں مشائخ کا وحدت الوجودی ہونا غالبا ان کے تعلقات کی اصل بنیاد بھی ہے۔

راقم سطور کو زیر تذکرہ دونوں صوفیہ کے احوال کے مطالعے سے تعلقات کی براہ راست تین کڑیاں نظر آئیں:

[۱] شیخ محمد رشید جب الٰہ آباد تشریف لے جاتے تو شیخ محب اللہ ان سے ملاقات کرکے

مسائل تصوف پر استفسار کرتے۔

[۲] شیخ محب اللہ کی کتاب ''تسویہ'' کی تصنیف پر ردعمل، علما وعوام کا ہنگامہ، ان کے قتل کی نوبت اور شیخ محمد رشید کا ان کے کلام کی تاویل کر کے علما وعوام کے جذبات کو فرو کرنا اور شیخ محب اللہ کی جان بچانا۔

[۳] شیخ محب اللہ نے شیخ محمد رشید کو فلسفہ وحدت الوجود پر مبنی خطوط لکھے۔

پہلی کڑی

خاک ساری اور سادگی کے پردے میں حتی الامکان اپنی ولایت وبزرگی کو چھپاتے ہیں۔

راہ تصوف میں بحث ومباحثہ ایک حجاب ہے اور اس کو ناپسند سمجھا گیا ہے۔ حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری فرماتے ہیں:

''اس بات کا خیال رہے کہ بحث ومباحثہ میں نہ پڑیں، اس لئے کہ بحث اصل کام سے ہٹا کر دوسرے کام میں الجھانے والی چیز ہے۔ علمی معاملہ میں بحث ومباحثہ کو مستحسن سمجھا گیا ہے؛ لیکن مرید کو ایک دوسرا ہی کام درپیش ہے، بحث ومباحثہ مرید کا کام نہیں ہے، یہ اس کے لئے حجاب ہے۔''[۶]

یہی وجہ ہے کہ صوفیۂ اسلام بحث ومباحثے سے حتی الامکان گریز کرتے ہیں اور خاموشی کو بہتر اور مصلحت کا تقاضا سمجھتے ہیں؛ بلکہ ان کا معمول رہا ہے کہ یہ دوست کو دوست بنائے رکھنے اور دشمن کو بھی دوست بنانے کی کوشش اور تدبیر کرتے ہیں اور حکمت وخاموشی کے ساتھ دینی واخلاقی کاموں کی انجام دہی میں مصروف ہوتے ہیں۔ اسی اصول پر شیخ محمد رشید کی علمی، اخلاقی اور دعوتی سرگرمیاں نظر آتی ہیں۔

شیخ محمد رشید حسب معمول اپنے پیران کرام کی زیارت اور امور رشد وہدایت کی انجام دہی کے لئے ایک مرتبہ الٰہ آباد پہنچے۔ جب شیخ محب اللہ کو محمد رشید کی آمد کی خبر ملی تو ان سے ملاقات کے لئے حاضر ہوئے اور مجلس ہی میں مسائل تصوف چھیڑ دیے۔ لیکن شیخ محمد رشید تقاضۂ درویشی کے پیش نظر شیخ محب اللہ کو کوئی جواب دینے کے بجائے خاموش رہے۔

حضرت آسی غازی پوری کے برادر طریقت مولانا عبدالمجید کاتبؔ بلیاوی لکھتے ہیں:

''آپ جب الٰہ آباد تشریف لے گئے تو حضرت شیخ محب اللہ الٰہ آبادی آپ سے ملنے کے لیے آئے اور تصوف کے متعلق چند باتیں چھیڑیں، مگر آپ نے کچھ جواب نہ دیا- ان کے چلے جانے کے بعد لوگوں نے عرض کیا کہ شیخ محب اللہ جیسا شخص سائل ہو اور آپ کچھ جواب نہ دیں، تعجب ہے! آپ نے فرمایا کہ میں ہر چند چاہتا تھا کہ جواب دوں، مگر جب گودڑی (خرقہ)

پر نظر پڑتی تھی، چپ ہو جاتا تھا کہ گودڑی کا تقاضا مباحثہ نہیں ہے-''[۷]

حاضرین کی حیرت کی وجہ یہ ہے کہ:

''وہ [یعنی ملا موہن بہاری] ایک مرتبہ جون پور تشریف لائے اور شیخ محمد افضل کے ہاں گئے۔ شیخ اس وقت درس دے رہے تھے اور طلبہ کی جماعت ان کے سامنے تھی۔ انھوں نے مولانا محی الدین کے اعزاز میں درس بند کرنے کا ارادہ کیا؛ لیکن مولانا نے روک دیا اور فرمایا کہ ان کی موجودگی میں سلسلۂ درس جاری رکھا جائے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت صاحب رشیدیہ شیخ محمد رشید عثمانی جون پوری طلبہ کی جماعت میں شیخ محمد افضل سے درس لے رہے تھے۔ اور مولانا محی الدین بہاری شیخ محمد رشید کی استعداد علمی سے واقف ہونا چاہتے تھے۔ غالباً یہ اس بنا پر تھا کہ شیخ محمد رشید کی شہرت زمانۂ طالب علمی ہی میں اہل علم میں پہنچ گئی تھی۔ مولانا محی الدین بہاری نے دوران درس کسی مسئلے میں شیخ محمد رشید سے مذاکرہ ومباحثہ شروع کر دیا۔ شیخ نے ان کو اس انداز سے جواب دیا اور اس نہج سے بحث میں حصہ لیا کہ قریب تھا کہ مولانا کو خاموش کرا دیں، مگر شیخ محمد افضل نے اپنے لائق شاگرد کو خاموش رہنے کا حکم دیا اور وہ خاموش ہو گئے''۔[۸]

اسی طرح ''ملا محمود [جون پوری] اکثر ہم سبق رہا کیے- پڑھنے کے زمانے میں یا بعد کو بھی جب کسی مسئلے میں باہم مباحثہ ہوا ہے، ملا محمود دب جاتے تھے-''[۹] اس طرح جو شخص ملا موہن بہاری اور ملا محمود جون پوری جیسے فضلائے روزگار کو بحث کے میدان میں اپنے سامنے ٹکنے نہ دے اور ان سے سبقت لے جائے، وہ محب اللہ جیسے فاضل شخص کے سوال پر بالکل خاموش رہے، واقعی مقام حیرت ہے؛ لیکن بے وجہ نہیں۔

دوسری کڑی

شیخ محب اللہ پر ایک ایسا نازک وقت آتا ہے کہ علما وعوام ان کے مخالف اور باغی ہو جاتے ہیں اور اختلاف وانتشار کا بازار قائم ہو جاتا ہے، شیخ محب اللہ فلسفۂ وحدت الوجود اور شیخ اکبر کے نظریات کی تشریح میں علما کی گرفت میں آجاتے ہیں اور مشکل میں پھنس جاتے ہیں۔

معروف مصنف اسحاق بھٹی، شیخ محب اللہ کے احوال کی نقاشی کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''شیخ محی الدین ابن عربی کے بعض اقوال کی اس انداز سے تشریح کی کہ لوگوں میں ان کے بارے میں کئی رائیں پیدا ہو گئیں۔ ایک یہ کہ یہ بہت بڑے عارف ہیں اور معارف صحیحہ بیان کرتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ عارف تو ضرور ہیں لیکن تعبیر میں اس درجہ ٹھوکر کھا گئے ہیں کہ الحاد و زندقہ کی وادی میں جا گرے ہیں۔ تیسرے یہ کہ شدید گمراہی میں مبتلا ہیں اور لوگوں کو گمراہی کی تلقین کرتے ہیں۔''[۱۰]

علمائے وقت، شیخ محب اللہ کی مخالفت پر صف آرا ہوجاتے ہیں اور پھر ''رسالہ تسویہ'' کی تردید میں چھوٹی بڑی کتابوں کی اشاعت کا سلسلہ چل پڑتا ہے، ساتھ ہی عوام بھی ان سے متنفر ہوجاتے ہیں، یہاں تک کہ معاملہ آپ کے قتل کا آجاتا ہے۔ شیخ محمد رشید جو ایک موقع پر شیخ محب اللہ کے سوال پر خاموش تھے، اس مشکل گھڑی میں ان کے معاون ومددگار اور محسن ثابت ہوتے ہیں۔ جب ان کو اس واقعہ کی خبر ملی، فوراً جون پور سے الہ آباد وارد ہوئے اور شیخ محب اللہ کے دفاع میں علما کے سامنے ایک مستحکم چٹان بن کر کھڑے ہوگئے، انھوں نے شیخ محب اللہ کے کلام کی توجیہ وتشریح کی اور اپنے جلالت علمی اور قوت استدلال سے علما کو قائل کر کے شیخ محب اللہ کو قتل سے بچایا۔ اس طرح امت مسلمہ کو ایک بڑے انتشار وافتراق سے بچایا، امن وامان کو بحال کیا جو یقیناً آپ کا تاریخی اور یادگار کارنامہ ہے۔ دنیائے تصوف میں ''الفقراء کلهم کنفس واحدة'' کی ایسی عملی نظیر پیش فرمائی کہ اس کی بازگشت پورے ملک میں سنائی دیتی نظر آئی۔ صوفیہ نمبر، دہلی کا اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

''شیخ محب اللہ کے نظریات نے علماے وقت کو برانگیختہ کردیا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ ایک بار علما نے شیخ محب اللہ کے قتل کا فتویٰ دے دیا۔ جب شیخ عبدالرشید جون پوری کو معلوم ہوا تو وہ دوڑے آئے اور اپنے دلائل سے علما کو قائل کر کے قتل کا فتویٰ واپس لینے پر مجبور کردیا۔ اس طرح شیخ محب اللہ کی جان بچی؛''[۱۱]

حضرت مجدد الف ثانی کے نبیرہ، حضرت خواجہ محمد عبید اللہ بن خواجہ معصوم سرہندی نے اس واقعہ کو اس طرح بیان کیا ہے:

''شیخ محب اللہ کے جس رسالہ پر اس وقت کی ذہنی فضا مکدر اور مذہبی زندگی میں ہلچل مچ گئی، وہ رسالہ ''تسویہ'' تھا، جس میں انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نزولِ وحی کے بارے میں ایسی بحث کی تھی کہ جو علما کے نزدیک قابل اعتراض تھی۔ اس رسالہ کے خلاف باقاعدہ کارروائی تو ان کی وفات کے بعد اورنگ زیب کے عہد میں ہوئی؛ لیکن معاصر ماخذ ''معارج الولایت'' کے ایک اندراج سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے حین حیات بھی ان کے نظریات کے خلاف شورش برپا ہوئی تھی اور وہ اس قدر شدید تھی کہ عوام ان کے قتل کے درپے ہوگئے تھے۔ جب شیخ محمد رشید جون پوری کو معلوم ہوا تو وہ برق رفتاری سے جون پور سے آئے اور عوام کے نرغے سے بچایا اور ان کے کلام کی توجیہ کر کے عوام کے جذبات فرو کیے۔''[۱۲]

مذکورہ کتاب کے علاوہ اس واقعہ کا ذکر ''احوال وآثار عبداللہ خویشگی'' میں یوں ہے:

''شیخ محب اللہ الہ آبادی کے نظریات جب عوام میں عام ہوئے تو ان کے قتل تک نوبت

پہنچی، یہ شیخ محمد رشید جون پوری ہی تھے، جو برق رفتاری کے ساتھ جون پور سے آئے اور ان کو عوام کے نرغے سے بچایا اور ان کے کلام کی توجیہات کر کے عوام کے جذبات فرو کیے۔''[۱۳]

اس طرح اگر شیخ محمد رشید بروقت الہ آباد نہ پہنچتے اور علما کو دلائل سے قائل نہ کرتے تو شاید شیخ محب اللہ کو بھی اسی تشدد کا سامنا کرنا پڑتا جس سے شیخ حسین بن منصور حلاج اور ان جیسے دوسرے صوفیہ دوچار ہوئے۔

منصور حلاج کے تختۂ دار پہ چڑھائے جانے کے متعلق غوث اعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''میرے بھائی منصور سے لغزش ہوئی، اگر میں ہوتا تو ان کا ہاتھ تھام لیتا''

یعنی اگر حضرت غوث پاک اس وقت موجود ہوتے تو منصور حلاج کو تختۂ دار پر نہ چڑھنے دیتے بلکہ علما اور عوام کو ان کے قول کی تشریح وتاویل کر کے ان کو اپنے ہاتھ سے اتار دیتے اور ان کی جان بچالیتے۔ گیارہویں صدی ہجری میں شیخ محمد رشید نے حضرت غوث پاک کے ارشاد زریں کو شیخ محب اللہ کی شکل میں عملی جامہ پہنایا اور اس کی اہمیت کو واضح کیا۔

شیخ محمد رشید بھی عارف حقیقت تھے اور وحدت الوجودی بھی، تصوف کے اسرار وغوامض سے خوب آگاہ اور واقف تھے، شیخ اکبر کے نظریات اور ان کی کتابوں کا خاصہ درک رکھتے تھے، ان کی تشریحات عمدہ اور دلکش پیرایے میں کرتے تھے اور دلائل کی روشنی میں پیش کرتے۔

مولانا عبدالمجید کاتب رشیدی لکھتے ہیں:

''شیخ اکبر محی الدین ابن العربی کی تصانیف ''فصوص الحکم'' وغیرہ برابر آپ کے مطالعے میں رہا کرتی تھی اور اس کا درس دیا کرتے تھے- اس کے مسائل اور دقائق پر آپ کو اس قدر عبور تھا کہ جس مسئلے میں جو شخص شبہ وارد کرتا تھا، آپ بدلائل ثابت کردیتے تھے اور تصوف کے مسائل کا استدلال اسی کتاب سے فرماتے تھے۔''[۱۴]

شیخ محمد رشید حد درجہ محتاط بھی تھے، کبھی بھی اسرار الٰہی ان سے افشا نہیں ہوئے، اسرار الٰہی کو پردۂ راز ہی میں رکھتے تھے، قوت ضبط حد درجہ تھی، کیا مجال کہ کوئی راز فاش ہوجائے۔ یہی آپ کی خانقاہ کے سجادگان کا بھی معمول رہا ہے۔ چناں چہ حضرت آسی کے متعلق ہے کہ:

''آپ کتمان اسرار اور اخفائے واردات [راز اور احوال کو چھپانے] میں پیر کے قدم بقدم تھے، کبھی کبھی آپ فرمایا بھی کرتے تھے کہ حضرت قیام الحق [شاہ امیر الدین] کی ہدایت ہے کہ ''درویشی کو ایسا چھپاؤ جیسا کہ مستورات کُرسُف [حیض کے کپڑے] کو-'' طبیعت میں قدرت اور ضبط کا اتنا مادہ تھا کہ مجال نہ تھی جو کسی حالت میں کوئی راز کھل جائے-''[۱۵]

آپ تصوف میں بھی اجتہادی شان کے حامل تھے۔اس میں اپنا خاص محققانہ موقف بھی رکھتے تھے۔صوفیانہ افکار ونظریات کی اشاعت وتشہیر میں بھی سرگرم عمل رہے۔معمولات صوفیہ پر عامل بھی تھے اور اپنے خاص تفردات بھی تھے۔اس کے باجود ہمیشہ علما ومحققین اور عوام میں ہر دلعزیز اور مقبول رہے،کبھی بھی مطعون نہیں ٹھہرے اور نہ علما کو آپ کے خلاف بغاوت یا مخالفت کی جرأت ہوئی چہ جائے کہ عوام۔

تیسری کڑی

شیخ محب اللہ الہ آبادی شیخ محمد رشید کو تصوف کے مسائل ومباحث پر مبنی خطوط بھی لکھتے تھے،مکتوبات شاہ محب اللہ الہ آبادی سے اس امر کا ثبوت ملتا ہے کہ شیخ محب اللہ نے شیخ محمد رشید کو ۲/خطوط لکھے ہیں۔مکتوبات کل ۴۳۳/صفحات پر ہیں اور مکتوب الیہم میں ۹/شخصیات ہیں۔ مولانا نظام الدین الہ آبادی نے اپنی کتاب ''تاریخ مشائخ الہ آباد'' میں شیخ محب اللہ کے مکتوب الیہم یعنی جن حضرات کو انھوں نے خطوط لکھے ہیں،ان کے اسما کی فہرست بھی ترتیب وار پیش کی ہے۔جن میں ملا محمود جون پوری،شیخ محمد رشید جون پوری،شیخ عطاء اللہ جون پوری،میر محمد قنوجی،میر سید عبدالحکیم،شیخ تاج محمد،شیخ عبدالرحیم،شیخ عبدالرحمن،شاہزادہ دارا شکوہ شامل ہیں۔

تاریخ مشائخ الہ آباد میں یہ بھی مذکور ہے کہ شیخ محب اللہ نے شیخ محمد رشید کو جو خطوط بھیجے ان میں پہلا مکتوب انتہائی طویل ہے۔یہ صفحہ ۴۰/سے صفحہ ۱۰۰/یعنی کل ۶۰/صفحات پر محتوی ہے جب کہ دوسرا مکتوب اس سے مختصر یعنی صفحہ ۳۳۷/سے صفحہ ۳۳۹/کل ۳/صفحات پر مشتمل ہے۔مکتوبات میں زیادہ تر فلسفۂ وحدت الوجود ہی کے حوالے ہی سے گفتگو اور بحث کی گئی ہے۔

ان خطوط سے دونوں صوفیہ کے مابین علمی وروحانی تعلقات کا پتہ لگتا ہے۔

''تاریخ مشائخ الہ آباد'' میں شیخ محب اللہ کے احوال کے ذیل میں ہے کہ:

''ملا محمود صاحب جون پوری اور شیخ عبدالرشید صاحب رحمہا اللہ وغیرہ سے مسئلۂ وحدت الوجود پر حضرت شیخ سے بحث ومباحثہ بھی ہوا تھا،جس کا تذکرہ مکتوبات شیخ اور دوسری کتابوں میں پایا جاتا ہے۔''[۱۶]

شیخ محب اللہ کو ملا محمود کی طرف خطوط لکھنے کی وجہ شاید ان کے اعتراضات کا جواب رہا ہو یا پھر اپنی طرف سے دفاع۔جیسا کہ اس کا اندازہ ملا محمود کی کتاب ''تسویہ'' کے رد میں تصنیف کی ہوئی ''حرز الایمان'' نامی کتاب سے ہوتا ہے۔جب کہ شیخ محمد رشید جون پوری کی طرف خطوط لکھنے کا مقصد شاید تصوف کے مسائل ومباحث کے حقائق ودقائق کی تفہیم وتشریح اور معترضین کے اعتراضات کے جوابات کی تصحیح وتائید رہی ہو۔جیسا کہ دوسری کڑی کے تحت ذکر کردہ واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے۔

مراجع ومصادر

۱۔بحوالہ احوال وآثار عبد اللہ خویشگی،ص:۴۲،۴۳، ڈاکٹر اقبال مجددی،ناشر دار المورخین،لاہور

۲۔ایضاص:۴۴

۳۔ایضاص:۴۵

۴۔تذکرۂ علمائے ہند،ص:۴۰۴،مولانا رحمن علی،ناشر پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی،کراچی

۵۔عہد اورنگ زیب میں علما کی خدمات،ص:۹۹،ڈاکٹر علاء الدین خان،ناشر البلاغ پبلکیشنز ابوالفضل نئی دہلی

۶۔مکتوبات دوصدی،ص:۱۹۹،شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری،مترجم شاہ قسیم الدین احمد فردوسی،ناشر مکتبہ شرف بیت الشرف،خانقاہ معظم،بہار شریف۔

۷۔سمات الاخیار معروف بہ تذکرۂ مشائخ رشیدیہ،ص:۵۷،مولانا عبد المجید کاتب رشیدی،ناشر شاہ عبدالعلیم آسی فاؤنڈیشن،نئ

۸۔فقہائے ہند،گیارہویں صدی،حصہ دوم،ص:۲۷۳،اسحاق بھٹی،ناشر ادارۂ ثقافت اسلامیہ،کلب روڈ،لاہور)

۹۔سمات الاخیار معروف بہ تذکرۂ مشائخ رشیدیہ،ص:۵۶،مولانا عبد المجید کاتب رشیدی،ناشر،شاہ عبدالعلیم آسی فاؤنڈیشن،نئ

۱۰۔برصغیر پاک وہند میں علم فقہ،ص:۳۰۶،۳۰۷،اسحاق بھٹی،ناشر ادارۂ ثقافت اسلامیہ،کلب روڈ،لاہور

۱۱۔صوفیہ نمبر،دہلی ۲۰۱۰ء،ص:۲۴۶،ناشر:صوفی فاؤنڈیشن،دریا گنج،نئی دہلی ۲

۱۲۔حسنات الحرمین،ص:۸۱،جامع،خواجہ عبیداللہ بن معصوم سرہندی
مترجم فارسی،محمد شاکر سرہندی،مترجم اردو،محمد اقبال مجددی،ناشر،مکتبہ سراجیہ خانقاہ احمدیہ سعیدیہ،ڈیرہ اسماعیل خان،لاہور

۱۳۔احوال وآثار عبداللہ خویشگی،ص:۱۵۵،ڈاکٹر اقبال مجددی،ناشر دار المورخین،لاہور

۱۴۔سمات الاخیار معروف بہ تذکرۂ مشائخ رشیدیہ،ص:۶۵
مولانا عبدالمجید کاتب رشیدی،ناشر،شاہ عبدالعلیم آسی فاؤنڈیشن،نئ

۱۵۔ایضاص:۱۹۱

۱۶۔تاریخ مشائخ الہ آباد،ص:۷۰،مولانا نظام الدین الہ آبادی،الہ آباد ○○○

شیخ محمد زکی ابراہیم: شخصیت اور خدمات

مصر کی زمین نہایت مردم خیز ہے۔ یہاں پر ہمیشہ ایک سے بڑھ کر ایک ایسے ارباب علم دین ودانش پیدا ہوتے رہے ہیں جن کی صلاحیتوں کا ایک زمانے نے اعتراف کیا۔ ماضی قریب میں بھی مصر میں بہت سے بڑے علما ومشائخ پیدا ہوئے جن میں ایک نمایاں نام شیخ محمد زکی ابراہیم کا ہے۔ آپ نے اپنی پوری زندگی خدمت دین کے لئے وقف کردی اور مصر میں تصوف کی اصلاح واحیا کے حوالے سے گراں قدر کارنامے انجام دیے۔ آپ کی دینی خدمات سے متاثر علما آپ کو تصوف کا مجدد مانتے ہیں۔ ذیل میں شیخ کی شخصیت اور خدمات کے حوالے سے چند باتیں پیش خدمت ہیں۔

نام ونسب

آپ کا نام محمد زکی ابراہیم، کنیت ابوالبرکات اور لقب زکی الدین ہے۔ آپ کا سلسلۂ نسب ماں باپ دونوں کی طرف سے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالی عنہ سے جاملتا ہے۔ قاہرہ، مصر کے ایک معزز اور دین دار گھرانے میں ۲۲/اگست ۱۹۰۶ء کو آپ کی پیدائش ہوئی۔ آپ کے والد شیخ ابراہیم خلیل بن علی شاذلی ایک جید ازہری عالم دین تھے۔ جو تصوف سے گہرا ذوق رکھتے تھے۔ ان کے اس ذوق کے باعث گھر کے اندر دین دارانہ ماحول قائم تھا۔ جس میں شیخ محمد زکی ابراہیم نے پرورش پائی۔

تعلیم وتربیت

شیخ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد کے پاس حاصل کی، اور پھر شیخ جاد اللہ عطیہ اور شیخ احمد شریف کے پاس مسجد میں قرآن کریم حفظ کیا۔ حفظ قرآن سے فراغت کے وقت آپ کی عمر تقریبا ۹ یا ۱۰/سال تھی۔ اس کے بعد آپ نے **مدرسة درب النشارين الابتدائية** میں داخلہ لے لیا۔ کچھ دنوں وہاں تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ **مدرسة نهضة بولاق الكبرىٰ** میں

داخل ہوگئے۔ جو اس وقت کا مشہور ترین مدرسہ تھا۔ اس مدرسے میں ابتدائیہ تک تعلیم حاصل کی اور پھر جامعة الازہر میں داخلہ لے لیا۔ جہاں پر آپ نے ازہر کے قدیم نظام تعلیم کے مطابق عالمیت سے فراغت پائی۔ شیخ محمد زکی ابراہیم کے شاگرد محی الدین حسین الاسنووی کے مطابق شیخ کی ازہر سے فراغت کی تاریخ معلوم نہیں ہوسکی البتہ قرائن سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی فراغت ۱۹۲۶ء سے ۱۹۳۰ء کے درمیان ہوئی ہوگی۔ فراغت کے بعد آپ نے مختلف تعلیمی اداروں میں تدریس کے فرائض انجام دئے اور جامعة الازہر کے بعض کلیات میں لیکچرار بھی رہے۔ متعدد دینی تنظیموں کے سرپرست یا رکن کی حیثیت سے بھی آپ نے کام کیا۔ آخر میں تمام مناصب کو چھوڑ کر اپنی قائم کردہ تنظیم **جمعية العشيرة المحمدية** کے انتظامی امور سے وابستہ ہوگئے۔ جہاں سے آپ نے ساری زندگی اپنے صوفیانہ افکار ونظریات کی بھرپور اشاعت کی۔ سابق شیخ الازہر ڈاکٹر عبدالحلیم محمود آپ کے شریک کار تھے جنہوں نے دعوتی امور میں آپ کا کافی تعاون کیا۔ شیخ محمد زکی ابراہیم سلسلہ شاذلیہ سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ نے **الطريقة المحمدية الشاذلية** کے نام سے اس سلسلے کی نئی شاخ کی بنا بھی ڈالی۔ ساری زندگی خدمت دین میں مصروف رہے اور ۷/اکتوبر ۱۹۹۷ء کو اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔ آپ **العشيرة المحمدية** کی مرکزی عمارت میں واقع مسجد کے قریب مدفون ہیں۔ (۱)

علم تفسیر سے شغف

ازہر میں تعلیم کے دوران آپ کو قرآن اور علوم قرآن سے گہرا لگاؤ رہا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے خطابات اور تصانیف میں قرآن کے فوائد ونوادر کثرت سے ملتے ہیں۔ شیخ نے قرآن وعلوم قرآن پر درج ذیل کتابیں تصنیف کیں: (۱) **الاسكات بركات القرآن على الاحياء والاموات** (۲) **حول معالم القرآن** (۳) **معارج البهاء الاقدس** (۴) **تفسير آيات مختارة من كتاب الله تعالى** (۵) **لحظات التجلي** (۶) **بحوث فى لغة القرآن الكريم**۔ اس کے علاوہ بھی آپ نے قرآن وعلوم قرآن سے متعلق بہت سے تحقیقی مقالات قلم بند کئے جو آپ کے ذریعہ جاری کئے گئے مجلہ المسلم میں شائع ہوئے۔ (۲)

علم حدیث سے واقفیت

شیخ محمد زکی ابراہیم نے جامعة الازہر میں دیگر علوم شرعیہ کی طرح علم حدیث کو بھی روایت ودرایت ہر دو طریقوں سے حاصل کیا تھا۔ علم حدیث سے آپ کی گہری واقفیت آپ کی تصانیف سے بالکل ظاہر ہے۔ شیخ الحسینی ہاشم اور ڈاکٹر احمد عمر ہاشم نے اپنی مشترکہ کتاب **المحدثون فی مصر** میں شیخ کا شمار محدثین مصر میں کیا ہے۔ اور آپ کے بارے میں لکھا ہے کہ شیخ نے اپنی اکثر

کتابیں محدثین کے طریقے پر لکھی ہیں۔شیخ شروع میں حدیث کی اجازت بہت ہی کم دیا کرتے تھے۔لیکن بعد میں جب لوگوں نے آپ سے شدید اصرار کیا تو آپ نے اجازت دینا شروع کر دیا۔آپ سے جامعہ الازہر(مصر)،الجامعہ الاسلامیہ(سعودیہ) جامعہ آل البیت (اردن) جامعۃ الاحقاف (یمن) جامعۃ القرویین (مغرب) وغیرہ کے اساتذہ اور شیوخ نے حدیث کی اجازتیں حاصل کیں۔(۴)

فقہ وافتا سے وابستگی

شیخ فقہ وافتا سے بھی اچھی وابستگی رکھتے تھے۔حنفی المذہب مفتی تھے۔اور فقہ حنفی کے علاوہ قواعد کے حدود میں دیگر مذاہب پر بھی فتوی دیا کرتے تھے۔آپ کے شاگرد شیخ محی الدین اسنووی آپ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں: **فقد کان رحمه الله فقیها لایشق له الغبار، حنفی المذهب، اخبرنی رحمه الله تعالی بذلک واخبرنی انه یتعبد ویفتی به وبغیره من المذاهب الفقهیة حسب ما یقتضیه الدلیل والمصلحة والتیسیر فی حدود القواعد**۔ترجمہ: شیخ زکی ابراہیم ایک بہترین فقیہ تھے۔حنفی مذہب کے پیروکار تھے۔اس سلسلہ میں خود انہوں نے مجھ سے کہا کہ وہ حنفی ہیں اور حنفی مذہب کے مطابق عبادات انجام دیتے ہیں۔فقہ حنفی اور قواعد کے حدود میں رہ کر تیسیر اور مصلحت کے مطابق دوسرے مذاہب فقہ پر بھی فتوی دیا کرتے ہیں۔(۵)

مختلف زبانوں پر مہارت

شیخ محمد زکی ابراہیم عربی زبان کے علاوہ دوسری زبانوں میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ آپ نے انگریزی زبان مدرسے میں تعلیم کے دوران سیکھ لی تھی، جب کہ فرینچ استاذ داؤد سلیمان، جرمنی استاذ راغب والی، اور فارسی محمد الاعظمی الایرانی سے سیکھی۔آپ نے علامہ اقبال کے بعض فارسی کلاموں کا عربی میں ترجمہ بھی کیا جن میں سے بعض ”ابولو“ نام کے ایک مصری جریدے میں شائع بھی ہوئے۔(۶)

صحافت ومقالہ نگاری

علمی وفکری پختگی کے باعث شیخ بہت جلد قرطاس وقلم سے وابستہ ہو گئے تھے۔آپ نے مصر کے معروف ومشہور مجلّات میں بے شمار مقالات لکھے۔ان مجلّات میں سے بعض کے نام یہ ہیں: **مجلة الازهر، منبر الاسلام ،اللواء الاسلامی، عقیدتی،الاخبار، الاهرام، الجمهوریة، لواء الاسلام، الاسلام، الخلاصة، العمل، الرسالة الاسلامیة** وغیرہ۔آپ نے بعض مجلّات کی ادارت کے بھی فرائض انجام دیے۔جن کے اسما یہ ہیں: **التعارف، الخلاصة، العمل اور المسلم**۔شیخ نہایت وسیع النظر عالم تھے۔آپ نے نہ صرف یہ کہ دینی موضوعات پر قلم

اٹھایا بلکہ سماجی، تاریخی، سیاسی موضوعات پر بھی بہت سے وقیع مقالات قلم بند کیے۔(۷)

خدمات

شیخ کی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ذیل میں آپ کی خدمات کے چند اہم گوشوں پر روشنی ڈالی جارہی ہے۔

جمعیة العشیرة المحمدیة کا قیام

جمعیہ العشیرۃ المحمدیۃ مصر کی ایک بڑی دعوتی تنظیم ہے۔جس کی تمام تر خدمات کا مرکز و محور کتاب وسنت پر مبنی صوفیانہ تعلیمات کا فروغ ہے۔اس تنظیم کی داغ بیل شیخ محمد زکی ابراہیم نے ۱۹۳۰ء میں ڈالی۔اس وقت فرانس، یوروپ، امریکا، کینیڈا، آسٹریلیا، چین، جاپان، انڈونیشیا، ملیشیا، پاکستان، لیبیا اور دوسرے کئی ممالک میں اس کی شاخیں پھیلی ہوئی ہیں۔

شیخ محمد زکی ابراہیم تنظیم کا تعارف پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

العشیرۃ المحمدیۃ وہ پہلی مضبوط دینی تنظیم ہے۔جس کا کام تصوف کو صحیح شکل میں لوگوں کے سامنے پیش کرنا اور اس کے اسرار ورموز، خزانوں اور تراث کو منصۂ شہود پر لانا ہے۔عقیدہ واخلاق اور انسانی قدروں پر مادیت کے نقصانات بلکل واضح ہیں۔تنظیم چاہتی ہے کہ اپنے تمام اسباب ووسائل کے ذریعے اسلام کو مادیت کے مقابلہ میں ایک عملی حل کے طور پر پیش کیا جائے۔ نیز اسلام کی ترقی، ایک دوسرے کے لئے مہربانی، شریعت اسلامیہ کے نفاذ اور عظمت رفتہ کی بازیابی کے خواب کو شرمندۂ تعبیر کرنے کا ذریعہ بنایا جائے۔(۸)

جمعیت کے تحت بہت سے منصوبوں پر منظم طریقے پر کام کیا جارہا ہے۔ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

(۱) مجلہ المسلم

ماہنامہ المسلم سب سے پہلے اکتوبر، ۱۹۵۰ء میں **الخلاصه: مجلة العشیره** کے نام سے شائع ہوا تھا۔لیکن پھر اسی سال اس کا نام الخلاصہ سے المسلم کر دیا گیا۔اس کے بعد سے لے کر آج تک یہ مجلہ تواتر کے ساتھ شائع ہورہا ہے اور صوفیانہ افکار ونظریات کو فروغ دے رہا ہے۔اس مجلّے میں تصوف کے نام پر جنم لینی والی بدعات وخرافات کی تردید بھی کی جاتی ہے۔شیخ نے اس مجلّے میں تقریباً پچاس سال تک مختلف دینی وسماجی موضوعات پر گراں قدر اداریے لکھے۔ نیز حقیقت تصوف کو لوگوں کے سامنے پیش کرنے کی کامیاب کوشش کی۔

(۲) المرکز العلمی الصوفی

یہ عشیرہ کا ذیلی ادارہ ہے جہاں سے کتابیں اور مجلّات شائع ہوتے ہیں۔علاوہ ازیں اس

ادارے کے تحت تصوف کے فروغ کے لئے انٹرنیشنل صوفی کانفرنس کا بھی انعقاد کیا جاتا ہے۔

(۳) مجلة البحوث والدراسات الصوفية

یہ ایک ضخیم میگزین ہے۔ جو المرکز العلمی الصوفی کی طرف سے شائع ہوتی ہے۔اس کے صفحات عام طور پر ۶۰۰ سے متجاوز ہوتے ہیں۔ پوری میگزین آٹھ ابواب پر مشتمل ہوتی ہے جس میں پختہ قلم کاروں کے تحقیقی مضامین شائع ہوتے ہیں۔اس میگزین کا ایک باب تصوف پر لکھی گئی نایاب کتب ورسائل کے لئے خاص ہوتا ہے۔جس میں عموماً تین/ چار رسائل کو شامل کردیا جاتا ہے۔ اس کے چیف ایڈیٹر سابق مفتی اعظم مصر ڈاکٹر علی جمعہ ہیں۔اس کی مجلس مشاورت کے امیر شیخ الازہر ڈاکٹر احمد الطیب ہیں۔ جب کہ مجلس مشاورت میں سابق ڈاکٹر احمد عمر ہاشم، ڈاکٹر حسن شافعی، ڈاکٹر سعید رمضان البوطی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ ابوبکر مسلیار (کیرلا) کے اسماء موجود ہیں۔اس وقت اگست ۲۰۱۱ء کا شمارہ میرے پیش نظر ہے۔جس میں شیخ متقی ہندی رحمہ اللہ کے تین رسائل کو شامل کیا گیا ہے۔جن کے اسماء یہ ہیں:

رسالة هداية ربی عند فقد المربی، نعم المعيار والمقياس فی معرفة مراتب الناس، غاية المامول والسلوک والوصول الی الله۔

اس کے علاوہ الکلیۃ الصوفیۃ، المکتبۃ الصوفیۃ اور یتیم خانوں اور اسپتالوں کا قیام اور دیگر خدمات **جمعية العشيرة المحمدية** کے تحت انجام دیے جاتے ہیں۔

العشيرة المحمدية کا منہج

شیخ محمد زکی ابراہیم کے شاگرد شیخ محی الدین اسنووی شیخ کا منہج دعوت وارشاد بتاتے ہوئے لکھتے ہیں: شیخ کے منہج کو درج ذیل نقاط میں بیان کیا جاسکتا ہے:

(۱) حکمت اور موعظت حسنہ کے ساتھ دین کی دعوت دینا۔

(۲) اسلامی توسط کا پابند رہنا اور دعوت دین میں اعتدال کو برقرار رکھنا۔

(۳) سلف تا خلف، انفرادی اور جماعتی ہر دو سطحوں پر اہل قبلہ کے ساتھ حسن ظن رکھنا اور ان کا احترام کرنا۔

(۴) مخالفت کا لحاظ کرنا اور مخالف کے لئے عذر تلاش کرنا۔

(۵) مسائل کے درجات کا خیال رکھنا یعنی اہم چیزوں پر ارتکاز کرنا اور ان کو مقدم رکھنا اور امت کی خیر خواہی کے لئے ہر ممکن کوشش کرنا۔

(۶) دوسروں کے ساتھ ادب سے پیش آنا اور ایک دوسرے کو سمجھنے کی کوشش کرنا۔ نیز جنگ وجدال کے بجائے حتی الوسع صلح اور لچک کا رویہ اپنانا۔

العشيرة المحمدية کے اہداف ومقاصد

عشیرہ کے مقاصد کو تعارفی مضمون میں کچھ اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

(۱) اہل اسلام کے ساتھ دینی، سماجی، تہذیبی حتی کہ پیشے اور صحت سے متعلق امور میں تعاون کرنا۔

(۲) امت میں دینی، روحانی، اخلاقی اور تہذیبی اقدار کو بحال کرنا۔ نیز اسلامی اصول ومبادی کے اثبات میں جدید عصری علوم کا سہارا لینا۔

(۳) شریعت کی بالادستی کے لئے بتدریج ہر ممکن کوشش کرنا۔

(۴) تمام روئے زمین پر بالعموم مسلمانوں اور بالخصوص صوفیہ کے مسائل پر توجہ دینا۔ دین وتصوف اور وطن اسلامی کی خدمت کی غرض سے اسلامی کانفرنسوں کا انعقاد کرنا، اور دعوت وارشاد اور ذکر وعبادت کی محفلیں سجانا۔

(۵) کتاب وسنت کی روشنی میں تصوف کی اصلاح کرنا۔

(۶) علم اور بھائی چارے کی بنیاد پر مسلمانوں کے مختلف گروہوں میں قربت پیدا کرنے کی کوشش کرنا۔

(۷) مسلمانوں میں انفرادی واجتماعی ہر دو سطح پر دینی بیداری لانے کی کوشش کرنا۔

(۸) مساجد، خانقاہیں، حفظ قرآن کے لئے مدارس، تعلیمی ادارے، ہسپتال وکلینک، یتیم خانے، نوجوانوں کے دینی رہنمائی کے سینٹر اور لائبریریاں قائم کرنا۔(۹)

تصانیف

شیخ نے تصوف سے متعلق بہت ساری کتابیں اور رسائل یادگار چھوڑے ہیں۔جن میں شیخ کا بنیادی مقصد یہ رہا ہے کہ تصوف کی حقیقی صورت لوگوں کے سامنے پیش کی جائے۔اور اس پر ہونے والے جملہ اعتراضات کا معقول اور سنجیدہ جواب دیا جائے۔ چند اہم تصنیفات یہ ہیں:

(۱) ابجدية التصوف الاسلامی

یہ کتاب دراصل تصوف کے حوالے سے کیے جانے والے اہم اور بنیادی سوالات واعتراضات کا جواب ہے۔ پوری کتاب میں ۱۶۷/صفحات ہیں اور پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔ شروع کے تین ابواب میں سوالات وجوابات ہیں۔ جو پہلے کبھی مصری مجلّات میں شائع ہو چکے تھے۔ان سوالات وجوابات کی ترتیب کچھ اسی طرح ہے کہ پہلے ایک سوال پیش کیا جاتا ہے اور پھر اس کے بارے میں اطمینان بخش جواب دیا جاتا ہے۔ان جوابات کی اہمیت کا اندازہ سوالات کے عناوین سے لگایا جاسکتا ہے۔ ان میں سے بعض یہ ہیں: (۱) تصوف کا مقصد کیا ہے؟ کیا

تصوف عہد رسالت میں موجود تھا؟ تصوف کے مصادر کیا ہیں؟ (۲) تصوف اور صوفیہ کے نام سے الگ اصطلاح کیوں کر وجود میں آئی؟ (۳) کیا تصوف اصل میں بدھ مت، مجوسیت وغیرہ کے زیر اثر وجود میں آیا؟ (۴) کیا تصوف اسلام میں کسی اضافی شئے کا نام ہے؟ (۵) کیا تصوف میں ایسے عقائد پائے جاتے ہیں جو عقیدہ توحید کے متعارض ہیں؟ جیسے حلول واتحاد اور وحدت خالق ومخلوق۔ (۶) کیا تصوف مشائخ کی تقدیس اور مصائب کے وقت ان سے استعانت اور ان کو نفع وضرر کا مالک ماننے کی دعوت دیتا ہے۔ (۷) اولیاء اللہ کون ہیں؟ کیا کسی کو نام زد طریقے پر ولی کہنا جائز ہے؟ کیا ولایت کوئی موروثی شئے ہے؟ (۸) کیا شیخ معصوم ہوتا ہے؟ (۹) توسل اور استغاثہ کی حقیقت کیا ہے؟ (۱۰) بعض علما بعض صوفیہ کی تکفیر کیوں کرتے ہیں؟ (۱۱) کشف کا کیا مطلب ہے؟ (۱۲) کیا کسی کو صوفیانہ تربیت کے حصول کے لئے شیخ بنانا شرک ہے؟ (۱۳) کیا صالحین کوقبروں کی زیارت کرنا بت پرستی ہے؟

اس طرح کے اور بھی کئی سولات ہیں جن کے جوابات شیخ محمد زکی ابراہیم نے نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ تحریر کیے ہیں؟ بعض باتوں کا شیخ نے کلیۃً انکار کر دیا ہے اور بعض کا کتاب وسنت سے ثبوت پیش کیا ہے۔ کتاب کے چوتھے باب میں خطاب صوفی جامع کے نام سے تصوف کے حقائق سے پردہ اٹھاتی نہایت خوبصورت تحریر موجود ہے۔ اس میں صوفی اور تصوف کی نہایت عمدہ تعریف کرنے کے بعد تصوف کے حامی اور منکرین علمائے کرام کے اقوال پیش کر کے ثابت کیا ہے کہ جن بعض باتوں کا انکار آج بہت سے لوگ کر رہے ہیں خود علامہ ابن تیمیہ، علامہ ابن قیم، امام شاطبی اور امام ذہبی وغیرہ نے بھی ان کو تسلیم کیا ہے۔ پانچویں باب میں مصر میں خانقاہی نظام کی تاریخ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

(۲) السلفیة المعاصرة الی این؟

شیخ محمد زکی ابراہیم کی یہ مختصر تصنیف ۹۶/صفحات پر مشتمل ہے۔ مصنف نے اس کتاب میں مصر میں پائے جانے والے بعض متشدد حلقوں پر نقد کرتے ہوئے ان کو اعتدال وتوسط اپنانے کی دعوت دی ہے۔ آپ کتاب کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

تصوف شرعی اور تسلف اسلامی باہم ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ ان میں اصل کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے۔ دونوں تحریکوں کی اساس کتاب وسنت ہے۔ خود سلفیت میں ارکان کی حیثیت رکھنے والے محدثین کی اسانید کا مطالعہ کرنے والے ہر شخص پر پر یہ واضح ہے کہ ان کی اسانید میں ضرور کہیں نہ کوئی صوفیہ کرام موجود ہیں۔ صوفیہ اور (قدیم) سلفیہ میں بعض جگہوں پر جو اختلاف نظر بھی آتا ہے تو اس کا اصل سبب سیاسی خرد برد ہے۔ بعض لوگوں نے اپنے سیاسی اقتدار

کی بقا کے لئے دین کا غلط استعمال کیا تھا۔ پھر مرور زمانہ کے ساتھ اس سیاسی خرد برد نے ایک نیا روپ اختیار کر لیا۔ دوسری طرف تصوف کے نام پر لوگوں نے بعض ایسی چیزیں ایجاد کر لیں جن کا دین سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ جس کی وجہ سے بعد کے متمسلفین کو صوفیہ کے خلاف منہ کھولنے کا موقع مل گیا۔ اگر ہم تصوف کو ان خلاف شرع باتوں سے پاک کر دیں جن کو بعض حضرات تصوف کے نام پر انجام دیتے ہیں۔ اسی طرح سلفیت کو شدت پسندی، سخت گیری اور غیر مؤدبانہ رویوں سے جدا کر دیں تو دونوں میں باہمی مخالفت کی کوئی وجہ باقی نہیں رہے گی۔ مگر ہاں! ہم تسلف اور تمسلف میں فرق کے قائل ہیں۔ ہم پہلے ہی بتا چکے ہیں تصوف اور تسلف میں اصل کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے۔ لیکن تمسلف یہ ہے کہ غیر مؤدبانہ رویوں کو اختیار کر کے حرام وحلال سے متعلق مسائل کو ایمان وکفر سے وابستہ کر دیا جائے۔ اور تمام اہل قبلہ پر یہ حکم لگایا جائے کہ وہ خارج از اسلام ہیں۔ ایسے نظریات کے حاملین امت میں افتراق وانتشار کا باعث ہیں۔ ایسے لوگ امت کو درپیش بڑے اور اہم مسائل سے نظریں چرا کر چھوٹے چھوٹے مسائل میں خود بھی الجھ رہے ہیں اور دوسروں کو بھی الجھا رہے ہیں۔

الحاصل! پوری کتاب دلچسپ اور قابل مطالعہ ہے۔

(۳) تحقیق احکام بعض امہات الصلوات النافلة

شیخ کا یہ مختصر رسالہ ۸۷/صفحات پر مشتمل ہے۔ جس میں آپ نے صوفیہ کے درمیان رائج بہت سے نفل نمازوں کی مشروعیت اور ان کے احکام کو کتاب وسنت اور اقوال ائمہ کی روشنی میں ثابت کیا ہے۔ نوافل سے شغف رکھنے والوں کے لئے یہ کتاب ایک بہترین تحفہ ہے۔ کتاب کے اندر کل ۱۸/نمازوں کا ذکر ہے۔ جس میں بعض یہ ہیں۔ (۱) صلاۃ التسبیح (۲) صلاۃ الحاجۃ (۳) صلاۃ الاستخارۃ (۴) صلاۃ التوبۃ (۵) صلاہ الضحی (۶) صلاۃ التہجد (۷) صلاۃ الشکر (۸) صلاۃ الاستسقاء (۹) صلاۃ الکسوف والخسوف (۱۰) صلاۃ النوافل الرواتب (۱۱) صلاۃ الخوف (۱۲) صلاۃ الطہور

(۴) المشروع والممنوع

چھوٹے حجم کا یہ رسالہ ۱۱۵/صفحات پر مشتمل ہے۔ شیخ محمد زکی ابراہیم نے اس رسالہ میں گنبد، محراب، شد رحال، توسل، زیارت قبور اور بعد از وفات کرامات کا صدور جیسے اور بھی کئی مسائل پر تعصب سے بلند ہو کر نہایت نفیس انداز میں فقہی گفتگو کی ہے۔ کتاب کے آخر میں ھذا ھو تصوفنا کے عنوان سے آپ کا ایک خطاب بھی شامل ہے جس میں آپ نے تصوف کی حقیقی روح پر روشنی ڈالتے ہوئے متصوفین کا رد کیا ہے۔ آپ ایک مقام پر لکھتے ہے: تصوف کے نام پر جو خرافات اور جہالتیں مسلمانوں میں در آئی ہیں اس میں تصوف کا کوئی قصور نہیں ہے۔ اس لئے

کہ علم تفسیر کے نام پر بے شمار اسرائیلی روایتیں کتب تفسیر میں موجود ہیں۔علم کلام کے نام پر بے شمار گمراہیوں نے جنم لیا۔علم حدیث میں لاتعداد موضوع اور منکر روایتیں ملتی ہیں۔فقہ کے نام پر بہت سے گمراہ کن قیاس لوگوں نے کئے۔لیکن اس سب کے باوجود کوئی اصل علم تفسیر، حدیث فقہ اور کلام اور کورد کرنے کی جرأت نہیں کرسکتا۔ٹھیک اسی طرح اگر تصوف کے نام پر بھی بعض جاہلانہ رسم ورواج وجود میں آ گئے تو ان کی وجہ سے پورے تصوف کورد کر دینا کہاں کا انصاف ہے!!(۱۰)

(۵)الافهام و الافحام

شیخ کی یہ عمدہ تصنیف ۲۰۰/صفحات پر مشتمل ہے۔جس میں آپ نے توسل، زیارت اور حدیث شدرحال اور اس قسم کے دوسرے مسائل پر نہایت فاضلانہ گفتگو کی ہے۔تحریر کی سنجیدگی اور استدلال کی پختگی نے کتاب میں چار چاند لگا دئے ہیں۔آپ ایک مقام پر اولیائے کرام کو متصرف ماننے کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: جب صوفیہ اولیائے کرام کے لئے لفظ"تصرف" استعمال کرتے ہیں تو اس سے ان کی مراد صرف یہ ہوتی ہے کہ اولیائے کرام کو کثرت عبادت وریاضت اور توجہ الی اللہ کے باعث اللہ تعالی کے یہاں ایک خاص مقام اور وجاہت حاصل ہوجاتی ہے۔اور اللہ تعالی ان کو مستجاب الدعوات بنا دیتا ہے۔لہذا جب یہ صالحین بندے اپنی زبان سے کوئی دعا کرتے ہیں، یا اپنے قلب سے متوجہ ہوتے ہیں، یا اپنی روحانیت کو اس جانب ملتفت کرتے ہیں تو اللہ تعالی اپنے خاص فضل وکرم سے اس کو پورا فرما دیتا ہے۔جیسا کہ حدیث قدسی میں آیا ہے: **ولئن سألنی لاعطینه، ولأن استعاذنی لاعیذنه** (۱۱) ایک دوسری حدیث میں آیا ہے: **من شغله ذکری عن مسألتی اعطیته افضل ما اعطی السائلین** (۱۲) حضور ﷺ فرماتے ہیں: **رب اشعث واغبر ذی طمرین مدفوع بالابواب لو اقسم علی الله لابره**۔ لہذا ہرگز کبھی اولیائے کرام کو متصرف کہنے کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ وہ بلا اذن الہی متصرف مستقل ہیں۔ بلکہ یہ صرف اللہ ہی کا فضل وکرم ہے کہ وہ ان کی توجہ اور دعاؤں کو قبول فرمالیتا ہے۔(۱۳)

(۶)اهل القبلة کلهم موحدون

یہ ایک مختصر رسالہ ہے جو ۵۳/صفحات پر مشتمل ہے۔اس کا موضوع جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، یہ ہے کہ اہل قبلہ مسلمان ہیں اور کسی بھی معصیت کے سبب ان کی تکفیر یا تشریک جائز نہیں ہے۔ پوری کتاب چار ابواب میں منقسم ہے۔ پہلے باب میں آپ نے فروعی اختلافات پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا ہے کہ جو شخص بھی اسلامی اصول وعقائد پر ایمان ویقین رکھتا ہے وہ ہمارا بھائی ہے۔اس کی جان، مال اور عزت کو پامال کرنا ہمارے لئے قطعا جائز نہیں ہے۔رہے فروعی مسائل تو اختلاف فہم کی بنیاد پر ان میں پہلے بھی اختلاف ہوا ہے اور آئندہ بھی ہوتا رہے گا۔خود نبی

کریم ﷺ جب حیات ظاہری کے ساتھ جلوہ افروز تھے، اور نزول وحی کا سلسلہ جاری تھا، صحابہ کرام میں اختلاف ہوا اور آپ کی وفات کے بعد بھی صحابہ میں اختلافات پائے گئے۔اس کے بعد ائمہ مجتہدین کے زمانے میں بہت سارے فروعی مسائل میں اختلاف ہوا لیکن کبھی کسی نے کسی کو کافر ومشرک نہیں کہا۔ بلکہ ان کے باہمی احترام کا یہ عالم تھا کہ اگر امام شافعی امام ابوحنیفہ کے مزار پر جاتے تو ان کے مسلک کے مطابق نماز ادا کرتے۔آج بھی انہی اقدار کو از سرنو زندہ کرنے کی ضرورت ہے۔کسی عالم یا فقیہ کو ہرگز یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے اجتہاد کو جبرا دوسروں پر مسلط کرے۔جو لوگ چھوٹی چھوٹی باتوں کو ایمان وکفر کا مسئلہ بنا لیتے ہیں وہ درحقیقت اپنے اس غیر صالح رویہ کی وجہ سے اعدائے اسلام کو تقویت پہنچاتے ہیں۔(۱۴)

کتاب کے دوسرے باب میں آپ نے چالیس حدیثیں نقل کرکے ثابت کیا ہے کہ اہل قبلہ (ضروریات دین کو ماننے والے) کی تکفیر یا تشریک نہیں کی جائے گی۔کتاب کے تیسرے باب میں آپ نے اسی بات کو مختلف مجتہدین اور اہل علم جیسے امام شافعی، امام مالک، امام ابوالحسن اشعری، شیخ ابن تیمیہ، شیخ ابن قیم اور شیخ ابن قدامہ کے اقوال کی روشنی میں ثابت کیا ہے۔ کتاب کے چوتھے باب میں شیخ سلامہ العزامی کا مختصر مضمون شامل ہے جس میں آپ نے اس بات پر زور دیا ہے کہ کفار ومشرکین کے بارے میں نازل شدہ آیات کو مسلمانوں پر چسپاں نہیں کیا جاسکتا۔ پانچویں باب میں حدیث افتراق امت کی تحقیق ہے۔کتاب کے چھٹے اور آخری باب میں شیخ نے اپنی قائم کردہ صوفی اکیڈمی"العشیرۃ المحمدیہ" کی مسلکی اختلافات کی حدت کو کم کرنے کی کوششوں کا ذکر کیا ہے۔

شیخ کی کتابوں کے سرسری مطالعے سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ آپ نے درج ذیل چیزوں پر کافی ارتکاز کیا ہے: (۱) مسلمانوں کو حتی الامکان اتحاد کی دعوت دینا۔(۲) تصوف کو غیر اسلامی نظریات اور اعمال سے پاک کرنا۔(۳) تصوف کی تائید کرنا اور اس سے متعلق مسائل کو دلائل سے واضح کرنا۔(۴) تصوف پر افترا پردازیاں کرنے والوں کا علمی تعاقب کرنا۔

خلاصہ کلام

شیخ محمد زکی ابراہیم ماضی قریب کی جلیل القدر شخصیت ہیں، جنہوں نے اپنی قائم کردہ تنظیم جمعیۃ العشیرۃ المحمدیۃ اور اپنی تصنیفات کے ذریعے دین وتصوف کی بڑی خدمت کی ہے۔آپ کی تصنیفات جس طرح اہل تصوف کے لئے نعمت غیر مترقبہ ہیں ویسے ہی تصوف کے ناقدین کے لئے چشم کشا بھی ہیں۔ ہر دو طبقوں کو تصوف کے حوالے سے بصیرت حاصل کرنے کے لئے ان کی کتابوں اور رسائل کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیے۔

حوالہ جات

(۱) مجلۃ البحوث والدراسات الصوفیۃ، پہلا شمارا، ص:۳۵۔۶۴

(۲) نفس مصدر، ص:۴۲

(۴) نفس مصدر، ص:۴۴

(۵) نفس مصدر، ص:۴۶

(۶) نفس مصدر، ص:۴۷

(۷) نفس مصدر، ص:۵۳

(۸) الامام محمد زکی ابراہیم وجہودہ ومنہجہ فی الاصلاح، ص:۲۷

(۹) جمعیۃ العشیرہ المحمدیۃ کے بارے میں معلومات اس ویب سائٹ سے حاصل کی گئی ہے:(elnady99.tripod.com/resalah.html)

(۱۰) المشروع والممنوع، ص:۱۰۲

(۱۱) صحیح البخاری، رقم الحدیث ۶۵۰۲

(۱۲) سنن الترمذی، رقم الحدیث:۲۹۳۶

(۱۳) الافہام والافحام، ص:۲۶

(۱۴) ملخصا، ص:۵

نوٹ: شیخ محمد زکی ابراہیم کی کتابوں کو درج ذیل ویب سائٹ سے حاصل کیا جاسکتا ہے:
www.alashira.net

○○○

سید ضیاء الدین نقش بندی

حضرت عین اللہ شاہ: شخصیت اور تعلیم

فقیر کو ۳؍اگست ۲۰۰۷ء جمعہ کو الحاج انعام اللہ شاہ صفوی عرف مقصود حسین مقیم بمبئی (خلیفہ ومجاز حضرت بابا سید محمد عین اللہ شاہ صفوی) سے اطلاع ملی کہ حضرت بابا الحاج سید محمد عین اللہ شاہ صاحب صفوی نے یکم رجب ۱۴۲۸ھ/ ۱۶ء جولائی ۲۰۰۷ء صبح ۶؍بجے بروز دوشنبہ کو انتقال فرمایا۔ اس طرح محفل دوشیں کا وہ چراغ سحر جو کئی سال سے ضعف ومرض کے جھونکوں سے بجھ بجھ کر سنبھل جاتا تھا، بالآخر ۸۷ سال ۱۱؍ماہ پندرہ روز جل کر ۱۶؍جولائی ۲۰۰۷ء کی صبح کو ہمیشہ کے لیے بجھ گیا۔

داغ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

اور اپنے ہزاروں معتقدین، مریدین اور مستفیدین کو غمگین ومہجور چھوڑا۔ جناب حاجی مقصود حسین صاحب سے اطلاع ملی کہ حضرت والا نے اپنے وصال سے پہلے بالکل آخری وقت میں اپنے ابوالوقت کے منصب پر فائز ہونے کے سلسلہ میں ارشاد فرمایا تھا، نماز جنازہ حضرت والا کے مخلص جناب مولانا حافظ قاری کلیم اللہ مصباحی نے پڑھائی جس میں کئی ہزار عوام اور بڑی تعداد میں خواص بھی شریک ہوئے۔ اور اسی روز شام کے ۴½ بجے اپنے والد ماجد حضرت سید احسان علی شاہ عرف کملی شاہ چشتی قادری صفوی کے برابر میں (درگاہ شریف حضرت پیر کملی شاہ رحمۃ اللہ علیہ) چونا بھٹی سائن، ممبئی، تدفین عمل میں آئی۔ اب اس دور کا خاتمہ ہوگیا جو حضرت محمد عین اللہ شاہ عرف خلیل احمد صفوی حضرت سید احسان علی شاہ عرف کملی شاہ چشتی قادری صفوی، حضرت خواجہ حبیب اللہ شاہ عرف منشی محمود میاں صاحب کی یادگار تھا اور جس کی ذات میں حضرات چشت اور حضرت سید الاولیا غوث ربانی محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی اور حضرات نقشبند کی نسبتیں یکجا تھیں۔

سلسلۂ عالیہ چشتیہ نظامیہ صفویہ کا اجمالی خاکہ

حضرت الحاج بابا سید محمد عین اللہ شاہ صفوی کا تعلق سلسلۂ چشتیہ نظامیہ کی صفویہ شاخ سے تھا۔اس کے ساتھ آپ جامع السلاسل ہیں یعنی آپ کو چشتیہ سلسلہ کے علاوہ قادریہ، سہروردیہ اور نقشبندیہ خانوادوں کی خلافت اور اجازت حاصل تھی۔اس کی تفصیل ان شاء اللہ آگے پیش کروں گا۔حضرت مخدوم الملۃ شیخ عبدالصمد عرف مخدوم شاہ صفی قدس اللہ سرہ (م ۱۹رمحرم ۹۴۵ھ) جن کا مزار مبارک صفی پور، اناؤ، یوپی میں مرجع خلائق ہے۔

مخدوم عالم شاہ خادم صفی محمدی محبوب رحمانی قدس سرہ

سلسلۂ عالیہ صفویہ نظامیہ چشتیہ کی حضرت مخدوم عالم شاہ خادم صفی محمدی محبوب رحمانی نے تجدید فرمائی۔آپ حضرت مخدوم بندگی شاہ مبارک قدس سرہ کی اولاد امجاد سے تھے۔آپ کی ولادت ۱۲رجب شب دوشنبہ ۱۲۲۹ھ کو صفی پور میں ہوئی، مخدوم الملۃ حضرت شاہ صفی قدس سرہ کے بعد اس سلسلے میں کوئی ایسا نہیں ہوا جس سے آپ جیسی سلسلے کی اشاعت ہوئی ہو۔آپ نے ۴۲ حضرات کو ہر طرح سے تکمیل فرمانے کے بعد خلافت و اجازت سے سرفراز فرمایا تھا۔جن سے نزدیک و دور تک سلسلۂ عالیہ پھیلا، ان خلفا اور پھر خلفا کے خلفا کی خانقاہیں بفضلہٖ تعالیٰ قائم ہیں اور فیض جاری ہے۔

حضرت شاہ خادم صفی محمدی قدس سرہ نے اپنی عمر کے ۵۸ بہاروں کو دیکھا تھا کہ اپنے مرشد کے وصال کے چھ سال بعد ۱۳رجب ۱۲۸۷ھ میں وصال فرما گئے اور صفی پور میں ہی مدفون ہوئے۔ حضرت مخدوم عالم خادم صفی قدس سرہ کا عرس شریف ۱۲ / ۱۳ رجب کو خانقاہ عالیہ صفی پور میں ہوتا ہے۔

حضرت بابا سید عین اللہ شاہ صفوی کو حضرت مخدوم شاہ خادم صفی محمدی قدس سرہٗ سے خاص روحانی نسبت تھی۔اکثر اپنی مجلس میں حضرت والا کے فضل و کمال اور ان کی نظر عنایت کا ذکر خیر فرماتے تھے۔حضرت بابا عین اللہ شاہ المعروف بہ ''باباصاحب'' کے سگے دادا حضرت سید معصوم علی میرٹھی جو صاحب حال و قال بزرگ تھے حضرت شاہ خادم صفی قدس سرہ کے مرید و خلیفہ تھے۔حضرت باباصاحب نے ایک مجلس میں حضرت عزیز اللہ شاہ عرف منشی محمد ولایت علی خان عزیز صفی پوری قدس سرہ کا یہ شعر پڑھ کر سنایا تھا۔

قدم دیکھ کر شاہ خادم کا ہم نے   عزیز آج تک منہ نہ دیکھا کسی کا

پیر طریقت حضرت بابا سید عین اللہ شاہ صفوی کی ولادت مبارک حضرت شاہ عین اللہ عرف شیخ خلیل احمد فاروقی صفوی قدس سرہ کی مبارک دعاؤں کا ثمرہ ہے جو حضرت باباصاحب کے والد ماجد حضرت سید احسان علی شاہ صفوی عرف کملی شاہ قدس سرہ کے پیر و مرشد تھے۔

ولادت

آپ حضرت مولوی پیر سید احسان علی عرف کملی شاہ چشتی صفوی کے فرزند ارجمند ہیں۔ حضرت پیر محمد احسان علی عرف کملی شاہ کی کل چودہ اولادیں ہوئیں جن میں سوائے حضرت بابا عین اللہ شاہ کے سب کا کم سنی میں انتقال ہو گیا۔

حضرت بابا محمد نعیم اللہ عرف عین اللہ شاہ کی ولادت یکم اگست ۱۹۲۸ء/ ۱۳رصفر ۱۳۴۸ھ کو بمقام سائن چونا بھٹی بمبئی میں ہوئی۔حضرت باباصاحب کے والد ماجد حضرت پیر سید کملی شاہ صاحب حضرت مخدوم محمد عین اللہ شاہ عرف خلیل احمد صفوی کے اجل خلفا میں سے تھے۔حضرت بابا کی ولادت بھی اپنے والد ماجد کے شیخ طریقت کی دعاؤں کا ثمرہ ہے۔حضرت باباصاحب نے اس عاجز سے ارشاد فرمایا تھا کہ ''میرے والد ماجد کے شیخ طریقت حضرت محمد عین اللہ شاہ عرف خلیل احمد صفوی کو جب میری ولادت کی اطلاع کی گئی تو بہت خوش ہوئے اور دعائیں دیں اور ارشاد فرمایا کہ نومولود کا نام میرے نام پر عین اللہ شاہ رکھنا اور خود مختصر عرصہ کے بعد وصال کر گئے۔آپ کے والد ماجد نے آپ کا نام نعیم اللہ رکھا تھا لیکن آپ کی شہرت ایک ولی کامل کے عطا کردہ اسم مبارک عین اللہ شاہ سے زیادہ ہوئی۔

خاندانی پس منظر

آپ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ بی کا تعلق حیدرآباد کے عیدروسی سادات خاندان سے تھا۔ آپ کی ولادت کے تقریباً تین ماہ بعد اکتوبر ۱۹۲۸ء عین عالم شیر خوارگی میں آپ کے سر مبارک سے والدہ محترمہ کا سایہ اٹھ گیا۔والدہ ماجدہ کا مدفن چونا بھٹی بمبئی سائن قبرستان ہے۔

حضرت سید عین اللہ شاہ قدس سرہ کا پدری نسبی سلسلہ ایران کے سادات سلاطین صفویہ سے ہے۔حضرت سید عبدالصمد اردبیلی خلیفہ حضرت مخدوم سیدنا زاہد گیلانی قدس سرہ اپنے زمانے کے مشہور صوفی بزرگ اور سادات کرام میں سے تھے انہیں سے آپ کا پدری نسبی سلسلہ ہے۔(مزید تفصیل کے لیے شعر العجم، حصہ سوم ص ۱-۳۰/ از علامہ شبلی نعمانی اور صفوۃ الصفا دیکھیں)

سلاطین صفویہ کے مورث اعلیٰ مشہور صوفی بزرگ حضرت سید عبدالصمد اردبیلی کا سلسلۂ نسب حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ پر منتہی ہوتا ہے۔آپ کی والدہ ماجدہ حضرت سیدہ آمنہ بی صاحبہ کا تعلق یمن کے العیدروس خاندان سے تھا جو حیدرآباد میں آباد ہو گیا تھا۔سادات العیدروس کا سلسلۂ نسب حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔اس طرح حضرت بابا صاحب نجیب الطرفین تھے اور آپ کے والد ماجد اور والدہ ماجدہ دونوں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے شرف نسبی رکھتے تھے۔

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ صفوی نسبت کے حامل مشائخ عظام میں یہ انفرادیت آپ کو حاصل ہے کہ آپ نسباً اور مشرباً دونوں اعتبار سے ''صفوی'' ہیں ۔ یوں تو آپ جامع السلاسل ہیں لیکن سلسلۂ عالیہ چشتیہ نظامیہ کی صفویہ شاخ (جس سے آپ کا، آپ کے والد ماجد اور جد امجد کا تعلق تھا) کے مشائخ عظام کا رنگ آپ میں بہت نمایاں تھا۔

والد ماجد حضرت کملی شاہ

حضرت کملی شاہ آپ کے والد ماجد تھے۔ آپ کے سن ولادت کی تحقیق نہیں ہوسکی۔ انوار احسانیہ مؤلفہ پروفیسر قاضی سید محی الدین نسیم مرحوم کے مطابق حضرت کملی شاہ صاحب کا وصال یکم جمادی الاول ۱۳۵۵ھ مطابق ۲۱/جولائی ۱۹۳۶ء بروز سہ شنبہ ایک سو دس سال کی عمر میں عروس البلاد شہر بمبئی بمقام چونا بھٹی سائن میں ہوا۔ اپنی آخری آرام گاہ کے لیے ایک جگہ چونا بھٹی سائن بمبئی جہاں آج آپ کا آستانہ عالیہ ہے اپنی حیات میں ہی منتخب کرلیا تھا اور اسی قطعۂ اراضی کو آپ کی آخری آرامگاہ بننے کا شرف نصیب ہوا۔ اس حساب سے آپ کا سن ولادت ۱۲۴۵ھ مطابق ۱۸۲۹ء نکلتا ہے۔

حضرت کملی شاہ کے آباو اجداد طریقت میں سلسلۂ عالیہ صفویہ نظامیہ سے پشت در پشت منسلک رہے۔ آپ کے والد ماجد حضرت سید معصوم علی خود ایک کامل صوفی اور اپنے زمانہ کے ولی اللہ تھے۔

آپ کو حضرت مخدوم عالم شاہ خادم صفی محمدی قدس سرہ نے خرقہ واجازت وخلافت سے سرفراز کیا تھا۔ آپ کا قیام شہر میرٹھ میں تھا اور درس وتدریس میں مشغول رہتے تھے۔ حضرت سید معصوم علی بن سید فدا حسین شاہ بن سبحان اللہ میاں بن سید مولانا فخر الدین صفوی تک سب کے سب سلسلۂ عالیہ چشتیہ نظامی صفویہ سے بیعت وارادت رکھتے تھے۔

حضرت سید معصوم علی شاہ صاحب کی ذات بابرکات سے فیضان عام جاری تھا۔

حضرت پیر سید احسان علی عرف کملی شاہ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد بزرگوار سید معصوم علی سے حاصل کی تھی، آپ کے والد ماجد سید معصوم علی ایک جہاندیدہ بزرگ تھے۔ انہوں نے علوم دینی اور دنیوی دونوں پر توجہ دی۔ مولانا حافظ عبد الغفور صاحب سے علوم حدیث وفقہ پڑھے، دیگر اساتذہ کی تفصیل نہیں معلوم ہوسکی۔ ہاں علوم دینیہ سے فراغت کے بعد دستار فضیلت آپ کے سر پر باندھی گئی، اسی طرح سے آپ کے سوانحی حالات میں علم طب میں سند حاصل کرنے کا ذکر ملتا ہے۔ ایام طفلی سے ہی آپ کو شہ سواری اور پہلوانی کا ذوق وشوق تھا، ان فنون میں آپ نے حد سے زیادہ مشق اور مہارت حاصل کی۔

ملازمت

تعلیم سے فراغت کے بعد ۱۸/سال کی عمر میں آپ فوج میں ملازم ہوگئے، آپ نے فوج میں ترقی کے منازل طے کیے اور کم عرصہ میں سالار کا عہدہ آپ کو ملا۔ رسد آپ کی زیر نگرانی میرٹھ سے بھوپال بھیجی جاتی تھی اور بھوپال سے میرٹھ آتی تھی، اس طرح آپ کا ہر ماہ دو ہفتہ قیام بھوپال اور دو ہفتہ میرٹھ میں رہتا تھا، لیکن ملازمت کا سلسلہ زیادہ دنوں تک جاری نہ رہ سکا۔

بیعت وخلافت

آپ کے والد ماجد حضرت سید معصوم علی شاہ نے آپ کی پیدائش کے موقعہ پر ارشاد فرمایا تھا: اللہ تعالیٰ نے میرے گھر میں آفتاب بھیجا ہے اور حضرت شاہ خادم کی امانت ہے۔ انشاء اللہ کل کو حضرت شاہ خادم صفی کے آگے نذر ہوگی۔ اس طرح عین عنفوان شباب میں آپ نے اپنے فرزند ارجمند کو کملی شاہ صاحب خلیل احمد میاں قدس سرہٗ کی خدمت میں صفی پور شریف روانہ کیا۔ حضرت کملی شاہ صاحب اشارہ پاتے ہی بے چون وچرا اپنے والد محترم کے حکم سے صفی پور بھیجے گئے، جب آپ صفی پور پہنچے تو آپ کو حضرت خلیل میاں قدس سرہ سے ملاقات ہوئی، اور اولین ملاقات میں آپ کو دیکھ کر فرمایا تھا تم بہت دیر میں آئے ہو لیکن اللہ کارساز ہے تمہیں اپنے مقصد میں کامیابی حاصل ہوگی۔

آپ کو حضرت خلیل میاں نے بیعت فرما کر منازل سلوک کی تعلیم شروع فرمائی، اب شیخ کی خدمت میں رہ کر تربیت ومجاہدات، مشاہدات کی تعلیم لیتے رہے، صفی پور پہنچ کر آپ اپنے پیرو مرشد کے ایسے ہوگئے کہ ۱۸/سال تک شب وروز اپنی خدمت بحسن وخوبی انجام دیتے رہے۔ بلاشبہ یہی وہ دور ہے کہ تمام منازل اپنے پیر طریقت کی رہنمائی میں آپ نے نہایت سعادت مندی سے طے کیں اور ہر کسوٹی پر پورے اترے۔

خرقۂ خلافت

۱۸/سال کی مسلسل جد وجہد کے بعد آپ کے پیرو مرشد نے جمیع سلاسل کی اجازت وخلافت کی سند سے سرفراز فرمایا، اور صفوی سلسلہ کے دستور کے مطابق آپ کو سرکاری نام ''کملی شاہ'' عطا فرمایا۔ اس طرح آپ کا نام نامی اسم گرامی حضرت پیر سید احسان علی عرف ''کملی شاہ'' مشہور ہوا۔ آپ کے پیرو مرشد حضرت خلیل میاں قدس سرہ نے آپ کو سیر وسیاحت کا حکم فرمایا۔

سیر وسیاحت: آپ کے اسفار کی تفصیل کی اس مختصر مضمون میں گنجائش نہیں، حضرت پیر سید احسان علی عرف ''کملی شاہ بابا'' کے تفصیلی حالات کے لیے انوار احسانیہ (مؤلفہ پروفیسر قاضی سید محی الدین فخر الدین نسیم مرحوم) کا مطالعہ کریں، یہاں اجمالاً میں آپ کے حالات بیان کر رہا ہوں۔

غرض اپنے پیرومرشد سے سفر اور سیاحت کا اشارہ پاتے ہی ۱۸ رسال کے طویل عرصہ کے بعد پہلے اپنے والدین کرام سے ملاقات کے لیے میرٹھ روانہ ہو گئے، آپ کے والد ماجد حضرت سید معصوم علی شاہ صاحب آپ کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ اس کے بعد آپ نے والدہ ماجدہ اور دیگر اعزہ واقارب سے ملاقات کی۔ آپ کے والد بزرگوار نے آپ کو حضرت پیرومرشد خلیل میاں کے تمام تر احکامات پر مکمل طور پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کی اور مزید دعاؤں کے زیر سایہ اجازت سفر دی، حضرت پیر کملی شاہ نے بوقت رخصتی اپنے والد ماجد سے وعدہ کیا کہ نہ تو میں ہی اور نہ ہی میری اولاد شہر میرٹھ میں آئندہ سکونت اختیار کرے گی۔ غرض کہ آپ کے والدین اور دیگر اعزہ و اقارب نے اظہار شفقت ومحبت کے ساتھ آپ کو الوداع کیا۔

دوران سفر آپ نے دہلی، گجرات، ممبئی، سندھ ملتان، راجستھان کے اولیائے عظام کے آستانوں کی زیارت کرتے ہوئے گجرات سے مکہ معظّمہ بھی آپ پیادہ پا منزلوں پر منزلیں طے کرتے ہوئے پہنچے۔ اسی سیر وسیاحت کے دوران آپ نے چار حج کیے جن میں سے ایک حج آپ نے پاپیادہ کیا، اسی سیر وسیاحت کے دوران آپ کے تقریباً ۴۰ رہزار لوگ مرید ہو گئے۔ بعد حج آپ کا ۴ رسال کا قیام بغداد شریف میں رہا، بغداد شریف کے قیام کے دوران آپ کا زیادہ تر وقت آستانہ حضرت غوث الاعظم پر ہی گزرتا تھا۔ بعد نماز عشا مزار مقدس پر مراقبہ اور دوسرے شغل میں مشغول رہنا آپ کا معمول تھا۔ بغداد شریف کے قیام دوران وہاں حضرت سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کے آستانۂ عالیہ کے سجادہ نشین نقیب الاشراف حضرت پیر سید ابراہیم سیف الدین گیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو سلسلۂ قادریہ کی خلافت واجازت کی سند سے سرفراز فرمایا۔ عراق کے دوران قیام بغداد کے اطراف واکناف کے مقدس مقامات کی زیارت کے ساتھ کربلائے معلیٰ اور نجف اشرف کی بھی زیارت کی۔

امیر المؤمنین حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کے باطنی اشارہ سے واپس ہندوستان بمبئی آئے، بمبئی میں چھ مہینے قیام کے بعد آپ نے صفی پور کے ارادے سے سفر فرمایا اور وہاں اپنے پیرومرشد حضرت خلیل میاں کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

آپ کے پیرومرشد حضرت خلیل احمد صفوی آپ کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور مزید دعاؤں سے نوازکر فرمایا کہ تم ایک سیاح کی حیثیت سے آئے ہو، آپ مطلب سمجھ گئے چندروز قیام صفی پور رہا اور پھر سفر پر روانہ ہو گئے، پاکپتن شریف حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر کے مزار مبارک پر حاضری دی اور تقریباً دو ماہ آپ کا یہاں قیام رہا پھر وہاں سے ہانسی آئے اور حضرت خواجہ حافظ جمال الدین ہانسوی کے یہاں حاضری دی اور چندروز قیام کرکے پھر بمبئی واپس آ گئے۔

سیر سیاحت کے دوران وقفہ وقفہ سے حضرت خلیل میاں قدس سرہ کی خدمت میں آپ برابر حاضر ہوتے رہتے تھے، ایک مرتبہ حضرت خلیل میاں نے حکم فرمایا کہ آپ مغربی ہندوستان خاص کر شہر ممبئی چلے جایئے اور سلسلہ کا نام روشن کیجیے، خدمت خلق کو تاحیات جاری رکھیے اور اسی سبب سے آپ بمبئی میں مستقل اقامت گزیں ہوئے، گجرات میں شہر بھروچ دریائے نرمد کے کنارے ایک خانقاہ اور مدرسہ آپ نے قائم کیا تھا جس کے آثار آج بھی موجود ہیں، آپ کے صاحبزادے خواجہ محمد محسن کا آٹھ سال کی عمر میں وصال ہو گیا تھا ان کی والدہ ماجدہ حبیبہ صاحبہ اور آپ کی دوسری اہلیہ جاورہ والی ماں صاحبہ ان سب کے مزارات بھروچ کی خانقاہ کے احاطہ میں ہیں۔

بمبئی میں قیام: بھروچ کو چھوڑ کر اپنے پیرومرشد کے ایما پر آپ نے بمبئی میں مستقل قیام فرمایا بمبئی میں عطار گلی، حوالدار گلی (پیرولین) میں آپ کا قیام رہا۔ عقیدت مندوں کا ہجوم صبح سے شام تک آپ کی خدمت میں حاضر رہتا تھا، آپ نے حوالدار گلی (پیرولین) میں ایک لائبریری بھی قائم کی تھی جس میں اس وقت تقریباً چھ ہزار کتابیں تھیں۔

مطب اور پریس کا قیام

بمبئی میں قیام کے دوران آپ نے بھنڈی بازار وزیر بلڈنگ میں ایک مطب ۱۹۲۶ء میں قائم کیا تھا چونکہ آپ فاضل طب تھے اور ساتھ میں ۸ ربڑے اطبا کے صحبت یافتہ تھے، مریضوں کا بہت رجوع تھا اس سے قبل آپ نے ۱۹۲۱ء میں جیل روڈ، ڈونگری (بمبئی) کے علاقہ میں صفی پریس قائم کیا تھا، اس پریس کا خاص مقصد اشاعت دین کے لیے کتب ورسائل وکتابچے نیز بزرگان دین کی سوانح اور ان کی سیرت شائع کرنا تھا، اسی سال ۱۹۲۱ء میں صفی پریس سے آپ نے ماہانہ ''عرفان'' کا اجرا کیا، اس کے علاوہ خود آپ کی کئی تصنیفات وتالیفات زیور طباعت سے آراستہ وپیراستہ ہوکر شیدائیان دین وبزرگان دین میں بے حد مقبول ہوئیں۔

خانقاہ بمبئی

۸ راگست ۱۹۲۸ء کو آپ کے مسترشد حاجی عثمان کھتری نے آپ کی پسند کے مطابق خانقاہ کے لیے ایک قطعہ اراضی بمقام چونا بھٹی سائن لے کر خانقاہ کی بنیاد رکھی، یہی وہ خانقاہ ہے جہاں آپ کا مزار مرجع خلائق ہے، آپ کے وصال کے بعد یہی جگہ آپ کے صاحبزادے حضرت بابا سید عین اللہ شاہ کی قیام گاہ اور نشست گاہ رہی اور حضرت بابا صاحب کے وصال کے بعد موجودہ سجادہ نشین سید احسان جامی میاں اسی طرح یہاں تشریف رکھتے ہیں، جہاں عوام وخواص کی ایک بڑی تعداد زندگی کے مختلف مسائل اور ان کے حل، علاج ومعالجہ کے لیے رجوع کرتی ہے۔ ہر سال یکم جمادی الاولیٰ (تاریخ وصال حضرت کملی شاہ بابا) اور یکم رجب (تاریخ وصال حضرت بابا سید عین

اللہ شاہ) کو دونوں بزرگوں کا عرس بہت تزک واہتمام سے ہوتا ہے جس میں بہت بڑا مجمع ہوتا ہے۔

غذا اور لباس

روزانہ بعد نماز عشا طعام تناول فرماتے ،روزانہ صرف ایک بار کھانے کا معمول تھا، اگر کسی روز کھانے میں تاخیر ہوتی تو پھر دوسرے دن ہی بعد نماز ظہر کھانا تناول فرماتے ،البتہ چائے نوشی کثرت سے کرتے ،کھانے میں ہلکا سوپ بغیر روغن کی چپاتی اور شوربہ ہوتا، چپاتی کو اچھی طرح سے شوربہ میں چور کر کے چمچے سے تناول فرماتے ۔

اکثر بیشتر تہبند کرتا زیب تن کرتے ،ایک بار استعمال شدہ لنگی (تہ بند) دوبارہ استعمال نہیں کرتے تھے، یہ استعمال شدہ تہ بند مریدین بطور تبرک لے جاتے موسم سرما میں اونی جاکٹ استعمال فرماتے تھے، سر پر عمامہ باندھنے کا معمول تھا جو عام طور پر ململ کا ہوتا ہے۔

معمولات شب و روز

چوبیس گھنٹہ میں صرف ۲ گھنٹے دو پہر کو آرام کرتے تھے، آپ انتہائی کم گو تھے البتہ نصف شب کے بعد آپ پر ایک خاص کیفیت طاری ہوتی اور اس رنگ میں آپ اولیائے عظام کا تذکرہ نہایت والہانہ انداز میں بیان کرتے ،ساتھ ہی لوگوں کو مختلف امراض کی دوائیں بتاتے ، دعا کرتے اور عملیات بھی بتاتے ، آپ احکام شریعت پر سختی سے کاربند تھے۔

حزب البحر ، دلائل الخیرات ، چہل اسما ،معمول چہار شنبہ ،حرز یمانی ،دعائے حیدری ،مزمل شریف ،تلاوت قرآن کریم ،درود شریف کے اوراد و وظائف کے ساتھ مراقبات واشغال میں مشغول رہتے تھے، مچھلی بہت کم کھاتے تھے۔

جو بھی نذرانہ اور تحائف آتے تھے اسے حاجت مندوں میں تقسیم کر دیا جاتا اور کوئی بھی چیز باقی نہیں رکھی جاتی ، آپ اس اصول پر تاحیات کاربند رہے، نیز خدام کو بھی نہایت سختی سے اس کی تاکید کی جاتی تھی ، آپ دوسروں کو کھانا کھلانے میں انتہائی مسرت محسوس کرتے تھے ،اکثر مہمانوں اور مریدوں کی پسند کے مطابق کھانے کا اہتمام کیا جاتا ،حتی الامکان کوشش یہی ہوتی کہ مہمان بغیر کھانا کھائے نہ جانے پائے۔

محفل سماع

سماع کے شائقین میں سے تھے ،رات کو اکثر محفل سماع منعقد ہوتی ،عالم وجد میں کبھی کبھی رقص بھی فرماتے تھے۔

آخر عمر تک بینائی قائم رہی اور عینک لگانے کی نوبت نہیں آئی ،تعویذ لکھ کر بہت کم دیا کرتے ،شاید سال میں دو چار لوگوں کو ہی تعویذات دیتے تھے۔

حضرت کملی شاہ کا وصال یکم جمادی الاول ۱۳۵۵ھ بروز سہ شنبہ مطابق ۲۱ جولائی ۱۹۳۶ء جو سوا سات بجے بمبئی میں ہوا اور چونا بھٹی سائن میں جہاں آپ کا مزار پرانوار ہے تدفین ہوئی آپ کے یوم وصال پر ہر سال تزک واحتشام سے عرس منایا جاتا ہے۔

عبادات وفضائل

آپ کے بچپن اور تعلیم کی مکمل تفصیل نہیں ملتی ،حضرت عین اللہ شاہ جب چھ برس کے تھے اس وقت وہ اپنے والد بزرگوار کی رفاقت میں مسلسل نو ماہ سفر میں رہے۔اس دوران آپ نے ٹھٹھ (سندھ) راجستھان اور دیگر مقامات کی سیر و سیاحت کی ۔والدہ ماجدہ کے انتقال کے بعد آپ کے آستانہ عالیہ سے ملحقہ اطراف کے مکینوں نے جن میں بیشتر غیر مسلم تھے آپ کی نگہداشت کی ۔تقریباً ایک سال بعد آپ کے خلیفہ حضرت خواجہ حبیب اللہ شاہ عرف منشی محمود جو حالت جذب میں تھے ہوش میں آئے اور ان کو حضرت پیر و مرشد کملی شاہ کے وصال کی خبر ملی۔ حضرت منشی محمود میاں نے آپ کی سرپرستی قبول کی اور دل جوئی سے آپ کی تعلیم و تربیت فرمائی اور بعد میں خلافت سے نوازا۔

مربی و مرشد حضرت حبیب اللہ شاہ

حضرت خواجہ حبیب اللہ شاہ عرف منشی محمود آپ فرخ آباد یوپی کے رہنے والے تھے، آپ کے والد بزرگوار کا بسین میں ماہی فروشی کا کاروبار تھا۔آپ کو کل چودہ زبانوں پر کامل عبور تھا۔ برٹش دور حکومت میں غیر ممالک سے آنے والے خطوط کے ''سینسر ڈپارٹمینٹ'' سے منسلک تھے۔ ایک بیوی اور بچی تھی ، بچی کی رحلت کے صدمہ کے زیر اثر بھی داغ مفارقت دے گئیں، اس حادثہ کے بعد آپ نے دنیا سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور حضرت کملی شاہ کی خدمت اقدس کو ہی اپنی زندگی کا نصب العین بنالیا۔

آپ ہی مطبع صفی کے منتظم اعلیٰ تھے، سات سال کا عرصہ حالت جذب اور برہنگی میں بسر کیا جب آپ حالت جذب میں تھے تو حضرت کملی شاہ کا وصال ہوا، حضرت کملی شاہ کے وصال کے ایک سال بعد جب کیفیت جذب سے عالم ہوش میں آئے تب اپنے پیر و مرشد کی رحلت کی خبر سنی اور یہ اطلاع دی گئی کہ آپ کے پیر و مرشد کے ایک آٹھ سالہ فرزند حضرت سید محمد نعیم اللہ عرف عین اللہ شاہ ہیں، آپ نے حضرت سید عین اللہ شاہ کی بحسن و خوبی کفالت اور تعلیم و تربیت کی ذمہ داری اپنے اصولوں پر کاربند رہ کر کڑی نگرانی میں انجام دی۔آپ غریبوں کو کھانا کھلا کر بہت خوش ہوتے تھے ، آپ کا وصال ۵ / ذی القعدہ ۱۳۸۹ھ کو ہوا آپ کا مزار پر انوار ناریل باڑی قبرستان مجگاؤں بمبئی میں ہے۔

عین اللہ شاہ کی تعلیم وتربیت

حضرت بابا سید عین اللہ شاہ کی شخصیت پر سب سے زیادہ اثر ان کے والد ماجد اور پیرومرشد حضرت منشی محمود میاں کا ہے۔ دونوں سے بے پناہ عقیدت ومحبت تھی۔

تعلیم وتربیت

کن اساتذہ سے آپ نے تعلیم پائی اس کا ذکر نہیں ملتا ہے، راقم الحروف کا تقریباً ۳۰ رسال (۱۹۷۷-۲۰۰۷) کا ساتھ رہا ہندوستان کے علاوہ جدہ میں بھی ملاقات کا شرف حاصل ہوا حضرت کی دلنشیں گفتگو نے ہمیشہ مسحور اور گرویدہ رکھا، اثنائے گفتگو احادیث رسول، آیات قرآنی اور ملکی سیاست، طب، علم جفر، علم الاعداد، روحانیت، تاریخ، سائنس، علم الحیوانات، شجرکاری سے متعلق معلومات، جڑی بوٹیوں کے فوائد، عالمی سیر وسیاحت کے تذکرے، ارض مقدس اور درحبیب صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضری کی وجدانہ کیفیات کے واقعات، بزرگان دین کے آستانوں کی قدم بوسیاں، زندگی میں رونما ہونے والے مختلف حادثات، دیگر مذاہب کی اہم شخصیات سے ملاقاتوں کی یادیں، مشاہیر عالم کے حالات، لاعلاج امراض کا درمان، خود اپنے لیے، ساتھ میں دوسروں کے کام آنے والے طبی مشورے اور نسخے، روحانی علاج، اسی دوران کچھ پندونصائح اور احتیاطی تدابیر، فارسی اور اردو اشعار کا برمحل استعمال غرض صدہا موضوعات پر حضرت بابا کا بے تکان اظہار خیال اس طرح محویت میں کئی گھنٹے ان کی صحبت میں گذر جاتے لیکن اس کا احساس تک نہیں ہوتا۔ غرض یہ کہ حضرت منشی محمود نے حضرت بابا کو کیسا بنایا کس قدر سنوارا اور کیا کچھ عطا فرمایا تھا، اس کو تو اہل نظر ہی جان اور سمجھ سکتے ہیں۔ بیدل عظیم آبادی کے الفاظ میں:

در عالمے کہ از خود رنگے نبود مارا
بودیم آں چہ بودیم او وا نمود مارا

یہ سب کچھ حضرت منشی جی کی تربیت کا ثمرہ تھا کہ بقول شخصے حضرت بابا کو ہر اعتبار سے کامل پایا۔

پیرومرشد کا انداز تربیت

بابا عین اللہ شاہ نے جب عالم شباب میں قدم رکھا تو ایک روز پیرومرشد منشی جی نے آپ سے ارشاد فرمایا کہ اس لباس کو ترک کرنا ہوگا، صفوی سلسلہ کی روایات کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے آپ کو زرد رنگ کا پیرہن وخرقہ اور زرد رنگ کا تہ بند اور صاف کپڑے پہننے کا حکم دیا، بعد ازیں فرمایا کہ اب اسی لباس میں ایک سال تک سیاحت کرتے ہوئے تمام بزرگان دین کے مزارات پر حاضری دے کر فیوض وبرکات کے طالب ہوں، اس طرح اس لباس میں آپ نے ہندوستان کے تمام مرکزی آستانوں پر حاضری دی اور ایک سال کے عرصہ کے بعد واپس بمبئی آئے، بمبئی واپس آنے

کے بعد ایک روز آپ نے بلا کر فرمایا "یہ کیا لباس پہن رکھا ہے اب اس کی ضرورت نہیں اس لیے کہ جس مقصد کے تحت یہ لباس پہنایا گیا تھا وہ حاصل ہوگیا۔ اب روزمرہ کا لباس زیب تن کیجیے اور دینی فرائض کے ساتھ دنیوی فرائض کو بھی سرانجام دینے میں مصروف ہوجایئے"۔

کبھی کبھی نماز کے اوقات میں حضرت بابا سید عین اللہ شاہ کو مسجد کے صدر دروازے پر کھڑا کر کے فرماتے نمازیوں کی چپلوں کی حفاظت کرو، حضرت منشی محمود میاں اکثر فرمایا کرتے کہ عبادت لوگوں کو دکھانے کی خاطر کبھی نہ کریں، عبادت تو خالص اللہ تعالیٰ کی خاطر کرنی چاہیے۔

ایک بار رات میں پا پیادہ دوری پر واقع ایک کیمسٹ کی دوکان سے جو شب وروز کھلی رہتی تھی ٹوتھ برش لانے کا حکم دیا، پہلی بار جب ٹوتھ برش لے کر آئے تو فرمایا کہ یہ تو بہت سخت ہے، نرم لے کر آؤ دوسری بار برش لینے کے لیے گئے اور حسب فرمان لے کر حاضر خدمت ہوئے تو فرمایا کہ یہ بہت ہی نرم قسم کا ہے۔ درمیانی قسم کا لے کر آؤ، تیسری بار جب حسب فرمائش وہ برش لے کر لوٹے صبح ہو چکی تھی، کہا جاؤ اب استراحت کرو۔

اس طرح کے بہت سے واقعات حضرت بابا سید عین اللہ شاہ کو منشی جی کی صحبت میں پیش آئے، ان تمام واقعات کا جو آپ کی تربیت کے دوران پیش آئے ان کا مقصد یہ تھا کہ آپ کا وجود مسعود ہر طرح کی انانیت سے بالکل پاک ہوجائے، حضرت منشی محمود میاں نے راہ سلوک کے نشیب وفراز سے آپ کو روشناس کرایا اور آپ کو جمیع سلاسل کی خلافت واجازت سے نوازا۔

خدمت خلق: حدیث شریف میں ہے کہ :**الخلق عیال اللہ فاحب الخلق الی اللہ من احسن الی عیالہ** (مشکوٰۃ شریف باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق بحوالہ شعب الایمان) تمام مخلوق اللہ کی عیال ہے اور اللہ کے نزدیک محبوب تر مخلوق وہ ہے جو اس کے عیال کے ساتھ حسن سلوک کرے۔

حضرت بابا سید عین اللہ شاہ کا پورا وجود اور پوری زندگی اس حدیث کی عملی تفسیر تھی، وہ سراپا رحم و کرم، محبت وشفقت، ہمہ تن خدمت وہمدردی اور پیکر سلوک وعنایت تھے، آپ ایک سند یافتہ ڈاکٹر اور ماہر طبیب بھی تھے، مختلف امراض کے لیے اس کی مناسبت سے آپ یونانی، ہومیو پیتھک، بایوکیمک کے نسخے اپنی نگرانی میں بنوا کر مریضوں کو دیتے تھے، علم جفر میں آپ کا ایک امتیازی مقام تھا، روحانی علاج کے لیے بھی آپ کافی مشہور تھے، خاص کر اس پیرانی سالی میں عاجز راقم الحروف نے دیکھا کہ آستانہ کملی شاہ پر خود کے مطب میں ہفتہ اور اتوار کے روز سیکڑوں آدمی مصائب سے پریشان ہوکر مسلم، غیر مسلم حضرت کی خدمت میں آتے اور مسرور ومطمئن ہوکر واپس جاتے تھے، بھوک وپیاس سے بے نیاز ایک ہی جگہ بیٹھے تین تین سو مریضوں کے لیے نسخے تجویز کرنا، انہیں دوائیاں فراہم کرنا مختلف لوگوں کی زندگی کے مختلف مسائل اور ان کا حل پیش کرتے رہنا ان کا شیوہ تھا،

اگر تعویذ کی ضرورت ہوتی تو وہ بھی عطا فرماتے ، اللہ تعالیٰ نے آپ کے دست مبارک میں ایسی تاثیر بخشی تھی کہ عموماً لوگوں کی حاجات حق تعالیٰ آپ کے طفیل پوری فرما دیتا، مریض شفایاب ہو جاتے تھے، کثرت سے غیر مسلمین آتے تھے وہ اپنی پریشانیوں کا مداوا لے کر جاتے تھے، ایسے واقعات کثرت سے دیکھنے میں آئے کہ ازخود سائل کی روداد سنے بغیر اس کے آنے کا مقصد اور حل بیان فرماتے ، آئندہ کیا واقعات رونما ہو سکتے ہیں اس کی احتیاطی تدابیر بیان کرتے ، بعض نے اگر ان تدابیر پر توجہ نہ دی تو اس کی وجہ سے نقصان بھی اٹھایا جس کے چشم دید گواہان آج بھی موجود ہیں۔

ایک بار دوران گفتگو آپ نے فرمایا کہ میں حاجت مندوں، ضرورت مندوں، مریضوں کے لیے کئی کئی گھنٹہ لگا تار بیٹھا رہتا جب کہ میرے گھر میں فاقہ ہوتا۔

فرمایا کہ مجھ میں کوئی خوبی نہیں ہے لیکن ایک خوبی ہے جسے تحدیث نعمت کے طور پر بیان کرتا ہوں کہ میں بچپن میں یتیم ہو گیا، طرح طرح کے مصائب اٹھائے اللہ عزوجل کے فضل سے پائے ثبات کو لغزش نہیں آئی ، اگر ساری عمر میں کوئی بھی فرد واحد یہ ثابت کر دے کہ میں نے کسی سے بھی ایک روپے کا سوال پوری زندگی میں کیا ہے تو گردن کٹانے کو تیار ہوں۔

لنگر عام

لنگر عام تھا، سارے آنے والوں کی مٹھائی ، چائے وغیرہ سے ضیافت کرتے ، اس فقیر نے بارہا دیکھا کہ دوپہر میں ہر شخص کو بلا تفریق مذہب وملت کھانا ضرور پیش کرتے ، بزرگان دین کے اعراس کی فاتحہ کا خاص اہتمام فرماتے اور کثیر تعداد میں لوگ شریک ہو کر لنگر سے فیض یاب ہوتے۔

سماع

سماع کے شائقین میں سے تھے، برصغیر کے نامور قوالوں نے آپ کے والد ماجد کے عرس کے موقعہ پر درگاہ شریف پر حاضری دی اور کلام پیش کیا، جن میں عبدالرب چاؤش، غلام فرید ومقبول صابری برادران، نصرت فتح علی، حبیب پینٹر، عبداللہ نیازی سرفہرست ہیں، ان کے یہاں جیسی آراستہ پیراستہ ، مہذب اور متین محفل ہوتی تھی ویسی محفل خصوصا بمبئی کے حدود میں اور کہیں نہیں ہوتی، اس میں جو نعتیں، منقبتیں اور غزلیں پڑھی جاتی تھیں، بہت ہی اعلیٰ معیار کی ہوتی تھیں۔

علمی ذوق: آپ بلند علمی ذوق کے حامل تھے، مختلف ادیان کا دقت نظر سے مطالعہ فرمایا تھا۔ ادبیات عربی ، فارسی اور اردو سے آپ کا گہرا تعلق تھا۔ تفسیر، حدیث، فقہ، تصوف، اولیائے عظام اور بزرگان دین کے تذکرے، ادب، تاریخ، طب، علم جفر وغیرہم مختلف علوم وفنون کی کتب آپ کے زیر مطالعہ رہتی تھیں، شعری ذوق بہت بلند تھا۔ اردو فارسی کے صدہا اشعار ازبر تھے، دوران گفتگو برملا اشعار نوک زبان پر آتے ، آپ کا سنایا ہوا ایک شعر ناظرین کی نذر ہے:

نہ ہر آہے قبول افتد، نہ ہر اشکے اثر دارد
یکے گوہر شود از صد، ہزاراں قطرہ باراں را

آپ کے پاس مختلف موضوعات پر اچھی کتابوں کا بڑا ذخیرہ تھا وصال سے پہلے ''تاریخ ابن خلدون'' کا پورا سیٹ اپنے خلیفہ حاجی مقصود حسین المعروف بہ ''انعام اللہ شاہ'' کے ذریعہ مخدومی ابو سعید میاں صاحب (سجادہ نشین درگاہ حضرت سلطان العارفین شاہ عارف صفی قد س سرہ، سید سراواں شریف الہ آباد) کو عطا فرمایا، تصنیف وتالیف سے دلچسپی تھی۔ مندرجہ ذیل کتابیں آپ کے زیر نگرانی شائع ہو کر قارئین کے لیے تسکین قلب ونظر کا سامان ہوئیں۔

(۱) افادات سید محمد عین اللہ شاہ صفوی: یہ کتاب آپ نے ۱۴۱۲ء ۱۹۹۲ھ میں آستانہ عالیہ حضرت کملی شاہ کی طرف سے شائع فرمائی، یہ آپ کی تصنیف لطیف ہے۔ کتاب کے شروع میں ''اس کتاب سے فیضیاب کیسے ہوں؟'' کے تحت آپ رقم طراز ہیں:

''اس بیاض میں کچھ عملیات حضرت خادم صفی رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں، جو صفوی سلسلہ کے ایک اہم بزرگ اور برگزیدہ شخصیت تسلیم کئے جاتے ہیں۔ کچھ عملیات آپ کے خلیفہ حضرت قل ہو اللہ شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں، کچھ حضرت ظہور اللہ شاہ صاحب (خلیفۂ حضرت شاہ عارف صفی) کے ہیں، بعض اس کمترین کے مجربات ہیں جو بزرگوں سے عطا ہوئے۔''

ایک جگہ لکھتے ہیں: اس بیاض یا مجموعہ یا تعویذات کو ترتیب دینے کا خیال احباب کی ضد اور اصرار، ساتھ ہی علم کے عام کرنے کا خیال ہے۔

آثم راقم کو یہ شرف حاصل ہے کہ حضرت بابا سید عین اللہ شاہ قدس سرہ نے از راہ عنایت وذرہ نوازی اس کتاب میں موجود سارے عملیات کو بخش کر احسان عظیم فرمایا۔ اس وقت حضرت کا عطا کردہ نسخہ پیش نظر ہے۔

(۲) ''انوار احسانیہ'' مؤلفہ پروفیسر قاضی سید محی الدین فخر الدین نسیم، اس کتاب میں حضرت بابا کے والد حضرت سید محمد احسان علی عرف کملی شاہ کے روح پرور حالات زندگی کے ساتھ ساتھ سلسلہ قادریہ، نقشبندیہ، سہروردیہ، چشتیہ نظامیہ اور چشتیہ نظامیہ صفویہ کے مشائخ عظام کا مختصر ذکر ہے ۔ پروفیسر قاضی محی الدین ''حرف اولین'' کے تحت رقم طراز ہیں ''قبلہ موصوف ''حضرت بابا سید عین اللہ شاہ سے بالمشافہ ملاقاتوں اور گفتگو کے دوران حاصل کردہ معلومات کی بنا پر ہی اس کتابچہ کو مرتب کرنے کی جسارت یہ بندۂ حقیر وفقیر کر پایا ہے، نیز قبلہ محترم کی رہنمائی اور ہدایات کو مدنظر رکھتے ہوئے اور ان ہی کی دعاؤں کے زیر سایہ اسے ضبط تحریر میں لانے کی جرأت کر پایا ہوں''۔

اس کمترین کے پیش نظر وہ نسخہ ہے جو حضرت بابا نے اپنے دست مبارک سے اس کو عطا

فرمایا تھا، یہ کتاب حضرت بابا کے مریدوں کے علاوہ علمی حلقہ میں بھی مقبول ہوئی۔

(۳)''اسمارالاسرار'' مصنفہ حضرت خواجہ بندہ نواز سید محمد گیسودراز کیفیات وتجلیات کا آئینہ ہے، مترجم پروفیسر قاضی سید محی الدین فخر الدین نسیم کے الفاظ میں بابا سید عین اللہ شاہ کے دل پر اس کا تقاضہ ہوا کہ ''اس تصنیف اسمارالاسرار'' کا ترجمہ سلیس رواں دواں اور عام فہم اردو میں کرایا جائے تاکہ وہ فارسی نسخے جہاں کہیں بھی کتب خانوں کی زینت بنے ہوئے ہیں اس سے کم از کم اردو داں اہل تصوف طبقہ مستفیض ہوسکے اور اسے طالبان معرفت تک پہنچایا جا سکے، اسمارالاسرار کا اردو ترجمہ حضرت بابا کے سعی بلیغ کا ثمرہ ہے۔

اس کے مقدمہ میں مشہور صحافی اور نقاد شمیم طارق رقم طراز ہیں ''پیر طریقت صاحب روشن ضمیر حضرت سید عین اللہ شاہ صفوی قدس سرہ نے اہل اللہ اوران کے احوال واقوال سے تعلق خاطر رکھنے والوں پر بڑا احسان کیا ہے۔''اسمارالاسرار'' کو فارسی سے اردو میں ترجمہ کروا کے اس کی افادیت کو عام کرنے کی کوشش کی ہے، خانقاہ گلبرگہ کے حضرت صاحب سجادہ مدظلہ سے اصل نسخہ کا حصول، ترجمہ اور پھر طباعت فضل الٰہی کے بغیر ممکن نہیں تھی، اللہ ہی نے اسے نافع بنایا ہے اور اللہ ہی اس کی اشاعت میں کسی طرح بھی کوئی اعانت کرنے والوں کو اجر عظیم سے نوازے گا۔

''اسمارالاسرار'' کے اردو ترجمہ کا نسخہ حضرت بابا بہت احتیاط سے منتخب اہل علم وفضل کو اپنی طرف سے پیش کرتے تھے، اللہ عزوجل کا اس سراپا خطا کار راقم الحروف پر خصوصی فضل شامل حال تھا کہ حضرت بابا نے اسماءالاسرار کا مترجم نسخہ اپنے دست مبارک سے حاضرین کے سامنے یہ کہہ کر عطا فرمایا کہ ''یہ گھر کے آدمی ہیں''۔ اس اہم کتاب کو راقم نے محبّی ومخدومی حضرت ڈاکٹر مسعود انور علوی کاکوروی مدظلہ (پروفیسر وصدر شعبۂ عربی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڈھ) کو پیش کر دیا کہ صحیح معنوں میں وہ اس کے حقدار ہیں۔

طرز زندگی: اللہ عزوجل نے آپ کو ظاہری وجاہت سے نوازا تھا اور ساتھ میں بلند جمالیاتی ذوق بھی عطا فرمایا تھا، آپ کے لباس، استعمال کی چیزوں میں درگاہ شریف کے اندر خانقاہ کے در و بام میں حد درجہ حسن دیکھا، مجاور، مسترشدین ومتوسلین خانقاہ کے اعلیٰ نظم ونسق، صفائی ستھرائی میں ہمیشہ مدومعاون رہتے ہیں۔

اکل حلال پر ہمیشہ بہت زور دیتے، فرماتے ''اکل حلال نصف عبادت ہے۔'' خود شروع کی زندگی میں عرصہ تک ٹیکسی چلا کر روزی کمائی اور ہمیشہ حلال رزق سے اپنی اور اہل خانقاہ کی جملہ ضرورتوں کو پورا کیا۔

فرمایا: ''اللہ جل شانہ سے دل کی گہرائیوں سے میں نے یہ دعا مانگی تھی کہ مجھے فقیر رکھنا لیکن

بادشاہ بنائے رکھنا اور آج یہ عالم ہے کہ ''باکلاہ منداں زہر دو جہاں آزادم''

حقوق العباد کی ادائیگی پر بہت زور دیتے، فرماتے کوئی تعویذ یا عمل جائز یعنی شرعی طور پر صحیح معاملہ میں ہی دیا جائے یا جو عمل مذہب ومعاشرہ میں فساد پیدا کرے گناہ گنا جاتا ہے۔ باریک بینی سے معاملہ کو سمجھ کر تعویذ یا عمل کرو، ورنہ اکثر رجعت کا خطرہ رہتا ہے۔

فرماتے تھے: صرف اور صرف شریعت ہی اسرار الٰہی ہے۔ مسلکی تعصب سے بہت پاک تھے۔ طریقت میں حضرت بابا کا مسلک ہر طرح کی نمود وریا سے پاک وصاف تھا، طالب مولیٰ کو اللہ تعالیٰ کا پاک نام بتاتے تھے اور پھر چشم باطن سے اس کے احوال پر نظر رکھتے تھے۔ تاکید فرماتے تھے کہ فرض کے پابند رہو اور حرام سے پوری طرح الگ رہو کسب حلال میں کوتاہی نہ کرو۔

مسلسل کئی سال علیل رہے گو اس عرصہ میں ان کو شدید امراض لاحق ہوئے، آفریں صد آفریں ان پر کہ اس طویل عرصہ میں کبھی صبر وشکر کے علاوہ کوئی حرف شکایت کا زبان پر نہ آیا، جب بھی کسی نے مزاج پوچھا کیسے ہیں؟ ان کا یہی جواب ہوتا تھا، شکر ہے خیریت سے ہوں۔

خلفا

حضرت بابا سید عین اللہ شاہ کے خلفا میں سے جن پاک نہاد افراد کا علم مجھے ہوا ہے ان کا ذکر کرتا ہوں۔ (۱) حافظ خلیل میاں، ساکن نگینہ، بجنور (۲) الحاج مقصود حسین، ساکن پریل (۳) حضرت خواجہ عبدالکریم ابن خواجہ سلیمان جبار حسین قادری عرف ارشاد صفی (۴) حضرت پیرزادہ سید نذیر الدین محی الدین، ساکن پونہ مہاراشٹر (۵) حضرت عبدالرزاق بابا ساکن امریکہ۔

اولاد

اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک بیٹا سید جاوید مصطفی اور ایک بیٹی سیدہ انیسہ عنایت فرمایا۔ آپ کی اہلیہ کا انتقال آپ کی حیات مبارکہ میں ہو گیا تھا۔ صاحبزادہ سید جاوید مصطفی، پاک نسب پاک مشرب ہیں۔ نام ونمود سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو محفوظ رکھا ہے۔ اخلاق حسنہ سے متصف ہیں۔ ہفتہ میں تین روز سنیچر اتوار اور جمعرات کی شام کو درگاہ حضرت پیر سید کملی شاہ پر مستقل موجود رہتے ہیں۔

آپ درگاہ شریف کی خدمت بہ وجہ احسن کر رہے ہیں، زائرین کو کامل سکون ملتا ہے، مختلف امراض مثلاً شوگر، بلڈ پریشر وغیرہ کی یونانی وہومیوپیتھک دوائیں اپنی نگرانی میں بنوا کر مفت مریضوں کو تقسیم کرتے ہیں۔ اپنے والد ووالدہ ماجدہ کی بیماری میں مسلسل حد درجہ خلوص کے ساتھ کئی سال خدمت کی، جس کی مثال نایاب نہ سہی مگر کم یاب ضرور ہے۔

سید جاوید مصطفی صاحب کے دو بیٹے ہیں: سید تقی اور سید احسان جامی **سلمھما اللہ**۔ حق تعالیٰ جل مجدہ ان کو ان کے آباواجداد کا صحیح معنوں میں جانشین بنائے۔ آمین ○○○

بحث ونظر

بیعت وارادت کی حقیقت کیا ہے؟

بیعت نبی کریم اور صحابہ کی سنت ہے

ڈاکٹر سید شمیم الدین منعمی

ملازمت میں Date of Joining کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔اسی پر تنخواہ کا دار و مدار ہوتا ہے۔اسی پر Seniority کا فیصلہ ہوتا ہے اور ترقی کی بنیاد بھی وہی بنتا ہے۔اسی طرح یوں سمجھیں کہ بندہ تقدیری تو ہر کوئی ہے کافر ہو یا مومن لیکن عملی بندگی کا آغاز بیعت سے ہوتا ہے۔ یہی بیعت اس کی Joining ہے۔بغیر باضابطہ Join کئے کوئی ہزار محنت کرے اجرت و مزدوری کے لئے اہل نہیں۔قبولیت کے لائق نہیں۔

بیعت کے لئے عہد، قسم، حلف جیسے الفاظ استعمال نہیں ہوئے کہ کوئی جہاں چاہے کرے۔مجمع میں کرے یا تنہائی میں کرے، دیوار یا چوکھٹ پکڑ کر قسم کھائے یا پانی کے اندر کھڑے ہوکر یا پہاڑ پر جا کر، بلکہ لفظ بیعت استعمال ہوا۔بیع (فروخت) کے لئے خریدار ضروری ہے۔بکنے والے کی مرضی کے ساتھ ساتھ خریدار کی مرضی بھی ضروری ہے اور اسی لئے بیعت ہونے والے (مرید) کے لئے شیخ کی مرضی اور موجودگی دونوں لازم وملزوم ہے۔قرآن کریم میں اس کے لئے واضح حکم موجود ہے۔جو لوگ سب سے پہلے اس بیعت سے سرفراز ہوئے ان سے اس بات کی بیعت لی گئی۔ **اطیعوا اللّٰہ و اطیعو ا الرسول۔اطیعو ا الرسول** تو شیخ کی اطاعت ہوئی اور **اطیعو ا اللّٰہ** سمجھنے میں دشواری ہوئی تو یوں ارشاد ہوا **و من یطع الرسول فقد اطاع اللّٰہ**

بیع منعقد تب ہوتی ہے جب فروخت ہونے والی شے پر خریدار کا حق مکمل ہو جائے، تصرف ثابت ہو جائے چنانچہ ارشاد ہوا۔ **النبی اولیٰ بالمو منین من انفسھم**

ہر خرید وفروخت میں قیمت اور اجرت کا معاملہ بھی ہوتا ہے ورنہ خرید وفروخت کے بجائے تصرف بے جا اور قبضہ ناجائز ہو جائے گا چنانچہ اس کی وضاحت یوں فرمائی گئی۔ **ان اللّٰہ اشتری من المو منین انفسھم و اموا لھم بان لھم الجنة** (التوبة: ۱۱۱) (بے شک اللہ نے مسلمانوں سے ان کے جان اور مال خرید لئے ہیں اس بدلہ پر کہ ان کے لئے جنت ہے)

صحابہ بیعت ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم (شیخ) کے ہاتھ پر اور خریدار اللہ پاک ہو جائے، اس کی وضاحت بھی قرآن کریم یوں فرماتا ہے: **ان الذین یبا یعو نک انما یبا یعو ن**

اللہ ید اللہ فوق ایدیھم (الفتح: ۱۰) (وہ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ سے بیعت کرتے ہیں، ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔)

بیعت اگر صرف جہاد کے لیے ہوتی تو عورتوں سے نہ لی جاتی لیکن بیعت ایمان و اسلام، بیعت توبہ، بیعت انابت، بیعت اطاعت وہ عمل ہے جسے صحابہ و صحابیات دونوں سے لیا جاتا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ یا ایھا النبی اذا جاء ک المومنات یبا یعنک علی ان لا یشر کن باللہ۔۔۔الی اخرہ (اے نبی! جب تمہارے حضور مسلمان عورتیں اس بات پر بیعت کرنے کو حاضر ہوں کہ اللہ کا کچھ شریک نہ ٹھرائیں گی۔ (الممتحنہ: ۱۲)

اس سے یہ پتہ چلا کہ مردوں کی طرح عورتیں بھی بیعت توبہ و انابت یا بیعت ایمان کے لئے حضور پاک علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوتی تھیں چنانچہ ان کے لئے باضابطہ حکم باری تعالیٰ ملاحظہ فرمائیں: فَبَایِعْهُنَّ و استغفر لھُنّ اللہ ان اللہ غفور الرّحیم (الممتحنہ: ۱۲) (تو ان سے بیعت لو اور اللہ سے ان کی مغفرت چاہو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے)

عام طور پر حکم کا صیغہ مذکر ہوتا ہے اور اس کا اطلاق مونث پر بھی ہوتا ہے یہ ایک صیغہ حکم بجنس مونث ہے اور اس کا اطلاق مذکر و مونث دونوں پر ہے۔

کفر سے اسلام، جہل سے علم، ظلمت سے نور کی طرف آنے والوں کے لئے تو بیعت، ان کی آمد کی تصدیق اور سند ہے لیکن جب پیدائشی مسلمان قسم کی چیز پیدا ہونے لگی تو اسلام و ایمان انہیں وراثتاً مل گیا اور انہیں اپنے حق وارثت میں بیعت کھلنے لگی چنانچہ عہد حاضر میں جدیدیے بڑی حیرت سے بیعت کو دیکھتے ہیں۔ بیعت پر حیرت بدعت ہے اور بیعت و تلقین عین اسلام، بیعت لینا سنت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور بیعت کرنا سنت صحابہ و صحابیات رضی اللہ عنہم اجمعین ہے۔

جن کی مادری زبان عربی تھی انہوں نے کلمہ پڑھنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے پڑھنے یا ان کے سامنے پڑھنے کی باضابطہ کوشش کی۔ صحابہ و صحابیات کے لئے بیعت لازمی تھی تو آج! کیا ہم ان سے بھی افضل و اعلیٰ ہو گئے ہیں کہ بغیر تلقین اور بغیر بیعت دین و ایمان، تقویٰ و نجات کے وارث ہو جائیں گے؟

○○○

رضائے حق کی خاطر اپنی طلب مٹا دینے کا نام بیعت ہے

ڈاکٹر شعائر اللہ وجیہی

قرآن مجید میں خدائے تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّ اللہ اشْتَرٰی مِنَ الْمؤمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ یعنی خدائے تعالیٰ نے مومنوں سے ان کی جان و مال کو جنت کے بدلے میں خرید لیا ہے۔

خرید و فروخت کو عربی زبان میں بیع کہتے ہیں جس سے لفظ بیعت بنایا گیا ہے اس کا مطلب ہے اپنی جان و مال خدا کے ہاتھ فروخت کر دینا۔ یہ خرید و فروخت ظاہری طور پر نہیں بلکہ روحانی طور پر ہوتی ہے اس کے لئے کسی دستاویز کی ضرورت نہیں پڑتی صرف ہاتھ میں ہاتھ لے کر عہد و پیمان کرنا پڑتا ہے اور ظاہر ہے کہ خریدار اور بیچنے والے دونوں کے ہاتھ ہونا چاہیے اور چونکہ یہاں پر خریدار خود خدائے تعالیٰ ہے اس لئے وہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرماتا ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعونَ اللہ یَدُ اللہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! یہ مومن لوگ جو آپ کے ہاتھ پر عہد و پیمان کر رہے ہیں دراصل خدائے تعالیٰ کے ہاتھ پر عہد و پیمان کر رہے ہیں اور ان کے ہاتھوں پر خدا کا ہاتھ موجود ہے۔

یہاں یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ اسلام قبول کرنے کے لیے صرف کلمہ طیبہ پڑھ لینا ہی کافی ہے جب کہ یہ بیعت خود کو خدا کے حوالے کرنے کے لئے ہوتی ہے اور اسی لیے اس کو ارادت بھی کہتے ہیں۔ یہ لفظ ارادہ سے بنایا گیا ہے جو عربی زبان کے قاعدہ کے مطابق باب افعال کا مصدر ہے اور باب افعال کی خاصیات میں سے ایک خاصیت سلب بھی ہے جس کا مطلب ہوتا ہے اپنے ارادہ کو دور کر دینا اور پھر جب اس سے اسم فاعل کا صیغہ مرید بنا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ حقیقی مرید وہی ہوتا ہے جو اپنے تمام ارادوں اور خواہشوں کو پیر و مرشد کے حوالے کر دیتا ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق مُوتوا قبلَ اَنْ تموتوا مرنے سے پہلے ہی مر جاتا ہے اور مرشد پاک کے لیے بالکل نہلانے والے کے لیے مردہ لاش کی طرح بن جاتا ہے کہ نہلانے والا جس طرح چاہے اس کو لٹا بٹھا سکتا ہے اور یہی بیعت و ارادت کی حقیقت ہے جس کے ذریعے انسان جسم و بشریت کی ظلمتوں سے نکل کر انوار الٰہی کی روشنی میں داخل ہوتا ہے۔ اسی مقصد کی

تکمیل کرانے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے تھے اور اپنے بعد یہ خدمت اپنی آل واولاد کے سپرد کر گئے ہیں جو آج تک تمام اولیاء اللہ کے سلاسل بخوبی انجام دے رہے ہیں۔

کچھ بزرگان دین نے دوسری طرح کی بیعت کا بھی ذکر کیا ہے چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ کے صفحہ نمبر ۴ پر تحریر فرماتے ہیں کہ بیعت تین قسم کی ہوتی ہے: (۱) بیعت توبہ (۲) بیعت تبرک (۳) بیعت تحکیم۔

پہلی بیعت عام ہے ہر مسلمان کے ہاتھ پر کی جاسکتی ہے۔

دوسری بیعت صالحین اور اولیاء اللہ کے سلسلوں میں داخل ہونے کے لیے کی جاتی ہے۔

تیسری بیعت خاص ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ مرید راہ سلوک میں اپنے لائق ومتدین پیر ومرشد کو اپنا آقا اور حاکم بنائے اور اس کی فرماں برداری کو خدا اور رسول کی فرماں برداری جانے۔ اس آیت کریمہ میں اسی کی طرف اشارہ ہے: یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰ مَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللہ وَاَطِیْعُوْا الرَّسُوْلَ وَ اُوْلِی الامرِ مِنْکُمْ اے ایمان والو! خدا کی اطاعت کرو اور رسول کی اور جن کو تم نے اپنا حاکم قرار دیا ہے اس کی اطاعت کرو۔

یہ ہے وہ بیعت کہ جس کے بغیر دین حق و دین اسلام مکمل نہیں ہوتا۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے قبل یہ بیعت تحکیم لینے کا حق کسی نبی کو حاصل نہیں تھا۔ جب آپ دنیا میں تشریف لائے اور جن لوگوں نے آپ کے دست مبارک پر بیعت تحکیم کی ان سے آپ نے فرمایا ہے: مَن رَانی فقدر أی الحقَّ جس نے مجھے دیکھا اس نے حق کو دیکھا۔ مولانا روم فرماتے ہیں:

اے شہنشاہِ رسولانِ سَلَفْ — وَے دُرِ بحرِ محیط مَنْ عَرَفْ
در ازل کنز مخفی ذات حق — بود در عین تو چون دُر در صدف

اور پھر خدائے تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الاِسْلَامَ دِیْناً اے مومنو! آج میں نے تمہارے لئے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی تمام نعمتیں تم کو دیدیں اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کرلیا۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ

یہ چند تصوف کی باتیں کاوش ہیں سمجھنے کے قابل
تکمیل جب ان کی ہوتی ہے پھر راز حقیقت کھلتا ہے

○○○

بیعت کی حقیقت توبہ کا عہد کرنا ہے

مولانا شاہ ہلال احمد قادری

بیعت وارشاد، کتاب وسنت سے ثابت شدہ امر ہے۔ از روئے لغت بیع کے معنی بیچنا اور شراء کے معنی خریدنا ہے۔ المفردات فی غریب القرآن میں علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں: **البیع اعطاء المثمن و اخذ الثمن**۔ یعنی بیع کا معنی ہے سودا دینا اور قیمت لینا۔ یہ لفظ، یہاں سے وعدہ اور عہد کے لئے اخذ کیا گیا، بیعت جہاد، بیعت طاعت اور بیعت طریقت کی اصطلاحات یہیں سے وجود میں آئیں، جیسا کہ مفردات راغب میں ہے: **وبایع السلطان اذا تضمن بذل الطاعة له بما رضخ له ويقال لذلک بیعة ومبایعة وقوله عز وجل: فاستبشروا ببیعکم الذی بایعتم به**۔ یعنی بایع السلطان (بادشاہ سے اس نے بیعت کی) کا مطلب یہ ہے کہ بادشاہ کو اپنی اطاعت ضمانت دی اس کا حق تسلیم کر کے اور اس کو کہا جاتا ہے بیعت اور مبایعت، اور اللہ کا ارشاد اسی معنی میں ہے: تو خوش ہو جاؤ اپنے اس بیعت سے جو تم نے بیعت کی ہے۔ (۶۷)

معلوم ہوا کہ ان سطور میں جو بیعت مبحوث عنہا ہے وہ بیع سے مشتق ہے، اس معنی کر یہ کہا جائے **بایعته**، یا یہ کہا جائے **بایعت علی یدہ** تو مفہوم یہ ہوگا کہ میں نے فلاں سے ارشاد لینے اور اس کی اطاعت کی ضمانت دینے کا عہد کیا۔ یہی وہ بیعت ہے جس کو حسب موقع بیعت جہاد کہا جاتا ہے اور بیعت طریقت کہا جاتا۔ یہ اصطلاح اور یہ طریقہ بیعت کا عہد رسالت سے بلا انقطاع جاری ہے۔

اس سلسلے میں مزید وضاحت اپنے عہد کے قطب الارشاد اور شیخ وقت حضرت مولانا سید شاہ محمد بدرالدین قادری پھلواروی قدس سرہ کی تحریر مفید ہوگی۔ فرماتے ہیں:

پیر و مرید کے درمیان تعلق بیعت کے سبب ہوتا ہے۔ اور بیعت کرنی قرآن مجید اور حدیث شریف سے ثابت ہے۔ پیر ومرشد بنانے میں کیا ہوتا ہے اس کو تم اچھی طرح جانتے ہو۔ بیعت لی جاتی ہے تو کیا ہوتا ہے، گناہوں سے توبہ کرانا اور گناہ نہ کرنے کا وعدہ لینا۔ کلمۂ شہادت اور آمنت باللہ وغیرہ پڑھانا۔ اب بیعت لینے کا حکم قرآن مجید سے سنو۔ (سورۂ ممتحنہ رکوع ۲)

یاایھا النبی اذا جاء ك المومنات یبایعنك علی ان لا یشر کن باللہ شیئا ولا یسر قن ولا یزنین ولا یقتلن اولادھن ولا یأتین ببھتان یفترینه بین ایدیھن وارجلھن ولا یعصینك فی معروف فبایعھن واستغفر لھن اللہ ان اللہ غفور رحیم۔

ترجمہ۔اے پیغمبر تمہارے پاس جب مسلمان عورتیں اس بات پر بیعت کرنے کو آئیں کہ کسی کو خدا کے ساتھ (عبادت میں) شریک نہ کریں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ حرام کاری کریں گی اور نہ اپنے لڑکوں کو مار ڈالیں گی اور نہ (کسی پر) جھوٹ بہتان باندھیں گی ،شریعت میں تمہاری نافرمانی نہ کریں گی۔تو ان سے بیعت لو اور خدا سے ان کے لئے بخشش چاہو بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

یہ خیال نہ کرنا چاہیے کہ اس آیۃ میں تو عورتوں کی بیعت کا بیان ہے مردوں کی بیعت کا ثبوت اس سے کیوں کر ہوگا۔مردوں کی بیعت کا بیان سورۂ فتح میں اور اس آیۃ سے بھی مردوں کی بیعت کا ثبوت ہوجاتا ہے سنو اللہ تعالی نے فرمایا: **اذا جائک المومنات یبایعنک**۔ جب مسلمان عورتیں تمہارے پاس بیعت کرنے کو آئیں۔غور کرو۔عورتیں کیوں آئیں وہ کیا جانیں کہ بیعت کیا چیز ہے؟ اس میں کیا کرنا ہوتا ہے؟ کیا کہنا ہوتا ہے؟ اور بغیر واقفیت کے وہ کیوں کر ان باتوں کا وعدہ کرسکتی تھیں؟ لیکن مردوں سے سن کر وہ جانتی تھیں کہ مرد لوگ بیعت کرتے ہیں اور ان ان باتوں کا معاہدہ کرتے ہیں تو ان کو بھی بیعت کرنے کا شوق دل میں پیدا ہوا اور جب اس نیت سے عورتوں نے حضرت رسول اللہ ﷺ کے سامنے حاضر ہونے کا ارادہ کیا تو خدائے علیم نے اپنے پیغمبر ﷺ کو اس کی اطلاع دے دی اور عورتوں کی بیعت لینے کا حکم فرمایا جس کے بعد مثل مردوں کے عورتوں نے بھی بیعت کرنی شروع کردی۔باقی رہی یہ بات کہ مرد لوگ بھی بیعت کے وقت ایسا ہی کہتے تھے تو اس کا بیان حدیث میں مذکور ہے۔بخاری شریف کتاب الایمان میں ہے:

ان رسول اللہ ﷺ قال وحولہ عصابة من اصحابه : بایعونی علی ان لا تشرکوا باللہ شیئا ولا تسرقوا ولا تزنوا ولا تقتلوا اولادکم ولا تاتو ببھتان تفترونہ بین ایدیکم وارجلکم ولا تعصوا فی معروف فمن وفی منکم فاجرہ علی اللہ ومن اصاب من ذلک شیئا فعوقب فی الدنیافھو کفارة له ومن اصاب من ذلک شیئا ثم سترہ اللہ فھو الی اللہ ان شاء عفاعنه وان شاء عاقبه۔فبایعناہ علی ذلک۔

ترجمہ۔حضرت رسول اللہ ﷺ کے گرد تھوڑا مجمع آپ کے اصحاب کا تھا۔آپ نے فرمایا: تم لوگ مجھ سے بیعت کرو اس بات پر کہ عبادت میں کسی کو اللہ کا شریک نہ بناؤ اور چوری نہ کرو اور زنا نہ کرو اور اپنی اولاد کو مار نہ ڈالو۔اور (کسی پر) جھوٹ بہتان نہ باندھو اور احکام شریعت میں نافرمانی نہ کرو۔تو جو کوئی تم میں سے اپنا عہد پورا کرے گا اس کا ثواب دینا اللہ تعالی پر ہے اور جو کوئی اس میں سے کسی گناہ میں پڑ جائے اور دنیا میں حدود شرعی کی سزا پا جائے تو وہ اس کے گناہوں کا کفارہ ہے اور جو کوئی اس میں سے گناہ میں پڑ جائے پھر اللہ کی ستر پوشی میں

آجائے۔(یعنی گناہ ظاہر نہ ہوا اور حد شرعی جاری نہ ہو) تو اس کا معاملہ اللہ کی طرف (سونپا ہوا) ہے وہ چاہے معاف کرے چاہے سزا دے (قیامت کے دن) تو ہم لوگوں نے اس بات پر آپ سے بیعت کرلی۔(لمعات بدریہ ج۔۲ ص ۷۔۱۰۶)

ارشاد وتلقین خیر کرنے والا مرشد کہا جاتا ہے۔حضرت فرماتے ہیں:

درویشوں کی اصطلاح میں پیر یا شیخ اس کو کہتے ہیں جو خدا کی راہ طے کیے ہوئے ہو اور دوسرے لوگوں کو خدا کی راہ پر لے چلے۔مرشد عربی کا لفظ ہے اس کا ترجمہ اردو میں راہ دکھانے والا اور فارسی میں راہ نما ہے۔پیر یا مرشد کی صفت یہ ہے کہ شریعت کا پابند ہو۔حدیث احسان کے مطابق اس کا سب کام خدا کے واسطے ہو اپنے نفس کے واسطے نہ ہو۔وہ ہر وقت اپنے کو خدا کے سامنے اور خدا کو ہر وقت حاضر پاتا ہو۔(لمعات بدریہ ج ۲ ص ۸)

ارشاد مرشد کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

اگر مرشد کا ارشاد عقائد حقہ اہل سنت۔ومسائل متفقہ شریعت۔واحکام مسلمہ اہل طریقت کے موافق ہو تو جو مرید اس کا عامل نہ ہو وہ باغی تصور کیا جائے گا۔اور اختلافی مسائل میں اگر پیر اپنے علم وتحقیق پر کام کرتا ہے اور مرید اپنے علم وتحقیق پر۔تو کوئی مضائقہ نہیں۔اگر پیر ومرید میں جزئی مسائل میں اختلاف ہو تو پیر کو اس کی ضرورت نہیں کہ اپنی تحقیق کے موافق کام کرنے کو مرید پر جبر دے کہ وہ اپنی تحقیق کو صحیح جاننے کے ساتھ اس کو چھوڑ کر پیر کے ارشاد کی تعمیل پر مجبور ہو۔اور جب وہ اس قسم کے ارشاد کی تعمیل پر مجبور نہیں کیا جاسکتا ہے تو ایسے ارشاد کے عدم تعمیل پر باغی بھی نہ ہوگا۔(لمعات۔۲/۱۰۳)

بیعت کا مقصد گناہوں سے توبہ کرنا اور آئندہ گناہ سے بچنے کا عہد کرنا ہے۔اور ارشاد کا مقصد مرید کی تربیت کرنا اور اس کے دل کو ہر اخلاقی آلائشوں سے پاک کرنا ہے۔اگر بیعت اور ارشاد دونوں کا مقصد دنیا کمانا،شہرت ونام چاہنا ہے تو ایسی بیعت اور ایسا ارشاد، پیری مریدی جیسے مقدس کام کو مذاق کا نشانہ بنانا ہے۔بیعت وارشاد دین کی اہم ترین خدمت ہے اور بڑے لوگوں کا بڑا کام ہے۔ افسوس کہ اس زمانے میں یہ کام بے مقصد بلکہ بے آبرو ہوکر رہ گیا ہے الا ماشاءاللہ۔

ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی
اب آبروئے شیوۂ اہل نظر گئی

○○○

بیعت وارادت کے مفہوم پر ایک تحقیقی نظر

مولانا غلام مصطفیٰ ازہری

دنیا کی جدید وقدیم ہر قوم میں بیعت یعنی عہد و پیمان کا رواج عام رہا ہے، اس بیعت کے بغیر کسی بھی جماعت میں اجتماعیت کا تصور نہیں کیا جاسکتا ہے کیوں کہ اجتماعیت کے لیے اتحاد و یگانگت ضروری ہے ۔زمانے ، علاقے اور قوموں کے اعتبار سے بیعت کے مقاصد،حقوق و واجبات اور رسم و راہ الگ الگ رہے ہیں ۔خصوصاً بیعت اطاعت کا نظام حاکم اعلی اور حکام و فوجیوں کے درمیان سختی کے ساتھ قائم رہا ہے کیوں کہ اگر ان کے درمیان ہی اتفاق واتحاد قائم نہ رہے تو قوم کا شیرازہ بکھر جائے گا،امن وامان ختم ہوجائے گا،ظلم وزیادتی عام ہوجائے گی۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اس نظام بیعت کو باقی رکھا، متعدد مواقع پر آپ نے لوگوں سے بیعتیں لیں، صحابہ نے آپ کی اطاعت وفرماں برداری کی حامیاں بھریں۔

اللہ تعالی نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علم ظاہر و باطن، شریعت وطریقت دونوں کا علم وحی کے ذریعے عطا فرمایا تھا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: وَإِنَّ الْقُرْآنَ نَزَلَ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ، لِكُلِّ آيَةٍ مِنْهَا ظَهْرٌ وَبَطْنٌ، وَلِكُلِّ حَدٍّ مَطْلَعٌ۔ قرآن سات حروف پر نازل ہوا، ان میں ہر ایک آیت کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن اور ہر حد کا ایک مطلع ہے۔(مسند ابی یعلی، شرح مشکل الآثار، صحیح ابن حبان) یہ حدیث مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔صحابہ ان دونوں علوم کے حامل تھے حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں: حَفِظْتُ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وِعَاءَيْنِ، فَأَمَّا أَحَدُهُمَا فَبَثَثْتُهُ، وَأَمَّا الْآخَرُ فَلَوْ بَثَثْتُهُ قُطِعَ هَذَا الْبُلْعُومُ۔ (صحیح بخاری) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے علم کے دو برتن محفوظ کیے ہیں، ایک وہ ہے جس کو میں نے پھیلا دیا ہے اور دوسرا وہ ہے جس کو اگر میں ظاہر کروں گا تو میری گردن ماردی جائے گی۔

صحابہ کے پاس یہ دونوں علم محفوظ رہے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ جو علوم نبویہ کے وارث تھے جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: أنا مدينةُ العِلْمِ وعَلِيٌّ بابُها فَمَنْ أرادَ العِلْمَ فلْيأْتِ البابَ (حاکم/مستدرک علی الصحیحین ۳/۱۳۸) (میں معرفت اور علم الٰہی کا شہر ہوں، علی اس کے دروازہ ہیں، جو بھی معرفت الٰہی حاصل کرنا چاہتا ہے تو وہ اس دروازے پر آئے۔) حضرت

علی نے ان دونوں علوم کو خاص کر علم باطن کی خوب اشاعت فرمائی اس علم کے حصول کے لیے قیود و شرائط رکھے گئے ہیں، ان ہی شرائط میں سے ایک شرط صحبت شیخ بھی ہے اور اس صحبت کے لیے عہد و پیمان یعنی بیعت شرط ہے، اس مقالے میں اسی بیعت پر تفصیلی روشنی ڈالی جائے گی۔

بیعت وارادت کا لغوی واصطلاحی معنی

بیعت: لغت میں بیعت کے معنی خرید وفروخت کے ہیں، یہ لفظ دو متضاد معنی رکھتا ہے، بیچنا اور خریدنا۔عرف میں معاہدہ کرنے اور اطاعت قبول کرنے پر بھی بولا جاتا ہے۔عربی وار دو زبان میں اس کا مترادف عقد، حلف اور میثاق آتا ہے انگلش میں PACT, OATH, CONTRACT, کہتے ہیں۔

اصطلاح میں بیعت؛ ایسا عقد ہے جس کی وجہ سے رعایا پر امیر کی اور مرید پر مرشد کی اتباع واجب ہوجاتی ہے۔

دوسرے لفظوں میں بیعت؛ مرشد وامیر سے یہ معاہدہ کرنا ہے کہ وہ خوشی ونا گواری، فراخی وتنگی ہر حال میں اپنے مرشد ورہنما کے ہر حکم کی پیروی کرے گا، اسے اپنا حاکم مطلق اور اپنی ذات میں تصرف کرنے والا جانے گا، اس کے کسی بھی حکم پر" کیوں؟" اور" کس لیے؟" نہیں کہے گا۔

ارادت: ارادت کے معنی چاہنے اور قصد کرنے کے ہیں، اس کا اسم فاعل مرید (ارادہ کرنے والا) ہے۔اس کا مترادف لفظ "طلب" آتا ہے۔

صوفیہ کے نزدیک ارادت کا مطلب سلب ارادہ ہے یعنی مطلوب کی طلب کے حوالے سے مرید کے اندر اطاعت کی ایسی کیفیت ہو کہ آتش طلب اس کی اپنی تمام خواہشات کو خاکستر کردے۔

بیعت کی حقیقت

چوں کہ بیعت عقد کو کہتے ہیں، عقد مادی ہو یا معنوی اس میں عاقدین کی رضا اور تبادلہ منفعت کا ہونا شرط ہے۔صوفیہ کے یہاں بھی جو بیعت یا عقد جاری ہے وہ بھی ان ہی اصولوں پر مبنی ہے، اللہ مطلوب حقیقی ہے، رسول اور ان کی نیابت میں مشائخ مطلب ووکیل ہیں اور مرید ہونے والا طالب مولی ہے جو اپنی خواہشات کو اپنے محبوب کی طلب میں نائبین کے سپرد کردیتا ہے۔

اللہ تعالی فرماتا ہے: إِنَّ اللهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ۔ (رسول یا ان کے نائبین کے ذریعے) اللہ تعالی نے مومنین سے ان کی جانوں کو جنت کے عوض خرید لیا ہے۔جہاں انھیں اس کا خاص عرفان حاصل ہوگا۔

یہ معلوم ہے کہ بیع وشرا میں موکل کے اختیار دینے سے وکیل ہی سب کچھ ہوتا ہے جب

تک کہ وہ مال کو اپنے موکل کے سپرد نہ کر دے اسی طرح صوفیہ کے یہاں بھی مرید اپنے آپ کو شیخ کے سپرد کر دیتا ہے اور شیخ، مرید کے اندر اس کو مطلوب حقیقی کی بارگاہ کے لائق بنانے کے لیے مشاطہ (سنوارنے والے) کی طرح جو چاہتا ہے تصرف فرماتا ہے، اس کو ظاہری و باطنی ہر طرح کے گناہ سے بچاتا ہے، خیال غیر کو اس کے دل سے مٹا دیتا ہے، پھر اس کی روح کو ظاہری و باطنی نعمتوں سے آراستہ کر کے منور و مجلی کرتا ہے، تب جا کر اس کو حق تعالی کے سپرد کرتا ہے، یہ سب کچھ اللہ کے حکم اور اس کی مرضی کے موافق کرتا ہے۔ بس شرط یہ ہے کہ مرید کی طلب سچی ہو، وہ اپنے جان و مال میں شیخ کے تصرف کو بالکل صحیح جانے، کسی بھی معاملے میں چون و چرا نہ کرے؛ کیوں کہ بیچے ہوئے مال میں تصرف کی شرط صحیح نہیں ہے۔

یہاں اس بات پر تنبیہ ضروری ہے کہ اللہ جمیل ہے اور جمال کو پسند فرماتا ہے۔ (إِنَّ اللّٰهَ جَمِيلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ۔ صحیح مسلم) اس لیے اس کی بارگاہ میں اسی کی رسائی ہوگی جس کا ظاہر و باطن دونوں جمیل ہو۔ اللہ فرماتا ہے: وَذَرُوا ظَاهِرَ الْإِثْمِ وَبَاطِنَهُ (انعام:۱۲۰) تم ظاہری و باطنی سارے گناہ ترک کر دو۔ اور جب تم ظاہری و باطنی گناہوں سے باز آجاؤ گے (وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهُ ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً۔ لقمان:۲۰) تو اللہ تعالی تمھیں اپنی ظاہری و باطنی نعمتوں سے سرفراز فرمائے گا۔

حقیقت بیعت کو ایک دوسرے انداز سے بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ ڈاکٹر ایک حد تک اپنا علاج خود کر سکتا ہے لیکن اگر بیماری ایسی ہو جس میں آپریشن کی ضرورت ہو تو کیا آپریشن بھی خود ہی کر لے گا؟ اسی طرح اگر ڈاکٹر ذہنی دباؤ (Depression) کا شکار ہو تو علاج تو دور کی بات ہے اس بیماری کی تشخیص بھی نہیں کر سکتا اسی طرح ایک انسان قرآن و حدیث کی تعلیمات کے ذریعے فرائض و واجبات اور حلال و حرام پر عمل کر سکتا ہے لیکن کبر و نخوت، عجب و ریا اور بغض و حسد جیسی مہلک بیماریوں سے بچنا اس کے لیے بہت مشکل ہے، ان باطنی مہلکات سے بچنے کے لیے ماہر حکیم کی خدمت میں جانا ہوگا بلکہ یہ کہا جائے کہ فرائض و واجبات پر بھی صحیح سے عمل کے لیے کسی مربی کے پاس جانا پڑے گا اور اس کے حضور سر تسلیم خم کرنا پڑے گا۔

اسی بات کو ذرا تفصیل سے اس طرح سمجھا جا سکتا ہے:

دین کی تین شاخیں ہیں: ۱۔ ایمان ۲۔ اسلام ۳۔ احسان

ایمان بیج اور جڑ ہے، چنانچہ جیسے جیسے ایمان کا بیج اپنی جڑیں دل کی زمین پر پھیلاتا رہے گا ویسے ویسے اس زمین سے عمل کا پودا نکلتا رہے گا (اُسے ہم اسلام کا نام دیتے ہیں) اور جب عمل (اسلام) کا یہ پودا ایک تناور درخت کی شکل اختیار کر لے گا تو اس میں احسان (تقویٰ) کا پھل نکل آئے گا جو ایمان کے پختہ ہونے کی علامت ہے۔ اب جا کر عمل پیہم کے ذریعے اس بندے پر

مشاہدۂ الٰہی کی کیفیت طاری ہونے لگتی ہے جسے حدیث پاک میں احسان سے تعبیر کیا گیا ہے۔

آج امراض کی تشخیص اور علاج کے سلسلے میں تین طرح کے ڈاکٹر پائے جاتے ہیں:

۱۔ جنرل فزیشین (عام)

۲۔ اسپیشلسٹ (خاص)

۳۔ سپر اسپیشلسٹ (اخص الخاص)

اگر دین کی تینوں شاخوں کو ذوق و شوق کے ساتھ کسی ماہر اور کامل سے حاصل کیا جائے تو بہت ہی کم مدت میں کمال تک پہنچا جا سکتا ہے۔

ایمانیات کے حوالے سے یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ اگر کوئی عام شخص کلمہ پڑھاتا ہے تو وہ صرف اللہ کی وحدانیت کا اقرار کراتا ہے۔ لیکن اسی کلمے کو اگر کوئی خاص پڑھاتا ہے تو اقرار کے ساتھ ساتھ تصدیق قلبی کی طرف متوجہ کرتا ہے اور اگر اخص الخاص (مرشد کامل و مکمل) یہی کلمہ پڑھاتا ہے تو اسے یہ سمجھاتا ہے کہ دل میں اگر توحید راسخ ہو جائے تو اس کے دو نتیجے برآمد ہوں گے:

۱۔ اللہ پر مکمل بھروسہ ۲۔ غیر اللہ سے ترک شکوہ

اگر یہ نتیجہ نہ نکلے تو جان لو کہ دل شرک کی غلاظت سے ابھی پورے طور پر پاک اور صاف نہیں ہوا ہے اور وحدہ لا شریک لہ پر ایمان ابھی کامل نہیں ہوا ہے۔

اسلامیات کو مثال سے اس طرح سمجھا جا سکتا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کو نماز ادا کرنے کا طریقہ سکھائے گا تو اُسے صرف رکوع، سجدہ اور قیام کی کیفیت بتائے گا اور اگر کوئی خاص شخص اسے نماز کا طریقہ سکھائے گا تو ارکان نماز کو سنت طریقے سے ادا کرنے کی تلقین کرے گا اور اگر یہی تمام باتیں اخص الخاص بتائے گا تو ساتھ میں اس بات کی اہمیت بھی واضح کرے گا کہ نماز میں پڑھے جانے والے کلمات کے معانی پر غور کرے، اپنے گناہوں کو یاد کرے، خشوع اور خضوع پیدا کرے اور اپنے دل و دماغ میں یہ یقین پختہ کر لے کہ اللہ ہمیں دیکھ رہا ہے اور پھر آہستہ آہستہ یہ تصور قائم کرے کہ وہ اللہ کو دیکھ رہا ہے۔

احسانیات کے سلسلے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ریا سے بچنے کی تلقین کوئی عام آدمی کرے گا تو محض اسے ناجائز و حرام بتائے گا اور اگر خاص کرے گا تو علامات ریا بھی شمار کرائے گا اور اگر مشائخ کاملین کریں گے تو دوسروں میں عیب دیکھنے اور ان میں ریا ڈھونڈنے کے بجائے اپنے اندر اخلاص پیدا کرنے کی تعلیم و ترغیب دیں گے۔

اس کی ایک دوسری مثال یہ بھی ہو سکتی ہے کہ حدیث جبریل میں حضور نبی کریم ﷺ نے احسان کا معنی بتاتے ہوئے یہ فرمایا: تم اللہ کی عبادت ایسے کرو گویا کہ تم اللہ کو دیکھ رہے

ہواور اگر یہ نہ ہو سکے تو کم سے کم یہ تصور جماؤ کہ اللہ تمھیں دیکھ رہا ہے۔

اس کیفیت کے حصول کا تصور ہی عام علما و مرشدین کے یہاں مفقود ہے۔ خاص لوگوں کے یہاں ہے بھی تو اس معنی میں ہے کہ: بندہ کو نماز میں خشوع اور خضوع پیدا کرنا چاہیے۔ لیکن کاملین اور عارفین کے نزدیک مومن کا ہر لحظہ عبادت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: إِنَّ صَلَاتِي وَ نُسُكِي وَ مَحْيَايَ وَ مَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (انعام) میری نماز، میری قربانی، میرا جینا، میرا مرنا سب اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

بندے کو ہر حال میں یہ تصور قائم رکھنا چاہیے کہ اللہ اسے دیکھ رہا ہے یا وہ اللہ کو دیکھ رہا ہے۔ اس کے لیے مرشد کا تصور تریاق ہے کیوں کہ اسے دیکھ کر اللہ یاد آتا ہے۔

مذکورہ گفتگو سے واضح ہوا کہ بیعت کا اصل مقصد قلب کو ہر طرح کی پراگندگیوں اور آلائشوں سے مزکی کرنا اور غیریت سے مصفی کر کے عینیت کے انوار سے مجلی کرنا ہے، اس کے لیے ارادت و بیعت کے ساتھ ساتھ اطاعت اور طویل صحبت کی ضرورت ہے۔

ہم ذیل میں سب سے پہلے بیعت کا ثبوت قرآن وحدیث اور آثار صحابہ سے پیش کریں گے، اس کے بعد صحبت کی ضرورت پر روشنی ڈالیں گے۔

ثبوت بیعت پر آیات واحادیث

بیعت کے ثبوت میں قرآن کی صرف ان ہی آیات کو پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں جن میں صراحت سے بیعت کا ذکر ہے:

(۱) إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ فَمَن نَّكَثَ فَإِنَّمَا يَنكُثُ عَلَىٰ نَفْسِهِ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهُ اللَّهَ فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا۔ (فتح:۱۰)

جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ یقیناً اللہ سے بیعت کرتے ہیں، ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے، تو جو شخص عہد شکنی کرے گا اس کا وبال اسی کے سر ہوگا اور جو شخص اللہ سے کیے ہوئے اس عہد کو پورا کرے گا تو اسے عنقریب اللہ بہت بڑا اجر دے گا۔

یہ آیت، رسول اللہ ﷺ سے بیعت پر صریح نص ہے، رہی اللہ سے بیعت تو حضور ﷺ کے واسطے سے ہے، یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرح ہے: مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ (نسا:۸۰) جس نے رسول کی فرمانبرداری کی اس نے اللہ کی فرمانبرداری کی۔

(۲) ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ وَالْقُرْآنِ وَمَنْ أَوْفَىٰ

بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُم بِهِ وَذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ (توبہ:۱۱۱) بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں کو اور ان کے مالوں کو اس بات کے عوض خرید لیا ہے کہ ان کو جنت ملے گی، جو لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں چاہے وہ قتل کریں یا قتل کیے جائیں، ان کے لیے تورات، انجیل اور قرآن میں سچا وعدہ کیا گیا ہے اور اللہ سے زیادہ اپنے عہد کو کون پورا کرنے والا ہے؟ اس بیعت ومعاہدہ پر جو تم نے اللہ سے کی ہے خوشی مناؤ، یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔

یہ آیت اللہ سے بیعت پر صریح نص ہے اور رہی اللہ سے بیعت تو یہ حضور ﷺ کے واسطے ہی سے ہوگی مگر یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرح ہے: إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ (آل عمران:۳۱) اگر تم اللہ کے محبوب بننا چاہتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تمھیں محبوب بنا لے گا۔

(۳) ایک دوسری جگہ قرآن میں یوں وارد ہے:

لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا۔ (فتح:۱۸) یقیناً اللہ تعالیٰ مومنوں سے راضی ہو گیا جس وقت وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے، ان کے دلوں میں جو تھا اللہ اسے جانتا ہے، اللہ نے ان پر سکینہ نازل کیا اور اس کے بدلے انھیں فتح قریب سے نوازا۔

بیعت میں اصل اطاعت ہے اور اطاعت پر متعدد آیات ہیں، طوالت کی وجہ سے صرف ایک آیت کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ (نسا:۵۹)

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول (ﷺ) اور اپنے امیر کی بھی پیروی کرو۔

''اولوالامر'' سے مراد جہاں ہمارے دنیاوی معاملات کے محافظ سلاطین ہیں وہیں دین کی حفاظت کرنے والے، نفس کو پاکیزہ کرنے والے علمائے ربانی بھی ہیں، بلکہ اصل میں ''اولو الامر'' سے مراد یہی لوگ ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ۔ (لقمان:۱۵) اس کی راہ اختیار کرو جو میری جانب مائل ہو۔

یہی وجہ ہے کہ دینی معاملات میں اللہ تعالیٰ سے غافل اور فسق وفجور میں مبتلا سلاطین وعلما کی اتباع وتقلید سے منع کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَن ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطًا۔ (کہف:۲۸) اس کی اطاعت نہ کرو جس کے دل کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا ہے اور جو نفس کی پیروی میں لگا ہوا ہے کیونکہ اس کا معاملہ حد سے بڑھا ہوا ہے۔

احادیث میں کثرت کے ساتھ بیعت کا ذکر موجود ہے یہاں پر صرف چند کا ذکر کیا جاتا ہے:

۱۔ مَنْ بَايَعَ إِمَامًا فَأَعْطَاهُ صَفْقَةَ يَدِهٖ وَ ثَمَرَةَ قَلْبِهٖ فَلْيُطِعْهُ إِنِ اسْتَطَاعَ۔ (ابوداؤد، ذکرالفتن) جس نے کسی امام سے بیعت کی، اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دیا اور اپنی مرضی کو اس کے حوالے کر دیا پھر جہاں تک ہو سکے وہ اس کی اطاعت کرے۔

۲۔ تین لوگ ایسے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بات نہیں کرے گا اور نہ ان کی جانب نگاہ کرم فرمائے گا، ان کے لیے عذاب ہے، ان میں سے ایک کا ذکر حدیث کے اس حصے میں ہے: رَجُلٌ بَايَعَ إِمَامًا فَإِنْ أَعْطَاهُ وَفٰى لَهُ وَإِنْ لَمْ يُعْطِهِ لَمْ يُوفِ لَهُ۔ وہ شخص جس نے امام کی بیعت کی اگر اس امام نے اس کو عطا کیا تو اس نے اس کے ساتھ وفا کیا اور اگر اس امام نے اس کو کچھ عطا نہیں کیا تو اس کے ساتھ وفا نہیں کیا۔ (ترمذی، نکث البیعۃ)

۳۔ وَمَنْ مَاتَ وَلَيْسَ فِي عُنُقِهٖ بَيْعَةٌ مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً۔ جو شخص اس حال میں وفات پائے کہ اس نے کسی کی بیعت نہیں کی تو جاہلیت کی موت مرا۔ (صحیح مسلم، امارۃ)

اس حدیث کا مفہوم یہ ہوا کہ جس نے کسی کو اپنی مملکت دنیاوی کا خلیفہ تسلیم نہیں کیا، اسی طرح جس نے کسی کو اپنا دینی امیر یا شیخ تسلیم نہیں کیا جو اسے حق کی تعلیم دیتا اور نفس وشیطان کی پیروی سے بچاتا وہ اب بھی راہ حق سے دور ہے اور زمانۂ جاہلیت کی طرح خواہشوں میں ڈوبا ہوا ہے۔ اسی لحاظ سے ایسے شخص کی موت کو جاہلیت کی موت کہا گیا ہے۔

شریعت میں بیعت کی نہ صرف اہمیت ہے بلکہ سیرت طیبہ سے اس کا واضح ثبوت بھی ملتا ہے، صحابہ کرام نے نبی کریم ﷺ سے مختلف مواقع اور مختلف باتوں پر بیعت کا شرف حاصل کیا ہے۔ یہاں ان میں سے چند ایسے واقعات کا ذکر کیا جاتا ہے جن میں اجتماعی طور پر صحابہ کرام نے کسی خاص امر کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس پر بیعت کی۔

۱۔ بیعت عقبۂ اولیٰ

اسلام میں یہ پہلا معاہدہ یا پہلی بیعت تھی جو اللہ وحدہٗ لاشریک لہ پر ایمان لانے، آخرت پر کامل یقین کرنے، برائیوں سے پرہیز کرنے اور تقویٰ اختیار کرنے پر کی گئی تھی اور اس کے بدلے جنت کا وعدہ کیا گیا تھا۔

عبادہ بن ثابت فرماتے ہیں کہ عقبۂ اولیٰ کے موقع پر ہم بارہ افراد موجود تھے، ہم لوگوں نے حضور ﷺ سے بیعت کی اور یہ بیعت اس بات پر ہوئی تھی کہ ہم لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے، چوری نہیں کریں گے، زنا نہیں کریں گے، اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گے، بہتان تراشی نہیں کریں گے اور نہ ہی کبھی کسی کام میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی کریں گے۔

اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اگر تم لوگوں نے اپنا وعدہ پورا کیا، تو تمہارے لیے جنت ہے اور اگر تم نے اپنے اس وعدے کو پورا کرنے میں تھوڑی بھی غفلت برتی، تو تمہارا معاملہ اللہ کے اختیار میں ہے، اگر وہ چاہے تو عذاب دے اور اگر چاہے تو بخش دے۔ (مسند احمد، عبادہ بن ثابت)

۲۔ بیعت عقبۂ ثانیہ

بعثت کے ۱۳؍ ویں سال (جون سنہ ۶۲۲ء) میں حج کے موقع پر ستر سے زیادہ لوگ مکہ آئے۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

قبیلۂ انصار نے آپس میں بات کی کہ ہم رسول اللہ ﷺ کو کب تک مکہ کی پہاڑیوں میں خوف واندیشے کے عالم میں چھوڑے رہیں گے، چنانچہ ہم ستر افراد نکلے، مقام عقبہ میں جمع ہوئے اور کہا: یا رسول اللہ! ہم سب آپ کو مدینہ لے جانا چاہتے ہیں، آپ فرمائیں کہ ہم آپ سے کس چیز پر معاہدہ و بیعت کریں؟ آپ نے فرمایا: تم لوگ مجھ سے مندرجہ ذیل باتوں کا عہد کرو:

- ہر دکھ سکھ میں حق بات سنو گے اور اس کی اطاعت کرو گے۔
- تنگدستی وخوشحالی ہر حال میں اللہ کے نام پر اپنا مال خرچ کرو گے۔
- لوگوں کو نیکی اور بھلائی کا حکم دو گے اور برائی سے روکو گے۔
- ہمیشہ اللہ کی بات کرو گے اور اللہ کی رضا کے لیے کسی ملامت کی پرواہ نہیں کرو گے۔
- اگر میں تمہارے پاس ہجرت کر جاؤں، تو تم لوگ میری مدد کرو گے اور میری ایسی ہی حفاظت کرو گے جیسی حفاظت تم اپنی جانوں، بیویوں اور اولاد کی کرتے ہو، اس کا بدلہ تمہارے لیے جنت ہے۔

حضرت جابر کا بیان ہے کہ یہ سن کر ہم لوگ حضور ﷺ کی طرف بڑھے اور بیعت کی۔ (احمد)

اس بیعت کی پہلی چار شقوں میں ایمان کو کمال تک پہنچانے اور اللہ کی رضا کے لیے سب کچھ قربان کرنے کی بات کہی گئی ہے اور کمال ایمان یہ ہے کہ بندہ کو نہ خالق سے شکایت رہے اور نہ ہی مخلوق سے، اور یہ اسی وقت ہوگا جب بندہ مکمل طور پر اپنے آپ کو اللہ اور اس کے رسول کے سپرد کر دے اور دین وشریعت کے نفاذ اور اس کے دفاع کے لیے کسی کی ملامت کی کوئی پرواہ نہ کرے۔

اس بیعت کی آخری شق میں آپ ﷺ نے ہجرت کا ذکر کیا اور اپنی جان و مال اور اولاد سے زیادہ آپ ﷺ کی مدد ونصرت اور حفاظت وصیانت کرنے پر بیعت لی۔ اس بیعت کو بھی ہم اہل محبت بیعت ایمان وتقویٰ کہتے ہیں، بعض لوگ اس آخری شق کو بیعت ریاست و خلافت قرار دیتے ہیں، شاید انھیں یہ پتا نہیں کہ رسول کی بعثت کا بنیادی مقصد انذار وتبشیر ہے، کفر و شرک کے دلدل سے لوگوں کو نکال کر اللہ تک پہنچانا ہے نہ کہ ریاست وحکومت قائم کرنا ہے،

ریاست وحکومت اس مقصد عظیم کے حصول کا ایک ذریعہ ہے خود مقصود نہیں ہے۔

۳۔ بیعت رضوان

یہ وہ بیعت ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے موقع پر ببول کے درخت کے نیچے لی تھی۔ اس بیعت کی وجہ یہ رہی کہ آپ ﷺ نے ۱۴۰۰/اصحاب کے ساتھ یکم ذی قعدہ سنہ ۶ھ کو عمرہ کی ادائیگی کا قصد کیا، قریش نے اپنی اَنانیت کے سبب آپ ﷺ کو عمرہ کرنے سے روک دیا، آپ ﷺ تقریباً بیس روز تک مقام حدیبیہ میں مصالحت کی کوشش کرتے رہے۔ ایک دن حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو قریش سے بات چیت کے لیے بھیجا، لیکن کوئی کامیابی نہیں ملی اور ابھی عثمان غنی واپس بھی نہیں ہوئے تھے کہ اللہ نے آپ ﷺ کو ضرورت پڑنے پر جاں نثاری کے لیے مسلمانوں سے بیعت کا حکم دیا۔ سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی جانب سے ندا دینے والے نے ندادی: اے لوگو! بیعت کرو، بیعت کرو، حضرت جبریل علیہ الصلاۃ والسلام وحی لے کر آئے ہیں: لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ۝۱۸ (فتح) اللہ تعالیٰ ان مومنین سے راضی ہوا جنھوں نے حضور ﷺ کے دست اقدس پر درخت کے نیچے بیعت کی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، غزوۂ حدیبیہ)

یہ بیعت بظاہر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے انتقام کے لیے تھی لیکن اس کے پس پشت ایک زبردست راز پنہاں تھا وہ یہ کہ اس کے فوراً بعد ایک معاہدہ ہونا تھا جو بظاہر شکست کو قبول کرنا اور مدمقابل کو یکسر تسلیم کرلینا تھا، اسی لیے اس پیشگی بیعت یا تجدید عہد کے ذریعے اس معاہدے کو تسلیم کرنے کے لیے ایک نئی روح پھونکی گئی۔

۴۔ بیعت فتح مکہ: (بیعت ایمان)

حضرت اسود بن خلف رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ فتح مکہ کے دن میں نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہوا جب آپ مقام 'مسفلہ' میں تشریف فرما تھے، چندلوگ آپ کے پاس آئے: فَبَايَعَ النَّاسَ عَلَى الْإِسْلَامِ وَ الشَّهَادَةِ۔ تو آپ ﷺ نے ان لوگوں سے اسلام اور شہادت پر بیعت لی۔

راوی سے پوچھا گیا کہ یہ شہادت کیا ہے؟ تو انھوں نے کہا: أَنَّهُ بَايَعَهُمْ عَلَى الْإِيمَانِ بِاللّٰهِ، وَ شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَ رَسُولُهُ۔ آپ نے ان لوگوں سے ایمان باللہ اور اس بات کی شہادت پر بیعت کی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ (مسند امام احمد از اسود بن خلف)

صحابہ کی ایک دوسرے سے بیعت

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جب یرموک کا معرکہ پیش آیا تو عکرمہ رضی اللہ عنہ نے یرموک کے دن کہا: قَاتَلْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَوَاطِنَ وَأَفِرُّ مِنْكُمُ الْيَوْمَ؟ ثُمَّ نَادَى: مَنْ يُبَايِعُ عَلَى الْمَوْتِ؟ فَبَايَعَهُ عَمُّهُ الْحَارِثُ بْنُ هِشَامٍ، وَضِرَارُ بْنُ الْأَزْوَرِ، وَمَعَهُمَا أَرْبَعُ مِائَةٍ مِنْ فُرْسَانِ الْمُسْلِمِينَ، وَقَاتَلُوا قِتَالًا مَرِيرًا حَتَّى قُتِلَ كَثِيرٌ مِنْهُمْ. (البدایۃ والنہایۃ، ج:۷ ص:۱۲-۱۱)

میں نے رسول اللہ ﷺ کے خلاف بہت سے مقامات پر قتال کیا ہے، تو کیا آج میں تم لوگوں کو چھوڑ کر بھاگ جاؤں گا؟ پھر انھوں نے پکارا: کون ہے جو شہید ہونے کے لیے بیعت (عہد) کرے، چنانچہ ان کے چچا عمر بن حارث اور ضرار بن ازور نے چار سو مسلم لشکریوں کے ساتھ بیعت کی اور بڑی بہادری سے جنگ کرتے ہوئے، بہت سے لوگ شہید ہو گئے۔

اگر کوئی شخص اس واقعے پر غور کرے تو پائے گا کہ یہ بیعت کے ثبوت پر روشن دلیل ہے جو حضرت عکرمہ نے نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر کچھ کلام نہ فرمایا، چنانچہ اسی سنت کو عارفین باللہ نے جہاد بالنفس کے لیے زندہ رکھا اور فروغ دیا جو اللہ کے فضل و کرم سے آج بھی عوام وخواص میں رائج اور قلوب کی پاکیزگی اور صفائی کا باعث ہے۔

صحبت کی اہمیت وفضیلت

صحبت کے معنی رفاقت اور سنگت کے ہیں، اسی سے صحابی اور صاحب آیا ہے جس کا مطلب ہوتا ہے کہ کوئی شخص کسی سے ملاقات کرے، اس کے ساتھ کچھ دن گزارے، اس سے تعلیم حاصل کرے اور اس کے اخلاق وعادات اپنائے۔

ست سنگت کی یہی نشانی
مٹ جائے من کی من مانی

سنگت اور رفاقت کی انسانی زندگی میں بہت اہمیت ہے، کیونکہ کوئی بھی انسان علوم وفنون اور اخلاق وعادات کتاب سے حاصل کرتا ہے یا کسی کی صحبت سے، ان میں سب سے زیادہ اہمیت صحبت کی ہے کیونکہ انسان کتابوں سے معلومات تو فراہم کرسکتا ہے مگر عمل اور تجربے میں نہیں لاسکتا، کام جتنا اہم ہوتا ہے صحبت اور تجربے کی ضرورت اتنی ہی زیادہ ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: إِنِّي تَارِكٌ فِيكُمُ الثَّقَلَيْنِ كِتَابَ اللّٰهِ وَعِتْرَتِي أَلَا وَإِنَّهُمَا لَنْ يَفْتَرِقَا، حَتّٰى يَرِدَا عَلَيَّ الْحَوْضَ۔ (مسند احمد، ابوسعید خدری) میں تمہارے درمیان دو گراں قدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، اللہ کی کتاب اور میری عترت (حاملین قرآن)، یہ دونوں کبھی جدا نہ ہوں گے

یہاں تک کہ حوض کوثر پر مجھ سے ملیں گے۔

دین عمل سے عبارت ہے، صرف علم سے کوئی مسلمان، دیندار نہیں ہوسکتا، اسی لیے دین سیکھنے کے لیے کسی صالح اور نیک بندے کی صحبت ضروری ہے، کتاب یا محض کتاب خواں استاذ سے دین حاصل نہیں کیا جاسکتا۔

فضیلت صحبت قرآن کی روشنی میں

اللہ تعالی نے قرآن کریم میں متعدد مقامات پر الگ الگ انداز میں صحبت کی اہمیت کو واضح فرمایا ہے۔

۱۔ يَآأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اتَّقُوْا اللهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِيْنَ۔ (توبہ:۱۱۹)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور نیکوں اور سچوں کی صحبت اختیار کرو۔

۲۔ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهٗ فُرُطًا۔ (کہف:۲۸)

اپنے آپ کو ان کے پاس روکے رکھو جو صبح وشام اپنے رب کو یاد کرتے ہیں، اس کی رضا چاہتے ہیں، ان کو دیکھتے رہو، ان سے اپنی نگاہیں نہ ہٹاؤ، دنیاوی زندگی کی آرائش نہ چاہو اور ان کی پیروی نہ کرو جن کے قلب کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے، جس نے اپنی خواہش کی اتباع کی اور اس کا معاملہ حد سے بڑھا ہوا ہے۔

۳۔ وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ (لقمان:۱۵) اس کی اتباع کرو جو ہمیشہ میری طرف مائل ہو۔

۴۔ وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلَى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يَالَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا يَاوَيْلَتٰى لَيْتَنِي لَمْ أَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا لَقَدْ أَضَلَّنِي عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ إِذْ جَاءَنِي وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِلْإِنْسَانِ خَذُوْلًا (فرقان:۲۷،۲۸،۲۹)

قیامت کے دن ظالم افسوس کرے گا، کہے گا کاش! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کی ہوتی، ہائے خرابی! میں نے کسی برے کو دوست نہ بنایا ہوتا، حق واضح ہونے کے بعد بھی جس نے مجھے گمراہ کیا اور شیطان (عذاب کے وقت) انسان کو بے یار و مددگار چھوڑ دیتا ہے۔

۵۔ اَلْأَخِلَّاءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ إِلَّا الْمُتَّقِيْنَ (زخرف:۶۷)

گہرے دوست قیامت کے دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے سوائے متقیوں کے کہ ان کی دوستی آخرت میں بھی باقی رہے گی۔

۶۔ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ الرَّحْمٰنُ فَاسْأَلْ بِهٖ خَبِيْرًا۔ (فرقان:۵۹)

پھر رحمٰن نے اپنی شان کے مطابق عرش پر استوا فرمایا تو کسی مرد عارف سے اس کی معرفت دریافت کرو۔

۷۔ قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ أَتَّبِعُكَ عَلٰى أَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا قَالَ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا، وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا۔ (کہف:۶۶،۶۷)

حضرت موسیٰ نے حضرت خضر سے کہا: کیا میں آپ کے ساتھ رہوں تا کہ آپ مجھے نیک بات سکھا دیں جس کی تعلیم آپ کو دی گئی ہے، حضرت خضر نے جواب دیا تم میرے ساتھ صبر نہیں کرسکو گے اور کیسے اس پر صبر کرسکو گے جس سے تمہیں شناسائی نہیں ہے۔

فضیلت صحبت حدیث کی روشنی میں

قرآن کی طرح بہت ساری حدیثوں میں بھی صحبت کی فضیلت واہمیت آئی ہے ان میں چند کا ذکر کیا جاتا ہے۔

۱۔ مَثَلُ الْجَلِيْسِ الصَّالِحِ وَالسَّوْءِ كَحَامِلِ الْمِسْکِ وَنَافِخِ الْكِيْرِ فَحَامِلُ الْمِسْکِ إِمَّا أَنْ يُّحْذِيَکَ وَإِمَّا أَنْ تَبْتَاعَ مِنْهُ وَإِمَّا أَنْ تَجِدَ مِنْهُ رِيْحًا طَيِّبَةً وَنَافِخُ الْكِيْرِ إِمَّا أَنْ يُّحْرِقَ ثِيَابَکَ وَإِمَّا أَنْ تَجِدَ رِيْحًا خَبِيْثَةً۔ (بخاری: کتاب البیوع، مسلم)

نیک ساتھی اور برے ساتھی کی مثال مشک والے اور بھٹی دھونکنے والے کی طرح ہے، مشک والا یا تو تمھیں یوں ہی مشک دے گا یا تم اس سے مشک خرید لوگے ورنہ کم سے کم تم کو اس سے اچھی خوشبو آئے گئی اور بھٹی دھونکنے والا یا تو تمہارے کپڑے جلادے گا ورنہ تم کو اس سے بدبو ضرور آئے گی۔

۲۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا، یارسول اللہ! کون سے دوست اچھے ہیں؟ آپ نے فرمایا: مَنْ ذَكَّرَكُمُ اللهَ رُؤْيَتُهٗ، وَزَادَ فِي عَمَلِكُمْ مَنْطِقُهٗ، وَذَكَّرَكُمْ فِي الْآخِرَةِ عَمَلُهٗ۔ (مسند ابی یعلی) جن کا دیکھنا تمھیں اللہ کی یاد دلا دے جن کی گفتگو تمہارے عمل میں اضافہ کر دے اور جن کا عمل تمھیں آخرت کی یاد دلا دے۔

۳۔ اَلرَّجُلُ عَلٰى دِيْنِ خَلِيْلِهٖ فَلْيَنْظُرْ أَحَدُكُمْ مَنْ يُّخَالِلُ۔ (ترمذی: ابواب الزہد) ہر شخص اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے تو جب بھی کوئی دوست بنائے تو پہلے غور وفکر کرلیا کرے

۴۔ اللہ کے کچھ ایسے بندے ہیں جو نہ نبی ہیں نہ شہید، لیکن اللہ کے نزدیک ان کے بلند مرتبہ ہونے کی وجہ سے قیامت کے دن ان پر انبیا اور شہدا رشک کریں گے، صحابہ نے پوچھا یارسول اللہ! ہمیں بتائیں کہ وہ کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا: وہ ایسی قوم ہے جو رشتے داروں اور مال کی محبت سے زیادہ روح اللہ (یعنی قران) سے محبت رکھتی ہے، اللہ کی قسم! ان کے چہرے روشن ہیں اور وہ ایسے نور کے ساتھ ہیں جس کی وجہ سے وہ لوگ قیامت کے دن بے خوف ہوں گے، جبکہ لوگ خوف و

ہراس کے عالم میں ہوں گے اور انھیں کوئی غم نہیں ہوگا، جبکہ لوگ غم واندوہ کے عالم میں ہوں گے، پھر آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: ”أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ۔ اللہ کے ولیوں کو نہ کوئی خوف ہے اور نہ کوئی غم۔ (ابوداؤد: کتاب البیوع)

۵۔ حضرت ابوذر غفاری نے کہا: یارسول اللہ! ایک شخص کسی جماعت سے محبت رکھتا ہے لیکن ان کی طرح عمل کرنے کی طاقت نہیں رکھتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: أَنْتَ يَا أَبَا ذَرٍّ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ۔ اے ابوذر! تم اسی کے ساتھ ہو جس سے تم محبت رکھتے ہو۔ انھوں نے پھر کہا: میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: فَأَنْتَ يَا أَبَا ذَرٍّ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ۔ اے ابوذر! تب تو تم اسی کے ساتھ ہو جس سے تم محبت رکھتے ہو۔ (ابوداؤد)

۶۔ حضرت حنظلہ اسیدی رضی اللہ عنہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے کاتب تھے انھوں نے کہا: میری ملاقات حضرت ابوبکر سے ہوئی، آپ نے پوچھا: اے حنظلہ! تم کیسے ہو؟ میں نے جواب دیا: حنظلہ منافق ہوگیا۔ انھوں نے کہا: سبحان اللہ! تم کیا کہہ رہے ہو؟ میں نے کہا کہ جب ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مجلس میں ہوتے ہیں اور جنت ودوزخ کا ذکر ہوتا ہے تو ایسا محسوس ہوتا ہے گویا ہم انھیں سر کی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اور جب ہم مجلس سے نکل جاتے ہیں، اہل وعیال اور کھیتوں میں مصروف ہوجاتے ہیں تو بہت کچھ بھول جاتے ہیں یعنی آپ پر مجلس جیسی استغراقی کیفیت طاری نہیں رہتی تھی۔ حضرت ابوبکر نے فرمایا: میری بھی یہی کیفیت رہتی ہے۔ پھر میں اور ابوبکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! حنظلہ منافق ہوگیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دریافت فرمایا: کیا معاملہ ہے؟ میں نے کہا: جب ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مجلس میں ہوتے ہیں اور جنت ودوزخ کا ذکر ہوتا ہے تو ایسا محسوس ہوتا ہے گویا ہم انھیں سر کی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اور جب ہم مجلس سے نکل جاتے ہیں، اہل وعیال اور کھیتوں میں مصروف ہوجاتے ہیں تو بہت کچھ بھول جاتے ہیں۔

یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنْ لَوْ تَدُومُونَ عَلَى مَا تَكُونُونَ عِنْدِي، وَفِي الذِّكْرِ، لَصَافَحَتْكُمُ الْمَلَائِكَةُ عَلَى فُرُشِكُمْ وَفِي طُرُقِكُمْ، وَلَكِنْ يَا حَنْظَلَةُ سَاعَةً وَسَاعَةً۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، تم میرے پاس ذکر وفکر کی جس کیفیت میں ہوتے ہو، اگر تمہاری وہ کیفیت ہمیشہ رہے تو تمہارے بستروں اور راستوں پر فرشتے تم سے مصافحہ کرتے لیکن اے حنظلہ! یہ کیفیت کبھی کبھی رہتی ہے۔ (مسلم: کتاب التوبہ)

غور کیجیے! صحابۂ کرام پر جب بعض اوقات استغراقی کیفیت طاری نہیں رہتی تھی وہ اپنے آپ کو منافق تصور کرتے تھے لیکن ہمارا کتنا برا حال ہے کہ ہم نماز میں بھی اللہ کو یاد نہیں کر پاتے۔ اس حدیث سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ بندے پر صالحین کی صحبت کا کیا اثر پڑتا ہے اور ان کی دوری سے کیا نتائج

نکلتے ہیں اور جو لوگ صالحین کی صحبت میں نہیں رہتے وہ کتنے خسارے میں ہوتے ہیں۔ اس لیے صالحین کا فرمان ہے کہ سال کے کچھ دن صالحین کی صحبت میں گزارنا چاہیے، خاص کر علما اور طلبہ کے لیے تو نیکوں کی صحبت تریاق ہے، تاکہ ان کی روحانی اور فکری تربیت ہو سکے۔

سیدی ومرشدی داعی اسلام شیخ ابوسعید ادامہ اللہ اکثر فرمایا کرتے ہیں کہ ہم حنفی تو ہوگئے، نعمانی کب ہوں گے؟ آپ امام اعظم کے اس قول کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں: لَوْ لَا السَّنَتَانِ لَهَلَكَ النُّعْمَانُ۔ یعنی اگر امام جعفر صادق کی بارگاہ میں نعمان دو سال نہ گزارتا تو ہلاک ہوجاتا۔

داعی اسلام فرماتے ہیں کہ حضرت نعمان بن ثابت، اسلام کے تو امام اعظم تھے لیکن ایمان اور احسان سیکھنے کے لیے امام جعفر صادق کی صحبت میں دو سال رہے، ایک سال ایمان کے لیے اور ایک سال احسان کے لیے۔

مشائخ فرماتے ہیں کہ بیعت کے بعد صحبت کی سخت ضرورت ہے تاکہ توبہ پر استقامت ہو سکے ورنہ بیعت صرف رسمی ہوکر رہ جائے گی اور اس کا کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوگا جیسا کہ بالعموم اس زمانے میں اس کا مشاہدہ کیا جاتا ہے اور اس کی وجہ سے یہ غلط رائے عام ہوتی جا رہی ہے کہ پیری مریدی کا کوئی فائدہ نہیں، بلکہ نقصان ہے واقعہ یہ ہے کہ جب تک بیعت مشائخ کرام کے طریقے اور سنت پر نہیں ہوگی اس کا کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوسکتا۔ بطور خاص بیعت کے بعد مرشد کامل کی صحبت اصلاح حال کے لیے شرط اول ہے

کیا بیعت واجب شرعی ہے؟

اسلام کی تبلیغ واشاعت میں صوفیہ کی خدمات نمایاں رہی ہیں، عوام وخواص پر ان کے گہرے اثرات مرتب ہیں جن کی وجہ سے عوام میں ان کے خاص معمولات وحقائق رسمی طور پر رائج ہوگئے ہیں، صوفیہ کے رموز وحقائق میں سے بیعت بھی ہے، لیکن آج کل لوگ بیعت پر کئی طرح سے سوال اٹھانے لگے ہیں ان ہی میں سے ایک سوال یہ ہے کہ کیا بیعت واجب شرعی ہے؟ بعض حضرات اسے دین کا ایک اہم رکن اور واجب شرعی سمجھتے ہیں۔ بیعت کے بغیر دنیا وآخرت میں کامیابی پانا ممکن نہیں ہے، اپنی اس بات پر قرآن وحدیث سے دلیل قائم کرتے ہیں مثلاً اللہ کا یہ ارشاد: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَ جَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ (مائدہ: ۵: ۳۵) اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس تک پہنچنے کا وسیلہ تلاش کرو اور اس کی راہ میں مجاہدہ کرو تاکہ تم کامیاب ہوجاؤ۔

دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے: يَوْمَ نَدْعُوْ كُلَّ أُنَاسٍۭ بِإِمَامِهِمْ فَمَنْ أُوْتِيَ كِتَابَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَأُولٰٓئِكَ يَقْرَءُوْنَ كِتَابَهُمْ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا، وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ أَعْمٰى فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ

أَعْمٰى وَأَضَلُّ سَبِيْلًا ۔ (اسرا:۱۷۔۷۲)

جس دن ہم ہر جماعت کواس کے امام کے ساتھ بلائیں گے، جس کا نامۂ اعمال داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا وہ اس کو پڑھے گا، اس پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا اور جو اس زندگی میں اندھا ہے وہ آخرت میں اندھا ہوگا، بلکہ اور بھی زیادہ گمراہ ہوگا۔

بعض حضرات مشائخ کا یہ قول بھی دلیل میں پیش کرتے ہیں:

مَنْ لَّا شَيْخَ لَهٗ فَالشَّيْطَانُ شَيْخُهٗ۔ جس کا کوئی شیخ نہیں شیطان اس کا شیخ ہے۔

یہاں ایک دوسرا طبقہ بھی ہے جو بیعت وارادت اور پیری مریدی کو درست نہیں سمجھتا ہے، بلکہ اپنے لیے صرف قرآن وحدیث کو کافی سمجھتا ہے اور بیعت وارادت کو دین میں اضافہ سمجھتا ہے۔

اس مسئلے کو صحیح طور سے سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم یہ سمجھیں کہ فلاح وکامیابی کیا ہے اور اس کے درجات کیا ہیں؟ فلاح، یعنی آخرت میں کامیابی کی تین قسمیں ہیں:

۱۔فلاح عام (نجات)

۲۔فلاح خاص (عذاب سے مکمل نجات)

۳۔فلاح خاص الخاص (معرفت)

فلاح عام یہ ہے کہ کبیرہ گناہوں کا مرتکب شخص جنت میں داخل ہوجائے، اللہ کے فضل سے یا کسی شفاعت کرنے والے کی شفاعت سے، اگرچہ اسے ایک عرصے تک جہنم میں رہنا پڑے۔ اس فلاح کو فلاح مغفرت بھی کہتے ہیں۔

یہ فلاح مسلمان اور ہر اس شخص کے لیے ثابت ہے جس تک کوئی نبی یا نائب نبی نہیں پہنچا اور اس نے دل سے یہ تسلیم کیا کہ اللہ ایک ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

فَمَازِلْتُ أَتَرَدَّدُ عَلٰى رَبِّي، فَلَا أَقُوْمُ مَقَامًا إِلَّا شُفِّعْتُ، حَتّٰى أَعْطَانِي اللهُ مِنْ ذٰلِكَ، أَنْ قَالَ: يَا مُحَمَّدُ أَدْخِلْ مِنْ أُمَّتِكَ مِنْ خَلْقِ اللهِ، مَنْ شَهِدَ أَنَّهٗ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ يَوْمًا وَاحِدًا مُخْلِصًا، وَمَاتَ عَلٰى ذٰلِكَ۔ (مسند احمد، انس بن مالک)

میں اللہ کی بارگاہ میں دعا کروں گا اور بغیر شفاعت کرائے نہیں اٹھوں گا، یہاں تک کہ اللہ مجھ سے کہے گا: اے محمد! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ اپنی ہر اس امتی کو جنت میں داخل کریں جس نے ایک دن بھی سچے دل سے یہ گواہی دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اسی پر اس کی موت ہوئی ہو۔

اس فلاحِ عام کے لیے اس مرشد کی ضرورت ہے جو اُسے کلمۂ توحید پڑھائے، بنیادی عقائد بتائے، دینی ضروریات جیسے نماز، روزہ وغیرہ کی تعلیم دے۔ والدین ہوں یا اساتذہ، سب اس کے لیے مرشد ورہنما ہیں۔

قرآن کی تشریح نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی ہے اور اللہ کی شریعت کو بندوں کے سامنے پیش کیا ہے۔ اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ازاول تا آخر عوام وخواص سب کے لیے ہادی ومرشد اعظم کی ہے۔ ہر شخص ان کی ہدایت سے فائدہ اٹھاتا ہے اور سب کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت پر عمل کرنا واجب ہے۔

فلاح خاص یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کو بخش دے اور اس کو جہنم میں داخل کیے بغیر جنت میں داخل کردے۔ اسے فلاح تقوی بھی کہا جاتا ہے، جو عام صالحین کو حاصل ہے۔ یہ وہی فلاح ہے جس کی طرف سبقت کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے:

سَابِقُوْا إِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۔ (حدید:۲۱) اپنے رب کی بخشش کی طرف تیزی سے دوڑو۔

اس فلاح خاص کے لیے مرشد خاص کی ضرورت ہے۔ قرآن واحادیث، علمائے ربانیین کی کتابیں، مشائخ کے ملفوظات، نیکوں کی صحبت، یہ سب مرشد خاص میں شامل ہیں جن سے قلوب کی بیماریاں اور نفس کی خرابیاں دور کی جاسکتی ہیں۔

فلاح خاص الخاص یہ ہے کہ قلب اور قالب رذائل سے پاک ہو اور فضائل سے مزین ہو، یہاں تک کہ دل شرک خفی کے باقیات یعنی غیریت کے عنصر سے بالکل پاک ہوجائے، کمال کے اعلی درجے پر پہنچ جائے، تجلیات ربانی کا مشاہدہ کرنے لگے اور اس کا مقصود صرف اللہ ہوجائے، پھر اس کی کیفیت لَا مَشْهُوْدَ اِلَّا اللهُ اور پھر لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا اللهُ تک پہنچ جائے، یعنی پہلے غیر کے ارادے سے دل کو خالی کرے، پھر غیر اس کی نگاہوں سے دور ہوجائے یہاں تک کہ وہ اپنے قلب کی آنکھوں سے تجلیات کا مشاہدہ کرنے لگے، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

حضرت جبریل علیہ السلام نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ احسان کیا ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: أَنْ تَعْبُدَ اللهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ، فَإِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهٗ يَرَاكَ ۔ (بخاری، کیف بدأ الوحی)

آپ اللہ کی عبادت اس طور پر کریں گویا آپ اللہ کو دیکھ رہے ہیں، اگر یہ نہ ہوسکے کہ آپ اللہ کو دیکھ رہے ہیں تو کم سے کم یہ یقین ضرور ہو کہ اللہ آپ کو دیکھ رہا ہے۔

یہ فلاح کا اعلیٰ درجہ اور سیر الی اللہ کی انتہا ہے اور اسی کو مقام احسان بھی کہتے ہیں۔

فلاح خاص میں عذاب سے دوری اور راحت کا حصول ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ۔ (آل عمران:۱۸۵) جسے جہنم سے بچایا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا، وہی کامیاب ہے۔

فلاح خاص الخاص اس سے بہت بلند ہے کیونکہ صاحب احسان عذاب کے خوف اور جنت کی

خواہش سے بلند ہوجاتا ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ۔ (یونس: ٦٢) یقیناً اللہ کے برگزیدہ بندوں کو نہ کوئی خوف ہے اور نہ ہی کوئی غم۔

اس فلاح کے حصول کے لیے انسان کو ایک کامل مرشد اور مربی کی ضرورت ہے۔ عارفین باللہ کی بیعت حقیقتاً اسی فلاح کے لیے ہے اور اگر بعض لوگ اس فلاح کے حصول کا قصد کیے بغیر بیعت ہوتے ہیں تو اسے یا تو بیعت توبہ کہیں گے یا بیعت تبرک کہیں گے، اس سے بھی آخرت میں کچھ نہ کچھ فائدہ ضرور ہوگا۔

لیکن صوفیۂ کرام کے یہاں جو بیعت مطلوب اور مقصود ہے وہ بیعت احسان ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایمان لانے اور تقویٰ اختیار کرنے کے بعد کسی مرشد کو تلاش کرنے کا حکم دیا ہے اور اس کی بارگاہ میں رہ کر مجاہدہ وریاضت کرنے کے لیے کہا ہے تاکہ فلاح خاص الخاص یعنی معرفت الٰہی حاصل ہوسکے۔ فرمان الٰہی ہے: يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ۔ (مائدہ: ٣٣) اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اس کی بارگاہ تک رسائی کے لیے وسیلہ تلاش کرو اور اس کی راہ میں مجاہدہ وریاضت کرو تاکہ تم فلاح پا جاؤ۔

جو شخص وسیلۂ خاص الخاص اور مرشد کامل اختیار نہیں کرے گا، وہ فلاح احسان نہیں پائے گا، وہ اللہ کی معرفت حاصل نہیں کرسکے گا، اس کا قلب اللہ کی تجلیات سے منور نہیں ہوگا اور وہ مولیٰ کے دیدار سے محروم رہے گا اور یہ جان لیں کہ جو اس دنیا میں محروم رہے گا وہ آخرت میں بھی محروم رہے گا۔

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: وَمَنْ كَانَ فِي هَذِهِ أَعْمَى فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمَى وَأَضَلُّ سَبِيلًا۔ (اسرا: ١٧۔ ٧٢) جو اس زندگی میں اندھا ہے وہ آخرت میں اندھا ہوگا، بلکہ اس سے بھی زیادہ گمراہ۔

اس گفتگو سے واضح ہوا کہ ہر مسلمان کے لیے بیعت ہونا ضروری تو نہیں ہے، لیکن اُسے یقینی طور پر ایسے مرشد کی ضرورت ہے جو اسے ضروریات دین کا علم دے، نیز واجبات شرعیہ پر کاربند رہنے اور محرمات سے بچنے کی تلقین کرے اور خواہ یہ مرشد کتاب کی شکل میں ہو، والدین کی شکل میں ہو یا پھر اساتذہ ومشائخ کی شکل میں۔

ہاں! جو اپنے دل سے غیر اللہ کا تصور مٹانا چاہتا ہے اور اپنی عبادتوں خاص کر نمازوں میں کأنک تراہ (گویا کہ تم اللہ کو دیکھ رہے ہو) کی کیفیت حاصل کرنا چاہتا ہے، اس کے لیے اللہ کے نیک بندوں کی صحبت اختیار کرنا ضروری ہے تاکہ اللہ تعالیٰ ان کی برکات سے قلوب کی بیماریوں کو دور فرمائے۔

لیکن جو اِس سے بھی اعلیٰ مقام چاہتا ہے اُسے ایسے شیخ کی صحبت وبیعت کی ضرورت ہے جو

خود بھی کامل ہو اور دوسروں کو بھی کامل بنانے والا ہو۔ جو دلوں کے امراض سے بھی واقف ہو اور علاج سے بھی۔ جو اس راہ کی گھاٹیوں سے بھی واقف ہو اور اپنے مریدوں کو ان سے نجات بھی دلاتا ہو۔ جنید وشبلی اور بایزید وتبریزی اسی مرشد خاص الخاص کی مثالیں ہیں۔ مرشد خاص الخاص اصل میں آپ کا ذاتی ڈاکٹر ہوتا ہے جو قریب سے آپ کے امراض کا جائزہ لیتا ہے اور خصوصیت کے ساتھ آپ کے لیے دوائیں تجویز کرتا ہے۔

کیا قرآن وحدیث ہدایت کے لیے کافی نہیں ہیں؟

اب تک کی گفتگو سے ہی یہ سوال بے غبار ہوگیا ہوگا لیکن مزید وضاحت کے لیے دوسرے علوم وفنون سے اس کی مثالیں پیش کی جاتیں ہیں تاکہ اس مسئلے میں کسی طرح کا کوئی تردد اور شک و شبہ باقی نہ رہ جائے۔

ہم جوہری یا سونار کے پاس جاتے ہیں اور اس کے سامنے اپنے جواہرات وزیورات پیش کرتے ہیں، وہ کسی کے بارے میں کہتا ہے کہ یہ کھوٹا ہے، کسی کے بارے میں کہتا ہے اس میں ١٠٠ فی صد سونا ہے لیکن ہم میں سے کوئی یہ نہیں پوچھتا کہ تم نے یہ کیسے جانا؟ اگرچہ وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہی کیوں نہ ہو؟ ٹھیک اسی طرح قلب وروح کے امراض ومحاسن بھی ایسے ہی ہیں کہ بغیر طویل صحبت و تجربہ کے جوہری کی طرح اس کے کھوٹے اور کھرے کو نہیں جانا جاسکتا جب ہمیں اس کا علم ہی نہیں تو علاج اور تزئین وتحسین کے مرحلے سے کیسے گزرا جاسکتا ہے۔

فن حدیث میں جرح وطعن ایک قسم کی علت ہے، اس کی شناخت ماہرین فن میں سے صرف تجربہ کار افراد ہی کر پاتے ہیں، عظیم ناقد حدیث علامہ عبدالرحمن ابن م※ دي فرماتے ہیں: علت حدیث کی معرفت الہام ہے، اگر آپ کسی علت حدیث جاننے والے سے پوچھیں: تم نے یہ حکم کیسے لگایا؟ تو اس کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں ہوگا، کوئی ایسی دلیل نہیں ہوگی جس سے وہ اپنی بات کو ثابت کرسکے۔

آگے فرماتے ہیں: یہ سب کچھ مدت دراز کی ہم نشینی، بحث ومباحثہ اور طویل تجربہ سے حاصل ہوتا ہے۔ (تدریب الراوی)

علم حدیث علوم اسلامیہ میں بہت اہم فن ہے لیکن ظاہر ہے کہ جو اہمیت اور نزاکت ولطافت تزکیہ قلوب کو حاصل ہے وہ اس فن کو حاصل نہیں ہے۔ اس تناظر میں تزکیہ نفس کی اہمیت اور اس کے ماہرین کی عظمت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اسی لیے مخدوم شیخ سعد خیر آبادی قدس سرہ فرماتے ہیں:

یہ ذہن نشین کرلو کہ تزکیہ واستعداد سے آراستہ مرید کے دل پر شیخ کے دل سے کمالات الٰہیہ کا اسی طرح انعکاس ہوتا ہے۔ یہ سب کتابوں کے مطالعے سے ہاتھ نہیں آتا۔ جس کا کوئی مرشد برحق

نہیں ہے، اگر وہ صوفیہ کی کتابوں کے مطالعے میں مشغول ہوگیا اور اسی پر قناعت کر لی، تو وہ اس شخص کی طرح ہے جو علم طب کی تلاش وجستجو میں ہے لیکن کسی ماہر حکیم کی شاگردی کے بغیر ہی وہ یقین رکھے ہوئے ہے کہ وہ غلطی کا شکار نہیں ہوگا، جب کہ نہ وہ مرض پہچانتا ہے اور نہ دوا کی مقدار و کیفیت سے واقف ہے۔ ایسے حکیم کے ہاتھوں بیمار صحت یاب ہونے کے بجائے ہلاک ہوجائے گا۔ (مجمع السلوک)

خواجہ ابوعلی دقاق فرماتے ہیں: ہر وہ درخت جو خود رو ہوگا اس میں پتیاں تو ہوں گی لیکن اس میں پھل نہیں آئے گا اور اگر پھل آیا بھی تو بد مزہ ہوگا۔ ایسے ہی وہ سالک جس کا کوئی پیر اور استاد نہ ہو، وہ ہوا پرست ہے۔ اسے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ (مجمع السلوک)

بیعت وارادت کے اقسام

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اللہ کے رسول ﷺ سے متعدد مواقع پر بیعت کی، کبھی اجتماعی طور پر اور کبھی انفرادی طور پر تجدید بیعت فرمائی۔ ان میں عمومی بیعتیں اسلام قبول کرنے، اس پر قائم رہنے اور تقوی اختیار کرنے کی ہیں۔ سب نے کسی تردد کے بغیر، ذوق وشوق سے اطاعت وفرماں برداری کی حامی بھری ثبوت بیعت میں اجتماعی طور پر بیعت کے واقعات کا ذکر ہو چکا ہے، انفرادی طور پر بھی مختلف مواقع پر صحابہ کرام نے جوش ایمانی کے اظہار اور استقامت کے لیے بیعت کی ہے، ان میں سے چند واقعات ذکر کیے جاتے ہیں:

مسلمانوں کے ساتھ اخلاص اور خیر خواہی پر بیعت

حضرت زیاد بن علاقہ بیان کرتے ہیں کہ جس دن مغیرہ بن شعبہ کا انتقال ہوا، اس دن جریر بن عبداللہ نے ایک خطبہ دیا اور اپنے خطبے میں فرمایا: میں ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کے لیے گیا اور کہا: میں آپ سے اسلام پر بیعت کرنا چاہتا ہوں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان کے ساتھ اخلاص اور خیر خواہی کی شرط کا اضافہ فرمایا، تو میں نے اسی پر بیعت کی۔
(صحیح بخاری: کتاب الایمان)

بیعت ارکان اسلام

حضرت بشر بن خصاصیہ بیان کرتے ہیں کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیعت کی نیت سے آئے اور کہا: یارسول اللہ! کس چیز پر مجھ سے بیعت لیں گے؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست اقدس بڑھاتے ہوئے فرمایا: شہادت دو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ یکتا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور بے شک محمد (ﷺ) اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور وقت پر پانچوں نمازیں قائم کرو، زکاۃ ادا کرو، رمضان کے پورے روزے رکھو، کعبہ مقدسہ کا حج کرو اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔ (مسند احمد، بشیر بن خصاصیہ)

بیعت تقویٰ

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے پانچ دفعہ بیعت لی اور سات بار مجھ سے پختہ عہد لیا اور نو بار مجھ سے اس بات کی شہادت لی کہ میں اللہ کی رضا کے لیے کسی ملامت سے نہ ڈروں، پھر مجھے رسول اللہ ﷺ نے بلایا اور فرمایا: کیا تم بیعت کی خواہش رکھتے ہو؟ اگر ہاں، تو تمہارے لیے جنت ہے۔ میں نے کہا: ہاں! اور اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے یہ عہد لیا:

تم لوگوں سے کسی بھی چیز کے لیے کچھ سوال نہ کروگے، میں نے کہا: قبول ہے۔ پھر فرمایا: اپنے کوڑے کے لیے بھی نہیں جو تمہارے ہاتھ سے چھوٹ کر گر جائے، یہاں تک کہ تم خود اُسے اٹھالو۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جو کچھ کہا گیا اس میں چھ دن تک خوب غور کرلو۔ پھر جب ساتواں دن آیا، تو حضور ﷺ نے فرمایا: میں تجھے ظاہری و باطنی معاملات میں تقویٰ اختیار کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ جب کوئی تمہارے ساتھ برا کرے، تو تم اس کے ساتھ اچھا سلوک کرو، کسی کے سامنے دست سوال نہ پھیلاؤ، اگر چہ تمہارا کوڑا گر جائے اور ہرگز ہرگز کسی کی امانت کو غصب نہ کرو اور دو بھائیوں کے درمیان فیصلہ نہ کرو۔ (کیونکہ تم قوت فیصلہ نہیں رکھتے ہو) (مسند احمد، ابوذر غفاری)

ان روایتوں سے واضح ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کے عہد میں بیعت کا سلسلہ عام تھا اور اس طرح کی بیعتیں عموماً تقوی اور استقامت کے لیے ہوتی تھیں۔

قاضی ارتضا علی خان صفوی گوپاموی قدس سرہ فرماتے ہیں:

بیعت کی پانچ قسمیں ہیں: (۱) بیعت اسلام (۲) بیعت ہجرت (۳) بیعت جہاد (۴) بیعت خلافت وسلطنت (۵) بیعت توبہ

ان میں پہلی تین قسمیں اوائل اسلام میں رائج تھیں، چوتھی قسم خلفائے عباسیہ کے دور تک جاری رہی اور پانچویں قسم رسول اللہ ﷺ کے زمانے سے اب تک جاری ہے اور مہدی موعود علیہ السلام کے زمانے تک جاری رہے گی لیکن صوفیہ عظام نے بیعت سلطنت کی وہم کی وجہ سے صرف خرقہ پر اکتفا کیا لیکن جب یہ توہم ختم ہوگیا تو صوفیہ نے بیعت کی اس سنت کو دوبارہ زندہ فرمایا۔ (رسالۂ طریق بیعت)

اس سے واضح ہوا کہ مشائخ صوفیہ کے یہاں بھی جو بیعت ہوتی ہے وہ بیعت توبہ، بیعت استقامت اور بیعت تقوی کا احیا ہے، احوال و کیفیات کے اعتبار سے مشائخ صوفیہ کی کتابوں میں ان کے الگ الگ نام ملتے ہیں۔ مشائخ کی کتابوں میں خرقے کی پانچ قسمیں مذکور ہیں جو اصل میں

بیعت ہی کی قسمیں ہیں۔

شیخ شہاب الدین سہروردی قدس اللہ سرہ نے بیعت کی دو بنیادی قسمیں کی ہیں، آپ فرماتے ہیں: خرقہ پوشی بیعت کے عین مترادف ہے اور شیخ کی صحبت میں داخل ہونے کی دہلیز ہے، اصل مقصد شیخ کی صحبت ہے، اسی صحبت کی برکت کے سبب مرید سے ہر طرح کے خیر کی امید کی جاتی ہے۔

(عوارف المعارف، ص: ۱۶۳)

آگے تحریر فرماتے ہیں: بیعت کی دو قسمیں ہیں: بیعت ارادت، بیعت تبرک۔

مشائخ کا مریدوں سے اصل مطالبہ بیعت ارادت کا ہے، بیعت تبرک تو محض بیعت ارادت سے مشابہت رکھتا ہے، اس لیے بیعت ارادت مرید حقیقی کے لیے ہے اور بیعت تبرک صرف مشابہت چاہنے والوں کے لیے ہے۔ (عوارف المعارف، ص: ۱۶۸)

مخدوم اشرف جہاں گیر سمنانی قدس سرہ کے ملفوظ ''لطائف اشرفی'' میں بیعت کی پانچ قسمیں مذکور ہیں، لیکن حقیقت میں بیعت تبرک کے علاوہ بیعت کی باقی قسمیں بیعت ارادت کی مختلف شکلیں یا شاخیں ہیں، وہ پانچوں قسمیں درج ذیل ہیں:

۱۔ بیعت ارادت ۲۔ بیعت محبت (تربیت) ۳۔ بیعت صحبت

۴۔ بیعت حقیقی (خلافت) ۵۔ بیعت تبرک

داعی اسلام شیخ ابو سعید شاہ احسان اللہ محمدی ادام اللہ ظلہ علینا فرماتے ہیں:

عصر حاضر میں بیعت کی پانچ قسمیں رائج ہیں: (۱) بیعت ارادت (۲) بیعت تربیت جسے طلب بیعت بھی کہتے ہیں (۳) بیعت تبرک (۴) بیعت توبہ (۵) بیعت اسلام

پہلی دونوں قسموں کے لیے شیخ ایصال کی ضرورت ہے، تیسری قسم کے لیے شیخ اتصال بھی کافی ہے اور اخیر کی دونوں قسموں کے لیے کسی بھی صالح مسلمان کے سامنے توبہ واستغفار کافی ہے۔

(۱) بیعت ارادت

بیعت ارادت یہ ہے کہ مرید اپنے آپ کو مرشد کامل کے سپرد کردے، بغیر اس کی مرضی کے کوئی کام نہ کرے، اس کی رہنمائی میں راہ سلوک طے کرے، شیخ پر اعتراض کرنے اور تہمت لگانے سے باز رہے، کیوں کہ یہ مریدوں کے لیے زہر قاتل ہے، شیخ کے تصرفات باطنی پر اعتراض کرنے والا کامیاب نہیں ہوتا، مرید کو یقین رکھنا چاہیے کہ جس معاملے کا علم اسے صحیح طور سے نہیں ہے اس کا صحیح ثبوت شیخ کے پاس موجود ہے۔

شیخ، مرید کے لیے ایک ایسی تصویر کی طرح ہے جس کے پس پردہ مرید کو مطالبات الٰہیہ اور مقاصد نبویہ کا عکس نظر آتا ہے، اس لیے مرید کا یہ اعتقاد پختہ ہونا چاہیے کہ شیخ ایک ایسا دروازہ

ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنے آستانۂ کرم کی طرف کھولتا ہے، شیخ کے ذریعے ہی اس کے تمام دینی اور دنیاوی کام انجام پاتے ہیں۔ اسے یہ بھی یقین ہونا چاہیے کہ اس پر اللہ کا جو بھی فضل وکرم نازل ہوتا ہے وہ شیخ کی ہی بدولت ہے۔ شیخ، مرید کے بارے میں اللہ سے اسی طرح رجوع کرتا ہے جس طرح کہ مرید خود شیخ کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

سوتے، جاگتے میں شیخ سے روحانی مکالمہ اور گفتگو کا دروازہ کھلا رہتا ہے۔ شیخ اپنے مرید کے ساتھ جو سلوک کرتا ہے وہ اپنی نفسانی خواہش کے مطابق نہیں کرتا بلکہ مرید اس کے پاس اللہ کی امانت ہے، اس لیے شیخ اللہ کی مرضی کے مطابق مرید پر تصرفات کرتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ مشائخ کے قلوب پر ہمیشہ الہامات کرتا رہتا ہے۔

رئیس درویشاں محتسب عارفاں شیخ قوام الدین لکھنوی قدس سرہ (متوفی: ۸۰۶ھ) فرماتے ہیں: شیخ کا دل صیقل شدہ آئینے کی طرح ہے جس پر حضرت رب العزت کی جانب سے فیض اترتا ہے۔ وہ آئینہ ذات وصفات اور اسما وافعال الٰہیہ کی تجلیوں سے چمک اٹھتا ہے اور ہر لمحہ اترنے والے غیبی لطائف سے آراستہ ہوجاتا ہے۔ جب مرید صادق، کامل ارادت کے ساتھ اپنے دل کے آبگینے کو ایسے آئینے کے سامنے کرتا ہے تو شیخ کے آئینۂ دل سے مرید کے آئینۂ دل پر تجلی کا انعکاس ہوتا ہے اور اس طرح بغیر کسی کسب اور بغیر کسی عمل کے، غیریت کی کدورت سے پاک اور طبیعت کی آلودگیوں سے صاف مرید کے آئینۂ دل پر ان تمام معنوی کمالات کا فیضان ہوجاتا ہے اور مرید کی استعداد کے مطابق ایک لمحے میں اس کو وہ معنوی کمالات حاصل ہوجاتے ہیں جو طویل عرصے کی ریاضت ومجاہدے سے بھی حاصل نہیں ہوتے۔ (مجمع السلوک)

سچے مرید کو ہر وقت شیخ کی صحبت میں رہنا چاہیے، شیخ کی اجازت کے بغیر کہیں نہیں جانا چاہیے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ امت کو ادب سکھانے کے لیے ارشاد فرماتا ہے:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللهِ وَرَسُولِهِ وَإِذَا كَانُوا مَعَهُ عَلَى أَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوا حَتَّى يَسْتَأْذِنُوهُ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ أُولَئِكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللهِ وَرَسُولِهِ فَإِذَا اسْتَأْذَنُوكَ لِبَعْضِ شَأْنِهِمْ فَأْذَنْ لِمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ۔ (نور: ۶۲)

جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لا چکے ہیں ایسے لوگ جب رسول کے ساتھ کسی معاملہ میں شریک ہوں تو وہاں سے اس وقت تک نہ ہٹیں جب تک کہ رسول سے اجازت نہ لے لیں، جب وہ لوگ جو اللہ ورسول پر ایمان رکھتے ہیں، آپ سے اپنے کسی کام کے لیے اجازت طلب کریں تو آپ ان میں سے جسے چاہیں اجازت دیں۔

شیخ، مرید کے باطنی حالات کو سمجھتا ہے، اسے ان کی صلاحیتوں کا پورا علم ہوتا ہے اس لیے

ان کے معاش اور آخرت کے بارے میں اس چیز کا حکم دیتا ہے جو ان کے حال کے موافق اور مطابق ہو۔ شیخ اپنی بصیرت کاملہ سے مرید کی تربیت کرتا ہے، اسی لیے اسے بہت سے ایسے کاموں کے کرنے یا نہ کرنے کا حکم دیتا ہے جو اس کی خواہش کے مخالف ہو، اگرچہ بظاہر شریعت کے موافق نہ ہو، تاکہ شیخ اس کو شیطان کے نرغے سے نکالے اور اس کی نفسانی خواہشات کو کچل ڈالے۔

ہیچ نکشد نفس را جز ظل پیر
دامن آن نفس کش را سخت گیر

(مثنوی حضرت مولانا)

(۲) بیعت تربیت

بعض مشائخ اسے بیعت صحبت کا بھی نام دیتے ہیں۔ شیخ اپنی حیات میں کسی مرید کو جو کسی عذر شرعی کی بنیاد پر شیخ کی صحبت میں نہیں رہ سکتا ہو اور مرید جہاں رہتا ہو اس سے قریب کوئی درویش ہو، شیخ اپنے اس مرید کو اس درویش کی خدمت میں رہنے اور اس سے تربیت حاصل کرنے کی اجازت دے تو وہ مرید اس درویش کی صحبت میں رہے اور اس سے تربیت حاصل کرے۔

اس بیعت کی دوسری صورت یہ ہے کہ شیخ اپنی زندگی میں کسی مرید کی ہمت کو بلند پرواز دیکھتا ہے تو وہ اس کو کسی دوسرے شیخ کے حوالے کر دیتا ہے جس کا حال اس سے اعلیٰ تر ہوتا ہے کہ یہ ضائع اور برباد نہ ہو۔

اس بیعت کی تیسری صورت یہ ہے کہ شیخ کی حیات میں اگر مرید کا سلوک مکمل نہ ہو سکا ہو تو مرید اپنے شیخ کے کسی خلیفہ یا اپنے سلسلے کے کسی شیخ کی صحبت میں رہ کر اپنا سلوک مکمل کرے یا شیخ کی روحانی اجازت سے کسی بھی باحیات شیخ سے تربیت حاصل کرے، ان تمام صورتوں میں تربیت حاصل کرنے کو بیعت تربیت کہتے ہیں۔

(۳) بیعت صحبت

بیعت صحبت یہ ہے کہ دو درویش جو ایک عرصے تک ساتھ ساتھ رہ چکے ہوں اور انھوں نے ایک دوسرے کی صحبت سے استفادہ کیا ہو، اور جدائی کے وقت ایک دوسرے کو خرقے سے بھی نوازیں۔

(۴) بیعت خلافت

شیخ سلسلہ اپنے لطف خاص سے کامل مرید کو اپنے کسی خاص سلسلے یا اپنے تمام سلاسل کی اجازت وخلافت عطا کرے، اسے خرقۂ حقیقی بھی کہتے ہیں۔

(۵) بیعت تبرک

اس قسم کی بیعت سے محض نیکوں کی جماعت سے تبرک حاصل کرنا ہوتا ہے، اس کے لیے

بیعت کے تمام صحیح شرائط ملحوظ نہیں رکھے جاتے بلکہ اس قسم کی بیعت کے وقت صرف یہ ہدایت کی جاتی ہے کہ شرعی حدود کی پابندی کی جائے اور کم سے کم سال کے کچھ دن شیخ کی صحبت میں گزاریں تاکہ ان کی برکت حاصل ہو۔

میرا خیال ہے کہ آج کل کی مروجہ بیعتوں اور خلافتوں کو رسمی یا اسمی بیعت کا نام ہی دیا جائے تو بہتر ہے کیونکہ تصوف کی معتبر کتاب 'عوارف المعارف' میں ہے کہ بیعت تبرک میں بھی شرعی حدود کی پابندی ضروری ہے جس کا فقدان آج کل بہت عام ہے۔

صاحب فتاوی رضویہ نے بیعت تبرک کے حوالے سے فرمایا ہے کہ وہ بھی نیک نیتوں کی (ہے)، ورنہ بہتوں کی بیعت دنیاوی اغراض فاسدہ کے لیے ہوتی ہے، وہ یہاں گفتگو کے قابل نہیں ہیں۔ (فتاوی رضویہ: ج۲۱، ص۵۰۷)

بیعت کا مسنون طریقہ

مردوں سے بیعت کا طریقہ: عام طور سے مردوں سے بیعت کا مسنون طریقہ مصافحہ وکلام کے ساتھ ہے، اسی طریقے پر مشہور بیعت رضوان عمل میں آئی جس کے متعلق اللہ تعالی فرماتا ہے: **إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ**۔ (فتح: ۱۰)

صرف کلام کے ذریعے: یہ طریقہ اس کے لیے ہے جس سے مصافحہ کرنا ممکن نہ ہو جیسے مجذوم جس کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: **إِنَّا قَدْ بَايَعْنَاكَ فَارْجِعْ**۔ (صحیح مسلم) میں نے تمھیں بیعت کر لیا اب تم گھر جاؤ۔

عورتوں سے بیعت کا طریقہ: عورتوں سے بیعت کی کیفیت کے سلسلے میں کئی روایتیں ملتی ہیں:

عورتوں کو بیعت کرنے میں ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ صرف کلام کیا جائے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: **إِنِّي لَا أُصَافِحُ النِّسَاءَ، إِنَّمَا قَوْلِي لِمِائَةِ امْرَأَةٍ كَقَوْلِي لِامْرَأَةٍ وَاحِدَةٍ، أَوْ مِثْلِ قَوْلِي لِامْرَأَةٍ وَاحِدَةٍ** (موطا امام مالک، باب) میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا، میرا کلام سو عورتوں تک ایسے ہی پہنچتا ہے جیسے ایک عورت تک۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

وَاللّٰهِ مَا مَسَّتْ يَدُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَ امْرَأَةٍ قَطُّ، غَيْرَ أَنَّهُ بَايَعَهُنَّ بِالْكَلَامِ۔ (بخاری، باب)

اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ کا دست مبارک کبھی کسی عورت کے ہاتھ سے مس نہیں ہوا، کیوں کہ آپ عورتوں کو کلام کے ذریعے بیعت فرماتے تھے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اس کی تشریح میں فرماتے ہیں: اس سے جہاں یہ ثابت ہوتا ہے کہ

عورتوں کی بیعت بغیر ہتھیلی پکڑے ،صرف کلام کے ذریعے ہے ،وہیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مردوں کی بیعت ہاتھ پکڑ کراور کلام دونوں کے ذریعے ہے۔

مشہور تابعی عامر شعبی سے مرسلاً مروی ہے، آپ نے فرمایا: **بَایَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النِّسَاءَ وَعَلَى يَدِهِ ثَوْبٌ** (ابن سعد/طبقات کبری) نبی کریم ﷺ نے اپنے ہاتھ میں کپڑا پکڑ کرعورتوں سے بیعت لی۔

محدثین نے اسی روایت کو اثبت مانا ہے اورامام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے اسی عمل کواختیار کیا اوریہی طریقہ عارفین باللہ کے یہاں رائج ہے۔

صوفیہ کے یہاں طریقۂ بیعت

جب کوئی شخص کسی گروہ میں شریک ہونا چاہتا ہےتواس گروہ کے سردار کواپنا حاکم مانتا ہے اوراس گروہ کے قوانین پرعمل کرنے کا عہدو پیمان کرتا ہےاوراگراس گروہ کا کوئی خاص لباس ہوتو اسے بھی اپنالیتا ہے،اس طرح وہ اس گروہ کا ایک فرد بن جاتا ہےاورآہستہ آہستہ اس گروہ کا اٹوٹ حصہ بن جاتا ہے پھروزرااوررؤوسا میں اس کا شمار ہونے لگتا ہے۔

اسی طرح جب نیکوں کی جماعت کے پاس یاان کی خانقاہ میں کوئی شخص اس ارادے سے آتا ہے کہ ان کی صحبت میں رہ کراللہ کی معرفت حاصل کرے تو وہ سب سے پہلے اپنے تمام گناہوں سے توبہ کرتا ہےاورشیخ کامل کے ہاتھوں پر بیعت کاارادہ ظاہر کرتا ہے، اگرشیخ اس کوارادت میں سچا پاتا ہے تو بعض مشائخ کے یہاں اسے سب سے پہلے توبہ واستقامت کی نیت سے دورکعت نفل نماز ادا کرنے کے لیے کہا جاتا ہے۔

سلسلہ چشتیہ نظامیہ صفویہ میں اس نماز کوادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں رکعات میں سورۂ فاتحہ کے بعد تین تین بارسورۂ اخلاص کی تلاوت کی جاتی ہےاور یہ نمازتوبۃ الاستقامۃ نبی کریم ﷺ کےاس قول سے ماخوذ ہے۔

مَا مِنْ عَبْدٍ يُذْنِبُ ذَنْبًا فَيُحْسِنُ الطُّهُورَ، ثُمَّ يَقُومُ فَيُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ يَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ إِلَّا غَفَرَ اللّٰهُ لَهُ، ثُمَّ قَرَأَ هَذِهِ الْآيَةَ: وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ وَمَنْ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللّٰهُ وَلَمْ يُصِرُّوا عَلَى مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ (ترمذی،ابوداؤد)

کوئی بھی بندہ جب کوئی گناہ کرلیتا ہےتواس سےتوبہ کے لیے اچھی طرح وضوکرتا ہے، پھروہ دورکعت نماز ادا کرتا ہےاوراللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کرتا ہےتو اللہ ارحم الراحمین اس کے تمام گناہوں کوبخش دیتا ہے،اس کے بعدرسول اللہ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: اوروہ

جب کوئی گناہ یا اپنی جانوں پرظلم کرجائیں تو اللہ کو یاد کرکے اپنے گناہوں کی معافی چاہیں ،اللہ کے سوا کون بخشنے والا ہے،شرط یہ ہے کہ وہ اپنے گناہ پراڑے نہ رہیں۔

اس کے بعد ہرشیخ اپنے اپنے توارث کے مطابق کچھ کلمات پڑھاتا ہے۔

سلسلہ چشتیہ نظامیہ میں سجدے کی حالت میں یہ کلمات پڑھائے جاتے ہیں

ایک بارایمان مفصل ،ایک بارایمان مجمل،ایک باریہ استغفار: **يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا، وَ تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا يَاۤاَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ، رَبَّنَا ظَلَمْنَاۤ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ**

اس کے بعد مرید کو دوزانو بیٹھا کرمشائخ اپنا دایاں ہاتھ اس کے دائیں ہاتھ پررکھ کر یہ کلمات پڑھاتے ہیں۔

پانچوں کلمے ایک ایک بار،اس کے بعد ایک باریہ کلمۂ تمجید: **سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ، سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ وَبِحَمْدِهٖ**۔ اس کے بعد ایک باریہ آیت: **اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا**

اس کے بعد یہ کلمات توبہ ادا کراتے ہیں: میں نے جان بوجھ کر یا انجانے میں جوبھی گناہ یا خطا کی ہے،ان پرشرمندہ ہوں،ان سب سے توبہ کرکے ازسرنو مسلمان ہوتا ہوں۔

اس کے بعد شیخ تین باریہ کہتا ہے: مجھے میرے پیروں سے جوکچھ ملا میں نے آپ کوعطا کیا، کیا آپ نے قبول کیا۔ مریداس کے جواب میں کہتا ہے: ہاں! میں نے قبول کیا۔

اس کے بعد شیخ شیرینی پرتین مرتبہ: **اَللّٰهُمَّ ارْزُقْهُ حَلَاوَةَ الْاِيْمَانِ** پڑھ کرخود کھاتا ہے اوراس سے ایک حصہ مرید کوکھلاتا ہے۔

بعض خانقاہوں میں بیعت کے وقت کلاہ بطورخرقۂ تبرک دی جاتی ہے جب کہ کچھ خانقاہوں میں فقیر بنانے یا خلافت واجازت کے وقت خرقہ پوشی اورمقراض رانی (بال کاٹنے) کی رسم ادا کی جاتی ہے۔

یہاں اس بات کی طرف تنبیہ ضروری ہے کہ بعض خانقاہوں میں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیعت کرنے کی سنت کوترک کردیا گیا ہے، بہت سے مشائخ عمامہ یا چادر پکڑا کر بیعت کرلیتے ہیں اس طرح کی بیعت رسول اللہ ﷺ نے صرف عورتوں سے لی تھی مردوں کے حق میں یہ خلاف سنت ہے۔ آج کل بعض مشائخ ٹی وی اورانٹرنیٹ پربھی بیعت کرنے لگے ہیں اوربعض ایسے بھی ہیں جواس کی بھی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ طریقت میں یہ ساری باتیں خلاف سنت ہیں۔ ہاں! اگراس طرح کی بیعتیں

توبہ وتبرک کے لیے ہوں تو کوئی حرج نہیں لیکن سنت کی برکت اس میں ہے کہ ہاتھ پر ہاتھ دیا جائے۔

اسی طرح بعض خانقاہوں میں بیعت کا یہ طریقہ رائج ہے کہ شیخ مرید سے یہ کہنے کی تلقین کرتا ہے کہ ''میں نے اپنا ہاتھ غوث پاک کے ہاتھ میں دیا۔'' میری معلومات کے مطابق متقدمین ومتاخرین صوفیہ کے یہاں یہ طریقہ رائج نہیں رہا ہے، شاید ماضی قریب کے کسی شیخ نے غوث پاک کی محبت میں مغلوب ہوکر یہ کہا ہو اور بعد میں تقلیداً یہ طریقہ رائج ہو گیا، جب کہ صوفیہ محققین کے یہاں مغلوب الحال کی تقلید جائز نہیں ہے۔

یوں ہی مزار کی چادر پکڑا کر بیعت کا بھی رواج ہے جو سراسر غلط ہے کیوں کہ اس سلسلے میں جامع فوائد الفواد خواجہ امیر حسن سجزی نے سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیا قدس سرہٗ کا واضح ارشاد نقل کیا ہے، ۲۹ ویں مجلس کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

پھر ان لوگوں کا ذکر ہونے لگا جو بیعت کا طریقہ نہیں جانتے اور بعض ایک پیر سے مرید ہونے کے بعد کسی اور پیر کے مرید ہوجاتے ہیں اور بعض مشائخ کے مزار سے مرید ہوتے ہیں اس دوران بندے نے عرض کی کہ بعض لوگ مشائخ کی قبر کے پائینتی سر منڈواتے ہیں اور مرید ہوجاتے ہیں کیا یہ بیعت درست ہوتی ہے؟ فرمایا کہ نہیں! اس وقت حضرت نے حکایت بیان فرمائی کہ شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہٗ العزیز کے ایک صاحبزادے تھے، سب لڑکوں میں بڑے! وہ گئے اور شیخ الاسلام قطب الدین بخت یار قدس اللہ سرہٗ العزیز کی قبر کے پائینتی محلوق ہوئے (سر منڈایا)۔ یہ خبر شیخ فرید الدین نور اللہ مرقدہٗ تک پہنچائی گئی۔ ارشاد ہوا کہ شیخ قطب الدین طیب اللہ ثراہ ہمارے خواجہ اور ہمارے مخدوم ہیں، لیکن یہ بیعت درست نہیں۔ ارادت و بیعت وہ ہوتی ہے کہ کسی شیخ کا ہاتھ تھاما جائے۔ واللہ اعلم بالصواب (فوائد الفواد، ص ۴۰۱)

داعی اسلام شیخ ابوسعید شاہ احسان اللہ محمدی صفوی ادام اللہ ظلہ علینا فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی نے مشائخ کو زمین کی خلافت عطا فرمائی ہے اور ان کو رشد و ہدایت کا منبع ومخزن بنایا ہے، اللہ فرماتا ہے: وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ (النور: ۵۵)

اللہ نے ایمان والوں اور صالح عمل کرنے والوں کے لیے وعدہ فرمایا کہ انھیں ضرور زمین کی خلافت عطا فرمائے گا جیسا کہ ان سے پہلے والوں کو عطا کی تھی اور ضرور اللہ اپنی پسند کے مطابق ان کے رشد و ہدایت کو عام کردے گا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: كَانَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ تَسُوسُهُمُ الأَنْبِيَاءُ، كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهُ نَبِيٌّ، وَإِنَّهُ لاَ نَبِيَّ بَعْدِي، وَسَيَكُونُ خُلَفَاءُ فَيَكْثُرُونَ (بخاری، احادیث الانبیا۔ مسلم

، الامارۃ) بنی اسرائیل کی قیادت انبیا (علیہم الصلاۃ والسلام) نے فرمائی، ایک نبی کے بعد دوسرا نبی آجاتا، میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا لیکن خلفا ہوں گے اور کثرت سے ہوں گے۔

ان خلفا سے مراد علمائے ربانیین اور عارفین باللہ ہیں نہ کہ حکومت وسلطنت کے فاسق امرا۔ کیوں کہ وہ ابنیا کے نائب ہو ہی نہیں سکتے۔ اور ابنیا کے ان حقیقی جانشینوں کے اتباع کے لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ بَعْدِي (ابن ماجہ، مقدمہ) تم پر میری اور میرے بعد آنے والے خلفائے رشد وہدایت کی سنت پر عمل ضروری ہے۔

ان سنتوں میں ایک نور ہے، بلاضرورت ان سنتوں سے اعراض محرومی کا باعث ہے، بلکہ حدیث سے ثابت ہے کہ جو میری سنت کو اختیار کرے گا اور اسے زندہ کرے گا اس کو سو شہیدوں کا ثواب ملے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ تَمَسَّكَ بِسُنَّتِي عِنْدَ فَسَادِ أُمَّتِي فَلَهُ أَجْرُ مِائَةِ شَهِيدٍ۔ (بیہقی/ زہد کبیر) جو شخص فتنہ وفساد کے وقت میری سنت پر سختی کے ساتھ عمل پیرا ہوگا اسے سو شہیدوں کا ثواب ملے گا۔

ہاں اگر مجمع کثیر ہو تو نماز توبۃ الاستقامۃ اور دوسرے کلمات ایک ساتھ ادا کرا دیے جائیں لیکن ہاتھ پر ہاتھ رکھنے کی سنت کو ضرور ادا کیا جائے کیوں سرکار دو عالم ﷺ نے صلح حدیبیہ کے موقع پر ۱۴۰۰ ر افراد سے اسی طرح بیعت لی، بلا حاجت شدیدہ کم سے کم اس سنت سے پہلو تہی نہ کی جائے۔

شرط بیعت: شیخ سے ارادت ہے یعنی اپنے ارادہ واختیار کو بالکلیہ ختم کردینا۔

وجوب بیعت: شیخ کو اپنا حاکم ومتصرف جاننا اور اس کے ہر حکم کو بسر وچشم قبول کرنا ہے اور اپنے نفس کی تربیت کے لیے زیادہ سے زیادہ اس کی صحبت میں رہنا ہے

رسم بیعت: یعنی ہاتھ پر ہاتھ رکھنا رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے رسوم طریقت جیسے کلمات توبہ کی ادئیگی، دیگر کلمات کی تلاوت، خرقہ پوشی ومقراض رانی وغیرہ یہ سب مشائخ کی سنتیں ہیں۔

بیعت کے ثمرات ونتائج

جب کوئی مرید صادق شیخ کامل کا مطیع اور فرمان بردار ہوجائے اور اس کے ساتھ رہ کر، اس کے آداب اختیار کرلے تو شیخ کی روحانیت مرید کے باطن میں اس طرح سرایت کرجاتی ہے جس طرح ایک چراغ دوسرے چراغ سے روشن ہوجاتا ہے۔ شیخ کا کلام مرید کے باطن کو روحانیت سے بھر دیتا ہے، شیخ کی باتیں لطائف روحانی کا خزانہ ہیں اور یہ روحانیت اس کی صحبت و سماع کے ذریعے منتقل ہوتی ہے۔ اس لیے چاہیے کہ مرید اپنے آپ کو شیخ کے لیے وقف کردے

اور اپنے ارادے کو چھوڑ کر قطعی طور پر فنافی الشیخ ہو جائے، کیوں کہ جب مرید اپنے اختیارات کو فنا کرتا ہے تو اس کے درجات بلند ہوتے ہیں اور وہ اللہ کی رضا کے قریب پہنچ جاتا ہے، اس وقت وہ اللہ کا کلام اس طرح سننے اور سمجھنے لگتا ہے جس طرح شیخ کے کلام کو سنتا اور سمجھتا ہے۔

مرشد کی قسمیں اور ان کے اوصاف واحوال

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مرشد کیسا ہو؟ جس سے ہم دین سیکھیں، وہ کن صفات کا حامل ہوگا؟ امام مسلم نے ابن سیرین کا یہ قول نقل کیا ہے کہ: فَانْظُرُوا عَمَّنْ تَأْخُذُونَ دِينَكُمْ (مسلم، مقدمہ) اس شخص کے بارے میں غور کرلو جس سے تم دین حاصل کررہے ہو۔

اللہ تعالیٰ نے فاسق کی خبر قبول کرنے سے منع فرمایا ہے، پھر وہ فاسق سے دین سیکھنے کی اجازت کیسے دے سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْۤا ۝٦ (حجرات) اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لے کر آئے تو اس پر خوب غور کرلو۔

اور اس لیے بھی کہ اللہ تعالیٰ نے فاسقوں کو ذکر الٰہی سے غافل کر رکھا ہے اور ان کی اطاعت وفرماں برداری سے منع فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا ۝٢٨ (کہف) اور ایسے شخص کی اطاعت نہ کرو جس کا قلب ہمارے ذکر سے غافل ہو۔

اقسام بیعت کے بیان میں ضمناً یہ ذکر ہو چکا ہے کہ مرشد کی تین قسمیں ہیں۔

۱۔ شیخ ایصال ۲۔ شیخ اتصال ۳۔ شیخ توبہ

شیخ توبہ کے لیے صلاح وتقوی کے علاوہ کوئی اضافی شرط نہیں ہے یعنی کوئی بھی شخص کسی بھی صالح مسلمان کے ہاتھ پر توبہ واستغفار کر کے دائرۂ اسلام میں داخل ہوسکتا ہے اور کوئی بھی مسلمان کسی بھی نیک شخص کے ہاتھ پر اپنے معاصی وذنوب سے توبہ واستغفار کرسکتا ہے۔

شیخ اتصال کے لیے چار شرطیں ہیں: ۱۔ شیخ کا عقیدہ اہل سنت و جماعت (اشعری یا ماتریدی) کے مطابق ہو۔ ۲۔ کتاب وسنت اور اجماع کا علم رکھتا ہو یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا عالم ہو۔ ۳۔ فرائض وواجبات پر عمل کرتا ہو اور منہیات سے بچتا ہو اور اپنے متبعین کو بھی ان کا حکم دیتا ہو۔ ۴۔ اس کی صحبت واجازت کا سلسلہ نبی کریم ﷺ تک متصل ہو۔

یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ شیخ اتصال صرف بیعت تبرک کے لیے ہے، اس سے صرف برکت حاصل کی جاسکتی کیوں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (بخاری، مسلم) انسان قیامت میں اسی کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت رکھے گا۔ اور اس بیعت کی وجہ سے اس میں ایک نور کا اضافہ ہو جاتا ہے اور صوفیہ کے گروہ سے رسماً واسماً ہی سہی ایک طرح کی مشابہت

حاصل ہو جاتی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ (ابو داود، لبس الش※ر※) جو جس قوم سے مشابہت اختیار کرتا ہے اس کا شمار اسی میں ہوگا۔

لیکن خیال رہے کہ شیخ اتصال یا بیعت تبرک سے کامل طور سے عرفان الٰہی حاصل نہیں ہوسکتا، سلوک کا تکملہ آسان نہیں ہے، بحر توحید میں غوطہ زنی آسانی نہیں، اس کے لیے شیخ ایصال کی ضرورت ہے، شیخ ایصال کے لیے علما وعرفا نے اپنے اپنے طور پر مختلف شرطیں لکھیں ہیں ان میں سے اختصار کے ساتھ چند کا ذکر کیا جاتا ہے۔

شیخ ایصال کی شرط

مخدوم شیخ سعد خیرآبادی کی نظر میں

شیخ سعد خیرآبادی قدس سرہٗ نے اس سلسلے میں متعدد مشائخ کے اقوال نقل کیے ہیں، آپ فرماتے ہیں: اس فقیر کے پیر دست گیر قطب عالم شاہ مینا قدس سرہ فرماتے ہیں: اے جواں مرد! جس رہبر نے راہ دیکھی ہی نہیں، جس نے اس راہ میں قدم ہی نہیں رکھا، جس نے سفر کی تیاری نہیں کی، جس نے مانوس اور عادی چیزوں کو ترک کرنے کی تلخی نہیں چکھی، جس نے اپنے نفس کو ابھی مٹایا ہی نہیں اور جس نے دونوں جہان سے اپنا منہ نہیں موڑا، وہ رہبری کے لائق کیسے ہوسکتا ہے؟

بعض مشائخ صوفیہ نے فرمایا ہے: شیخ وہ ہے جو مریدوں اور طالبوں کے دلوں میں دین وشریعت کو مستحکم کرتا ہے۔

بزرگوں نے فرمایا ہے: شیخ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بندوں کو محبوب بناتا ہے اور جو بندوں کے دلوں میں اللہ کی محبت ڈالتا ہے۔

اس فقیر کے پردادا پیر فرماتے ہیں: شیخ وہ ہے جو ذات کے لحاظ سے قدسی اور صفات کے لحاظ سے فانی ہو۔ (مجمع السلوک)

فاضل بریلوی مولانا احمد رضا کی نظر میں

شیخ ایصال کہ شرائط مذکورہ (شرائط اتصال) کے ساتھ مفاسد نفس النفس کے فسادات ومکائد شیطان (شیطان کی مکاریاں) ومصائد ہوی (خواہشات کے شکار) سے آگاہ ہو، دوسرے کی تربیت جانتا اور اپنے متوسل پر شفقت تامہ رکھتا ہو کہ اس کے عیوب پر اسے مطلع کرے ان کا علاج بتائے جو مشکلات اس راہ میں پیش آئیں حل فرمائے نہ محض سالک ہو نہ نرا مجذوب، عوارف شریف میں فرمایا: ''یہ دونوں قابل پیری نہیں۔'' اس لئے کہ اول خود ہنوز راہ پر ہے اور دوسرا طریق تربیت سے غافل، بلکہ مجذوب سالک ہو یا سالک مجذوب، اور اول اولی ہے۔ (فتاوی رضویہ، ۲۱/ ۵۰۸)

داعی اسلام شیخ ابوسعید کی نظر میں

داعی اسلام شیخ ابوسعید ادام اللہ ظلہ علینا نے مثنوی ''نغمات الاسرار فی مقامات الابرار'' میں شرائط شیخی ودرویشی کے ذیل میں فرماتے ہیں:

جو نہ ہو مستغرقِ باری تمام ‌‌ اُس سے بیعت اور نسبت ہے حرام
اُسوۂ حسنہ کا جو حامل نہیں ‌‌ شیخ درویشی میں وہ کامل نہیں
صاحب علم و عمل ہو شیخ دیں ‌‌ پیکرِ صدق و صفا صاحب یقیں
اہل سنت والجماعت سے ہو شیخ ‌‌ شیخِ کامل کی اجازت سے ہو شیخ
علم و عقل و عشق کی دولت بھی ہو ‌‌ صاحبِ دل صاحبِ ثروت بھی ہو
علمِ ظاہر اور باطن ہو جسے ‌‌ صاحبِ ارشاد کہیے بس اُسے
علمِ اتنا ہو کہ غور و فکر سے ‌‌ اختلافی مسئلے کو حل کرے
فانی و باقی ہو جو مردِ خدا ‌‌ بس وہی صوفی ہے با صدق و صفا
قال با حال ست نور آگہی ‌‌ قال بے حال ست دودِ گمرہی
علم سے تقویٰ کو حاصل کر اخی ‌‌ گر نہ ہو تقویٰ تو علم ہے گمرہی
یاد رکھ اس بات کو اے ناخلف ‌‌ ہے اصولِ دین تقلیدِ سلف
لیکن ایماں میں تحقق چاہیے ‌‌ اس قدر فکر و تعمق چاہیے
اختلافی مسئلہ میں سر بسر ‌‌ احتیاط و تقویٰ پہ رکھے نظر
یہ اصول ہر وقت ہو پیشِ نظر ‌‌ اے پسر خُذْ مَا صَفَادَعْ مَا كَدر
زہد درویشی کا زیور ہے میاں ‌‌ اور تقویٰ اُس کا بستر ہے میاں
زہد و تقویٰ سے مزین جو نہ ہو ‌‌ اس کو درویش و قلندر مت کہو
زہد کا مقصد ہے ترکِ ما سوا ‌‌ اور تقویٰ ہر نفس خوفِ خدا
خوف ہے قربِ خدا کا وہ مقام ‌‌ جس میں لغزش معصیت غفلت حرام
خوف ہو اس درجہ غالب قلب پر ‌‌ اپنی ہستی سے بھی اُٹھ جائے نظر
بس اُسی کو صاحبِ تصدیق جان ‌‌ جس کا سینہ علم و حکمت کی ہو کان
جو کرے پابندی اکلِ حلال ‌‌ اور ہو جو پیکرِ صدق مقال
صوفی کامل وہی ہے اے سعیدؔ! ‌‌ مثلِ شبلی و جنید و بایزید

ان تمام فرمودات سے واضح ہوا کہ عمومی طور سے آج صرف شیخ اتصال پائے جاتے

ہیں بلکہ وہ بھی نہیں، مجاور یا دین فروش، جن کی طرف اقبال نے س شعر میں اشارہ کیا ہے۔

میراث میں آئی ہے انھیں مسند ارشاد
زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن!

اہل حق قیامت تک رہیں گے

ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ایسے اولیا آج بھی موجود ہیں جو مذکورہ صفات کے حامل ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں! ایسے اولیا آج بھی موجود ہیں اور ہمیشہ موجود رہیں گے۔ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: **لاَ تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ اُمَّتِی ظَاهِرِینَ عَلَی الْحَقِّ لاَ یَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ حَتّٰی یَاْتِیَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كَذٰلِكَ**۔ میری امت میں ایک جماعت ہمیشہ حق پہ قائم رہے گی ان سے بغض وحسد رکھنے والے انھیں کچھ نقصان نہ پہنچا سکیں گے، یہاں تک کہ اللہ کا حکم (موت یا قیامت) آجائے لیکن وہ اپنے حال پر قائم رہیں گے۔ (مسلم، الامارۃ)

ایک اور مقام پر آپ ﷺ نے فرمایا ہے: **مَثَلُ أُمَّتِی مَثَلُ الْمَطَرِ لاَ یُدْرَی أَوَّلُهُ خَیْرٌ أَمْ آخِرُهُ**۔ میری امت کی مثال بارش کے قطرے کی طرح ہے، نہیں معلوم کہ اس کا اول بہتر ہے یا آخر۔ (ترمذی، الامثال)

اس سے معلوم ہوا کہ اس امت کے اولین ہوں یا آخرین، ہر زمانے میں ایسے افراد ہوں گے جو مخلوق کو فائدہ پہنچائیں گے کیونکہ اس کی مثال بارش سے دی گئی ہے اور بارش کا ہر قطرہ قیمتی ہوتا ہے چاہے اس کا اول ہو کہ آخر۔ رہا زمان ومکان کی فضیلت تو یہ جزوی واضافی ہے۔ اصل فضیلت مقام محبوبیت پر فائز ہونے اور احکام الٰہی کی پیروی کرنے میں ہے۔

اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا ہے: **لَوْ كَانَ الْعِلْمُ بِالثُّرَیَّا لَتَنَاوَلَهُ نَاسٌ مِنْ أَبْنَاءِ فَارِسَ** علم اگر ثریا پر بھی ہو تو فارس کے کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو اس کو پالیں گے۔ (مسند احمد، ابوہریرہ)

بعض روایت میں **العلم** کی جگہ **الدین** یا **الایمان** اور **فارس** کی جگہ **عجم** کا لفظ آیا ہے اور بعض دوسری روایت میں **ناس** کے بدلے **رجل، رجال** یا **قوم** منقول ہے، ان روایتوں کو جمع کر کے یہ معنی لینا زیادہ مناسب ہے کہ ہر زمانے میں کوئی نہ کوئی عجمی شخص ایسا ہوگا جو علم دین یا ایمان ثریا سے توڑ لائے گا۔

اہل حق کی پہچان

یہاں پر بھی ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ایسے افراد آج بھی موجود ہیں تو ان کی پہچان کیا ہوگی؟ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ ولایت امر الٰہی ہے جس کا جاننا آسان نہیں۔ ہاں! رسول کریم ﷺ نے ایسے بندوں کی کچھ علامتیں بتائی ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: سِیرُوا ھٰذَا جُمْدَانُ سَبَقَ الْمُفَرِّدُونَ قَالُوا وَمَا الْمُفَرِّدُونَ یَا رَسُولَ اللّٰہِ قَالَ: الذَّاکِرُونَ اللّٰہَ کَثِیرًا وَالذَّاکِرَاتُ. (مسلم، الذکر)

تیز چلو یہ جمدان پہاڑی ہے (یعنی دنیا ہے جو ریاضت و مجاہدہ کی جگہ ہے) کیونکہ کچھ لوگ سبقت کر گئے اور فرید عصر بن گئے۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے سوال کیا: مفردون کون لوگ ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والے مرد و عورت۔

آج بہت سے لوگ ایسا خیال کرتے ہیں کہ عارفین باللہ عنقا ہو گئے ہیں، علم الٰہی اور معرفت خداوندی زمین سے اٹھ چکی ہے اور ثریا پر جا پہنچی ہے۔ حالانکہ ایسی کوئی بات نہیں کیونکہ اللہ کی یہ سنت آج بھی پہلے کی طرح جاری ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر زمانے میں اپنے محبوب بندوں کو ہمارے درمیان بھیجتا ہے جو علم الٰہی اور معرفت الٰہی کی کرنیں بکھیرتے ہیں اور اس کے فیوض و برکات سے دنیا کے لوگ شرف یاب ہوتے ہیں بلکہ بے شمار سالکین و طالبین راہ طریقت طے کرتے اور معرفت الٰہی کا جام نوش کرتے ہیں۔

اس لیے ہمیں بھی ہر دم اور ہر لمحہ اللہ کے ان محبوب بندوں کی تلاش میں رہنا چاہیے: ؎

مگو ارباب دل رفتند و شہر عشق خالی شد
جہاں پر شمس تبریز است مردے کو چو مولانا

شیخ کے انتخاب میں احتیاط کی ضرورت

مبتدی کے لیے یہ کام بہت مشکل ہے کہ وہ شیخ کامل کو پہنچان لے لیکن شیخ سعد خیر آبادی نے ہم جیسے مبتدئین کی راہ آسان کر دی ہے، آپ لکھتے ہیں:

جب کوئی طالب مولیٰ کسی شیخ کے پاس پہنچے تو اُسے چاہیے کہ احتیاط کرے، جلدی بیعت نہ ہو اور شیخ کو پہچاننے کی کوشش کرے کہ کیا یہ شیخ کسی بدکردار کی اصلاح کر سکتا ہے اور کیا یہ مقتدا بننے کے قابل ہے؟ یعنی یہ دیکھے کہ اس کی صحبت اور اس کی نظر کی تاثیر سے فسق و فجور میں مبتلا افراد اپنی گناہوں سے توبہ کرتے ہیں یا نہیں اور صلاح و تقوی اور طاعت و نیکی اختیار کرتے ہیں یا نہیں؟ اس کے اعمال، شریعت و طریقت کے موافق ہیں یا مخالف؟ اگر یہ دونوں اوصاف اس شیخ کے اندر موجود پائے تو اس کی ارادت میں داخل ہو جائے۔

آگے تحریر فرماتے ہیں: اس لیے کہ بیشتر طالبین اسی مقام پر ہلاک ہوئے، بلکہ عام لوگوں کی ہلاکت گم راہ اور گم راہ گر علما و مشائخ کی پیروی کی وجہ سے ہی ہوئی۔ گم راہ گر علما اور مشائخ وہ ہیں جو متبع شریعت نہ ہوں، جو دنیا، نفس، جاہ و سروری اور خود بینی و خود رائی میں گرفتار ہوں، جن کی نظر ہمیشہ دوسروں پر ہو اور خود ان کا باطن پراگندہ ہو۔ خواجہ قوام الدین عباسی لکھنوی فرماتے

ہیں: اے جواں مرد! جو شخص خود گم راہ اور گم راہ گر ہو، وہ متقیوں کا امام اور طالبان مولیٰ کا رہبر کیسے بن سکتا ہے؟ (مجمع السلوک)

گویا شیخ کے انتخاب میں بڑے بڑے القاب سے دھوکہ نہ کھائے، کشف و کرامات کے قصوں سے مرعوب نہ ہو بلکہ یہ دیکھے کہ شیخ کے ساتھ ساتھ اس کے رفقا و ہم نشینوں پر دین غالب ہے یا دنیا؟ ان کے اکثر اوقات دین یا اس کی دعوت و تبلیغ میں گزرتے ہیں یا طلب دنیا اور حب جاہ میں؟ یہ بھی خیال رکھے کہ شیخ صرف قاضی شہر، فقیہ خشک یا عالم ظاہر کی طرح صرف مسائل و احکام ظواہر ہی بتاتا ہے یا مشائخ طریقت کی طرح باطن کی اصلاح پر بھی زور دیتا ہے؟ کیوں کہ شیخ ایصال دین کی تینوں شاخ (اسلام، ایمان اور احسان) کا امام ہوتا ہے نہ کہ صرف قانون شریعت ظاہرہ کا۔

بعض لوگ غلط فہمی سے شیخ کو طریقت و حقیقت کا امام مانتے ہیں اور کسی مفتی کو، یا اگر خود مفتی ہیں تو خود کو احکام ظاہرہ میں حاکم مانتے ہیں، طریقت میں یہ زہر ہلاہل ہے، ایسے افراد مُرید نہیں مَرید یا مریض ہے کیں کہ انھوں نے اپنے کو چھوڑ کر خود کو یا کسی دوسرے عالم و مفتی کو مسائل شرعیہ میں حاکم مانا جو ارادت کے منافی ہے۔

شیخ شرف الدین یحییٰ منیری قدس اللہ سرہٗ شرح آداب المریدین میں فرماتے ہیں:

''طریقت میں یہ بات درست نہیں ہے کہ مرید اپنے شیخ کو چھوڑ کر دوسرے کے مذہب پر ہو اور اپنے شیخ کے افعال و اعمال کی مخالفت کرے۔'' (مجمع السلوک)

توحید مطلب کیا ہے؟

صوفیہ کے یہاں توحید مطلب کی بہت اہمیت ہے۔ اس کے بغیر سالک کو شیطان راہ سے گمراہ کر دے گا اور اس کو اس کا احساس بھی نہیں ہوگا۔ علامہ قطب الدین دمشقی قدس سرہٗ توحید مطلب کا مفہوم بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: توحید مطلب کا مفہوم یہ ہے کہ طالب مولیٰ اس بات کا یقین رکھے کہ ماسبق میں مذکور صفات سے آراستہ کسی ایک شیخ معین کے ہاتھوں ہی وہ اپنے مطلوب حقیقی (معرفت الٰہی) تک پہنچ سکتا ہے؛ کیوں کہ جس کی فکر منتشر ہو، وہ کسی بھی وادی میں بھٹک سکتا ہے اور ہلاک ہو سکتا ہے، اللہ تعالیٰ کو اس کی کوئی پروا نہیں، وہ بے نیاز ہے۔ جس طرح حق ایک ہے، قبلہ ایک ہے، اسی طرح مطلب بھی ایک شیخ معین ہونا چاہیے تاکہ شیطان سالک کے اندر موثر نہ ہو سکے اور نفس اس کو برائی کی طرف نہ لے جا سکے۔ (الرسالۃ المکیۃ)

اس کی مزید وضاحت کے لیے مخدوم شیخ سعد خیر آبادی شیخ قوام الدین لکھنوی کا فرمان عالی شان نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: صوفیہ نے فرمایا ہے کہ مرید اپنے دل کو مکمل ارادت کے ساتھ ہمیشہ شیخ کے ساتھ لگائے رکھے۔ شیخ کی روحانیت کو تمام احوال میں حاضر جانے، شیخ سے

باطنی طور پر استمداد کرے، اس کی جانب لو لگائے، شیطان اور نفس امارہ کی صفات کے ظہور کے
وقت شیخ کی ولایت کی پناہ میں آئے اور ہر ذکر کے وقت شیخ کو یاد رکھے اور مقصد یہ ہو کہ میرا دعویٰ
ہے کہ مولیٰ تعالیٰ کے علاوہ میں کسی اور کی ارادت نہیں رکھتا، اے میرے شیخ! آپ اس پر گواہ
ہو جائیں۔ ہر وقت شیخ کو یاد رکھے اور مقصود یہ ہو کہ عالم غیب سے اس کو آشنائی حاصل ہو جائے۔
پہلے وہ اپنے دل کے ذریعے عالم غیب سے استفادہ کرے، بعد میں اس کے لیے انبیا، اولیا اور
ملائکہ سے استفادہ اور حصول نور آسان ہو جائے گا اور وہ علم لدنی سے بھر پور حصہ پائے گا۔ یہاں
بھی مرید شیخ کا محتاج ہوگا۔ حدیث نفس اور شیطانی وسوسوں سے شیخ اس کی حفاظت کرے گا۔ قلبی
،سری، روحانی اور ملکی مکالمات کے مابین شیخ امتیاز بتائے گا، تا کہ وہ ان مکالمات کو الہام سے نہ
ملا دے۔ جب وہ اس مقام تک پہنچ جائے گا تب بھی شیخ کی تربیت کا محتاج ہوگا۔ شیخ اسے ان
چیزوں سے آشنا کرائے گا، تا کہ وہ الہام اور وحی کے مابین فرق کر سکے۔ جب وہ اوصاف کریمانہ
سے متصف اور بلند اخلاق سے آراستہ ہو جائے گا، پھر بارگاہ بے نیاز سے شیخ کے دل پر القا ہوگا
کہ اس کو خلافت دے دی جائے تا کہ وہ مخلوق کے درمیان دعوت کا کام انجام دے سکے۔ اس
وقت بھی وہ مرید اپنے شیخ کی تربیت اور اس کی توجہ و ہمت کا محتاج ہوگا۔ جس وقت وہ شیخ سے اپنی
بے نیازی کا اظہار کرے گا، اسی وقت وہ راندۂ درگاہ، ذلیل و رسوا ہو جائے گا اور شیطان کے لیے
مسخرہ بن جائے گا۔ ہم کمال کے بعد زوال سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔ (مجمع السلوک)

کیا ایک شخص متعدد شیوخ سے بیعت ہو سکتا ہے؟

ایک شخص بچپن میں یا کسی بھی عمر میں بغیر ارادت صادق غیر شعوری طور پر کسی شیخ سے بیعت
ہو جاتا ہے لیکن جب اس کی طلب و ارادت کی آگ بھڑکتی ہے، شیطان اور نفس کے مصائب سے
پریشان ہوتا ہے، راتوں کو بارگاہ الٰہی میں گریہ وزاری کرتا ہے، نفس و شیطان کے مصائب سے بچ
کر اللہ کی معرفت حاصل کرنا چاہتا ہے، اپنے شیخ سے ملنا چاہتا ہے، اپنے آپ کو اس کے سپرد کرنا
چاہتا ہے تا کہ شیخ اس کو اپنی روحانیت کی پناہ میں لے کر مکر نفس و شیطان سے آزاد کرا دے اور
اسے بارگاہ صمدیت کے لائق بنا دے لیکن شیخ کے پاس فرصت نہیں یا علاج و معالجہ نہیں جانتا یعنی وہ
شیخ ایصال نہیں پھر بھی وہ اپنے کسی بھی مرید کو کسی دوسرے شیخ کامل کی تربیت میں جانے کی
اجازت نہیں دیتا تو یہ اس شیخ کی خطا ہے کیوں کہ مشائخ کبار کا طریقہ یہ رہا ہے کہ اگر وہ کسی مرید کو
بلند ہمت پاتے تو فوراً اپنے سے اعلیٰ مربی کے پاس جانے کا حکم دیتے۔ حضرت مخدوم اشرف
جہاں گیر سمنانی قدس اللہ سرہٗ نے اس سلسلے میں بہت ہی عمدہ بات کہی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:
اگر طالب صادق و سالک واثق کا مرغ استعداد و طائر قابلیت بلند پرواز واقع ہوا ہو تو اس

کے پیر کو چاہیے کہ اس کو دوسرے شیخ کے سپرد کر دے، جو حصول مقامات و وصول مرادات میں اس
سے زیادہ بلند پایہ و مقرب ہو، اگر ایسا نہیں کرتا تو معلوم ہوا کہ اس نے رہنمائی کا منصب امر الٰہی
کے سبب اختیار نہیں کیا بلکہ اپنی جاہ طلبی کے لیے اس کام کو اختیار کیا ہے۔
اپنے شیخ کی ملازمت ترک کر دینا نہایت برا ہے لیکن اگر شیخ اس کے گھر سے بہت دور ہو یا
آخرت کو کوچ کر چکا ہو تو کسی دوسرے بزرگ کے دامن کو تھام سکتا ہے۔ ہاں! جس کا سلوک مکمل
ہو چکا ہو اور وہ مرید انتہا تک پہنچ چکا ہو تو اس کے حق میں اس کی کوئی حاجت نہیں۔ (لطائف
اشرفی، لطیفہ نمبر ۶، جلد ۱)

متعدد شیوخ کے احوال میں اس طرح کے واقعات ملتے ہیں کہ شیخ ارادت نے اپنے کسی
مرید کو کسی دوسرے شیخ کی تربیت میں بھیج دیا یہاں صرف ایک واقعہ بطور مثال ذکر کیا جاتا ہے۔
شیخ نجم الدین کبریٰ شیخ اسماعیل قصری کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ سے بیعت کر لی اور
سلوک کی منزلیں طے کرنے لگے اور ایک مدت تک شیخ کی خدمت کرتے رہے، اسی بیچ دل میں
وسوسہ پیدا ہوا کہ شیخ اسماعیل قصری کا علم ظاہر، میرے علم ظاہر سے کم ہے۔ شیخ قصری اس وسوسے
سے آگاہ ہو گئے اور صبح ہوتے ہی کہا کہ تم سفر کی تیاری کرو اور شیخ عمار بن یاسر کی خدمت میں جاؤ،
چنانچہ اھواز سے نکل کر بدلیس، آرمینیا میں شیخ عمار کی خدمت میں آئے اور عرصہ دراز تک سلوک کی
منزلیں طے کرتے رہے۔ ایک دن شیخ کی صحبت میں علم ظاہر میں اپنے تفوق کا وسوسہ پھر لوٹ
آیا۔ شیخ عمار نے ان سے فرمایا کہ اٹھو اور اب تم مصر میں شیخ روزبہان بقلی مصری کی صحبت میں جاؤ
وہی تمہارے دماغ سے اس خیال فاسد کو نکالیں گے۔ شیخ نجم الدین، شیخ روزبہان بقلی کی خانقاہ
میں حاضر ہوئے شیخ اس وقت وضو کر رہے تھے، آگے خود فرماتے ہیں:
میں نے شیخ کو دیکھا کہ وہ بہت تھوڑے سے پانی سے وضو کر رہے ہیں، میرے دل میں
خیال آیا کہ شیخ یہ بھی نہیں جانتا کہ تھوڑے سے پانی سے وضو جائز نہیں ہے۔ بھلا یہ شیخ کیسے ہو سکتے
ہیں؟ شیخ تحیۃ الوضو پڑھنے میں مشغول ہو گئے، میں منتظر کھڑا رہا کہ شیخ سلام پھیریں تو میں سلام
کروں لیکن وہ اسی نماز میں کھڑے کھڑے غائب ہو گئے۔ ادھر میں نے دیکھا کہ قیامت قائم
ہے اور دوزخ نمودار ہے، فرشتے لوگوں کو پکڑتے ہیں اور آگ میں ڈال دیتے ہیں۔ راستے میں
ایک ٹیلہ ہے اور ایک شخص اس ٹیلے پر وضو کر رہا ہے، جو شخص یہ کہہ دیتا ہے کہ میرا تعلق ان کے ساتھ
ہے اس کو چھوڑ دیتے ہیں، انہوں نے مجھے بھی پکڑ لیا، جب میں ٹیلے کے پاس پہنچا تو میں نے بھی کہہ
دیا کہ میرا اس شخص سے تعلق ہے، چنانچہ انہوں نے مجھے بھی چھوڑ دیا، میں ٹیلے پر گیا اور دیکھا شیخ
روزبہان ہیں، میں ان کے سامنے حاضر ہوا اور ان کے قدموں پر گر پڑا انہوں نے زوردار دوستی میری

پیٹھ پر ماری، میں تاب نہ لا سکا اور زمین پر گر پڑا، اور شیخ نے فرمایا آئندہ کبھی اہل حق کا انکار نہ کرنا۔ اتنے میں میری آنکھ کھل گئی، شیخ نے بیداری میں بھی مجھے دو دستی ماری اور وہی جملہ ارشاد فرمایا کہ آئندہ کبھی اہل حق کا انکار نہ کرنا۔ شیخ نجم الدین فرماتے ہیں اس سے میرے دل کی بیماری رخصت ہوگئی اور میں شیخ عمار کے پاس واپس آگیا۔ (نفحات الانس مترجم: ص ۶۵۹/ ۶۶۰)

اس واقعہ میں یہ بات ملحوظ رہے کہ مشائخ نے نجم الدین کبری کے وسوسے کو بلند ہمتی پر محمول کیا ہے ورنہ دوسرے شیخ کے تصرف و تربیت میں بھیجنے کے بجائے راندۂ بارگاہ کر دیتے۔

کیا کوئی سلسلہ فاضل یا مفضول ہے؟

علوم حدیث کی کتابوں میں ایک باب اصح الاسانید کا آتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ سند دنیا میں پائی جانے والی تمام سندوں میں سب سے صحیح ہے، ہر محدث اپنی پسند کے مطابق کسی بھی سند کو سلسلۃ الذہب یا اصح الاسانید کہتا ہے، اسی طرح بعض محدثین کسی شیخ، کسی صحابی یا کسی علاقے کی طرف نسبت کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ یہ سند سب سے زیادہ صحیح ہے، پہلی صورت کو اصح الاسانید مطلق کہا جاتا ہے اور دوسرے کو اصح الاسانید مقید۔

محققین کے نزدیک قول مختار یہی ہے کہ کسی بھی سند کو مطلقا اصح الاسانید نہیں کہا جا سکتا کیوں کہ کسی بھی شخص کو دنیا کی تمام اسانید کا علم نہیں پھر ان اسانید کے رجال میں پائے جانے والی شرائط صحت کس درجے کی ہیں اس کا بھی مکمل علم نہیں، اس لیے کہ ہر باب یا علاقہ و اشخاص کی طرف اضافت کرتے ہوئے اصح الاسانید کہنا درست ہے۔

سلاسل صوفیہ میں بھی بعض لوگ ایک دوسرے کو فضیلت دیتے ہیں، بعض یہ کہتے ہیں کہ یہ سلسلہ بحر ہے باقی نہر، کوئی کہتا ہے سارے سلاسل پر فلاں سلسلہ کا فیض جاری ہے، یہ سب مغلوبیت ہے، غایت محبت ہے، ہاں اگر کسی سلسلے کو تمام سلاسل پر فضیلت دینے کے لیے کسی کے پاس کوئی نص قطعی موجود ہو تو اس کا یہ قول بسر وچشم قبول ہے اور اگر اس کا یا کسی شیخ کا کشف یا قیاس ہے تو یہ یاد رہے کہ کشف و قیاس صاحب کشف و قیاس کے لیے دلیل ہے عالم کے لیے نہیں۔

تمام سلاسل باب علم نبوت حضرت علی کرم اللہ وجہہ تک پہنچتے ہیں، صرف ایک سلسلہ، سلسلہ نقشبندیہ حضرت امام جعفر صادق کے واسطے سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے واضح رہے کہ خود حضرت جعفر صادق نسب کے لحاظ سے بھی علوی فاطمی ہیں اور بنیادی اعتبار سے ان کا سلسلۂ طریقت بھی حضرت مولائے کائنات کی ذات بابرکات سے متصل ہے آپ فیضان علی کے بھی منبع و مصدر ہیں اس طرح دنیا کا کوئی سلسلہ ایسا نہیں خواہ وہ نقش بندی صدیقی ہی کیوں نہ ہو، جو باب علم نبوت حضرت مولائے کائنات کے فیضان علم و معرفت سے خالی ہو۔ گویا حضرت علی کا

فیضان تمام سلسلوں میں جاری و ساری ہے اس لیے اس علوی فیضان کے ہوتے ہوئے نیچے کی شاخوں میں بعض مشائخ کی طرف نسبت کرتے ہوئے کسی سلسلۂ طریقت کو مطلقا افضل یا مفضول کہنا خلاف واقعہ ہے، ہاں! اگر کسی شخص کو اپنے ذاتی شاکلے یا ذوق کی بنیاد پر کوئی سلسلۂ طریقت یا شیخ طریقت افضل و بہتر نظر آتا ہے تو اپنی حد تک تو وہ اس شیخ یا سلسلے کو افضل قرار دے سکتا ہے لیکن دوسروں سے بھی اس کا یہ مطالبہ کہ وہ اس کے محبوب شیخ یا سلسلے کی فضیلت کے قائل ہوں طریقت و حقیقت دونوں کا خون کرنا ہے۔ ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا (الاسراء: ۸۴) اے رسول! آپ فرما دیں، ہر شخص اپنے شاکلے کے مطابق عمل کرتا ہے، تمہارا رب ہی جانتا ہے کہ ان میں کون سب سے زیادہ ہدایت یافتہ ہے۔

حضرت نجم الدین کبری قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں: **الطرق إلی اللہ تعالیٰ بعدد أنفاس الخلائق**۔ اللہ تک پہنچنے کے راستے مخلوق کی سانسوں کی طرح بے شمار ہیں۔

پھر یہ کہ مقصود خدا است نہ کہ شخصے، نہ کہ سلسلے۔ سالک کا مقصود اللہ ہے کوئی شیخ یا سلسلہ نہیں، یہ تو صرف مطلب ہیں، اسی لیے اپنے ذوق کے مطابق جس شیخ سے بھی اس کی ارادت کی تکمیل نظر آتی ہو اس کا در پکڑ لے، اگرچہ وہ کسی بھی سلسلے کا ہو، البتہ بے وجہ ایک در کو چھوڑ کر دوسرے در کو پکڑنا سخت محرومی ہے۔ اسی لیے مشائخ نے "یک در گیر محکم گیر" کی بات کی ہے۔ البتہ اس کا معنی یہ بھی نہیں کہ ہم بچپن میں اگر غیر شعوری طور پر کسی شیخ کا دامن تھام لیا ہے تو اب ہوش میں آنے کے بعد نہ اس شیخ سے ملیں اور نہ کسی دوسرے کو اپنا مربی بنائیں۔ زندگی کے کسی موڑ پر کسی شیخ کے دامن سے ایک بار وابستہ ہونے کو کافی سمجھنا طریقت نہیں شیطنت ہے۔ سالک کو ہر وقت کسی نے کسی مرشد مربی کے زیر سایہ رہنا چاہیے، دور سے صرف محبت رکھنا نا کافی ہے۔ اور جو یہ کہا جاتا ہے کہ دو پیر والا فلاح نہیں پا سکتا، اس کے معنی یہ ہیں کہ بیک وقت اگر کسی نے دو کو اپنا شیخ بنایا وہ فلاح نہیں پا سکتا، کیوں کہ ایک سلطنت میں ایک وقت دو حاکم نہیں ہوتے۔ البتہ مختلف زمانوں میں اور شیخ کی اجازت سے ایک ہی زمانے میں ایک سے زائد مشائخ سے استفادہ کیا جا سکتا ہے اور ہمارے اکابر مشائخ نے ایسا کیا بھی ہے۔

اقوال شیخ اور اعمال شیخ کی تقلید

مرید صادق کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے شیخ کے فرمودات پر اطمینان قلبی کے ساتھ عمل کرے، شیخ کی خدمت اور آداب کی بجا آوری میں کوتاہی نہ کرے، حضرت شیخ سعد خیر آبادی فرماتے ہیں:

جس مرید کے اندر یہ دوصفتیں نہ ہوں شیخ کی ولایت کا تصرف اس کے اندر کامل طور سے نہیں ہوسکتا۔ ایک یہ کہ وہ شیخ کی تعظیم وتوقیر اس طرح کرے جس طرح بیٹا باپ کی تعظیم وتوقیر کرتا ہے اور دوسرا یہ کہ شیخ سے اس طرح ارادت رکھے اور اس کی اطاعت و ادب اس طرح بجا لائے جس طرح غلام اپنے آقا کی کرتا ہے۔ (مجمع السلوک)

عارف باللہ شیخ ابوسعید شاہ احسان اللہ محمدی صفوی فرماتے ہیں کہ شیخ کی تعظیم باپ کی طرح کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح ہم پر باپ کی تعظیم وتوقیر اس وقت بھی واجب ہے جب وہ ہمارے اوپر یک گونہ ظلم کرتا ہے، ہمارے مال میں ہماری مرضی کے خلاف تصرف کرتا ہے، اپنے بیٹوں کے درمیان دونظری روا رکھتا ہے، وغیرہ۔ اسی طرح اگر شیخ کا کوئی عمل بظاہر زیادتی معلوم ہو یا بظاہر خلاف شرع معلوم ہو، شیخ اپنی بشریت یا حکمت کی وجہ سے کوئی ایسا عمل کرے جو ہماری نظر میں درست یا مبنی بر انصاف معلوم نہ ہو، اس مقام پر بھی شیخ کا مکمل ادب واحترام اور تعظیم وتوقیر واجب ہے۔ ہاں! ایسے امور جو شیخ اپنی بشریت، غلبۂ حال، نسیان اور خطا کے سبب انجام دے رہا ہو اور وہ عمل شرعی طور پر بظاہر ناروا یا غیر مستحسن ہو تو اس میں شیخ کی پیروی نہیں کی جائے گی، اگرچہ ادب واحترام اس وقت بھی واجب ہوگا۔

آقا کی طرح شیخ سے ارادت رکھنے اور اس کی اطاعت وخدمت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح غلام اپنے آقا کے کسی بھی حکم میں اطاعت وخدمت سے روگردانی نہیں کرتا اور اگر کرتا ہے تو اپنی ملازمت بلکہ جان ومال سے ہاتھ دھونا پڑ سکتا ہے، اسی طرح مرید کو بھی چاہیے کہ اختلافی مسائل میں بہر حال اپنے شیخ کے احکام کی اطاعت کو اپنے اوپر واجب جانے، اس سے روگردانی راہ سلوک میں زہر ہلاہل ہے۔ ایسا اس لیے کہ شیخ کے بارے میں یہ حسن ظن واجب ہے کہ وہ مصالح شرعیہ کو ہم سے زیادہ سمجھنے والا ہے۔ اگر یہ حسن ظن نہیں ہے تو پھر کس بات کی پیری اور کس بات کی مریدی۔ ایسے شخص کو شیخ بنایا ہی کیوں جو مصالح شرعیہ سے واقف نہیں ہے۔

ہاں! اطاعت شیخ میں یہ نکتہ ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ حرام قطعی میں شیخ کی اتباع نہیں کی جائے گی۔ اس لیے کہ جو صحیح معنوں میں مرشد ہوگا وہ ہرگز نہ حرام قطعی کا حکم دے گا اور نہ خود اس میں گرفتار ہوگا اور اگر خود کسی خلاف شرع کام میں گرفتار ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس وقت کسی خاص حال میں مغلوب ہے اور مغلوب واجب الاتباع نہیں ہوتا، ایسا شخص اس قدر بے خود اور بے اختیار ہوتا ہے کہ وہ شرعی طور پر مکلف ہی نہیں رہ جاتا۔ اس لیے کہ

صاحب دل جو کہ ہو مغلوب حال — وہ ہے مرفوع القلم بے قیل و قال
بے خودوں کو شرع کی تکلیف سے — دور رکھا ہے خدائے پاک نے

مشائخ کی تعظیم اور اپنے شیخ کی تحکیم

داعی اسلام ادام اللہ ظلہ علینا سے کسی مجلس میں پوچھا گیا کہ بعض بزرگان دین اپنے مریدوں سے یہ کہتے ہیں کہ ”دوسرے شیخ کی محفل میں نہ جاؤ، اپنے شیخ کو کافی جانو اور اپنے شیخ کی محفل کو ہی لازم پکڑو۔“ اس کا کیا مطلب ہے۔ آپ نے فرمایا: اس کی وجہ یہ ہے کہ جب کوئی مرید اپنے شیخ کے علاوہ دوسرے شیخ کی محفل میں جائے گا اور دوسرے شیخ کے اندر اپنے شیخ کے اعمال وعادات کے خلاف کوئی عمل یا عادت دیکھے گا تو بدظن ہوگا، اعتراض کرے گا، ممکن ہے کہ دوسروں سے اس کا ذکر کرے اور غیبت کا شکار ہو، اس طرح سے خود بھی گناہ گار ہوگا اور دوسروں کو بھی مشائخ کے تعلق سے بدگمان کرے گا، ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ دوسرے شیوخ کا امتحان ہی لینے لگے یا اپنے شیخ کی محبت میں مغلوب ہونے کی وجہ سے کوئی ایسا سلوک کر جائے جو شریعت وطریقت میں مذموم ہو، کبھی اس کا الٹا اثر بھی ہوسکتا ہے کہ دوسرے شیخ کی عظمت کو دیکھ کر اپنے شیخ کو ہی حقیر جاننے لگے اور شرائط شیخی کے جامع اپنے ہی شیخ سے بدظن ہوجائے یا اس کی ارادت میں کمی آجائے، جو اس کے حق میں سخت محرومی کا باعث ہوگا۔ اس طرح کی خرابیوں سے بچانے کے لیے ہی بعض مشائخ نے اپنے مریدوں کو دوسرے شیخ کی خدمت میں جانے سے منع کیا ہے، ان کا منع کرنا حکمت اور تربیت پر مبنی ہے، نہ کہ بغض وحسد پر۔

مقصد یہ ہے کہ اپنے شیخ کی تحکیم اور دوسرے تمام مشائخ کی تعظیم ضروری ہے، یعنی اپنے شیخ کو اپنے معاملات کا فیصل اور حاکم بنایا جائے اور دیگر تمام مشائخ کا احترام کیا جائے، جس طرح ایک امام کی تقلید کی جاتی ہے اور دیگر سبھی اماموں کی تعظیم کی جاتی ہے۔ مگر افسوس کہ کچھ لوگ مشائخ کی اِس حکمت سے واقف نہیں اور مشائخ کے اس طرح کے اقوال پر زبان طعن دراز کرتے ہیں۔ طریقت میں دوسرے مشائخ کے پاس جانا، اگر مطلقاً منع ہوتا تو اس میں طلبِ بیعت کا کوئی باب ہی نہ ہوتا۔ اللہ مشائخ کے احوال واقوال کی حقیقت سے آگاہ فرمائے۔

اختتامیہ

بیعت وارشاد سے متعلق یہ مختصر تحریر منکرین اور مغلوبین ومتساہلین دونوں جماعتوں کو سامنے رکھ کر لکھا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حق سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ رسول اللہ ﷺ اور مشائخ کی ہمت وروحانیت کے طفیل ہم سب کو حقیقی مرید بننے کی توفیق عطا فرمائے اور اپنی ذات و صفات کی معرفت عطا فرمائے۔ (آمین)

○○○

شناسائی

مولانا سید تنویر ہاشمی سے ایک ملاقات

آستانہ عالیہ شطاریہ ہاشمیہ، بیجاپور

حضرت علامہ سید تنویر ہاشمی دام ظلہ العالی جنوبی ہند کی ایک قدیم اور تاریخی خانقاہ ہاشمیہ بیجاپور کے چشم و چراغ، اپنے مشائخ کے سچے وارث اور صوفیہ کی تعلیمات کے داعی و مبلغ ہیں۔ ۲۲ جنوری ۱۹۷۲ء میں آپ کی ولادت ہوئی، ابتدائی تعلیم گھر اور خانقاہ کے روحانی ماحول میں ہوئی پھر مزید دینی تعلیم کی غرض سے مبارک پور، ہبلی، حیدرآباد اور بریلی کا سفر کیا، ۱۹۹۵ میں مظہر اسلام بریلی سے آپ کی فراغت ہوئی، کرناٹک یونیورسٹی سے آپ نے ایم، اے تک اعلیٰ عصری تعلیم کی سند بھی حاصل کی۔ حضرت ہاشم پیر کی بارگاہ سے متصل ہی خانقاہ ہاشمیہ کی جدید عمارت تعمیر کرائی، جس کو آپ نے دعوت و تبلیغ کا سینٹر بنایا اور صوفیہ کے طریقے پر دعوت و تبلیغ شروع کی جس کا سلسلہ آپ کی قیادت میں ہنوز بحسن و خوبی جاری ہے۔ امت مسلمہ کے مستقبل کو دینی علوم سے آراستہ کرنے کے لیے بچوں کے لیے جامعہ ہاشمیہ اور بچیوں کے لیے جامعہ فاطمہ الزہرا کی بنیاد رکھی۔ آپ اردو زبان کے اچھے خطیب اور واعظ ہیں، کنٹر زبان بھی بحسن و خوبی بولتے ہیں، با اخلاق، رحم دل، خلیق، مہمان نواز، غربا پرور اور علم دوست اور علما نواز ہونے کے ساتھ امت کی تعلیم و تربیت کے حریص ہیں۔ ہر آنے والے کی گذارش کو صرف سماعت ہی نہیں کرتے بلکہ استطاعت کے مطابق طالبین کی مراد آوری اور حاجت روائی بھی کرتے ہیں اور اللہ کے بندوں کا رشتہ اللہ سے جوڑنے اور مضبوط کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ ۳۰ دسمبر ۲۰۱۵ کو یہ فقیر خانقاہ ہاشمیہ بیجاپور حاضر ہوا اور حضرت کا انٹرویو لیا جو قارئین الاحسان کے لیے حاضر ہے۔

مجیب الرحمن علیمی

سوال: آپ اپنی تعلیم و تربیت اور اجازت و خلافت کے متعلق کچھ بتائیں!

○ خانوادہ ہاشم پیر، شہر بیجاپور میں کئی جہتوں سے متعارف اور اس خانوادے کا علمی و روحانی فیضان اس پورے علاقے میں شروع سے عام رہا ہے، میری یہ خوش قسمتی ہے کہ میرا گھرانہ علم وعرفان کا گہوارہ رہا ہے، ۲۲ نومبر ۱۹۷۲ میں جب اس روحانی گھرانے میں میری پیدائش ہوئی تو میرے والد کے چچازاد بھائی اور میرے بڑے ماموں حضرت سید شاہ عبداللہ حسینی سوم (وصال: ۱۹ جنوری ۲۰۰۱) اس خانقاہ کے صاحب سجادہ اور شیخ طریقت تھے، آپ بڑے متواضع، خلیق اور عابد وذاکر تھے، اپنے اور پرائے سب کا خیال رکھتے اور مہمانوں کے لیے فرش راہ بن جاتے، بچپن ہی سے میرا زیادہ تر وقت آپ کے پاس ہی گزرتا، میرے لیے آپ سے بہتر آئیڈیل نہیں تھا میں آپ کی زندگی سے کافی متاثر ہوا اور آپ کی روحانی شخصیت میرے لیے مشائخ کی حیات کا آئینہ دار ثابت ہوئی اور خودسپردگی کے علاوہ میرے پاس کوئی راہ نہ رہی، ایک روز میں نے آپ سے بیعت کی گزارش کی اس پر آپ نے فرمایا کہ کوئی دن متعین کرتا ہوں، کچھ دنوں بعد آپ نے مجھے طلب کیا اور حضرت ہاشم پیر کی بارگاہ میں حاضر کیا اور سنت کے مطابق اپنے غلاموں میں شامل کیا، اس وقت میری عمر ۱۸ سال تھی، بیعت کے دو سال بعد عرس کے موقع پر رمضان شریف میں آپ نے اجازت وخلافت سے نوازا جس کا میں اہل نہیں تھا۔

میری ابتدائی تعلیم گھر ہی میں ہوئی، دینی تعلیم نورالایضاح تک خانقاہ میں ہوئی اور ساتھ میں ایس ایس سی تک کی تعلیم بھی ہوئی، مولانا قسمت اللہ سکندر پوری جو بیجاپور ہی میں رہتے تھے اور کچھ وقت مجھے بھی تعلیم دیتے تھے، ان کے پاس ہی نورالایضاح تک میری تعلیم ہوئی، مزید تعلیم کے لیے میں بیجاپور سے باہر جانا چاہتا تھا لیکن گھر کے بڑے بزرگوں کی مرضی نہیں تھی، ناچار ایک روز کسی کو اطلاع دیے بغیر فجر کے وقت نماز ادا کی اور حضرت ہاشم پیر کی بارگاہ میں حاضری دی اور سفر پر نکل گیا، جانے سے پہلے والد گرامی کے نام ایک خط لکھا جس میں معافی طلب کرتے ہوئے تعلیم کی غرض سے نکلنے کا ذکر کر دیا، جامعہ اشرفیہ مبارک پور کا نام سن رکھا تھا وہاں پہنچا داخلہ ہوا اور تعلیم شروع ہوگئی، میں اپنی تعلیم سے مطمئن تھا لیکن شمالی ہند کی گرمی کا پہلا تجربہ مہنگا ہوا، طبیعت خراب ہوئی اور وہاں سے بیجاپور واپس آنا پڑا، کچھ دنوں بعد تعلیم کے سلسلے ہی میں دارالعلوم ہبلی گیا جہاں ایک سال تعلیم حاصل کی، یہاں مولانا غلام مصطفی اور مولانا عبدالرحمن صاحب نے ہم پر خاص توجہ دی، میں ان کا شکرگزار ہوں پھر جامعہ نظامیہ حیدرآباد گیا یہاں بھی ایک ہی سال تعلیم حاصل کی پھر شمالی ہند کا سفر کیا اور دارالعلوم عربیہ اظہارالعلوم جہانگیر گنج میں داخلہ لیا جہاں فقہ اور حدیث کی تعلیم

ہوئی، یہاں مولانا شکیل برکاتی صاحب کی ہم پر خاص توجہ رہی اللہ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا نام سن رکھا تھا ان سے خاص محبت تھی، ان کی وجہ سے میری یہ خواہش تھی کہ میری دستار بھی بریلی شریف ہی سے ہو، اسی غرض سے میں بریلی گیا، امتحان پاس کیا میرے ممتحن مولانا نعیم اللہ خان اور مولانا ایوب نعیمی اور مولانا آل حسن تھے، ۱۹۹۵ میں مظہر اسلام کے سالانہ جلسہ دستار بندی کے موقع پر میری بھی دستار ہوئی۔

گھر والوں کی خواہش تھی کہ عصری تعلیم بھی جاری رہے جس کو میں نے جاری رکھا اور دینی علوم کے ساتھ بیجاپور کالج سے گریجویشن کیا اور کرناٹکا یونیورسٹی سے ایم اے بھی پاس کیا، اس کے بعد کچھ دنوں خانقاہ ہی میں رہا اور پیرومرشد کی خدمت کی اور کبھی کبھی دعوت وتبلیغ کی غرض سے ملک کے مختلف اطراف کا سفر کرتا رہا، میرے مرشد جو میرے بڑے ماموں بھی تھے ان کو نرینہ اولاد نہ تھی انہوں نے اپنا جانشیں اپنے بھتیجے کو بنایا جو آج خانقاہ شریف کے متولی اور سجادہ ہیں جو درگاہ کے معاملات کو دیکھ رہے ہیں۔

۲۰۰۱ میں جب مرشد گرامی کا وصال ہو گیا تو میں نے درگاہ شریف سے متصل اپنی خانقاہ بنائی جس سے خانوادے کے سارے لوگوں کو خوشی بھی ہوئی اور ذاتی طور پر مجھے اطمینان کے ساتھ دعوت وتبلیغ کرنے کا موقع میسر آیا۔

خانقاہ شریف میں تعلیم کا سلسلہ کسی نہ کسی صورت سے جاری تھا ہی اس میں مزید باضابطگی کی میں نے کوشش کی اور جامعہ ہاشمیہ قائم کیا، مزید بچیوں کی تعلیم کے لیے نسواں کا قیام عمل میں آیا۔ پیروں کی توجہ سے دعوت وتبلیغ اور علم وعرفان کی خدمت ہو رہی ہے اس میں میرے کسب کا کوئی دخل نہیں ہے، میں سجادہ نشیں نہیں ہوں، میں اپنے جداعلیٰ حضرت ہاشم پیر کے در کا گدا اور خاک نشیں ہوں اب میری یہ کوشش ہے کہ میرے پیروں نے جو نعمت عطا کی ہے اس میں اور اضافہ کروں اور دوسروں تک پہنچاؤں۔

سوال: خانقاہ ہاشمیہ اور بانی خانقاہ کے حالات پر کچھ روشنی ڈالیں!

○ میرے جداعلیٰ اور خانقاہ ہاشمیہ کے بانی حضرت ہاشم پیر کے آباواجداد حضرموت کے رہنے والے تھے، حضرت ہاشم پیر کے جداعلیٰ حضرت سید بہاءالدین حسینی مکی خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے کہ ہاتف غیبی سے یہ آواز آئی کہ تم ہند جاؤ، آپ کو ہندوستان جانے کی بشارت ملی، آپ نے ہند میں گجرات کو اپنا مسکن بنایا اور دعوت وتبلیغ کی خدمات انجام دی، گجرات کے معروف صوفی اور علما ومشائخ کے مرجع حضرت وجیہ الدین گجراتی حضرت بہاءالدین حسینی مکی کے

چھٹے پشت کے نبیرہ ہوتے ہیں، حضرت وجیہ الدین گجراتی کے والد اور حضرت ہاشم پیر کے جد کریم حضرت نصر اللہ حسینی ہیں جو احمد آباد گجرات میں مدفون ہیں جہاں حضرت وجیہ الدین گجراتی بھی آرام فرما ہیں۔ حضرت وجیہ الدین حسینی گجراتی کے بھائی اور حضرت ہاشم پیر کے والد گرامی حضرت برہان الدین حسینی گجرات سے برہان پور مدھیہ پردیش آ گئے تھے، آپ یہیں مدفون ہیں آج بھی آپ کا مزار مرجع خلائق ہے۔

حضرت ہاشم پیر نے گجرات سے حج کا سفر کیا اور روضہ نبی پر حاضری کے درمیان آپ کو بیجاپور حاضر ہونے کا اشارہ ہوا، مدینہ شریف سے آپ گوا بندرگاہ ہوتے ہوئے بیجاپور حاضر ہوئے۔ اس دور میں شاہی محل میں دین محفوظ نہ رہ گیا تھا، شاہی محل میں سرسوتی کی پوجا ہوتی تھی، بادشاہ ابراہیم عادل شاہ دوم موسیقی کا رسیا اور فنکار تھا، اس نے اس فن پر ایک کتاب لکھی جس کی ابتدا اس نے نمش شیوا ہا سے کی تھی۔

اس دور میں بیجاپور کے مشائخ اور علما پریشان تھے کہ شاہی محل سے کفر و گمرہی کے اٹھنے والے اس طوفان کو کیسے روکا جائے، اسی درمیان اللہ رب العزت نے کفر و گمرہی کے سد باب اور اعلائے کلمۃ الحق کے لیے ہاشم پیر کا انتخاب کیا اور بیجاپور بھیج دیا۔

گوا بندرگاہ میں حضرت ہاشم پیر کو جب قید کیا گیا تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بادشاہ عادل شاہ ثانی کے خواب میں تشریف لائے اور پھر بادشاہ کے حکم کے مطابق حضرت ہاشم پیر اور ان کے دوستوں کو باعزت رہا کیا اور اکرام کے ساتھ بیجاپور میں استقبال کیا، حضرت ہاشم پیر کو دیکھتے ہی بادشاہ تائب ہوا، حلقہ ارادت میں داخل ہو گیا۔ بادشاہ کا لڑکا محمد عادل شاہ بھی بیعت ہوا اور اس طرح اللہ نے بیجاپور کے مسلمانوں کے ایمان کی حفاظت فرمائی اور عادل شاہی محل سے لے کر اس پورے خطے میں دین مصطفوی کو سر بلند کیا۔

سوال: میدان دعوت و تبلیغ میں خانقاہ ہاشمیہ کا کیا کردار رہا ہے؟

○ خانقاہ ہاشمیہ کا میدانِ دعوت و تبلیغ میں داعیانہ کردار تو عیاں ہے وہ اس طور پر کہ حضرت ہاشم پیر سے آج تک جو بھی مشائخ گزرے سب کے سب نے اپنے مشائخ کی تعلیمات پر صرف عمل ہی نہیں کیا بلکہ اس کی تعلیم و اشاعت کی بھی کوشش کی، یہی وجہ ہے کہ ان مشائخ کے خلفا کثرت سے ہوئے اور ملک کے مختلف گوشے میں اللہ کے بندوں کی خدمت کی اور ان کو اپنے مالک و خالق سے جوڑا۔ حیدرآباد، مدراس اور کرناٹک میں سلسلہ ہاشمیہ کی متعدد شاخیں پھیلی ہوئی ہیں جن میں چند مقامات پر آج بھی دعوتی سرگرمیاں اور روحانی زندگی باقی ہے اور خانقاہی نظام قائم

ہے اگر چہ اکثر جگہ درگاہیت ہی باقی رہ گئی ہے، کوشش کی جائے تو پھر سے زندگی آ سکتی ہے۔ میری ذاتی خواہش ہے کہ ہر خانقاہ بولتی خانقاہ ہونی چاہیے جہاں کا شیخ یا سجادہ عرفان ذات کے ساتھ اصلاح و تزکیہ کے لیے شرعی زبان بھی رکھتا ہو، تا کہ آج کی عقل پرست دنیا کی ہدایت کا فریضہ انجام دیا جا سکے۔

سوال: علمی میدان میں خانقاہ ہاشمیہ کی کیا خدمات رہی ہیں اس پر روشنی ڈالیں؟

○ تعلیمی میدان میں خانقاہ ہاشمیہ کی خدمات کے حوالے سے عرض ہے کہ مشائخ کا تعلیم و تربیت کا ایک خاص طریقہ رہا ہے، جو ان کے پاس آتا اس کو اپنی صحبت میں رکھتے، علم صحبت کا فیضان اس حاضر باش کو اس لائق بنا دیتا کہ وہ دوسروں کا مرشد و راہنما بن جاتا اور مشائخ اپنے حاضر باشوں کو اجازت و خلافت سے سرفراز فرما کر دوسروں کی ہدایت کا سامان بنا کر مختلف علاقوں میں بھیجتے رہے ہیں، مشائخ کے پاس آنے والے علم و ادب سے بالکل خالی نہیں رہتے تھے جب دور انحطاط آیا اور لوگ علم و ادب اور طلب سے یکسر خالی ہو گیے تو صوفیہ نے تعلیم گاہ بھی قائم کی اور تربیت سے آراستہ افراد تیار کیا۔

میرے جد کریم حضرت شاہ مصطفی حسینی اور میرے نانا حضرت مرتضی حسینی نے شہر بیجاپور میں اپنے مشائخ کے مشن کی تبلیغ و ترسیل کی کوشش کی اور ساتھ میں کالج اور اسکول کے قیام کی طرف بھی توجہ دی، بیجاپور میں ڈگری کالج میرے جد کریم نے قائم کیا جہاں سے ہزاروں افراد نے اپنی علمی تشنگی دور کی۔

اللہ نے جب اس فقیر کو مشائخ کے در پر بیٹھا دیا تو اس ناتواں نے بھی تعلیم گاہ قائم کی اور تربیت کے لیے خانقاہ ہاشمیہ کی جدید کاری کی طرف بھی توجہ دی، جس پلیٹ فارم سے کافی حد تک کام جاری ہے، ہماری کوشش ہے کہ اللہ اس ناتواں بازو سے خلق کی تعلیم و تربیت کا کام لے جس سے وہ اور اس کے نیک بندے راضی ہوں۔

تصنیف و تالیف کے میدان میں سلسلہ ہاشمیہ کا بہت بڑا کام نہیں ہے البتہ چند کتابیں لکھی گئی ہیں، برادر گرامی افضل پیر جن کا ابھی چند روز پہلے انتقال ہوا، وہ علم اقتصاد کے عالم تھے اور اس میدان میں ان کا ایک بڑا نام تھا، اس فن میں ان کی تیار کی ہوئی کتاب ایران کی اور ہند کی کئی تعلیم گاہوں میں بحیثیت نصاب پڑھائی جاتی ہے، اس کے باوجود ان کو اپنے مشائخ اور سلسلے سے بڑا لگاؤ تھا اور سلسلے کی تاریخ پر بڑی گہری نظر تھی۔ حضرت ہاشم پیر اور سلسلہ شطاریہ: ایک مطالعہ نامی کتاب بھی انھوں نے ہی تیار کی، جو اس سلسلے کی معلومات کے حوالے سے ایک اہم

کتاب ہے۔ اس کے علاوہ دیگر لوگوں نے بھی چند کتابیں تیار کی ہیں، سلسلہ ہاشمیہ کے بعض مشائخ کے مریدوں نے ان کے ملفوظات کا مجموعہ بھی تیار کیا ہے جن میں سے چند اہم مجموعے مثلاً مقصود المراد اور گنج اسرار (فارسی) میرے پاس محفوظ ہیں۔

سوال: آپ کے خیال میں تصوف کے اصل دشمن کون ہیں؟

○ تصوف کے اصل دشمن کون ہیں اس کی تعیین سے پہلے تصوف کو سمجھنا ضروری ہے، میرے خیال سے تصوف کسی رسم کا نام نہیں ہے بلکہ شرع کی پابندی کے ساتھ تزکیہ اور تصفیہ کا نام تصوف ہے۔ تصوف مخالف جو عناصر ہیں وہ تصوف کے دوست نہیں ہو سکتے یہ کھلی ہوئی بات ہے لیکن جو لوگ تصوف کے موافق ہیں، جو مشائخ کی درگاہوں پر بیٹھے ہوئے ہیں ان میں سے اکثر کا حال یہ ہے کہ وہ شریعت کے احکام اور اس کی باریکیوں سے بھی واقف نہیں ہیں اور تصوف یعنی احسان تو اس سے بھی بلند و باریک راہ ہے، جب کوئی تصوف کو نہیں جانتا اور تصوف کا مبلغ کہلائے گا تو ظاہر ہے کہ انجام کیا ہوگا؟

میرے خیال سے تصوف کو سب سے زیادہ نقصان اس رسم پرست درگاہی نظام سے ہوا ہے اور ہو رہا ہے اسی نظام نے مخالفین تصوف کو گمراہ کن مواد فراہم کیا ہے اور ان کی روش ہی سے اہل علم کا بڑا طبقہ تصوف اور اہل تصوف سے دور ہوا، میرے خیال سے تصوف کے سب سے بڑے دشمن رسم پرست، بے علم اور بے عمل درگاہی حضرات اور درگاہی نظام ہے، اس نظام کے دلدادہ بزعم خویش حاملین تصوف ہیں، لیکن دیکھا یہ گیا ہے کہ اکثر درگاہوں میں فرائض و واجبات پامال ہوتے ہیں اور رسم و رواج پر سختی سے پابندی کا مظاہرہ کیا جاتا ہے، آپ نے بھی دیکھا ہوگا کہ عین نماز کے وقت بھی محفل سماع منعقد رہتی ہے اور نماز کا وقت بھی چلا جاتا ہے، میں سماع کے جواز کا قائل ہوں لیکن فرائض و واجبات کی طرح نہیں، میرے علم میں شریعت کو چھوڑ کر تصوف کا تحقق نہیں ہے، شریعت ہی تصوف تک جانے کا درست اور واحد راستہ ہے۔

سوال: تصوف کے نام پر آج عالمی سطح پر جو فکری و عملی بے اعتدالی عام ہو رہی ہے، اس کا علاج آپ کی رائے میں کیا ہو سکتا ہے؟

○ میرے خیال سے تصوف کی اصلاح کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ تو شریعت کی اصل اور کتاب و سنت اور اجماع امت کے نظریات اور تعلیمات کا نچوڑ اور عطر ہے۔ تصوف ہی کو حدیث میں الاحسان کہا گیا ہے، اس کی اصلاح کی نہیں بلکہ اس کی تفہیم کی ضرورت ہے، مدعیان تصوف پہلے تصوف کو سمجھیں اور پھر دوسروں کو سمجھائیں یہ وقت کی اہم ضرورت ہے۔ تصوف کے دعوے داروں نے اصل کو چھوڑا اور بدعات ورسومات کو اصل کا مقام دیا، اس کی وجہ خواہ کچھ بھی

رہی ہو لیکن اس کا نقصان یہ ہوا کہ عوام تو عوام بعض خواص نے بھی بدعات و رسومات کے مجموعہ ہی کو تصوف سمجھ لیا ہے جو سخت خطا ہے، میرے خیال سے تصوف کی صحیح تفہیم اور موافقین تصوف کی فکری و عملی اصلاح کی بے حد ضرورت ہے۔

سوال: آپ نے دنیا کے متعدد ممالک کا دورہ کیا ہے اور مختلف خانقاہوں میں حاضری دی ہے میں چاہوں گا کہ آپ اپنے مشاہداتی تجربات سے ہمیں آگاہ فرمائیں۔

○ بلاد عرب کے بعض مشائخ سے ملاقات ہوئی، بعض خانقاہوں میں حاضری کا موقع میسر آیا، یمن میں شیخ حبیب عمر ایک بڑے عالم اور صوفیہ کی روایات کے امین ہیں، اچھا کام کر رہے ہیں، یوں ہی شیخ حبیب جفری جو نوجوان صوفی اسکالر اور عربی خطیب ہیں ان سے بھی بڑا کام ہو رہا ہے، میں نے مکہ شریف میں علوی فیملی کو دیکھا، شیخ محمد علوی مالکی قدس سرہ کے ماننے والے بھی بڑے خاموشی سے لوگوں کے تصفیہ اور تزکیہ کا کام انجام دے رہے ہیں۔

بلاد ہند کی تقریباً اکثر بڑی خانقاہوں میں جانے کا اتفاق ہوا ہے، میں ذاتی طور پر تمام خانقاہوں کو اپنی ہی خانقاہ جانتا ہوں اور تمام مشائخ کا احترام بھی کرتا ہوں لیکن حال ہی میں خانقاہ عارفیہ سید سراواں جانے کا اتفاق ہوا، یوں تو اس خانقاہ سے محبت رکھنے والے بعض علما اور دیگر متعلقین سے وہاں کا ذکر سن رکھا تھا اور الاحسان اور ماہنامہ خضر راہ کے ذریعے بھی وہاں کے صوفیانہ نظریات اور اصلاحی کوششوں سے واقف تھا، لیکن جب حاضر ہوا اور دو شب قیام کیا، شیخ طریقت داعی اسلام شیخ ابوسعید محمدی صفوی دام ظلہ العالی سے تفصیلی ملاقات ہوئی، خانقاہ عارفیہ میں قائم جامعہ عارفیہ کا معائنہ کیا۔

یہاں ایک طرف تعلیم سے آراستہ کیا جا رہا ہے تو دوسری طرف طلبہ، علما اور واردین وطالبین کی تربیت کا کام بھی انجام پا رہا ہے، میں نے شریعت و طریقت کے اس سنگم کا اچھی طرح معائنہ کیا، علما سے ملاقات کی اور شیخ طریقت کی مجلس تذکیر میں بھی بیٹھا، بہت اچھا لگا جو کچھ سنا تھا اس سے زیادہ پایا، میں ذاتی طور پر بہت متاثر ہوا، میرا خیال ہے کہ خانقاہ عارفیہ میں جس طریقے سے شریعت و طریقت کی تعلیم اور تربیت کا کام ہو رہا ہے اس سے ملک بھر میں پھیلی ہوئی خانقاہیں اور اس کے مشائخ اپنے طور پر اس قائم نظام سے استفادہ کر سکتے ہیں۔

سوال: بدمذہبیت کے بڑھتے ہوئے سیلاب کے سدباب کے لیے اہل تصوف اور اہل خانقاہ کو کیا کرنا چاہیے؟

○ ہر طرح کی گمرہی اور بددینی، لادینی اور ضلالت و بدعملی کے خلاف بند باندھنے کی

ضرورت ہے۔ بلاشبہ علم وعرفان کی شمع خانقاہوں نے اور مشائخ نے ہر دور میں روشن کیا ہے۔ جب جب گمرہی کی تاریکیوں نے انسانی معاشرہ کو اپنی لپیٹ میں لینے کی کوشش کی صوفیہ نے اپنی حکمت عملی اور دعوت وتبلیغ سے انسانی معاشرہ کو ساحل نجات تک پہنچایا، لیکن یہ سب اس وقت ہوا ہے جب صوفیہ کہلانے والے اور دعاۃ شمار ہونے والوں نے اپنی اصلاح کر لی یا کرالی تھی وہ خود روشن ہو چکے تھے اس لیے ان سے روشنی پھیلی۔

مشائخ صوفیہ کا طریقہ رہا ہے کہ جب تک ان کی اپنی روحانی تشنگی کا سامان نہ ہوا اس وقت تک وہ قانع نہ ہوئے، اسی لیے آپ دیکھیں گے کہ شاید ہی کوئی سلسلہ خالص ہو، کیونکہ تاریخ بتاتی ہے کہ مشائخ نے اپنے سلوک کا تکملہ چاہا ہے خواہ یہ نعمت کسی شیخ یا کسی سلسلے سے ملے، سلسلوں میں تفریق نہیں کی ہے مثلا حضرت جہانیاں جہاں گشت جو اصلا قادری تھے لیکن ان کو محسوس ہوا کہ دہلی شریف میں جلوہ افروز حضرت نصیر الدین چراغ دہلی چشتی سے کچھ مزید فیض مل سکتا ہے تو ان کے حلقہ ارادت میں شامل ہو گیے اور قادری ہوتے ہوئے چشتی فیضان سے سیرابی حاصل کی، یوں ہی شاہ برکت اللہ مارہروی کو آبائی سلسلہ پہنچا تھا جو مخدوم شاہ مینا اور شاہ صفی کا فیضان تھا جو میر عبد الواحد بلگرامی کے واسطے سے شاہ برکت اللہ کو پہنچا تھا، لیکن انہوں نے اتنے پر قناعت نہ کی اور مزید کے لیے شاہ فضل اللہ کالپوی کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور آبائی سلسلہ میں چشتیہ کا غلبہ تھا اور اب قادریہ کا غلبہ ہو گیا، مشائخ کا یہ طریقہ ہمیں بتاتا ہے کہ کوئی شیخ یا کوئی سلسلہ مطلوب نہیں ہے، مطلوب تو صرف اللہ کا قرب اور اس کی رضا ہے، اسی روش کی پھر ضرورت ہے کیونکہ ہر شیخ اپنے آپ کو کامل ومکمل گمان کرتا ہے اور ہر مرید اپنے سلسلے کو افضل واعلی جانتا ہے اور حال یہ ہے کہ نہ شیخ کو عرفان ذات کی نعمت میسر اور نہ مرید کو ارادت کا نور میسر، ایسے حالات سے ہم خانقاہی گزر رہے ہیں، جب ہمارا ہی قلب تاریک ہے تو دوسرے کا کیسے روشن ہوگا۔!!

ضرورت ہے اپنی اصلاح کی اور خانقاہی نظام کے تجدید کی، ساتھ ہی علم ظاہر اس دور میں سب سے زیادہ ضروری ہے کیونکہ یہ دور انفجار علوم اور مختلف افکار کے ہجوم کا دور ہے تصوف و صوفیہ بلکہ اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ کا دور ہے، ایسے میں ہمارے لیے از حد ضروری ہے کہ ہمارا ظاہر وباطن دونوں مزین اور روشن ہو، تب ہم اسلام مخالف کسی بھی تحریک یا کسی بھی گمراہ تحریک کے خلاف بند باندھ سکتے ہیں، ورنہ جو صورت حال ہے اس سے تو یہی خوف ستا رہا ہے کہ کہیں خانقاہوں میں بیٹھے حضرات ان گمراہ تحریکوں کی زد میں نہ آ جائیں۔

سوال: آج جماعت اہل سنت جس اختلاف وانتشار کا شکار ہے اس سے آپ اچھی طرح واقف ہیں کیا تصوف موجودہ زمانے میں

اتحاد اہل سنت کا عنوان بن سکتا ہے؟ اگر ہاں! تو اس کی شکل کیا ہو؟

○ صرف اس زمانے میں نہیں بلکہ تصوف اور اہل تصوف ہر زمانے میں اتحاد بین المسلمین اور انسانی معاشرے میں امن وسلامتی کے ضامن رہے ہیں، موجودہ اہل سنت وجماعت میں جو اختلاف بلکہ انتشار ہے وہ اخلاص کی بنیاد پر نہیں ہے نفس پرستی کی بنیاد پر ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی مسئلہ میں ہمارا کسی سے اختلاف ہو سکتا ہے خواہ وہ مسئلہ فقہ وفتاوی کا ہو یا سلوک وتصوف کا، فکری اور نظری اختلاف عیب نہیں اور یہ اختلاف ہماری زندگی کا ثبوت ہے، یہ اللہ کی رحمت ہے، اختلاف امتی رحمة کہا گیا ہے اور اس طرح کے اختلافات ہر دور میں رہے ہیں لیکن اس کی بنیاد پر ہم دوسروں کی تضلیل کریں، تو یہ مخلصین کا کام نہیں ہے، اس وقت اہل سنت جس انتشار کا شکار ہے اس میں خلوص کہیں سے بھی نظر نہیں آتا، صرف اور صرف اس میں نفس امارہ کا دخل ہے، ان کی اصلاح بھی کوئی معمولی کام نہیں ہے، جہد مسلسل کی ضرورت ہے وہ بھی طالبین کے ساتھ ورنہ آج ہماری جماعت میں دینی اور روحانی قیادت کو تسلیم کرنے کا جذبہ نہیں ہے، جس کی وجہ سے ہماری اصلاح کا کام بھی مشکل اور ہمارا اتحاد بھی مفقود ہے، اس انتشار سے نکلنے کا واحد راستہ مشائخ صوفیہ کی تعلیمات پر عمل اور ان کے طریقے کار کی پیروی ہے، ہر شیخ اور ہر خانقاہ والے ایک دوصدی پیچھے جائیں اور اپنے اکابر مشائخ کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو جائیں سارے اختلافات خود بہ خود دور ہو جائیں گے۔ یہ میرا خیال ہے ورنہ درست تو اللہ ہی کو معلوم ہے۔

سوال: اہل سنت کی موجودہ صورت حال کی روشنی میں ہندوستان بھر میں پھیلی ہوئی خانقاہوں اور ان کے ذمہ داروں سے آپ کیا کہنا چاہیں گے اور آپ کی اپنی پیش رفت کیا ہے؟

○ موجودہ صورت حال بہت خراب ہے، اس سے ہم سب واقف ہیں۔ ایسے حالات میں میری اپنی خواہش ہے کہ خانقاہی نظام کی نشاۃ ثانیہ ہونی چاہیے اور ہر خانقاہ بولتی خانقاہ ہو، فکر و نظر حرکت وعمل والی خانقاہ کی امت کو شدید ضرورت ہے، خانقاہ کے شہزادوں کی اچھی تعلیم و تربیت ہونی چاہیے، صرف سند یافتہ علما ومشائخ سے کام نہیں ہوگا بلکہ تعلیم یافتہ اور تربیت یافتہ علما ومشائخ کی شدید حاجت ہے۔

اس سلسلے میں میں نے آل کرناٹک علما ومشائخ بورڈ بھی بنایا تھا جو اب بھی موجود ہے اور کسی حد تک کام کر رہی ہے لیکن اب میری خواہش ہے کہ خانقاہ عارفیہ جہاں جامعہ بھی قائم ہے اور تعلیم وتربیت دونوں کا بہتر انتظام ہے اس کی قیادت میں ایک تحریک چلائی جائے کہ کم از کم ہر خانقاہ کا ایک فرد ایسا تیار کیا جائے جو شریعت وطریقت کا عالم وعامل ہو اور اس کا مبلغ اور داعی بھی۔

خانقاہوں سے وابستہ حضرات کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے مشائخ کے مشن پر خود قائم رہیں اور ان کی تعلیمات کو دوسروں تک پہنچائیں۔

میرا یقین ہے کہ اگر خانقاہوں میں اس طرح کی بیداری آ گئی تو اہل سنت و جماعت کی موجودہ اضطرابی صورت حال پر صرف کنٹرول ہی نہیں کیا جا سکتا بلکہ سوڈیڑھ سو سال میں جو کوتاہیاں ہوئی ہیں ان کا کفارہ بھی ادا ہو جائے گا۔ اللہ رب العزت کہنے سے زیادہ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

سوال: کیا جماعت اہل سنت کے علما سے آپ کچھ کہنا چاہتے ہیں؟

○ موجودہ جماعتی انتشار کے پیش نظر ہم اپنی جماعت کے علما سے یہ گزارش کریں گے کہ ہم فروعی مسائل کے علمی اختلاف کو جماعتی انتشار کا سبب نہ بنائیں اور جماعتی اتحاد کو اپنی علمی انا کی نذر نہ ہونے دیں بلکہ اتحاد امت کی خاطر اپنی انا کی قربانی دیں اور ضرورت ہو تو اپنی بھی قربانی پیش کرنے کے لیے تیار رہیں، کیونکہ آج جماعت جس بنیاد پر انتشار کا شکار ہے اس میں صرف اور صرف ہماری انا کا سوال ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ ہم میں کا ہر فرد داعی ہے جو جہاں ہے وہیں بنام اہل سنت دین کا کام کرے، اہل سنت ہماری پہچان ہے اور رہے گی، موذن سے لے کر امام تک، واعظ سے لیکر مربی تک جو جہاں ہے وہاں اپنی اپنی استطاعت کے مطابق خدمت دین اور اتحاد امت کی کوشش کرے، کوشش کرنے سے کام ہوتا ہے، انشاء اللہ کام ہوگا۔

سوال: آج جماعت اہل سنت کے بعض علما اور بعض پیران طریقت تعمیر امت سے زیادہ تخریب میں دلچسپی کا مظاہرہ کر رہے ہیں اس کے کیا اسباب ہیں؟

○ علما یا مشائخ میں سے جن کی بھی تعلیم و تربیت نہ ہوئی، جن کو مربی مشائخ کی صحبت نہ ملی ان سے تعمیر کی توقع عبث ہے، صوفیہ کی دعوت کا مقصد کفر اور گمرہی سے انسانوں کو بچانا ہے نہ کہ کافر و گمراہ بنانا، اگر ہمارے موجودہ علما کی تربیت اور پیران طریقت کے سلوک کا تکملہ ہوا ہوتا تو آج یہ حالت نہ ہوتی اور ہمارے علما فروعی مسائل میں دست و گریباں نہ ہوتے ایک دوسرے کے خلاف تضلیل و تکفیر کے فتاوے صادر نہ کرتے اور ایک دوسرے کو صلح کلی و کافر قرار نہ دیتے۔ اگر ان کی تربیت ہوئی ہوتی تو آپس میں لڑتے ہی نہیں چہ جائے کہ ایک دوسرے کو کافر و گمراہ اور صلح کلی کہتے پھرتے، ایک بار پھر عرض ہے کہ متقدمین صوفیہ کی روش کو اپنانے کی شدید ضرورت ہے۔

سوال: اہل سنت کی مختلف تحریکوں جیسے دعوت اسلامی، سنی دعوت اسلامی اور منہاج القرآن وغیرہ کے حوالے سے آپ کی کیا رائے ہے؟

○ پوری دنیا میں اہل سنت کی جو بھی تحریکیں ہیں جن کو ہم جانتے ہیں یا نہیں جانتے ہیں سب کو ہم اپنی تحریک مانتے ہیں، ہند و پاک کی سنی دعوتی تحریک جیسے دعوت اسلامی اور سنی دعوت اسلامی اور منہاج القرآن اور ان جیسی تمام سنی تحریکوں کو ہم اپنی تحریک جانتے ہیں، ان تحریکوں نے دعوت و تبلیغ کے میدان میں بڑا کام کیا اور ہنوز سلسلہ جاری ہے۔ خصوصیت کے ساتھ دعوت اسلامی اور سنی دعوت اسلامی نے عوامی سطح پر اصلاح کا بڑا کام کیا ہے۔ ہم سب کو ان تحریکوں کی حمایت اور تعاون کرنا چاہیے۔

سوال: قارئین الاحسان اور مرتبین کو آپ کیا پیغام دینا چاہیں گے؟

○ اولاً تو میں مبارک باد پیش کرتا ہوں شیخ طریقت داعی اسلام دام ظلہ العالی کو جن کی قیادت اور سرپرستی میں تصوف و احسان پر اتنا اچھا رسالہ نکل رہا ہے اور ساتھ میں ان کی ٹیم کو جو اخلاص کے ساتھ حضرت کے دست و بازو بن کر اس اہم کام میں لگے ہوئے ہیں، الاحسان اسم با مسمی ہے، اس کے تعارف کے لیے حدیث احسان کافی ہے، اس کے علمی مضامین یقینا قدر و منزلت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں، الاحسان میں خود پڑھتا ہوں اور میرے والد گرامی بھی اس کا مطالعہ کرتے ہیں، الاحسان کے کچھ شمارے میرے پاس پہلے سے تھے اور کچھ شمارے میں نے حال ہی میں جب خانقاہ عارفیہ حاضر ہوا تو حاصل کیا۔

میری گذارش ہے کہ الاحسان برصغیر ہند و پاک کی تمام خانقاہوں میں پہنچنا چاہیے کیونکہ الاحسان میرے خیال سے کتابی پیر سے کم نہیں ہے یہ رسالہ کی شکل میں ایک پیر، مربی اور مرشد ہے، میں جب اس کا مطالعہ کرتا ہوں تو ایسا لگتا ہے کہ الاحسان اکابر صوفیہ کی روحانیت اور تعلیمات کا مجموعہ ہے، میں اس کی ترقی کے لیے اور اس کے فیضان کے مزید عام ہونے کے لیے دعا گو ہوں اور اللہ رب العزت سے امیدوار ہوں کہ الاحسان کی گونج برصغیر ہند و پاک کے گوشے گوشے میں پہنچے گی، آمین بجاہ سید المرسلین۔

○○○

سلسلہ ہاشمیہ شطاریہ: تاریخ اور خدمات

سلسلہ ہاشمیہ اصل میں سلسلہ شطاریہ کی ایک شاخ ہے۔ سلسلہ شطاریہ ہی کو بلادعرب میں طیفوریہ، بسطامیہ اور عشقیہ سے بھی جانا جاتا ہے۔ ہندوستان میں سلسلہ شطاریہ کی اشاعت حضرت شاہ عبداللہ شطاری سے ہوئی، آپ نے ریاضت شاقہ کے بعد علم شغل شطار حاصل کیا، آپ کے اخلاق، مجاہدات، نفس کشی اور لگن سے خوش ہو کر آپ کے پیرو مرشد شاہ محمد عارف نے آپ کو شطار کہہ کر مخاطب فرمایا اور یوں یہ لفظ ''شطار'' (۱) ان سے منسوب ہوا۔

بانی سلسلہ شطاریہ حضرت شاہ عبداللہ شطاری

پانچ واسطوں سے آپ کا سلسلہ نسب شیخ شہاب الدین سہروردی صاحب عوارف المعارف سے جاملتا ہے اور سات واسطوں سے آپ کا روحانی سلسلہ حضرت بایزید بسطامی تک پہونچتا ہے۔ آپ بخارا میں پیدا ہوئے اور عارف باللہ شیخ محمد عارف کی صحبت و تربیت میں آپ کے سلوک کا تکملہ ہوا۔ نیشاپور اور آذربائیجان میں کچھ وقت گزارا اور پندرہویں صدی عیسوی میں ہندوستان تشریف لائے۔ مانک پور، جون پور میں قیام کیا، شیخ حسام الدین مانک پوری اور مخدوم اشرف جہاں گیر سمنانی سے آپ کی ملاقات ہوئی، اللہ نے آپ کو بڑی عظمت عطا کی تھی، آپ ظاہر و باطن میں عظیم شان و شوکت رکھتے تھے، شیخ محقق نے آپ کے بارے میں یوں تحریر کیا ہے:

''از اولاد شیخ بزرگوار شہاب الدین سہروردی است سطوت و شوکت ظاہر و باطن داشت، مرشد وقت خود بود و در تلقین اذکار و اشغال کہ مخصوص و متعارف سلسلہ شطاریہ است متعین و منفرد بود۔۔و سلسلہ ارادت وی بہ پنج واسطہ بشیخ نجم الدین کبریٰ قدس سرہٗ می رسد'' (اخبار الاخیار، ص: ۱۸۲)

صاحب تذکرہ علما ہند نے آپ کے سلسلے میں یوں تحریر کیا ہے:

''عبداللہ شطاری، ابن شیخ بہلول سندیلوی، دانشمند صوفی اور بہترین تصانیف کے مالک تھے۔ کتاب سراج السالکین، انیس المسافرین، اسرار الدعوات، کنز الاسرار، اشکال الشطاریہ،

شرح رسالہ غوثیہ وغیرہ ان کی تصانیف ہیں۔'' (تذکرہ علمائے ہند، ص: ۲۳۹)

شاہ عبداللہ شطاری نے بہار اور بنگال کے مختلف علاقوں کا دورہ کیا۔ بہار کے دورے پر حضرت شیخ محمد علاؤالدین المعروف شیخ علا قاضن (۲) کی آپ سے ملاقات ہوئی، شیخ علا قاضن کو آپ پر اولاً اعتراض ہوا لیکن بعد میں انہوں نے آپ کی عظمت کے سامنے سر تسلیم خم کیا اور آپ کے غلاموں میں شامل ہو گئے۔ شاہ عبداللہ شطاری سیاحی کرتے ہوئے، فیض روحانی لٹاتے ہوئے مانڈوا پہنچے اور ۱۴۸۵ء/ ۸۹۰ھ میں مانڈوا ہی میں آپ کا وصال ہوا جہاں آج بھی آپ کا مزار مرجع خلائق ہے۔ (تذکرہ علمائے ہند، ص: ۲۳۹)

آپ کے بعد آپ کے خلفا سے سلسلہ شطاریہ کو بڑا فروغ ملا جن میں شیخ محمد علاؤالدین المعروف اعلا قاضن اور شیخ عبدالحفیظ جونپوری کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ سلسلہ شطاریہ کا فیضان شاہ علاؤالدین المعروف علا قاضن شطاری کے بعد شاہ ابوالفتح ہدایت اللہ سرمست، شاہ ظہور حاجی حضور اور شاہ محمد غوث گوالیری سے ہوتے ہوئے شاہ وجیہ الدین حسینی گجراتی کو پہنچا۔ اِن کے بعد اُن کے لڑکے شاہ عبداللہ حسینی کے واسطے سے شطاری مشائخ کی نعمتیں بانی سلسلہ ہاشمیہ شاہ ہاشم پیر حسینی کو پہنچتا ہے۔

بانی سلسلہ ہاشمیہ شاہ ہاشم پیر حسینی

خانقاہ ہاشمیہ کے بانی عارف ربانی حضرت سید شاہ ہاشم پیر حسینی (۱۵۷۵ء/ ۱۶۴۶ء) کا شمار دکن کے ممتاز صوفی، داعی و مبلغ کے طور پر ہوتا ہے۔ بیجاپور کو آپ نے اپنا مسکن بنایا اور ابراہیم عادل شاہ ثانی کے دور حکومت میں خلق خدا کو کفر و ضلالت سے نکالا، عوام و خواص کی بروقت دینی رہنمائی کی۔ ۹۸۴ھ/ ۱۵۷۵ء میں احمد آباد میں آپ کی ولادت ہوئی، ولادت کے بعد ہی آپ کی والدہ کا انتقال ہو گیا، آپ کے والد حضرت شاہ برہان الدین حسینی نے آپ کی تعلیم و تربیت پر خاص توجہ فرمائی۔ حضرت ہاشم پیر کا گھرانہ خالص مذہبی اور علمی تھا۔ آپ کا خاندان علما و صوفیہ کا مسکن تھا۔ احمد آباد، گجرات کی سرزمین پر آپ کے آبا و اجداد آباد تھے، جو عوام و خواص کے لیے مرجع کی حیثیت رکھتے تھے، علما و عرفا کے لیے رہنما تھے، آپ کا خانوادہ قدیم زمانے سے علم و عرفان کا گہوارہ تھا، صاحب تصانیف کثیرہ حضرت شاہ وجیہ الدین علوی گجراتی حضرت ہاشم پیر کے سگے چچا تھے۔

تعلیم و تربیت

حضرت ہاشم پیر نے ہوش سنبھالا اور ابتدائی تعلیم اپنے خاندان ہی میں حاصل کی، ۱۰۰۲ھ میں آپ کے والد برہان الدین حسینی احمد آباد گجرات سے برہان پور، مدھیہ پردیش

تشریف لے گئے، اس وقت آپ کی عمر ۱۸ ر سال کی تھی، اٹھارہ سال کی عمر تک آپ کی تعلیم و تربیت احمد آباد ہی میں ہوئی۔ حضرت شیخ وجیہ الدین گجراتی کا جس وقت انتقال ہوا اس وقت ہاشم پیر کی عمر ۱۲ ر سال تھی۔ بتایا جاتا ہے کہ آپ کی ابتدائی تعلیم و تربیت میں آپ کے عم محترم حضرت وجیہ الدین گجراتی علوی کا بھی کردار رہا ہے۔

حضرت ہاشم پیر اپنی ابتدائی عمر ہی میں والد برہان الدین حسینی کے دست حق پرست پر بیعت ہو گئے، ایک روز آپ عبادت و ریاضت میں مشغول تھے کہ والد گرامی نے آپ کو طلب کیا اور فرمایا: ہاشم کیا حال ہے؟ آپ نے جواب دیا ''اللہ کا کرم اور حضرت کی توجہ ہے، خوب گزر رہی ہے، میرے لیے دو کف جوار یا گندم کافی ہے، اس میں سے بھی جو کچھ بچ جاتا ہے اس کو اللہ کی راہ میں صرف کر دیتا ہوں'' اس پہ والد صاحب نے فرمایا کہ ہاشم اب تم کامل ہو چکے ہو اور پھر اپنی اجازت و خلافت سے نوازا اور ان تمام سلسلوں کی اجازت عطا کی جو آپ کو اپنے والد بزرگوار حضرت نصر اللہ حسینی اور برادر گرامی حضرت وجیہ الدین علوی حسینی سے حاصل تھی۔

اجازت وخلافت

حضرت ہاشم پیر اپنے والد ماجد کے انتقال کے بعد ۱۰۰۹ھ میں اپنے چچازاد بھائی حضرت شاہ عبداللہ حسینی فرزند اکبر حضرت وجیہ الدین علوی حسینی کے دامن فیض سے وابستہ ہو گئے اور اپنے والد کے حکم کے مطابق روحانی فیوض و برکات اور مختلف سلاسل کی اجازتیں ان سے بھی حاصل کی۔

بانی سلسلہ ہاشمیہ کے روحانی سلاسل

شطاریہ

(۱) حضرت سید شاہ ہاشم پیر حسینی (۲) حضرت سید شاہ عبداللہ حسینی (۳) حضرت سید شاہ وجیہ الدین حسینی گجراتی (۴) حضرت سید شاہ محمد غوث گوالیاری (۵) حضرت شاہ ظہور حاجی حضور (۶) حضرت شاہ ابوالفتح ہدایت اللہ سرمست (۷) حضرت شاہ علاؤ الدین المعروف علا قاضن شطاری (۸) حضرت شاہ عبد اللہ شطاری (۹) حضرت شاہ محمد عارف (۱۰) حضرت شاہ محمد عاشق (۱۱) حضرت شاہ خدا قلی ماوراء النہر (۱۲) حضرت شاہ ابوالحسن خرقانی (۱۳) حضرت شاہ ابوالمظفر مولانا ترک طوسی (۱۴) حضرت شاہ ابو یزید عشقی (۱۵) حضرت شاہ محمد مغربی (۱۶) حضرت شیخ بایزید بسطامی.....الخ

سلسلہ چشتیہ

(۱) حضرت سید شاہ ہاشم پیر حسینی (۲) حضرت سید شاہ عبداللہ حسینی (۳) حضرت سید شاہ وجیہ الدین حسینی گجراتی (۴) حضرت سید شاہ محمد غوث گوالیاری (۵) حضرت شاہ ظہور حاجی

حضور (۶) حضرت شاہ ابوالفتح ہدایت اللہ سرمست (۷) حضرت شاہ محمد عیسیٰ جون پوری (۸) حضرت شیخ فتح اللہ اودھی (۹) حضرت شیخ صدر الدین (۱۰) حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دلی (۱۱) حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی.....الخ

قادریہ

(۱) حضرت سید شاہ ہاشم پیر حسینی (۲) حضرت سید شاہ عبداللہ حسینی (۳) حضرت سید شاہ وجیہ الدین حسینی گجراتی (۴) حضرت شاہ محمد غوث گوالیاری (۶) حضرت شاہ ظہور حاجی حضور (۷) حضرت شاہ ہدایت اللہ سرمست (۸) حضرت شاہ علاؤ الدین علا قاضن شطاری (۹) حضرت شاہ عبدالوہاب قادری (۱۰) حضرت شاہ عبدالرؤف قادری (۱۱) حضرت شاہ عبدالغفار صدیقی (۱۲) حضرت شاہ محمد قادری (۱۳) حضرت شاہ محمد علی حسینی (۱۴) حضرت شاہ جعفر احمد حسینی (۱۵) حضرت شاہ ابراہیم حسینی (۱۶) حضرت شاہ عبد اللہ حسینی (۱۷) حضرت شیخ عبدالرزاق قادری (۱۸) حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی.....الخ

بانی سلسلہ ہاشمیہ کے آبائی مشائخ

ہاشم پیر کے جد اعلیٰ حضرت بہاؤ الدین حسینی بن کبیر الدین حسینی مدینہ شریف کی حاضری میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بشارت پا کر ملک عرب سے ہندوستان تشریف لائے اور گجرات کے پاٹری نام کے گاؤں میں سکونت پذیر ہوئے، اس سے پہلے آپ کے آبا و اجداد یمن کے حضرموت مقام میں رہائش پذیر تھے۔ حضرت بہاؤ الدین حسینی کا کچھ دن قیام مکہ شریف میں بھی رہا جس کی وجہ سے آپ کو مکی بھی کہا جاتا ہے۔ روضۂ نبی سے جب آپ کو بشارت ہوئی تو آپ نے اپنے اہل خانہ اور مریدین کی ایک مختصر جماعت کے ساتھ ہندوستان کا سفر کیا۔ آپ علوم ظاہر و باطن سے آراستہ اور اخلاق کریمانہ کے حامل تھے۔ آپ پاٹری ہی میں واصل بحق ہوئے اور وہیں آپ کا مزار مبارک ہے۔

آپ کے وصال کے بعد آپ کے فرزند سید معین الدین حسینی نے مسند درس و ارشاد کو رونق بخشی اور خلق کی خدمت اور خالق کی معرفت کا پتہ بتانے میں اپنی زندگی گزار دی۔ سید معین الدین حسینی کا وصال بھی پاٹری ہی میں ہوا۔ آپ کے بعد آپ کے صاحبزادے سید عطاؤ الدین حسینی نے دعوت و ارشاد کے سلسلے کو مزید فروغ دیا، آپ عالم و عامل ہونے کے ساتھ پر کشش شخصیت کے مالک تھے، آپ کے علم و فضل اور تقوی و طہارت کو دیکھ کر اس وقت کے بادشاہ نے آپ کو پاٹری کا قاضی بنایا۔

اس حسینی خاندان کے ہند میں آپ پہلے شخص تھے جن کو قضاۃ کے اس منصب پر مامور ہونا

پڑا۔آپ کے وصال کے بعد آپ کے فرزند حضرت عمادالدین حسینی نے دعوت وارشاد کے سلسلے کو مزید آگے بڑھایا۔عمادالدین حسینی حضرت ہاشم پیر بانئ خانقاہ ہاشمیہ کے پردادا ہوتے ہیں۔

حضرت قاضی سید عمادالدین حسینی

قاضی عمادالدین حسینی کا شمار اپنے زمانے کے ممتاز علما میں ہوتا ہے۔آپ سید حسین عرف شاہ قاضن چشتی (۳) کی صحبت میں رہے اور چشتیہ طریق کی خلافت ونعمت آپ سے حاصل کی ،آپ کے تین صاحبزادے تھے (۱) سید شمس الدین (۲) سید فتح اللہ حسینی (جوانی ہی میں آپ شہید کر دیے گئے) (۳) نصر اللہ حسینی ۔قاضی عماد الدین کا انتقال ۱۰ ر ذی قعدہ ۹۱۶ھ / ۱۵۱۰ء میں ہوا۔آپ کا مزار پرانوار پاٹری میں ہے۔(آیات الٰہی کے نگہبان،ص:۱۶۸)

حضرت نصر اللہ حسینی

حضرت نصر اللہ حسینی بن سید عمادالدین حسینی کا شمار بلند ترین صاحبان شریعت وطریقت نفوس قدسیہ میں ہوتا ہے ۔آپ کو حضرت شاہ قاضن چشتی سے چشتیہ سلسلے کی اور اپنے والد ماجد قاضی عمادالدین حسینی سے مغربیہ سلسلے کی اجازت وخلافت حاصل کی تھی ۔شاہ نصر اللہ حسینی کے پانچ فرزند تھے۔(۱) سید احمد المعروف شاہ وجیہ الدین حسینی گجراتی (۲) سید نجم الدین حسینی (۳) سید بہاؤالدین حسینی (۴) سید ظہیرالدین حسینی (۵) سید برہان الدین حسینی۔

حضرت نصر اللہ حسینی کی وفات ۲۰ رمحرم الحرام ۹۵۸ھ/ ۱۵۵۱ء میں ہوئی ۔**لہ جنات الفردوس نزلا** سے تاریخ وصال برآمد ہوتی ہے ۔آپ کا مزار نیلی گنبد احمد آباد میں ہے ۔ (آیات الٰہی کے نگہبان،ص:۱۷۲)

حضرت شاہ وجیہ الدین علوی گجراتی

حضرت شاہ وجیہ الدین علی گجراتی کو آج بھی دنیا شیخ الشیوخ امام شریعت وطریقت کی حیثیت سے جانتی ہے۔آپ کی ذات اور آپ کی دعوتی خدمات کے ذکر کے بغیر ہندوستان کے صوفیہ کی تاریخ مکمل نہیں ہوسکتی ۔ ۲۲ رمحرم الحرام ۹۱۰ھ/ ۱۵۰۴ء میں محمد آباد عرف چانپانیر میں پیدا ہوئے حضرت وجیہ الدین کے والد شاہ نصر اللہ حسینی سلطان مظفر شاہ کی درخواست پر چانپانیر سے منتقل ہوکر احمد آباد تشریف لے گئے ۔جس وقت آپ کی عمر ۸ رسال تھی۔

شاہ وجیہ الدین کا پیدائشی نام سید احمد ہے لقب وجیہ الدین اور آسمانی خطاب حیدر علی ثانی ہے۔وجیہ الدین آپ کا لقب علوم شرعیہ میں کامل رسوخ کی وجہ سے ہوا،اور دین حنیف پر مضبوط تمسک اور علوم اسلامیہ میں آپ کو زبردست پختگی حاصل تھی جس کے ذریعے آپ کو دین میں سچی وجاہت حاصل ہوئی۔آپ مذہبا حنفی اور مشربا شطاری تھے لیکن دیگر مذاہب ومشارب سے آپ کو

خوب حظ حاصل تھا۔ (حضرت ہاشم پیر اور سلسلہ شطاریہ :ایک مطالعہ،ص: ۵۳۔۵۴ ملخصا وآیات الٰہی کے نگہبان،ص:۱۷۳)

آپ کے بارے میں صاحب تذکرہ علما ہند نے اس طرح تحریر کیا ہے:

’’شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی ،ماہ محرم ۹۱۱ھ/ ۱۵۰۵ء میں جاپانیر (چمپانیر) مضاف گجرات میں پیدا ہوئے۔(۴) ظاہری علوم ملا عماد طاری کی خدمت میں حاصل کیے۔اور شیخ قاضن کے مرید ہوئے۔ظاہری وباطنی خوبیوں میں کمال حاصل کی،خدا تعالیٰ نے اسم شافی کا ان کو مظہر بنایا تھا۔

ہر جمعہ کو ان کے آستانے پر مریضوں کی ایک بہت بڑی جماعت پہونچتی تھی اور ان سے دعا کی درخواست کرتی تھی۔اور اس کا اثر جلد ہوتا تھا۔غرض مخلوق خدا کو ہمیشہ ان کی ذات مقدس سے فیض پہنچتا۔زمانہ کے اکابر واخیار ان کے مکان پر پہنچتے تھے اس کے باوجود ہمیشہ تدریس وتصنیف میں مشغول رہتے تھے۔وضع اور لباس میں کسی شخص سے ممیز نہیں رہتے تھے،موٹے کپڑے پہنتے تھے۔ جو کچھ فتوحات سے ملتا تھا وہ سخاوت وایثار میں خرچ کر دیتے تھے۔‘‘(تذکرہ علمائے ہند،ص:۴۵۶)

حضرت غوث گوالیاری سے ملاقات

شاہ وجیہ الدین حسینی نے ۵ رسال کی عمر میں قرآن مکمل کیا، ۷ رسال میں حافظ ہوئے، ۲۴ رسال کی عمر تک علوم ظاہری و باطنی حاصل کرتے رہے ۔آپ نے اپنے والد سے چشتیہ اور مغربیہ سلسلہ کی اجازت پائی تھی اور اپنے ماموں شاہ ابوالقاسم اور شیخ نجم الدین صدیقی سے سہروردیہ سلسلے کے اذکار واشغال سیکھے،سلسلہ شطاریہ اور قادریہ کی نعمت حضرت محمد غوث گوالیاری سے پائی۔

بیان کیا جاتا ہے کہ سید کبیر الدین نامی ایک مجذوب بزرگ نے آپ کو بتایا تھا کہ علم باطن کے حصول میں زیادہ بے چین ہونے کی ضرورت نہیں، چند ہی دنوں میں محمد غوث گوالیاری احمد آباد تشریف لائے ،آپ اپنے ماموں یحییٰ کے ساتھ حضرت محمد غوث کی خدمت میں حاضر ہوئے ،دیکھتے ہی آپ ان کے گرویدہ ہوگئے ،اکثر آپ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اگر غوث بے لوث کی پابوسی کا شرف حاصل نہ ہوتا تو میرے او پر حقیقت کے رموز نہ کھلتے ،آپ ہی کی وجہ سے مجھے حقیقی ایمان کی بہشت میں چہل قدمی کرنا نصیب ہوا۔مزید فرماتے’’ آن چہ درتمام عمر معرفتے اللہ حاصل نہ شد دریک شب حاصل شد‘‘

اس واقعہ کو صاحب تذکرہ علما ہند نے اس طرح تحریر کیا ہے:

’’جب سلطان محمود گجراتی کے زمانہ میں شیخ محمد غوث گوالیاری مصنف جواہر خمسہ گجرات پہنچے تو شیخ علی متقی نے جو اس علاقہ کے بڑے شیخ اور ممتاز عالم تھے شیخ محمد غوث کے قتل کا فتویٰ لکھا۔ (۵) سلطان محمود گجراتی نے اس کا نفاذ شیخ وجیہ الدین کی رائے پر موقوف رکھا۔شیخ وجیہ الدین نے

شیخ محمد غوث سے ملاقات کی تو فوراً ان کے جمال باکمال کے گرویدہ ہوگئے اور استفتاء کو پارہ پارہ کر دیا۔ شیخ محمد غوث نے اس مہلکہ سے نجات پائی، عوام نے ان کی طرف رجوع کیا، اور علاقہ کے حکام ان کے معتقد ہوگئے'' (تذکرہ علمائے ہند، ص:۴۵۷)

ہاشم پیر کے ملفوظات ''مقصود المراد'' میں یہ لکھا گیا ہے کہ شاہ وجیہ الدین کی تربیت حضرت شاہ محمد غوث گوالیاری نے فرمائی اور علم حقائق سکھایا اور باوجودیکہ انہوں نے ۲۲ رسال کی عمر میں ۱۲۰ رعلوم حاصل کیے لیکن خود شاہ صاحب (حضرت وجیہ الدین حسینی) فرماتے ہیں کہ اگر میں شیخ سے ملاقات نہ کرتا تو میں مسلمان نہ ہوتا اور پھر فرمایا کہ جو معرفت الٰہی تمام عمر میں حاصل نہ ہوسکی وہ ایک شب میں حاصل ہوگئی (حضرت ہاشم پیر اور سلسلہ شطاریہ: ایک مطالعہ، ص:۵۷)

اجازت وخلافت

رسالہ ہاشمیہ میں درج ہے کہ وجیہ الدین حسینی فرماتے ہیں مجھ سے حضرت محمد غوث نے نہ ریاضت کروائی اور نہ ہی مجاہدہ مگر اپنی تین انگلیوں سے میرے سینے کو زور سے دبایا، جب ایک انگلی دبائی تو فنافی الشیخ کا درجہ نصیب ہوا، دوسری انگلی دبائی تو فنافی الرسول کا مقام حاصل ہوا، تیسری انگلی دبانے سے فنافی اللہ کا مقام حاصل ہوا۔ شیخ محمد غوث گوالیاری کے توسط ہی سے ایک اور طریق سے چشتیہ سلسلے کی خلافت آپ تک پہونچی ہے، جس کا ذکر روحانی سلاسل کے ضمن میں ہو چکا۔

مدرسہ عالیہ علویہ سے مدرسہ درسِ محمدی تک

حضرت وجیہ الدین گجراتی نے تحصیل علوم سے فارغ ہونے کے بعد درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا، مدرسہ عالیہ علویہ کے نام سے عظیم الشان مدرسہ قائم کیا، ایران کے مدرسہ نظامیہ کے طرز پر جہاں درس کا اہتمام تھا۔ آپ نے اپنے بے شمار شاگردوں کی تربیت وتعلیم کی۔

وجیہ الدین حسینی نے عمر کے آخری حصہ میں چاہا کہ اب درس دینا بند کر دیں اور اس کی ذمہ داری کسی اور کے سپرد کر دیں تو خواب میں آپ نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تشریف لائے اور فرمایا کہ درس کا سلسلہ بند نہ کیا جائے، تم درس دیتے رہو۔ سرکار دو عالم کے اس حکم کے بعد درس کے سلسلے کو منقطع کرنے کا خیال نکال دیا اور مدرسہ کا نام مدرسہ عالیہ علویہ سے بدل کر مدرسہ درسِ محمدی رکھ دیا، اور آپ اپنی عمر کے آخری سانس تک درس دیتے رہے۔

احمد آباد گجرات میں ۹۳۴ھ میں آپ نے مدرسہ کی بنیاد رکھی۔ تقریبا ۶۴ رسال درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا، اس مدت میں ہزاروں طلبہ نے آپ کے مدرسہ سے فراغت پائی۔ درس وتدریس کے ساتھ تصنیف وتالیف کا سلسلہ بھی جاری رکھا، صرف فن حدیث پر آپ نے بتیس رسالے تحریر فرمائے۔ مولانا غلام علی آزاد بلگرامی نے آپ کی تصنیف وتالیف کی تعداد

(۱۹۷) ایک سو ستانوے بتائی ہے جب کہ بعض حضرات نے اس سے بھی زیادہ شمار کیا ہے۔ مندرجہ ذیل تصنیفات بھی آپ ہی کی ہیں۔ (آیات الٰہی کے نگہبان، ص:۱۸۸)

تصنیف وتالیف

(۱) حاشیہ تفسیر بیضاوی (۲) حاشیہ تلویح (۳) حاشیہ کشف الاصول بزدوی (۴) حاشیہ علی المواقف (۵) حاشیہ الہدایۃ (۶) حاشیہ شرح تجرید (۷) حاشیہ شرح مقاصد (۸) حاشیہ شرح عقائد (۹) حاشیہ شرح نخبۃ الفکر (۱۰) حاشیہ علی شرح الوقایہ (۱۱) حاشیہ العضدیہ (۱۲) حاشیہ شرح جامی (۱۳) حاشیہ مطول (۱۴) حاشیہ مختصر (۱۵) حاشیہ شرح چغمینی (۱۶) حاشیہ قطبی (۱۷) حاشیہ شرح ملا (۱۸) حاشیہ ارشاد النحو (۱۹) حاشیہ مختصر المعانی (۲۰) وافیہ شرح کافیہ، وغیرہ۔

آپ کی چند مشہور کتابوں میں حقیقت محمدیہ، رسالۃ جنت العدن اور شرح حکمۃ العین، ہے۔ حقیقت محمدیہ عربی زبان میں لکھی گئی، یہ کتاب اپنے موضوع اور مضامین کے لحاظ سے ایک بلند پایہ اور اہل علم وعرفان کے لیے ایک بیش بہا خزانہ ہے، جس کی عربی شرح علامہ مرزا محمد دائم ہندی نے الافاضات الاحمدیۃ کے نام سے کی ہے۔ مولانا جلال رضاق ازہری کی تحقیق کے ساتھ مطبعہ الکیلانی، قاہرہ نے ۲۰۰۷ء میں اس شرح کو شائع کر دیا ہے۔

افادۂ عام کے لیے آپ کے تلمیذ حضرت مولانا عبد العزیز خالدی نے فارسی زبان میں اس کا ترجمہ فرمایا۔ حال ہی میں مولانا نصر اللہ رضوی مصباحی نے اہل علم کے استفادہ کے پیش نظر اس فارسی کا اردو ترجمہ کیا ہے جو ۲۰۱۰ء میں المجمع الاسلامی، مبارکپور، سے شائع ہوا ہے۔ آپ کے ملفوظات کے مجموعے بھی دستیاب ہیں۔

شیخ محقق کی آپ سے ملاقات

شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے بھی حضرت وجیہ الدین حسینی سے ملاقات کی۔ شیخ محقق حج کے سفر پہ تھے کہ احمد آباد میں حضرت وجیہ الدین علوی کی ملاقات کی غرض سے دو روز قیام کیا اور سلسلہ عالیہ قادریہ کے بعض اذکار واشغال کی اجازت حاصل کیں، جس کا ذکر ''اخبار الاخیار'' میں آپ نے خود کیا ہے۔

چند ممتاز خلفا

(۱) برہان الدین حسینی (والد ماجد حضرت ہاشم پیر حسینی، بانیٔ خانقاہ ہاشمیہ، بیجاپور) (۲) سید صبغت اللہ روح اللہ حسینی (۳) سید جلال الدین ملتانی (۴) علامہ کمال محمد عباسی گجراتی (۵) مولانا شیخ یوسف بنگالی (۶) حضرت شاہ علی متقی (۷) مولانا سید شاہ عبد الغفور کاشمیری (۸) مولانا عبد الغنی جونپوری (۹) مولانا عبد اللہ شطاری (۱۰) سید ضیاء الدین ابن محمد غوث گوالیاری (۱۱) شاہ عبد اللہ محمد

بن غوث گوالیاری (۱۲) شیخ یسین پیرومرشد شاہ شہباز بانی سلسلہ شہبازیہ بھاگل پور (۶)۔ وغیرہ
ان حضرات نے سلسلہ شطاریہ کو پورے ملک میں عام کیا۔ جنوبی ہند میں سلسلہ شطاریہ آپ کے بھتیجے حضرت ہاشم پیر ابن محمد برہان الدین حسینی راز الٰہ سے خوب عام ہوا۔

ہندوستان میں سلسلہ شطاریہ وہ سلسلہ ہے جس کا فیضان عرب ممالک تک پہونچا۔ شاہ وجیہ الدین حسینی کے خلیفہ شاہ صبغت اللہ روح اللہ حسینی بھڑوچی نے ابراہیم عادل شاہی ثانی کے دور میں چند سال بیجاپور میں قیام کیا، پھر آپ مدینہ منورہ چلے گئے، جہاں آپ کے ذریعے سلسلہ شطاریہ کی تعلیمات خوب عام ہوئی، بعض عرب علما آپ سے فیض یاب ہوئے اور آپ کے فیضان کا سلسلہ مندرجہ ذیل نامور علما تک پہونچا:

شیخ احمد شناوی، شیخ احمد قشاشی، شیخ ابراہیم کردی مدنی، ملا ابراہیم القرآنی، شیخ ابوطاہر کردی مدنی، شاہ عبدالرؤف شطاری وغیرہ ان حضرات سے سلسلہ شطاریہ کا فیضان جزائر شرقی اور عرب کے مختلف خطوں میں خوب عام ہوا، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کو بھی سلسلہ شطاریہ کا فیضان انہیں نفوس قدسیہ سے پہونچا ہے۔ وہ سلسلہ یہ ہے: شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، خلیفہ شیخ ابوطاہر کردی، خلیفہ شیخ ابراہیم کردی، خلیفہ شیخ احمد قشاشی، خلیفہ شیخ احمد شنوی، خلیفہ حضرت صبغت اللہ بھڑوچی، خلیفہ وجیہ الدین علوی گجراتی۔۔۔الخ

(حضرت ہاشم پیر اور سلسلہ شطاریہ، ص: ۶۱ تا ۷۰ ملخصا)

وصال

شیخ وجیہ الدین نے ۲۹/صفر بروز یک شنبہ ۹۹۸ھ/ ۱۵۸۹ء کو رحلت فرمائی۔ احمد آباد گجرات میں دفن ہوئے "وھم جنات الفردوس نزلا" سے ان کی تاریخ انتقال نکلتی ہے۔
(تذکرہ علمائے ہند، ص: ۴۵۶-۴۵۷)

حضرت برہان الدین حسینی

حضرت برہان الدین حسینی نصر اللہ حسینی کے سب سے چھوٹے فرزند اور شاہ وجیہ الدین حسینی کے سب سے چھوٹے بھائی اور شاہ ہاشم پیر بیجاپوری کے والد گرامی ہوتے ہیں۔ آپ کی ولادت چانپانیر (۷) میں ہوئی جہاں آپ کے والد ماجد شاہ نصر اللہ حسینی مسند قضا پر فائز تھے، بعد میں آپ احمد آباد منتقل ہوئے، آپ کی تعلیم بھی شاہ وجیہ الدین حسینی کے ساتھ ہوئی، حضرت برہان الدین حسینی اوائل عمر ہی سے عبادت و ریاضت کے عادی تھے، فقر و توکل آپ کو مرغوب تھا، حضرت برہان الدین حسینی کو سلاطین، امرا کی صحبت و قربت سے اجتناب تھا اور تنہائی آپ کو پسند تھی۔
حضرت وجیہ الدین حسینی نے اپنے وصال سے ایک سال قبل حضرت برہان الدین حسینی

کو اپنی خدمت میں طلب کیا اور اخیر تک ساتھ رکھا، جملہ نعمت صوری و معنوی کی اجازت عطا کی اور فرمایا: آپ میرے چھوٹے بھائی ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو مرد صالح اور منصف مزاج بنایا ہے اور اپنی ولایت عطا کی ہے، آپ کو یہ حکم دیا جاتا ہے کہ میرے بعد آپ برہان پور منتقل ہو جائیں، بہت سارے مشائخ وہاں آباد ہیں، بے شمار اولیائے اسلام وہاں آرام فرما ہیں، وہاں جا کر خلق خدا کو اپنے نور باطن سے مستفیض کریں۔ (حضرت ہاشم پیر اور سلسلہ شطاریہ، ص: ۷۰ تا ۷۳ ملخصا)

چنانچہ حضرت سید وجیہ الدین حسینی کے وصال کے بعد آپ وصیت پر عمل کرتے ہوئے برہان پور روانہ ہو گئے، اور فاروقی بادشاہ راجہ علی خان فاروقی کے عہد میں ۱۰۰۲ھ مطابق ۱۵۹۴ء میں برہان پور کو اپنا مسکن بنایا، آپ ایک بلند مقام پر فروکش ہوئے جہاں عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے، خلق خدا آپ سے مستفیض ہوتی، ۷/ذی قعدہ یا ۹/ذی قعدہ ۱۰۰۹ھ مطابق ۱۶۰۱ء کو آپ کا وصال ہوا۔ انتقال کے وقت آپ کی عمر تقریباً ۹۳/سال تھی، آپ کا مرقد شہر برہان پور کے قصبہ لال باغ میں بلند ٹیکری پر زیارت گاہ عام و خاص ہے۔

شاہ عبداللہ حسینی

حضرت وجیہ الدین حسینی کے وصال کے بعد آپ کے بڑے لڑکے شاہ عبداللہ حسینی مسند ارشاد پر رونق افروز ہوئے۔ حضرت ہاشم پیر بانی خانقاہ ہاشمیہ، بیجاپور اپنے والد برہان الدین برہان پوری کے وصال کے بعد اپنے چچا زاد بھائی حضرت شاہ عبداللہ حسینی ابن وجیہ الدین حسینی کے دامن سے وابستہ ہوئے، انہیں کی تربیت میں آپ کے سلوک کا تکملہ ہوا اور پھر اجازت و خلافت سے سرفراز کیے گئے، جس وقت آپ کی عمر ۲۵/سال تھی،
شاہ عبداللہ حسینی کم وبیش ۶۴/سال اپنے والد وجیہ الدین کے درس میں حاضر رہے اور علمی و روحانی فیضان سے سیراب ہوئے، والد کے بعد ۲۰/سال مسند درس و ارشاد کو زینت بخشی۔ ۷/محرم الحرام ۱۰۱۷ھ/ ۱۶۰۸ء کو آپ کا وصال ہوا۔ اس وقت آپ کی عمر ۸۷/سال تھی۔ احمد آباد گجرات میں اپنی آبائی خانقاہ میں والد گرامی کے مزار پاک کے پاس محو خواب ہیں۔
حضرت عبداللہ حسینی کے وصال کے بعد آپ کے فرزند شاہ اسد اللہ حسینی اس خانقاہ کے صاحب سجادہ ہوئے۔ سجادگی اور بیعت و ارادت اور رشد و ہدایت کا یہ سلسلہ احمد آباد گجرات میں آج بھی جاری ہے۔

بانی سلسلہ ہاشمیہ کے بعض روحانی مشائخ

حضرت شاہ محمد علاؤالدین المعروف علا قاضن شطاری

آپ نے اپنے پیرومرشد شاہ عبداللہ شطاری کے بعد سلسلہ شطاریہ کی خوب تبلیغ کی اور ہند

کے مختلف اطراف میں سلسلہ شطاریہ کا فیضان عام کیا۔آپ کے آباواجداد بلادعرب سے آ کر بہار کے منیر میں آباد ہوئے تھے۔(۸)

حضرت شاہ عبداللہ سے جب آپ کی پہلی ملاقات ہوئی تو آپ معترض ہوئے لیکن خواب میں آپ کو بشارت ہوئی کہ تمہارے دل کی گرہ شاہ عبداللہ شطاری کی صحبت میں ہی کھلے گی، پھر آپ تائب ہوئے اور شاہ عبداللہ شطاری سے ملاقات کی غرض سے مانڈ واحاضر ہو گئے جہاں آپ کو سخت امتحان سے گزرنا پڑااور پھر حضرت عبداللہ شطاری کی صحبت میں آپ کے سلوک کا تکملہ ہوا۔

۴؍ذی الحجہ ۸۸۱؍مارچ ۱۴۷۶ کو مشرب شطار کے مطابق آپ کے شیخ نے تلقین ذکر اور اجازت وخلافت سے نواز کر آپ کو وطن واپس کیا۔خلق خدا کی ایک بڑی جماعت نے آپ سے روحانی سیرابی حاصل کی۔ بہار کو اپنی دعوت وتبلیغ کا مرکز بنایا اور ویشالی گڑھ میں اپنی خانقاہ قائم کی۔اس دور میں یہ پورا خطہ کفر وشرک میں ڈوبا ہوا تھا اور ظلم وزیادتی عام تھی، آپ کی دعوت کا اس علاقے میں یہ اثر ہوا کہ ظلم وزیادتی کا سلسلہ ٹھہر گیا اور لوگ کفر وشرک کی وادی سے نکل کر اسلام کے دامن سے وابستہ ہو گئے۔شمالی بہار کے ویشالی،مظفر پور، حاجی پور، چھپرہ، سیوان کے اضلاع میں حضرت اعلاقاضن کا فیضان خصوصیت کے ساتھ عام رہا اور یہاں کے انسانوں کو آپ کے ذریعے اپنے مالک وخالق کی معرفت حاصل ہوئی۔

اولا دواخلاف

حضرت علا قاضن کے تین صاحب زادے تھے: (۱) حضرت اویس (۲) حضرت عبد الرحمٰن (۳) حضرت ابوالفتح ہدایت اللہ سرمست (۹)

آپ نے دیگر خلفا کے ساتھ اپنی روحانی نعمتوں کا وارث اپنے تینوں صاحب زادوں کو بھی بنایا، آپ کے خلفا میں حضرت شیخ ظہور حاجی حضور اور فضل اللہ گوسائی (۱۰) کا نام نمایا ہیں۔

حضرت علا قاضن کے ملفوظات کے دو مجموعے ''معدن الاسرار'' اور ''جواہر الاسرار'' کا ذکر کتابوں میں ملتا ہے، غالب گمان ہے کہ پٹنہ یا بہار شریف کی کسی لائبریری میں یہ کتاب موجود ہو۔

حضرت قاضن شطاری عظیم صوفی اور زبردست مربی وداعی تھے۔آپ کی دعوت کا اثر شمالی بہار کے اکثر علاقوں پر رہا، ہزاروں خاندان نے آپ کے دست حق پرست پر اسلام قبول کیا۔(آیات الٰہی کے نگہبان، ص: ۵۲)

وصال

۶۱؍سال کی عمر میں ۱۴۹۶ء؍ ۹۰۳ھ میں آپ کا وصال ہوا۔(۱۱) اور ویشالی گڑھ میں راجہ ویشال کے محل کے قریب جنوبی جانب ایک بلند مقام پر آپ مدفون ہوئے، جہاں آپ کا مزار

آج بھی مرجع خلائق بنا ہوا ہے۔آپ کے عرس کے موقع پر ایک بڑا میلہ منعقد ہوتا ہے جس میں بلاتفریق مذہب وملت کافی تعداد میں لوگ شریک ہوتے ہیں۔(آیات الٰہی کے نگہبان، ص: ۲۶)

شیخ ظہور حاجی حضور

شیخ ظہور حاجی حضور شاہ علا قاضن کے خلیفہ تھے۔مرشد کے وصال کے بعد آپ نے دعوت وتبلیغ کا کام جاری رکھا۔آپ نے اپنے مرشد زادے حضرت شاہ ابوالفتح ہدایت اللہ سرمست کی خدمت کی۔(۱۲)

۸۳۵ھ میں حاجی حضور کی پیدائش ہوئی، پیدائش کے وقت آپ کی والدہ کا انتقال ہو گیا، آپ شیرخواری کے ایام سے گزر رہے تھے کہ گوالیر کے سفر میں والد شہید ہو گئے۔آپ بڑے ہونے کے بعد مدینہ شریف حاضر ہوئے اور ۴۰؍سال تک اسی مقدس در کی جاروب کشی کی، مکہ شریف حاضری کے درمیان ہندوستان واپس ہونے کی بشارت ہوئی، بشارت کے مطابق ہندوستان آ کر حضرت شاہ علاؤالدین علا قاضن سے بیعت ہوئے اور انہیں کے ہو کر رہ گئے۔

آپ نے اپنے پیرزادے حضرت ابوالفتح ہدایت اللہ سرمست کی معاونت وخدمت کے ساتھ مزید دو یتیم بچوں کی بھی تعلیم وتربیت کی۔(۱) محمد پھول (۲) محمد غوث یہ دونوں حضرت خواجہ فریدالدین عطار کی اولاد سے تھے۔آپ کی تربیت کا یہ اثر ہوا کہ یہ دونوں معرفت وحقیقت کے امام بن کر پورے ملک میں اپنے پیروں کی نعمتوں کا فیضان تقسیم کیا۔ایک کو دنیا محمد فریدالدین عرف محمد پھول کے نام سے اور دوسرے کو محمد غوث گوالیاروی کے نام سے جانتی ہے۔حضرت غوث گوالیاری کا پورا نام محمد حمید الدین ہے۔حضرت شاہ ظہور نے ان دونوں سے زبردست ریاضت ومجاہدہ کروائی اور ان کی خوب پختہ تربیت کی۔

حضرت شاہ ظہور کا انتقال ۹۳۰ھ میں ہوا۔آپ نے لمبی عمر پائی تھی، شمالی بہار کے سارنگ ضلع کے رتن سرائے گاؤں میں آپ مدفون ہیں۔(آیات الٰہی کے نگہبان، ص: ۵۹ تا ۶۴ ملخصا)

حضرت محمد غوث گوالیاری

سلسلہ شطاریہ کے مشائخ میں مشہور ترین شخصیت حضرت محمد غوث گوالیاری کی ہے جن کا اصل نام محمد حمید الدین ہے۔حضرت محمد غوث گوالیاری اپنے تعلق سے اورادِ غوثیہ میں خود تحریر کرتے ہیں کہ آپ ۷؍رجب المرجب بروز جمعہ ۹۰۷ھ میں پیدا ہوئے۔مزید تحریر کیا ہے کہ اس درویش نے ۷؍سال کی عمر میں راہ طریقت میں قدم رکھا، ۹؍سال کا تھا تو معرفت الٰہی حاصل ہوئی، ۱۵؍سال کی عمر میں رہنما بن گئے، ۲۵؍سال کی عمر میں طالبان طریقت کو اللہ کے رنگ میں رنگ رہے تھے، ۳۳؍سال کی عمر میں مرجع خلائق ہو چکے تھے، ۴۰؍سال کی عمر میں بادشاہوں

سے کچھ اختلاف ہو گیا اور مجبوراً گجرات کا سفر کیا اور احمد آباد میں قیام پذیر ہوئے۔

۱۶ رویں صدی کی ابتدا میں محمد غوث گوالیاری اور آپ کے برادرِ بزرگ شیخ محمد پھول کا شمار سلسلہ شطاریہ کے نامور صوفیہ اور شیخ ظہور حاجی حضور کے اولوالعزم خلفا میں ہونے لگا۔ شیخ ظہور نے ان دونوں بھائیوں کو نہ صرف سلوک و باطن کی پوری تعلیم دی بلکہ نامور خانوادوں کے با کمال مشائخ کے اطوار و اسرار بالخصوص شطاریہ مشرب کی رفتار، دعوت کا فن، افکار کی طرز اور اشغال و تصورات کی سندیں اور مختلف سلاسل کی تعلیم و تلقین سے آراستہ کیا تھا۔

شیخ محمد غوث گوالیاری کے برادرِ بزرگ شیخ پھول کا اصل نام فریدالدین اور خطاب جہاں گیر تھا۔ آپ زبردست صوفی اور عارف باللہ تھے، مغل بادشاہ ہمایوں آپ کا معتقد تھا، اکثر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا، ہمایوں کی تعلیم ہی کے پیشِ نظر آپ نے رسالہ ''بحر الانوار'' تحریر کیا، آپ علم نجوم میں بڑے ماہر تھے، علم نجوم بھی ہمایوں کے قریب ہونے کا سبب بنا، ہمایوں آپ سے بیعت بھی ہوا۔

حضرت محمد غوث اپنے پیر و مرشد سے اجازت و خلافت پا کر تقریباً ۱۳ سال پہاڑوں، جنگلوں میں مجاہدہ کرتے ہوئے گوالیر میں سکونت پذیر ہوئے اور بادشاہ ہمایوں اور اکبر کے درباریوں کو اپنے فیوض و برکات سے مستفیض فرمایا۔ جب شیر شاہ سوری دلی پر قابض ہوئے تو آپ گوالیر سے احمد آباد ہجرت فرماگیے، ۱۸ سال آپ نے احمد آباد میں قیام کیا، وہیں ایک مسجد اور خانقاہ کی تعمیر کرائی، اسی دور میں حضرت وجیہ الدین حسینی آپ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہوئے، جب اکبر تخت نشین ہوا تو آپ نے آگرہ اور آگرہ سے گوالیر آکر سکونت اختیار کی۔ ۱۴ رمضان ۹۷۰ھ کو آپ کا وصال ہوا اور گوالیار میں مدفون ہوئے، اکبری دور کا مشہور زمانہ نورتن اور فن موسیقی کا ماہر تان سین آپ ہی کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوا، جس کا اسلامی نام عبداللہ تھا جو آپ کے روضہ کے پائیں میں مدفون ہے۔

تصانیف

آپ نے مختلف کتابیں تصنیف کیں۔

(۱) جواہر خمسہ (۲) بحر الحیات (اس کتاب میں باطنی اعمال، تصوری اشغال اور دیگر اعمال کے ساتھ وجود اور تسخیرات پر بھی بحث فرمائی ہے) (۳) کلید مخازن (۴) کنز الوحدت (یہ آپ کی آخری تصنیف ہے جس میں آپ نے توحید کشفی اور ایمان حقیقی پر بحث فرمائی ہے) (۵) ضمائر و بصائر (ان دونوں رسالوں میں آپ نے علم تصوف کے موضوع، مبادی، مسائل اور مقاصد کا ذکر کیا ہے اور معرفت کے حقائق و دقائق بیان کیے ہیں) (۶) رسالہ معراجیہ۔۔ وغیرہ بہت مشہور ہیں۔

خلاصہ یہ کہ شیخ محمد غوث گوالیاری سلسلہ شطاریہ کے سرخیل اور حضرت وجیہ الدین علوی گجراتی کے مرشدِ خلافت ہیں، جن کا فیضان پورے ملک میں پہونچا۔ اور حضرت وجیہ الدن گجراتی

کے ذریعے سلسلہ شطاریہ کا فیضان دنیا کے مختلف ممالک تک پہونچ گیا۔

خانوادہ ہاشمیہ کی بعض اہم شخصیات

(۱) سلسلہ ہاشمیہ کے قد آور شخصیات میں حضرت عبد اللہ حسینی المعروف صوفی شاہ سرمست قلندر کا نام نمایاں ہے، آپ وجیہ الدین حسینی سوم بن برہان الدین حسینی دوم کے تربیت یافتہ خلیفہ تھے۔ آپ نے نا ندورا میں اپنی خانقاہ کی بنیاد ڈالی اور وہیں مجردانہ اور زاہدانہ زندگی گزاری، انوارِ الٰہی اور تجلیات ربانی سے ہمیشہ بے خود و سرمست رہا کرتے تھے، آپ اپنے معتقدین و مریدین کا بڑا سخت امتحان لیتے، اور سخت تربیت فرماتے تھے۔

شاہ عبد اللہ حسینی المعروف صوفی سرمست قلندر کے کئی خلفا کے نام ملتے ہیں مثلاً (۱) صوفی حسین علی شاہ صاحب (نرمل ضلع عادل آباد)، (۲) تاج الدین بابا ناگپوری (۳) غلام نبی اسرار الحق قادری شطاری، ایڈ پلی۔ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ سلوک کی امانت حسین علی شاہ صاحب کو اور جذب کی امانت تاج الدین بابا کے حوالے کی گئی ہے۔ آپ کا وصال ۱۳۵ کی عمر میں ہوا۔ نا ندورا میں آپ کی درگاہ زیارت گاہِ خاص و عام بنی ہوئی ہے۔

زبانی روایتیں یہ بھی ہیں کہ شرڈی کے سائی بابا (م: ۱۹۱۸ء/۱۳۳۶ھ) نے بھی شاہ عبد اللہ حسینی المعروف صوفی سرمست قلندر کی ذات سے وابستہ ہو کر فیض پایا تھا۔ سائی بابا اصلاً ایک مسلم فقیر منش صوفی بزرگ تھے۔ اکثر جذب کی حالت میں رہتے اور آپ کی زبان کثرت سے اللہ کی وحدت کا ذکر کرتی تھی۔ آپ کی زبان پر یہ قول چڑھا ہوا تھا: ''سب کا مالک ایک''۔

(حضرت ہاشم پیر اور سلسلۂ شطاریہ، ص: ۱۶۹)

(۲) سید شاہ مصطفیٰ حسینی (۱۹۵۹ء) کا شمار ماضی قریب کے تاریخ ساز داعی و مبلغ کے طور پر ہوتا ہے، آپ کے ذریعے شمالی کرناٹک کے اکثر علاقوں میں سلسلہ ہاشمیہ کا فیضان خوب عام ہوا، آپ کہنہ مشق شاعر، ایک عظیم خطیب اور داعی و صوفی تھے، محدود وسائل کے ساتھ دینی کام کرنے کا ہنر رکھتے تھے۔

آپ کی خدمات سے پورا کرناٹک فیضیاب ہوا، بالخصوص شمالی کرناٹک آپ سے براہ راست مستفیض ہوا، شمالی کرناٹک کی ادبی، سماجی، تعلیمی، ثقافتی اور تہذیبی تاریخ آپ کے تذکرے کے بغیر نامکمل مانی جائے گی۔ آپ کی شخصیت ہاشمی خانوادے کے لیے قابل فخر اور لائق تحسین تھی۔ خانقاہ ہاشمیہ کے شیخ طریقت، حضرت محی الدین عرف تنویر ہاشمی آپ ہی کے پوتے ہوتے ہیں۔ ۱۹۰۱ میں آپ کی ولادت ہوئی اور آپ اپنے والد محترم شاہ عبد اللہ حسینی کے وصال کے بعد اپنے برادر اکبر صاحب سجادہ سید شاہ مرتضیٰ حسینی (ولادت: ۱۹۰۰ء) کی دعوت و تبلیغ میں خوب مدد کی۔

شاہ مصطفیٰ حسینی علم ومعرفت کے حریص تھے، اس کے جستجو میں ہمیشہ سرگرداں رہے، یوں ہی دعوت وتبلیغ کواپنی زندگی کا مقصد جانتے تھے، پیروں سے جو نعمتیں پائی تھی اس کی اشاعت میں پوری زندگی لگے رہے۔ ۲۸ رشوال ۷ رمئی ۱۹۵۹ء میں آپ کا وصال ہوا، جس وقت آپ کی عمر ۵۸ سال کی تھی۔

حضرت ہاشم پیر حسینی کا تفصیلی تعارف

حضرت ہاشم پیر کا شمار جنوبی ہند کے ممتاز دعاۃ اورعرفا میں ہوتا ہے۔آپ کے تعارف اور ذکر کے بغیر بیجا پور کی تاریخ مکمل نہیں ہوسکتی ۔ ۹۸۴ھ/ ۱۵۷۵ء میں آپ احمد آباد گجرات میں پیدا ہوئے ۔آپ کی ولادت کے بعد ہی آپ کی والدہ کا انتقال ہوگیا۔آپ کے بچپن میں گجرات بالخصوص احمد آباد مذہبی علوم کا گہوارہ تھا۔علوم عقلیہ ونقلیہ کے اعتبار سے گجرات کوشیراز مانا جاتا تھا،تعلیم گاہوں کی کثرت تھی۔

آپ کے چچا حضرت وجیہ الدین حسینی کا قائم کردہ مدرسہ ''مدرسہ عالیہ علویہ'' اپنے تعلیم و تربیت کے لحاظ سے عروج پر تھا۔حضرت وجیہ الدین حسینی بنفس نفیس مسند ارشاد وتدریس پر جلوہ افروز تھے۔آپ کے والد ماجد برہان الدین حسینی بھی علم وعرفان لٹارہے تھے،آپ کے چچازاد بھائی حضرت عبداللہ حسینی علم وعمل اور حلم وبردباری کے اعتبار سے نمونہ عمل تھے۔آپ کے دادا شاہ نصر اللہ حسینی اور ان کے بھائی شمس الدین حسینی اپنے پیچھے تقویٰ وطہارت ، اخلاص وللّٰہیت ، خدمت خلق، تعلیم وتدریس،علوم وعرفان کی ایک تاریخ چھوڑ چکے تھے۔

تعلیم وتربیت اوراجازت وخلافت

ہاشم پیر نے جب ہوش سنبھالا تو والد نے آپ کوقرآن اور دیگر ابتدائی تعلیم سے آراستہ کیا، پھر آپ نے جید علما سے علم تفسیر، فقہ اور دیگر علوم متداولہ حاصل کیے،آپ کے والد برہان الدین حسینی ۱۰۰۲ھ میں برہان پور منتقل ہوگئے جس وقت آپ کی عمر ۱۸/سال تھی ۔آپ بھی اپنے والد کے ساتھ برہان پور چلے گئے ۔ ہاشم پیر اپنی ابتدائی عمر ہی میں اپنے والد کے دست حق پرست پر بیعت سے مشرف ہوچکے تھے، پھر بعد میں دیگر علما ومشائخ سے روحانی نعمتیں بھی حاصل کیں،۔

ہاشم پیر اپنے والد ماجد کے انتقال کے بعد ۱۰۰۹ھ میں اپنے چچازاد بھائی حضرت عبد اللہ شاہ حسینی فرزند اکبر وجانشیں شاہ وجیہ الدین حسینی کے دامن سے وابستہ ہوئے تو انہوں نے بھی آپ کو پیروں کی نعمتوں سے سرفراز کیا،جس وقت آپ کی عمر ۲۵/سال تھی ۔ساری دنیا ہاشم پیر کو شطاریہ سلسلہ کے روشن چراغ کے طور پر جانتی ہے مگر آپ کو قادریہ، چشتیہ، مغربیہ، سہروردیہ اور دوسرے سلاسل کی اجازت بھی حاصل تھی ۔ اورجس طرح حضرت شاہ عبداللہ شطاری کو سلسلہ

شطاریہ کا اور حضرت محمد غوث گوالیاری کوغوثیہ کا بانی مانا جاتا ہے اسی طرح ہاشم پیر کو بھی سلسلہ ہاشمیہ کا بانی تسلیم کیا جاتا ہے۔

حرمین شریفین کی زیارت اورشہر بیجا پور کی بشارت

حضرت ہاشم پیر متعدد بار حج بیت اللہ اور زیارت روضۂ رسول سے مشرف ہوئے ۔پہلی بار والد گرامی کی حیات میں ہی حاضری کی سعادت نصیب ہوئی ، دوسری بار جب آپ حج کے لیے تشریف لے گئے تو روضہ نبوی سے بے شمار فیوض وبرکات حاصل ہوئے ،عالم بیداری میں آپ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی جس میں آپ کو یہ حکم ملا کہ ہر دعوت کرنے والے کی دعوت کوتم قبول کرنا کیوں کہ سادات ، مشائخ، زہاد اور عباد تمہاری دعوت کریں گے۔اورتم دوسال مکہ معظّمہ میں قیام کے بعد میرے پاس حاضر ہوجاؤ، ایسا ہی ہوا مکہ میں قیام کے دوران علما ومشائخ نے آپ کی خوب خاطر ومدارت کی ۔دوسال وقت گزار کر مدینہ شریف آپ حاضر ہوئے ، جب آپ دیار حبیب میں حاضر تھے تو آپ کوشہر بیجا پور جانے کی بشارت ہوئی ۔ ۱۶۱۲-۱۳ء ۱۰۲۱ھ میں آپ بیجا پور حاضر ہوئے ،اسی وقت بیجا پور میں ابراہیم عادل شاہ ثانی کی حکومت قائم تھی اللہ کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابراہیم عادل شاہ ثانی کوحضرت ہاشم پیر کی عزت وتکریم کرنے اور بیجا پوران کی تشریف آوری کی بشارت خواب میں دے دی تھی ۔(حضرت ہاشم پیر اور سلسلہ شطاریہ،ص:۶۷ تا ۹۱ ملخصا)

قید سے رہائی اور گوا سے بیجا پور کا سفر

آپ جس جہاز سے آرہے تھے وہ گوا بندرگاہ پہ لنگر انداز ہوا جہاں حکومت کے کارندوں نے آپ کو اور آپ کے دوستوں کو گرفتار کیا پھر بادشاہ کے حکم پر آپ اپنے احباب کے ساتھ با عزت رہا ہوئے اور گوا سے بیجا پور نہایت تکریم کے ساتھ لائے گئے ۔ گوا سے بیجا پور کے سفر کے درمیان آپ نے جن مقامات پر قیام کیا تھا ان مقامات کی نشانیاں آج بھی باقی ہیں، جس سے آپ کے سفر کا صحیح اندازہ ہوتا ہے۔(نفس مصدر،ص۹۱)

عادل شاہی حکومت کی مذہبی حالت اور ہاشم پیر کی دعوتی خدمات

ابراہم عادل شاہ فن موسیقی کا رسیا تھا، نجومیوں اور جوگیوں سے بڑا متاثر تھا،''نورس'' نام کی ایک کتاب تصنیف کی تھی جس میں ہندو دیوی دیوتاؤں کا نام بڑے احترام سے تحریر کیا تھا، ہندو دیوی دیوتاؤں کی عبادتوں کو بھی پسند کرنے لگا ، ہندو مذہبی تہواروں میں بھی شریک ہونا اس کے لیے عیب کی بات نہ رہ گئی، فن موسیقی پر اپنی لکھی ہوئی کتاب ''کتاب نورس''۔

سلطان کے محل میں سرسوتی کی پوجا کی جاتی تھی ، الغرض ہندو عوام سلطان ابراہیم عادل شاہ کو جگت گرو کے نام سے جانتی تھی ۔سلطان ابراہیم عادل شاہ ثانی کی یہ آزاد خیالی اسے شرک وکفر

کے دلدل میں پھنسا چکی تھی، سلطان کا یہ رویہ علما وصوفیہ کو ناگوار لگا، مساجد کے ممبروں سے علما نے یہ اعلان کر دیا کہ عادل شاہی حکومت میں اب دین محفوظ نہیں ہے ان علما میں حضرت صبغت اللہ روح اللہ بھڑوچوی سرفہرست ہیں جنہوں نے جمعہ کے دن عامۃ المسلمین سے خطاب کرتے ہوئے یہ فرمایا کہ ابراہیم عادل شاہ ثانی سلطنت میں شہر بیجاپور کی سرزمین پر اب دین اسلام محفوظ نہیں ہے۔

ایسے ماحول میں روحانی بشارت پا کر حضرت ہاشم پیر حسینی بیجاپور پہونچے اور آپ نے سب سے پہلے امرا وسلاطین کی طرف توجہ دی، آپ کی دعوت کا یہ اثر ہوا کہ ابراہیم عادل شاہ ثانی اپنے پورے کارندوں کے ساتھ تائب ہوا اور آپ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو گیا۔ (نفس مصدر، ص:۹۱ تا ۹۴ ملخصا)

بادشاہ کا لڑکا محمد عادل شاہ بھی آپ کے غلاموں میں شامل ہوا اور اس طرح شہر بیجاپور اور عادل شاہی سلطنت کفر وگمرہی کے دلدل سے نکل کر علم وعرفان، توبہ وتزکیہ کے نورانی ماحول میں داخل ہو گئی۔ اور پھر کیا تھا ابراہیم عادل شاہ ثانی کے اس دور حکومت میں شہر بیجاپور میں جو علما وصوفیہ تھے انہوں نے بھی پر امن طریقے پر اپنی داعیانہ سرگرمیوں کو تیز کر دیا اور ملک کے دیگر خطوں کے علما وصوفیہ نے شہر بیجاپور کو اپنا مسکن بنایا، خانقاہیں قائم ہوئیں، مدارس کی بنیادیں رکھی گئیں، خود بادشاہ نے بہت سارے علما وصوفیا کو شہر بیجاپور کی دعوت دی اور اس دور میں ایران کی صفوی حکومت کا صوفی نظریات کا مخالف ہونا، گجرات میں مغلوں کے حملے کی وجہ سے اور سلطنت بیدر کا داخلی انتشار بھی سبب رہا، جس کی وجہ سے مختلف علاقے کے عرفا وصوفیہ نے بیجاپور کو اپنی پناہ گاہ اور دعوت وتبلیغ کا مرکز بنایا، اس طرح شہر بیجاپور صرف علم وعرفان کا گہوارہ ہی نہیں بنا بلکہ مؤرخین کے نزدیک روضۃ الاولیا کے نام سے متعارف بھی ہوا۔

ابراہیم عادل شاہ کا صوفیہ کے ساتھ حسن سلوک

سلطان ابراہیم عادل شاہ ثانی نے صوفیہ کے ساتھ نہایت عقیدت ومحبت کا برتاؤ کیا۔ حضرت ہاشم پیر سے بادشاہ کو خاص عقیدت تھی۔ بادشاہ ہی کے پیہم اصرار پر حضرت ہاشم پیر نے بیجاپور کو بھی اپنا مسکن بنا لیا اور ہمیشہ کے لیے اپنے آبائی وطن احمد آباد کو خیر آباد کہہ دیا۔ سلطان ابراہیم عادل شاہ ثانی پر حضرت ہاشم پیر حسینی کی دعوت کا ایسا گہرا اثر ہوا کہ جب اس نے اپنا مقبرہ بنایا تو مقبرے کے داخلی باب پر یہ آیت کریمہ کندہ کرایا ’’ما کان ابراھیم یھودیا ولا نصرانیا ولکن کان حنیفا ....الخ سلطان ابراہیم عادل شاہ نے صرف ۴۷؍سال حکومت کی جس وقت ہاشم پیر تشریف لائے اس وقت اس کی حکومت کا ۲۷؍سالہ عرصہ گزر چکا تھا، ہاشم پیر سلطان کے ۲۰؍سالہ دور حکومت میں موجود تھے اسی دوران سلطان نے اپنے مقبرے کی تعمیر شروع کی۔

ہاشم پیر کے چند معاصر علما ومشائخ

حضرت ہاشم پیر کے دور میں شہر بیجاپور مختلف سلاسل کے مندرجہ ذیل عظیم صوفیہ کا مسکن بنا ہوا تھا۔ (۱) شاہ عبدالرزاق قادری۔ (۲) شاہ مرتضی قادری۔ (۳) شاہ قاسم قادری (۴) شاہ ابوالحسن قادری۔ (۵) شاہ مصطفیٰ قادری۔ (۶) سید میراشطاری والد حضرت نعیم اللہ حسینی۔ (۷) سید احمد نظیر۔ وغیرہ

یہ وہ حضرات تھے جو حضرت ہاشم پیر کے صرف معاصر ہی نہیں بلکہ معاون ومددگار اور مخلص دوست واحباب میں شامل تھے۔ یہ حضرات جمعہ کے دن جامع مسجد بیجاپور میں اکثر ملاقات کیا کرتے تھے۔

شاہ ابوالحسن قادری اور شاہ صبغۃ اللہ نے سلطان ابراہیم عادل شاہ ثانی کی اصلاح اور اس کی رہنمائی کے سلسلے میں حضرت ہاشم پیر کے خصوصی معاون رہے۔ ان میں سے بعض کا ذکر ذیل میں قدرے تفصیل سے کیا جا رہا ہے۔

(۱) سید صبغۃ اللہ بھڑوچی

شاہ صبغۃ اللہ (وصال: ۱۶۰۶) کا شمار شاہ وجیہ الدین حسینی گجراتی کے ممتاز ترین خلفا میں ہوتا ہے۔ آپ کا نام مجد الدین بن روح اللہ حسینی ہے، آپ مدرسہ عالیہ علویہ کے تعلیم یافتہ اور وجیہ الدین گجراتی کے تربیت یافتہ تھے، حضرت وجیہ الدین نے آپ کو روحانی نعمتوں سے نوازا تھا، ۹۹۹ھ میں مالوا حاضر ہوئے اور پھر احمد نگر ہوتے ہوئے بیجاپور تشریف لائے۔

بیجاپور قیام کے درمیان سلطان ابراہیم عادل شاہ ثانی اور اس کے دربار کو غیر اسلامی رسومات سے پاک کرنے کی بھرپور کوشش کی، ابراہیم عادل شاہ ثانی کی حکومت کا یہ ابتدائی دور تھا، اور اسی دور میں غیر اسلامی رسومات رواج پا رہے تھے، حکومت کے غیر اسلامی روش پر آپ نے کھلے عام تنقید شروع کر دی تھی جس کے پاداش میں عادل شاہی حکومت نے آپ کو نظر بند کر دیا اور کچھ دنوں بعد اعزاز واکرام سے نوازتے ہوئے حرمین شریفین جانے کا حکم فرما دیا، آپ نے بادشاہ کے عطایات کو فقرا میں تقسیم کیا اور بے سروساماں حرمین کے لیے روانہ ہو گئے۔

زیارت سے مشرف ہونے کے بعد احد پہاڑ کے قریب مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کر لی، کتاب الوحدۃ، رسالہ ارادۃ الدقائق فی شرح مراۃ الحقائق، وغیرہ آپ کی تصنیفات سے ہیں، احمد شناوی، حسن قراقی، حبیب اللہ اور عبدالعظیم جیسے متبحر علما آپ کے شاگرد تھے۔ ۱۰۱۵ھ؍ ۱۶۰۶ء میں مدینہ منورہ میں وصال ہوا۔ (تذکرہ علمائے ہند، ص: ۲۲۳ ملخصا)

ان کے علاوہ دیگر بہت سارے معاصر علما وصوفیہ کے تذکرے ’’روضۃ الاولیا بیجاپور‘‘ میں مذکور ہے۔

سلطان محمد عادل شاہ کی ہاشم پیر سے عقیدت

سلطان ابراہیم عادل شاہ ثانی کے وفات کے بعد محمد عادل شاہ تخت نشین ہوا، محمد عادل شاہ کے دور حکومت ۱۶۲۷-۱۶۵۶ میں عادل شاہ حکومت کو زبردست عروج حاصل ہوا۔ سلطان محمد عادل شاہ کے سامنے عظیم داعی و مصلح حضرت ہاشم پیر کی شخصیت موجود تھی ۔ درباری رجحان میں تبدیلی کا جو سلسلہ سلطان ابراہیم عادل شاہ کی حکومت میں شروع ہوا تھا وہ محمد عادل شاہ کے دور حکومت میں حضرت ہاشم پیر کی سرپرستی میں جاری رہا۔

سلطان محمد عادل شاہ ثانی زمانے سے بیمار تھا، خدمت میں حاضر ہوکر کہنے لگا حضور کی توجہ اور دعاء کے سوا دوسری کوئی تدبیر نظر نہیں آتی، کرم فرمائیے تاکہ شفا پاؤں وہی نظر عنایت خاص فرمائیں جو میرے باپ پر تھی، اپنے لیے ایک مقبرہ بنانے کا ارادہ ہے حکم ہو تو کام شروع کرادوں، آپ نے فرمایا زندگی وفا کرے تو عاقبت کا بھی خیال رکھنا چاہیے کیوں کہ ملک الموت کا سامنا ہونا ہے، سلطان نے کہا یہی ایک آرزو باقی رہ گئی ہے۔

حضرت نے فرمایا میری عمر کے دس سال باقی ہیں وہ میں نے تم کو بخشے اور تمہارا مرض میں نے اپنے اوپر لے لیا، کیوں کہ فقیر سے تمہارے والد بڑی محبت اور مہربانی سے پیش آئے ہیں یہ اس کا بدل ہے، تمہاری عمر پوری ہو چکی ہے تو یہ جان بخشی ہے یہ کہہ کر اس کا مرض اپنے اوپر لے لیا، بادشاہ کو صحت ہونے لگی۔ دوسرے روز سلطان حاضر ہوا تو دیکھا کہ حضرت کے جسم میں اذیت ناک درد ہے، اپنی جگہ حرکت تک نہیں کر سکتے، سلطان نے معذرت کی، آپ نے فرمایا:

''الموت جسر بین الحبیب الی الحبیب'' موت ایک پل ہے جو دوست کو دوست کے پاس پہنچا دیتا ہے، اس واقعہ سے باشاہ اور امراء نے سمجھا کہ اللہ کے دوست دوسروں کا بار محض اللہ کے لیے اپنے اوپر لیتے ہیں، ان کے لیے رنج و راحت، حیات و موت سب یکساں ہے حضرت اسی مرض میں دوسرے تیسرے دن جمعہ کے روز ۹ ر رمضان المبارک ۱۰۵۶ھ واصل حق ہوئے ۔ ''بادشاہ اہل بہشت'' (۱۰۵۶ھ) تاریخ وصال ہے۔ روضہ محلہ بادشاہ پور، بیجاپور میں مرجع خلائق ہے۔

حضرت کی اس نوازش خاص کا اس صورت میں ظہور ہوا کہ آپ کی عطا کردہ زندگی کے دس سال نے سلطان محمد عادل شاہ ثانی کی اس طرح تکمیل آرزو کی اور ایسا بامراد بادشاہ بنایا کہ جس مقبرہ کی تعمیر کی تمنا تھی، اس کی تکمیل ہوئی، جو آج بھی شہر بیجاپو میں موجود ہے ''بول گنبذ'' یا ''گول گنبذ'' سے مشتہر ہے، دنیا کے عجائبات میں ہے، ایسا شاندار گنبد دنیا میں کہیں نہیں، یوں ہی ابراہیم عادل شاہ ثانی کا مقبرہ بھی تاج محل کے بعد دنیا کی خوبصورت عمارتوں میں شمار کیا جاتا ہے ۔ (آیات الٰہی کے نگہبان، ص:۲۵۸-۲۵۹)

وصال

جب ہاشم پیر کی عمر پچاس سال کی ہوئی تو (۱۰۳۴ھ / ۱۶۲۴ء) میں آپ بیجاپور سے حج بیت اللہ کے لیے ایک بار پھر روانہ ہوئے، اس بار بھی آپ نبی کریم ﷺ کے خصوصی عنایات سے سرفراز کیے گئے۔ ۹ ر رمضان المبارک ۱۰۵۶ھ مطابق ۲۰ راکتوبر ۱۶۴۶ء کو حضرت ہاشم پیر حسینی کا وصال ہوا، جس وقت آپ کی عمر شریف ۷۲ رسال کی تھی۔ (حضرت ہاشم پیر اور سلسلہ شطاریہ، ص:۱۰۱)

آپ کے بعد آپ کے صاحب زادے حضرت مصطفیٰ حسینی نے آپ کی نعمتوں کو عام مخلوق تک پہونچانے کی بھرپور کوشش کی، روحانی فیضان کا جو سلسلہ آج بھی جاری ہے۔

حضرت ہاشم پیر کے اولاد و اخلاف

حضرت ہاشم پیر کے دو لڑکے اور دو لڑکیاں تھی۔ (۱) شاہ مصطفیٰ اول (۲) شاہ مرتضیٰ اول ۔ شاہ مرتضیٰ اول کے ایک لڑکے اور تین لڑکیاں ہوئیں، لڑکے کا نام شاہ برہان الدین۔

☆ شاہ مصطفیٰ حسینی بن ہاشم کے ۱۲ رلڑکے ہوئے ۔ (۱) حبیب اللہ (۲) عنایت اللہ (۳) فہیم اللہ (۴) من اللہ (۵) خلیل اللہ (۶) فضل اللہ (۷) اسد اللہ (۸) کریم اللہ (۹) عصمت اللہ (۱۰) فتح اللہ (۱۱) ولی اللہ (۱۲) حکم اللہ۔

☆ شاہ برہان الدین حسینی بن مرتضیٰ حسینی اول کی چار شادیاں تھیں ۔ آپ کے چھ صاحب زادے ہوئے، (۱) مصطفیٰ حسینی دوم (۲) ابو محمد (۳) ابوتراب (۴) عبد النبی (۵) عبد القادر (۶) مرتضیٰ حسینی دوم

☆ شاہ مرتضیٰ حسینی دوم ابن شاہ برہان الدین حسینی اول کے تین صاحبزادگان تھے ۔ (۱) حضرت شاہ حسینی (۲) شاہ ہاشم حسینی دوم (۳) شاہ وجیہ الدین حسینی دوم۔

☆ شاہ وجیہ الدین دوم بن مرتضیٰ حسینی دوم کی دو شادیاں تھیں، جن سے پانچ صاحب زادیاں اور دو صاحب زادے ہوئے۔ (۱) محمد غوث حسینی (۲) عبد اللہ حسینی۔

☆ شاہ عبد اللہ حسینی ابن وجیہ الدین دوم حسینی کی بھی دو شادیاں تھیں جن سے چھ صاحب زادگان ہوئے۔ (۱) وجیہ الدین کلاں سوم (۲) وجیہ الدین خرد چہارم (۳) محمد غوث کلاں دوم (۴) محمد غوث خرد سوم (۵) مرتضیٰ حسینی سوم (۶) محمد حسینی

☆ وجیہ الدین حسینی کلاں سوم بن عبد اللہ حسینی کے دو صاحب زادے ہوئے (۱) وجیہ الدین حسینی گجراتی پنجم (۲) وجیہ الدین حسینی ششم

☆ وجیہ الدین حسینی گجراتی پنجم کے اولاد نرینہ نہ تھی۔

☆ وجیہ الدین حسینی ششم کے ایک لڑکے تھے۔ (۱) شاہ عبد اللہ حسینی دوم، جن کے تین لڑکے

ہوئے (۱) وجیہ الدین حسینی ہفتم (۲) مرتضیٰ حسینی چہارم (۳) مصطفیٰ حسینی دوم۔شاہ وجیہ الدین حسینی ہفتم کا وصال بچپن ہی میں ہوگیا، مرتضیٰ حسینی چہارم مسند سجادگی پر رونق افروز ہوئے، اور شاہ مصطفیٰ حسینی دعوت وتبلیغ، رشد وہدایت میں اپنے بھائی صاحب سجادہ مرتضیٰ حسینی چہارم کے معاون رہے۔

☆ مصطفیٰ حسینی دوم کے ۴ر صاحب زادے ہوئے (۱) ہاشم حسینی دوم (۲) عبد الباری (۳)، وجیہ الدین ہشتم (۴) برہان الدین دوم۔

☆ ہاشم حسینی دوم ابن مصطفیٰ حسینی دوم کے دو صاحب زادے ہوئے۔(۱) معین الدین جو خانقاہ ہاشمیہ، بیجاپور کے موجودہ متولی ہیں (۲) مصطفیٰ حسینی دوم۔

☆ شاہ عبد الباری حسینی کے صاحب زادے افضل پیرزادہ جو ''حضرت ہاشم پیر اور سلسلہ شطاریہ: ایک مطالعہ'' نامی کتاب کے مصنف اور سید تنویر ہاشمی صاحب کے چچازاد بھائی اور بڑے معاون تھے، ۲۷ نومبر ۲۰۱۵ کو انتقال ہوا راقم السطور جس دن خانقاہ ہاشمیہ حاضر ہوا اس دن آپ کے سوئم کی فاتحہ تھی۔

☆ شاہ وجیہ الدین ہشتم کے دو لڑکے ہوئے۔(۱) ظہور حسینی (۲) نصر اللہ حسینی۔

☆ شاہ برہان الدین حسینی کے دو لڑکے ہوئے (۱) پروفیسر غوث حسینی (۲) حضرت شاہ محی الدین عرف سید تنویر ہاشمی

سلسلہ ہاشمیہ کی ایک متحرک وفعال شخصیت

شاہ محی الدین عرف سید تنویر ہاشمی (ولادت: ۲۲ جنوری ۱۹۷۲ء) جو اس وقت خانقاہ ہاشمیہ بیجاپور کے نہایت متحرک وفعال فرد، خلیق وحریص داعی ومربی ہیں ہاشم پیر ۱۲ واسطوں سے آپ کے جد اور ۱۱ واسطوں سے آپ کے مرشد ہوتے ہیں۔آپ کے ذریعہ دعوت وتبلیغ کا بڑا کام انجام پا رہا ہے۔تعلیم وتبلیغ کے میدان میں آپ مختلف محاذ پر سرگرم عمل ہیں، آپ ظاہری وجاہت اور طبعی طہارت کے حامل ہیں، صوفیانہ عادت واطوار، اعتدال ووسطیت کے حامل اور اس کے مبلغ ہیں۔راقم السطور کی آپ سے متعدد ملاقاتیں ہیں، امید یہ ہے کہ آپ کے ذریعہ متقدمین صوفیا کی روحانی نعمتوں اور ان کی تعلیمات کو بڑے پیمانے پر بیجاپور اور اس کے اطراف بلکہ پورے کرناٹک میں فروغ ملے گا، اور خلق خدا کی رشد وہدایت کا کام انجام پائے گا، آپ جہاں اپنے مشائخ کی نعمتوں کے وارث وامین ہیں وہیں دور حاضر کے صوفیہ وعرفا کی صحبت فیض سے مستفیض ہونے کا حریصانہ جذبہ بھی رکھتے ہیں۔

شاہ محی الدین عرف سید تنویر ہاشمی کے تین صاحب زادگان ہیں: (۱) عبد اللہ (۲) سید عریض حسینی (۳) عماد الدین۔

خانقاہ ہاشمیہ کی سجادگی اور تولیت کی روایت

سلسلہ ہاشمیہ کی تاریخ کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ہاشم پیر سے آج تک تولیت اور سجادگی میں اس بات کا خیال رکھا جاتا رہا ہے کہ شیخ طریقت کے جو بڑے صاحبزادے ہوں گے وہی اس خانقاہ کا متولی اور سجادہ ہوگا، اگرچہ اس خانوادے میں اس وقت اس بڑے صاحبزادے سے زیادہ لائق وفائق دوسرے افراد موجود ہوں، اجازت وخلافت تو کسی بھی اہل کو دی جاتی رہی ہے لیکن تولیت اور سجادگی کا حقدار بڑا لڑکا ہی قرار پایا ہے، یہ طریقہ متولی بنانے تک تو سمجھ میں آتا ہے، ممکن ہے فتنے سے بچنے کے لیے یہ طریقہ متعین کر دیا ہو، لیکن سجادگی کا معاملہ کم سمجھ میں آتا ہے، ایسے اس معاملے کو اہل طریقت ہی بہتر جانتے ہیں۔

سلسلہ ہاشمیہ شطاریہ کی تعلیمات

ذیل میں سلسلہ ہاشمیہ شطاریہ کے بعض مشائخ کی چند تعلیمات بیان کی جا رہی ہیں، جو سالکین راہ طریقت کے لیے رہنما اصول ہیں:

(۱) ''معدن الاسرار'' میں قاضی علا شطاری فرماتے ہیں: ایک درویش کامل کے لیے ضروری ہے کہ اس کا ظاہر احکام شرع کے عین مطابق ہو اور باطن ابدی حقیقت سے آشنا ہو، حقیقت کے راستے پر گامزن ہونے سے ہی معرفت کا حصول ممکن ہے۔آپ نے شریعت کو کشتی، طریقت کو سمندر اور حقیقت کو اس سمندر کی تہہ میں پائے جانے والے موتی سے تشبیہ دی ہے۔ (معدن الاسرار، بحوالہ، حضرت ہاشم پیر، ص: ۲۷)

(۲) جو ارشاد وتلقین کا کام کرتے ہیں انہیں اپنی درویشی کو سر عام بدنام نہیں کرنی چاہیے اظہار کرامت سے پرہیز کرتے ہوئے اپنے مریدین ومتوسلین کی رہنمائی پر زیادہ زور دینا چاہیے، درویشی کو دوکانداری اور کرامت فروشی کا ذریعہ نہیں بنانا چاہیے اور اگر ایسا ہونے لگا تو روح تصوف مر جائے گی۔(معدن الاسرار، بحوالہ، حضرت ہاشم پیر، ص: ۲۷)

(۳) حضرت بہاؤ الدین نے رسالہ شطاریہ میں ان ضوابط وقواعد کو ضابطۂ تحریر میں لایا ہے جو سلسلہ شطاریہ کے مقصد عین کے حصول کے لیے از حد ضروری ہے۔(۱) توبہ واستغفار، یعنی ماسوا اللہ سے علیحدہ و جدا ہوجانا۔(۲) زہد، دنیا کی تمام خواہشات سے کنارہ کش ہوجانا۔ (۳) توکل، یعنی اسباب دنیا کو ترک کر دینا۔(۴) قناعت، یعنی تمام خواہشات نفسانیہ کو چھوڑ دینا۔(۵) عزلت، یعنی لوگوں سے دور رہنا۔(۶) توجہ الی الحق، یعنی صرف خدا ہی کی ذات کو اپنا مقصود و مطلوب بنالینا۔(۷) صبر، یعنی مجاہدہ کے ذریعہ نفس کے تمام مسرتوں اور خوشیوں کو کچل دینا۔(۸) رضا، یعنی اپنے تمام ارادوں کو ختم کر کے تا حیات خدا کے احکام کی پیروی کرنا۔(۹) ذکر، یعنی اللہ

کے سوا سب کچھ پس پشت ڈال دینا۔(۱۰)مراقبہ،یعنی اپنے وجود اور اپنی ذات کوختم کر دینااوراپنے آپ کو مردہ تصورکرنا۔مزید فرماتے ہیں کہ ایک سالک کو چاہیے کہ وہ ان تین امورکواختیا کرے اول تقویٰ،دوم توکل وقناعت،سوم عزلت گزینی۔ان تینوں امور کا اثر اس کےظاہر و باطن پر صاف نظر آئے گاانہیں کو بنیاد بنا کرتصوف کی شاندارعمارت کوتعمیر کیا جاسکتا ہے۔(،حضرت ہاشم پیر،ص:ص،۲۹ملخصا)

(۴)خیال غیر کوکبھی بھی اپنے دل میں داخل نہ ہونے دے،نفع ہوکہ نقصان،خیر ہوکہ شر، تکلیف ہوکہ راحت،مخلوق کی جانب سے اسے نہ سمجھے۔اتناعلم ضرورحاصل کرے کہ مذہب اہل سنت وجماعت کےمتعلق اپنے عقائدکودرست رکھے۔احکام شریعت کواپنا پیشوا بنائے۔غیبت و بہتان،تمام غیرشرعی اموراورلہوولعب سے پرہیز کرے۔غیرمحبوب کی طرف مائل ہونے سے دل کی پاسبانی کرے،مومن کا قلب اللہ کا حرم ہےاور اللہ کےحرم میں غیراللہ کا داخلہ حرام ہے۔اگر مرشد موجود نہ ہوتو حضرت شرف الدین یحیٰ منیری کےمکتوبات کا مطالعہ کرے۔(اورادغوثیہ بحوالہ حضرت ہاشم پیر۔۔ص:۳۷تا۳۸ملخصا)

(۵)اگرتم کسی شخص کودیکھوکہ اسے کرامات دی گئی ہیں،یہاں تک کہ وہ ہوامیں اڑتا ہوپھر بھی تم اس سے دھوکہ نہ کھانا،یہاں تک کہ تم یہ دیکھ نہ لوکہ وہ اوامرونواہی،حدوداللہ کی حفاظت اور شریعت کی پابندی میں کیسا ہے۔

(۶)اگرکسی سے اپنے عیبوں کے بارے میں خودسنوتوتمہیں چاہیے کہ اس پہ غصہ نہ کرو،انصاف کا تقاضہ یہ ہے کہ ضبط وتحمل سے کام لو،اگروہ شخص سچ بول رہاہےتو اس کے یہ بول تمہارے اصلاح کا ذریعہ بنیں گے،اور اگر اس میں سچائی نہ ہوتوتمہاراصبروتحمل تمہارے لیے آخرت میں بلندی درجات کا سبب ہوگا۔(ملفوظات ہاشم پیر بحوالہ نفس مصدر،ص:۱۴۷)

(۷)مریدجب پیر کے ہاتھ پر ہاتھ دےتووہ خودمردہ اوراپنے پیرکوغسال جانیں اور پیر کے حکم کوخدااوررسول کے حکم کےمتراف جانے،پیر سے آخرت میں بہتری طلب کرے،بعداز بیعت خودکو گناہوں سے بچائے،پیر کے ہرفعل پرنظر رکھے،جوکام اس کا پیر کرتاہےاسے کرےاورجس کام سے پیردوررہتاہےاس سےوہ بھی دوری اختیارکرے۔(ملفوظات ہاشم پیر بحوالہ نفس مصدر،ص:۱۴۸)

(۸)اگرکوئی صائم الدہر،قیام اللیل،عالم،مفسر،محدث اورفقیہ ہی کیوں نہ ہواگروہ بغیر ارادت کے ہےتووہ صاحب طریق نہیں ہوسکتا۔(ملفوظات ہاشم پیر بحوالہ نفس مصدر،ص:۱۴۷)

(۹)ایک مرید کو چاہیے کہ وہ خوش عقیدہ ہو بدعقیدگی سے کچھ حاصل ہونے والانہیں،بہت سارے مشائخ کے حوالے سے آپ فرماتے ہیں کہ اگرانڈا گندہ ہواور ساری دنیا کے مرغ مل کر

انڈے کوسینکیں تو بھی اس میں بچہ نکلنے والانہیں۔ٹھیک اسی طرح ایک بدعقیدہ شخص کومنزل مراد نہیں ملتی ہے۔(ملفوظات ہاشم پیر بحوالہ نفس مصدر،ص:۱۴۹)

(۱۰)مرید کو چاہیے کہ اپنے جملہ احوال پیر پر ظاہر کرے تاکہ ساعت بہ ساعت روز بروز،اس کی ضرورت کے حساب سے تربیت ہو،مرید کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے دل میں پیدا ہونے والےشکوک وشبہات وخطرات سے پیرکوآگاہ کرتا رہے۔۔ایک مرید کو چاہیے کہ وہ اپنے خوابوں سے پیرکوواقف کرائے۔اورجب تک اس کا پیراسےمشورہ نہ دے اپنے خواب کو دوسروں پرظاہرنہ کرے۔(ملفوظات ہاشم پیر بحوالہ نفس مصدر،ص:۱۵۰)

(۱۱)مرید کو چاہیے کہ وہ پیر کا تصور کرے کہ پیر کی حضوری میں باادب رہے،اورجدائی میں پیرکا خیال رکھے۔(ملفوظات ہاشم پیر بحوالہ نفس مصدر،ص:۱۵۱)

(۱۲)پیر کے حکم میں مصلحت خداوندی ہوتی ہے،تمام مرشدان برحق اس بات پرمتفق ہیں کہ ایک پیرکامل اپنے مرید کی صلاحیت دیکھ کراس کی تربیت کرتاہےاورراہ سلوک کی منازل طے کراتا ہےمثلاکسی مرید سے کہا جاتا ہے کہ تم بازار میں بیٹھ جاؤ،اورکسی دوسرے سے کہا جاتا ہے کہ تم تنہائی اختیارکرلو۔(ملفوظات ہاشم پیر بحوالہ نفس مصدر،ص:۱۵۰)

(۱۳)ہاشم پیر سے جب پوچھا گیا کہ ذکرکا کونسا طریقہ اچھا ہےتوآپ نے فرمایا:کہ ذکر خفی بہترین ہے،آپ ارشادفرماتے ہیں:کہ مسلمانی کی بنیادایمان ہےاورایمان کی سلامتی کے لیےذکرضروری ہے،نماز کا مقصدذکر ہےاورنمازذکر کے لیے ہے،قرآن کا پڑھناافضل ترین ذکر ہے۔۔۔دوستی کا تقاضہ اوردوستی کی علامت یہ ہے کہ دوست ہرحال میں اپنے دوست کا ذکرکرے (ملفوظات ہاشم پیر بحوالہ نفس مصدر،ص:۱۵۳)

سماع کےتعلق سےحضرت ہاشم پیرکی تعلیم

افضل پیرزادےتحریر کرتے ہیں:کہ حضرت ہاشم پیر کےملفوظات میں سماع پرکافی تفصیلی بحث ملتی ہے،سماع چشتیہ سلسلے کی ایک امتیازی نشانی ہے،آپ کے پردادا حضرت عمادالدین حسینی اور دادا حضرت نصراللہ حسینی کو اپنے سلسلے میں داخل کرتے ہوئے حضرت قاذن چشتی نے اپنے روحانی تصرفات کااستعمال کرتے ہوئے فرمایا تھا:کہ قیامت تک پیدا ہونے والی ان کی اولادکوچشتی سلسلے میں داخل کرلیاہوں،اس لیے حضرت ہاشم پیرکا سماع کی طرف مائل ہونا ایک فطری امر ہے۔۔۔آپ کےخادموں میں نقیب نامی ایک قوال بھی تھا۔

سماع کےمتعلق حضرت ہاشم پیرارشادفرماتے ہیں:کہ سماع ایک خاص کیفیت کا نام ہے جب وہ وارد ہوتی ہےتو وجود بشریت کوختم کرجاتی ہے،رعونت اورنفسانیت کا علاج کرتی ہے،محبوب کی

طرف محب کے لیے سماع ایک وسیلہ ہے، محبوب کا قرب پانے کا ایک ذریعہ ہے، سماع رحمٰن کے رازوں میں سے ایک راز ہے۔ ہاشم پیر کے نزدیک سماع اس باران نیسان کی طرح ہے جو دلوں پر صدف کی بارش برساتا ہے سماع کے کئی شرائط مقرر کیے گئے ہیں، جس میں ایک یہ بھی ہے کہ دل ہردو جہاں سے فارغ ہو۔

نقل کیا گیا ہے کہ ایک بادشاہ کسی چشتی بزرگ کی خدمت میں قحط سالی کے زمانے میں بارش کی دعا کی درخواست لیے حاضر ہوا، بزرگ اپنے متوسلین کو سماع کی محفل سجانے کا فرمان سناتے ہوئے بادشاہ کو محفل سے اٹھ جانے کا حکم دیتے ہیں، بادشاہ کے دریافت کرنے پر وہ چشتی بزرگ بتاتے ہیں کہ سماع اہل لطافت کی محفل ہوتی ہے، اہل کثافت کا اس محفل میں کوئی کام نہیں ہوتا ہے، سماع کے دوران اس چشتی بزرگ کی آنکھوں سے آنسوؤں کا نکلنا ہی تھا کہ رحمت خداوندی بارش کی شکل میں برسنے لگی۔ (ملفوظات ہاشم پیر بحوالہ نفس مصدر، ص: ۱۵۵۔۱۵۶)

حواشی

(۱) ہم چاہتے ہیں کہ لفظ ''شطر'' کی تحقیق ''علم شطار'' مشرب شطار کے بیان کردہ طریقے اور اشغال واعمال مذہب شطار سے متعلق کچھ بنیادی باتیں مختصراً بیان کی جائیں، جو محققین صوفیہ کرام مذہب شطاریہ نے بیان کی ہیں، شطر کی تحقیق: یہ عربی لفظ ہے جس کے معنی طرف اور کنارہ کے ہیں، اس لفظ کا استعمال قرآن پاک میں بھی ہوا ہے، تحویل قبلہ کی ایک آیت میں حضور اقدس ﷺ سے خطاب ہوا **فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ**، اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیرلو۔

مناہج الشطار کے مصنف نے اس کی تفصیل یوں بیان کی ہے: شُطّار شاطر کا صیغۂ مبالغہ ہے۔ اَلشَّطُر کے معنی جانب اور طرف اور کنارہ کے ہوتے ہیں، جب طالب حق ہر طرف سے منہ موڑ کر جمال الٰہی کے قبلہ کی طرف متوجہ ہوجاتا ہے، چونکہ اس میں وہ فنائے نفس وہوا وامانت معدوم سے ہوکر ملاحظۂ توحید اور ذات وصفات الٰہی میں لگ جاتا ہے، اللہ کے سوا کسی بھی جانب نہیں دیکھتا اور واصل حقیقی ہوجاتا ہے۔ اس لیے شُطّار کا اطلاق اس پر ہونے لگتا ہے۔ حضرت نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ میں شُطّار کا لفظ اخیار وابرار کے ساتھ استعمال ہوا ہے اور یہ تمام الفاظ جمع ہیں چنانچہ شطار بھی جمع ہوا، شاطر کی پیش کے ساتھ۔ جیسا کہ جُہال، عُقال اور حُکام، جاہل، عاقل اور حاکم کی جمع ہے پیش کے ساتھ تاکہ ابرار واخیار کے ساتھ حسن مقابلہ ہوسکے۔ شطار شطرنج باز اور تیز دوڑنے والے اونٹ اور شوخ بچہ کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ یہ لفظ ان لوگوں کے لیے (معنوی طور سے) استعمال کیا گیا ہے جو معرفت ذات الٰہی کے لیے جہاد (بالنفس) کرتے ہیں کیونکہ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ انہیں بعد مرگ طبعی آخرت میں اپنی رویت و

مشاہدہ سے نوازے گا۔ چونکہ اس گروہ کے لوگ ارادتاً آخرت کے بدلے دنیا میں مرگ ارادی حاصل کرلیتے ہیں اور وعدۂ آخرت پانے کی کوشش کرتے ہیں لہٰذا اس معنی ومفہوم کے اعتبار سے یہ شوخ، تیز رو اور باشندۂ خودی کہلاتے ہیں۔ (آیات الٰہی کے نگہبان، ص: ۴۱۔۴۲)

(۲) آپ کا نام نامی شیخ محمد علاء ہے، شیخ قاذن کے نام سے آپ کی شہرت ہوئی یہ نہیں بتایا جاسکتا کہ علاء علاء الحق یا علاء الدین کا مخفف ہے یا نام ہی محمد عُلاء ہے۔ اسی طرح قاذن کہیں ذال سے لکھا ملتا ہے تو کہیں ضاد سے آپ شاہ عبداللہ شطاری کے بڑے عظیم المرتبت خلیفہ گزرے ہیں۔

(۳) شاہ قاضن چشتی مرید وخلیفہ شیخ علم الدین جن کا مزار پٹن میں ہے، حضرت شاہ قاضن چشتی آپ (نصر اللہ حسینی) پر نہایت مہربان تھے اور اکثر حضرت فرمایا کرتے تھے کہ ان کی اولاد مجھ کو مثل اپنی اولاد کے پیاری ہے۔ (آیات الٰہی کے نگہبان، ص: ۱۶۷)

(۴) وجیہ الدین علوی گجراتی کی تاریخ پیدائش صاحب تذکرہ علمائے ہند نے ماہ محرم ۹۱۱ھ مطابق ۱۵۰۵ء تحریر کیا ہے۔ اور ''حضرت ہاشم پیر اور سلسلہ شطاریہ: ایک مطالعہ'' کے مصنف نے ۲۲ر محرم الحرام ۹۱۰ھ مطابق ۱۵۰۴ء لکھا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(۵) غوث گوالیاری کی تصنیف ''معراج نامہ'' کی چند عبارتوں پر اس وقت کے علما کو شدید اعتراض تھا، جس کی وجہ سے آپ کی تکفیر کی گئی، پورے واقعہ کو افضل پیرزادے نے یوں تحریر کیا ہے: معراج نامہ کی چند عبارتوں کو لے کر شیخ علی متقی، شیخ عبدالمقتدر، بیابانی اور ملک زین العابدین وغیرہ علما نے کفر کا فتویٰ دیا، بادشاہ وقت پر دباؤ ڈالا گیا کہ محمد غوث گوالیاری کے قتل کا حکم جاری کیا جائے، سلطان وقت نے اس فتویٰ کو وجیہ الدین حسینی کے پاس استصواب کے لیے بھیجا، آپ وہ فتویٰ لے کر حضرت محمد غوث گوالیاری کی خدمت میں حاضر ہوئے، جب آپ نے حضرت محمد غوث گوالیاری کو دیکھا تو اس قدر شیفتہ ہوئے کہ اس فتوے کو چاک چاک کر ڈالا اور حضرت محمد غوث گوالیاری کے حلقۂ ارادت میں شامل ہوگئے۔ شیخ علی متقی کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو وہ حضرت وجیہ الدین حسینی کے پاس آکر اپنے کپڑوں کو تار تار کر ڈالا اور پوچھا: بدعت کی اشاعت اور دین میں رخنہ پیدا کرنے میں تم کس طرح راضی ہو؟ آپ نے جواب دیا کہ ہم ارباب قال ہیں، شیخ اہل حال ہیں، ہماری سمجھ ان کے کمالات تک نہیں پہنچ سکتی ہے اور بظاہر شریعت کا کوئی اعتراض ان پر عائد نہیں ہوتا۔ اس طرح وجیہ الدین حسینی کے اثر سے گجرات کے تمام حکام بھی محمد غوث گوالیاری کے معتقد ہوگئے، وجیہ الدین حسینی کے ملفوظات میں ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ محمد غوث گوالیاری کی ملاقات سے پہلے مجھے اللہ کی کچھ بھی معرفت حاصل نہ تھی، جس نے مجھ کو اللہ تعالیٰ تک پہونچایا وہ محمد غوث گوالیاری ہی ہیں۔

(تذکرۃ الوجیہ، ص: ۸۷ بحوالہ حضرت ہاشم پیر اور سلسلہ شطاریہ: ایک مطالعہ، ص: ۵۶)

(٦) میر سید یاسین سامانی وہ شیخ ہیں جن سے سلسلہ شہبازیہ کے بانی حضرت شہباز محمد بھاگل پوری کو سلسلہ شطاریہ کی اجازت وخلافت پہنچی ۔ سلسلہ شہبازیہ کا فیضان بہار کے بڑے خطے میں عام رہا ہے، زمانہ قریب کے بڑے خطیب اور متبحر عالم حضرت مولانا اشتیاق عالم بھاگل پوری اسی سلسلے کے شیخ تھے۔

(۷) ''جاپانیر بہ فتح جیم معجمہ عربی و یای فارسی مفتوحہ بین الفین وکسر نون یای تحتانی مجہول ودر آخر رای مہملہ، گجرات دکن میں ایک شہر ہے (تذکرہ علمائے ہند، ۴۵۶-۴۵۷م)

(۸) حضرت شیخ علاؤالدین المعروف علاء قاذن شطاری کے سلسلہ نسب کے بارے میں مولانا اشتیاق عالم شہبازی یوں تحریر کرتے ہیں: آپ کا نسب امام ابودرداء ابومصعب رضی اللہ عنہ پر منتہی ہوتا ہے ۔ اس کی تصدیق کرسی نامہ سادات دیورا (قلمی) سے بھی ہوتی ہے ۔ جس میں یوں تحریر ہے: حقیقت شیخ ابوالفتح قدس سرہٗ بن شیخ محمد علاء معروف بہ شیخ قاذن نسبت ایشاں بہ امام ابو درداء ابومصعب عم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منتہی است ۔ لیکن مشائخ بہار کے مؤلف ڈاکٹر طیب ابدالی مرحوم نے ایک دوسری بات کہی ہے، وہ کہتے ہیں کہ حضرت امام محمد تاج فقیہ کے چار صاحبزادگان تھے۔ پہلے حضرت مخدوم شاہ اسرائیل، جن کے صاحبزادہ حضرت یحیٰ منیری ہیں اور دوسرے صاحبزادہ مخدوم شاہ اسماعیل ہیں ، ان کے صاحبزادے شاہ صلاح الدین تھے ، ان کی اولاد میں حضرت شیخ قاذن شطاری مشہور شطاری بزرگ گزرے ہیں ۔ انہوں نے چھوٹے صاحبزادے شاہ عبد العزیز کو بتایا ہے انہیں کہ صاحبزداگان مخدوم جلال منیری اور سلیمان لنگر زمین ہیں ۔ مؤلف تذکرہ مشائخ بہار کے مطابق حضرت قاذن شطاری کا خاندان حضرت امام محمد تاج فقیہ کے خاندان سے ملتا ہے ۔ اور یہ خاندان ابومسعود بن ابوذر بن زبیر عم محترم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر منتہی ہوتا ہے ۔ دونوں شجرۂ نسب میں آخر کے دونام مختلف ہیں ۔ ہوسکتا ہے کہ یہ کنیت یا لقب ہو، جسے نام کے بجائے استعمال کیا گیا ہو۔ پھر بھی یہ بات تحقیق طلب ہے۔ (آیات الٰہی کے نگہبان، ص: ۵۴)

(۹) حضرت ابوالفتح ہدایت اللہ سرمست یہ وہ بزرگ ہیں جن سے شطاری فیضان منعم پاک باز بانی سلسلہ منعمیہ میتن گھاٹ پٹنہ کو مندرجہ ذیل واسطوں سے پہنچتا ہے: (۱) دیوان خلیل (۲) دیوان جعفر (۳) دیون اہل اللہ (۴) سید اشرف (۵) شیخ ابوالفتح ہدایت اللہ۔

(۱۰) حضرت فضل اللہ گوسائی سے ہوتے ہوئے سلسلہ شطاریہ کا فیضان حضرت منعم پاک باز کو مندرجہ ذیل واسطوں سے پہنچتا ہے: (۱) دیوان خلیل (۲) دیوان جعفر (۳) دیوان اہل اللہ (۴) نظام الدین بہاری (۵) تقی الدین بہاری (٦) نصر اللہ بہاری (۷) محمود بہاری (۸) فضل اللہ گوسائی (۹) قاضی اعلیٰ شطاری، ویشالی، بہار۔ خانقاہ منعمیہ جن کے مشائخ کا فیضان

بہار کے ایک بڑے خطے میں اہل دل کی رہنمائی کرتا رہا ہے ۔ دورِ حاضر کے عظیم خطیب حضرت علامہ ڈاکٹر سید شمیم الدین منعمی اسی خانقاہ کے سجادہ نشیں اور شیخ طریقت ہیں۔

(۱۱) حضرت علا قاضن کے وصال کی تاریخ میں مورخین کا اختلاف ہے ، افضل پیر زادے نے ۹۰۳ھ/ ۱۴۹٦ء تحریر کیا ہے جبکہ '' آیات الٰہی کے نگہبان'' کے مصنف نے ۹۰۱ھ / ۱۴۹۵ء تحریر کیا ہے (ص: ۵۲)

(۱۲) شاہ ظہور حاجی حضور نے اپنے پیر زادے ابوالفتح ہدایت اللہ سرمست کی خوب خدمت کی اور جب آپ نے سفر حرمین کا ارادہ فرمایا اور اپنے پیرزادے سے اجازت حاصل کرنا چاہی تو شاہ ابوالفتح نے آپ کو اپنی خلافت و اجازت اور خرقہ عطا فرمایا اور سفر کی اجازت دی ۔ (آیات الٰہی کے نگہبان، ص: ٦۰ ملخصا)

کتابیات

(۱) ترجمہ روضۃ الاولیائے بیجاپور، محمد ابراہیم بیجاپوری / مترجم: شاہ سیف اللہ قادری، ناشر: حضرت پیر محمد شاہ لائبریری اینڈ ریسرچ سینٹر، احمد آباد ۲۰۱۰ء۔

(۲) اخبار الاخیار فی اسرار الابرار (فارسی)، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، کتب خانہ رحیمیہ، دیوبند

(۳) تاریخ صوفیائے گجرات ، ڈاکٹر شاہ ظہور الحسن شارب ، ناشر: کلیم بک ڈپو اینڈ آفسیٹ پرنٹرس، خاص بازار، احمد آباد، ۲۰۱۳ء۔

(۴) تذکرۂ قطب دکن الموسوم بہ حالات ہاشم پیر دستگیر بیجاپور، شاہ مصطفیٰ حسینی ۱۹۴۳ء

(۵) ملفوظات شریفہ ، شیخ وجیہ الدین احمد علوی ، مترجم : مولا نا عبد السلام رضوی ، ناشر: امام احمد رضا اکیڈمی، صالح نگر، بریلی۔

(٦) تذکرۃ الوجیہ، سید حسینی پیر عولی، گجرات اردو اکیڈمی (حکومت گجرات) ۱۹۹۰ء۔

(۷) آیات الٰہی کے نگہبان ، مولانا محمد اشتیاق عالم شہبازی ، ناشر: مولانا ولی العالم اکیڈمی، خانقاہ عالیہ شہبازیہ، ملا چک شریف، بھاگل پور، ۲۰۱۰ء۔

(۸) تذکرہ علمائے ہند (مترجم)، مولوی رحمان علی / ڈاکٹر محمد ایوب قادری، مطبع شعبۂ تصنیف وتالیف وترجمہ، جامعہ کراچی، ۲۰۰۳ء۔

(۹) حضرت ہاشم پیر اور سلسلۂ شطاریہ ایک مطالعہ، سید افضل پیر زادے ہاشم ، ادارہ ادبیات دلی، صدر بازار، دہلی، ۲۰۱۵ء

(۱۰) الافاضات الاحمدیۃ، شرح الحقیقۃ المحمدیۃ، شیخ مرزا محمد دائم الہندی، تحقیق: مولانا جلال رضا ازہری، مطبع الکیلامی، قاہرہ، ۲۰۰۷

○○○

صوفی ادب

نغمات الاسرار فی مقامات الابرار: خصوصی مطالعہ

مغلوب الحال عارفانہ شاعری

میں نے حضرت شیخ کی مثنوی دیکھی- جگہ جگہ ان فارسی شعرا کی یاد آئی جو مغلوب الحال اور مغلوب المعرفت رہا کرتے تھے- ان کے اشعار میں حلاوت و پاکیزگی بلا کی ہے- زبان بھی مجموعی حیثیت سے بہت پاکیزہ اور بامزہ ہے، لیکن آخر میں بطور شرح جو مضامین بیان کیے گئے ہیں وہ نہ ہوتے تو بہتر تھا؛ کیوں کہ جو لوگ قائل ہیں وہ قائل رہیں گے اور جو قائل نہیں ہیں وہ فضول مذہبی بحث میں مبتلا ہو جائیں گے- میرا خیال ہے کہ پروفیسر مسعود علوی اور ذیشان صاحب کی انتہائی عالمانہ تحریروں کو الگ سے شائع کیا جائے اور مثنوی اپنی جگہ پر برقرار رہے- مجھے یقین ہے کہ یہ دونوں کتابیں بہت کامیاب ہوں گی-

آخر میں یہ کہنا ہے کہ میرے ذہن میں کچھ اڑتی اڑتی سی خبر حضرت شیخ کے بارے میں تھی، لیکن میں ان کے عارفانہ کمالات سے بالکل بے خبر تھا- خدا کا شکر ہے کہ اب میں ان سے کچھ واقف تو ہو گیا-

○○○

دقیق عارفانہ مسائل کی عام فہم تعبیر

دنوں کی تپش اور شبوں کا گداز جب معرفت الٰہی کے ساتھ واردات قلبی کی صورت میں شعری پیکر اختیار کرتا ہے تو وہ

سازِ ہستی پردۂ الہام ہے
نغمۂ تارِ نفس پیغام ہے

کا نقیب بن جاتا ہے۔ مشرقی ادبیات میں عرفان و تصوف کے رنگ بڑے نمایاں ہیں۔ تصوف اور شعر و سخن کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ تصوف کی میراث میں شعری پیرایۂ بیان اپنی ندرت اور اظہار بیان کے انوکھے پن کے لیے ایک منفرد حیثیت رکھتا ہے۔ شاعری کی بہت سی قسمیں ہیں اور شعرا نے مختلف میدانوں میں اپنے تخیل کی پرواز سے بیش بہا موتی پروئے ہیں۔ تصوف کے زیر اثر جو شاعری پروان چڑھی اس نے ہر زبان کو نئے میدان تخیل عطا کیے، نئی لفظیات کا اضافہ کیا اور ایسا جہانِ معنی دیا جہاں ہر زبان صرف استعارہ بن کر رہ جاتی ہے۔ دراصل صوفیہ کرام کے لامکانی تجربات اور زمان و مکان کی قید سے بلند مشاہدات جب لفظ کے پیکر میں ڈھلتے ہیں تو لفظیات ان کا ساتھ نہیں دے پاتی اور مجبوراً ان کو ایسے استعارات استعمال کرنے پڑتے ہیں یا ایسی لفظیات وضع کرنی پڑتی ہیں جو ژرف بیں نگاہوں کے لیے تو بحر ناپیدا کنار ہوتی ہیں لیکن بسا اوقات لفظ کی تنگ دامانی سے ناآشنا فقیہانِ حرم کی بے توفیق نگاہیں اس کی تہہ تک نہیں پہنچ پاتیں اور وہ ان کے خلاف زبان طعن دراز کرنے لگتے ہیں۔ مولانا روم نے فرمایا:

بشنو از نے چوں حکایت می کند
وز جدائی ہا شکایت می کند

اگر اس شعر میں بانسری اور اس کی جدائی کو ظاہری معنی میں لیا جائے تو شعر بے معنی ہو جائے گا۔ اسی طرح امیر خسرو کا ایک شعر ہے:

خدا خود میر مجلس بود اندر لامکاں خسرو
محمد شمع محفل بود شب جائے کہ من بودم

اس محفل لامکانی کا تصور صرف مخصوص ذہن ہی کر سکتے ہیں۔ اس کو کوئی روپ یا شکل دینا کسی کے بس میں نہیں۔ شاعری کے ذریعے اپنے احساسات، مشاہدات اور عرفان کو بیان کرنے کا یہ سلسلہ قدیم تاریخی تسلسل ہے۔ عربی شاعری میں اس کے ابتدائی نقوش قصیدہ ابن عرس اور نسائی جہت کی ایک تابندہ جھلک حضرت رابعہ بصریہ کے یہاں ملتی ہے۔ پھر یہ روایت حسین بن منصور حلاج، شیخ جنید بغدادی سے ہوتی ہوئی ابن الفارض، ابن عربی، اور فارسی میں مولائے روم، شیخ فریدالدین عطار، مولانا جامی، خواجہ حافظ وغیرہ تک پہنچتی ہے۔ ان کے علاوہ بے شمار لوگ ہیں جو اپنی متصوفانہ شاعری کے لیے مشہور ہیں۔

اردو اگرچہ نوزائیدہ زبان ہے لیکن اس میں حسن و عشق کی داستانوں کے ساتھ ساتھ دیار تصوف کے بھی بڑے بڑے گوہر آبدار نکلے ہیں خواجہ میر درد اور ان کے والد خواجہ ناصر عندلیب، مرزا مظہر جانجاناں اور شاہ عزیز اللہ صفی پوری جیسے شعرا ہیں جن کا امتیاز ہی متصوفانہ شاعری ہے۔ جس طرح اردو کے بڑے شعرا نے صوفیانہ مضامین کو اپنا موضوع بنایا اسی طرح برصغیر کے بہت سے ممتاز صوفیہ نے بھی شعر کو اپنے متصوفانہ خیالات کی ترویج و اشاعت کے لیے بخوبی اختیار کیا۔

عہد وسطیٰ کی بات چھوڑیے خود ابھی اسی زمانے اور ماحول کے ایک مرد درویش مخدوم گرامی شیخ ابوسعید شاہ احسان اللہ محمدی صفوی دامت برکاتہم نے مقامات الابرار کی وضاحت وصراحت کے لیے نغمات الاسرار کے نام سے ایک طویل نظم رقم کی اور یہ کم دلچسپ بات نہیں کہ پیر رومی کی روایت کی پیروی کرتے ہوئے اس کے لیے اس نے مثنوی کو ہی صنف کے طور پر اختیار کیا۔ یہاں اس بات کا تذکرہ ضروری ہے کہ اٹھارہویں صدی کے ایک عظیم صوفی اور خانقاہ کاظمیہ قلندریہ کے بانی شاہ محمد کاظم قلندر علوی کاکوروی نے نغمات الاسرار کے عنوان سے ہی، جسے سانت رس کے نام سے بھی جانا جاتا ہے، اودھی زبان میں ایک طویل نظم لکھی تھی۔ لیکن اپنی کم علمی کے اعتراف کے ساتھ راقم الحروف کا یہ خیال ہے کہ شیخ ابوسعید شاہ احسان اللہ محمدی صفوی دامت برکاتہم کی یہ شعری کاوش اردو زبان میں اپنی نوعیت کی منفرد کوشش ہے۔

حضرت کا سلسلۂ بیعت وارادت بہت بڑا ہے اور پورے برصغیر میں پھیلا ہوا ہے۔ آپ کا سلسلہ سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیا سے ہوتا ہوا شاہ مینا تک پہنچتا ہے اور شاہ مینا سے خیرآباد، صفی پور اور بارہ بنکی ہوتا ہوا آپ تک سید سراواں پہنچتا ہے۔ صوفیہ کے یہاں ارادت مندوں کی تربیت اور تزکیۂ نفس کے لیے حال وقال کے دونوں طریقے اپنائے گئے ہیں۔

زیرنظر کتاب 'نغمات الاسرار فی مقامات الابرار' بھی صوفیانہ شاعری کے اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ یہ کتاب مثنوی کے طرز پر چھوٹی بحر میں بہت ہی رواں زبان میں نظم کی گئی ہے۔ نظم کو پڑھتے ہوئے پرسکون سمندر میں سیل کشتی کی تشبیہ گونجتی ہے، پوری نظم میں دریا کی روانی کا منظر محسوس ہوتا ہے ہر شعر پچھلے شعر سے ایسے ڈھلک جاتا ہے جیسے برسات کے پانی کا قطرہ درخت کے ایک پتے سے دوسرے پتے پر۔ حضرت شاہ ابوسعید قابل مبارکباد ہیں کہ انہوں نے اتنے خوب صورت پیرائے میں ایسی دل نشیں مثنوی نظم کی ہے اور اس کے لیے ایسی زبان کا استعمال کیا ہے کہ بات دل سے نکلی اور دل میں جا پہنچی۔ اس طرح اس کتاب میں تصوف کے تمام بنیادی گوشوں کا احاطہ کرلیا گیا ہے اور تصوف کے نام پر جو دکانداری ہوتی ہے اس پر تنقید بھی کی ہے۔ یہ کتاب تصوف کے بہت سے غوامض اور رموز و اسرار پر اپنے مخصوص عارفانہ انداز میں روشنی ڈالتی ہے۔

اس مثنوی کے چند عنوانات یہ ہیں: حقیقت اشیاء کا بیان، شرح: **و فی انفسکم افلا تبصرون** وحدت کا بیان، نور ظہور ذات کا بیان، بیان **کنت کنزا مخفیا**، نعت: حقیقت محمدی کی مثال، فضائل آداب نبوی، شان بشریت کا بیان، آنحضرت پر علوم غیبیہ کا انکشاف، شان اولیاء، اولیاء کی عظمت، آداب شیخ کامل، سماع و وجد، شریعت، طریقت، حقیقت، معرفت، تصوف کی فضیلت، فقیہان خشک اور صوفیان جاہل، آداب مریدین، طالبان حق کے لیے پند و نصائح اور آخر میں مناجات اور خاتمہ۔ مثنوی کا بیانیہ انداز، سہل اور عام فہم اسلوب اور خوب صورت شعری پیکر قابل تعریف ہے۔ میں مصنف کو مبارکباد دیتا ہوں کہ انہوں نے ایسی خوب صورت مثنوی نظم کی اور ایسے دقیق مسائل پر اتنے سلیس سادہ اور عام فہم انداز میں اپنے نکتہ رس ذہن کے نکات صفحہ قرطاس پر وا کیے۔

صاحب مثنوی جنہیں ان کے حلقۂ خاص میں ابومیاں کے نام سے جانا جاتا ہے، خاکساری و فروتنی، دینی حمیت، پاس داری شریعت اور عرفان طریقت کے پیکر اور اپنے خاندان کی نجی ضرورتوں کے لیے کسب و محنت سے اکل حلال پر مکتفی بزرگ ہیں۔ حضرت نظام الدین اولیا سے کسی نے پوچھا تھا کہ آپ (یعنی صوفیہ) کے یہاں اتباع شیخ پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے، اگر ایسے میں کوئی شیخ خلاف شریعت حکم دے یا بدعقلی کی بات کرے تو مرید کیا کرے؟ حضرت محبوب الٰہی نے فرمایا تھا: جب کسی کو شیخ بناؤ تو پہلے اس میں تین چیزیں لازمی پاؤ، تبھی شیخ بناؤ، ایک علم، دوسرے عقل اور اور تیسرے عشق۔ علم ہوگا تو جہالت کی بات نہیں کرے گا، عقل کے ہوتے ہوئے بدعقلی کا سبق نہیں پڑھائے گا اور عشق تو سب کچھ ہے۔ ابومیاں کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ علم، عقل اور عشق کا مرقع اور مجموعہ کیسا ہوتا ہے۔

نغمات الاسرار کے مضامین کی اہمیت، معنی کی رفعت اور خیالات کی پاکیزگی، نیز شعری اوصاف پر تو اہل علم و فضل ہی بہتر رائے دے سکتے ہیں، مجھے تو طالب علمانہ انکسار کے ساتھ بس یہی عرض کرنا ہے کہ اس مثنوی کو ہندی رسم الخط میں بھی شائع ہونا چاہیے۔ اودھ کی جس صوفی روایت سے ابومیاں جڑے ہوئے ہیں اس میں یہ کوئی نئی بات بھی نہیں ہوگی، بلکہ ایسا کرنا تو روایت کی توسیع ہوگی۔

اس مثنوی کو شاہ صفی اکیڈمی نے بہت ہی خوب صورت انداز میں شائع کی ہے۔ اس کی ایک اہم خوبی یہ بھی ہے کہ ایک سالک راہ طریقت جن کے ہاتھ میں جام شریعت بھی ہے، انھوں نے اس مثنوی کے رموز، قرآن و حدیث کے مضامین کے حوالے اور تخریج کا غیر معمولی کام انتہائی دقت نظر اور صاحب مثنوی سے عقیدت کے ساتھ انجام دیا ہے اور اس کا فائدہ یہ ہے کہ ہمارے جیسے عامی اور اور کم فہم قاری کو صوفی اصطلاحات اور دقیق اور پیچیدہ مطالب و معانی کو سمجھنے میں آسانی ہوگئی ہے۔

○○○

تزکیۂ نفس اور تربیت اخلاق کی شاعری

شاعری عموماً اپنے جذبات دروں کے اظہار کا نام ہے اور بلفظ دیگر ہزار رنگ سے کاشانۂ دل کو سجا سنوار کر خود اپنے رنگ میں سرخوش و سرمست ہو جانا ہے۔ یہ شاعری جب کسی کے گوش شنوائی تک پہنچتی ہے تو اس کے وجدان کے جھوم اُٹھنے کا سبب بن جاتی ہے لیکن جب کوئی سعید ازلی، احسان و موہبت الٰہی کا پروردہ و عنایت رسیدہ، انفس و آفاق کا مشاہدہ کرنے والا، صوفی باصفا شعر گوئی کی طرف مائل ہوتا ہے تو وہ صرف اس کے جذبات ہی نہیں بلکہ واردات قلبی کا عکس جمیل بن جاتی ہے۔

فارسی شاعری کے ساتھ اُردو شاعری کا دامن بھی ایسے بکثرت شعرا سے مزین ہے جو صاحب سلاسل طریقت، اہل تصوف اور خانقاہوں سے وابستہ رہے ہیں اور اپنے مسلک و مشرب اور حال و مقام کے اعتبار سے بھی سرتاپا تصوف میں غرق رہے ہیں۔ انہوں نے قولاً، فعلاً اور حالاً تصوف اور انسانیت کی جیسی خدمت کی اس کی نظیر مشکل ہے۔ انہوں نے اپنے نثری و منظوم سرمائے کے ذریعے تصوف کے اسرار و رموز، حقائق و معارف، اصطلاحات و مسائل اور مشاہدات کو بڑے عام فہم اور دل نشیں پیرائے میں بیان کیا۔ ان مشہور صوفیہ میں حضرت شاہ تراب علی قلندر کاکوروی، حضرت مخدوم شاہ خادم صفی، حضرت شاہ عزیز اللہ صفی پوری، حضرت مخدوم شاہ عارف صفی، حضرت شاہ نیاز احمد بریلوی، حضرت مرزا مظہر جان جاناں، حضرت خواجہ میر درد قدست اسرارہم وغیرہم مشہور ہیں۔

حضرت شاہ تراب علی قلندر قدس سرہٗ اپنے معاصر و متاخر صوفیہ میں بہت سی جہات میں نمایاں و ممتاز رہے ہیں کہ ان کا کلام مقصود بالذات ہی نہیں بلکہ اس میں عملِ خیر کا بڑا دل نشیں و موثر پیغام اور انسانیت کو فلاح و کامرانی سے ہم کنار کرنے کے کیمیائی نسخے بھی ہیں۔ انہوں نے تصوف اور توحید و معرفت کے دقیق مسائل کو بھی بڑی سلاست سے حل فرمایا۔ ان کے یہاں زبان و بیان میں چاشنی اور تقریباً دو سو برس بعد کے زمانے سے بھی وہ ہم آہنگی ہے کہ غرابت الفاظ کا شائبہ بھی نہیں ہوتا۔ ان کے والد گرامی عارف باللہ شاہ محمد کاظم قلندر علوی کاکوروی بانی خانقاہ کاظمیہ قلندریہ (۱۷۴۵-۱۸۰۶) ایک

عظیم صوفی اور اودھی زبان کے قادر الکلام اور غزل گو شاعر تھے جن کا تقریباً پانچ ہزار اشعار پر مشتمل دیوان موسوم بہ ''نغمات الاسرار'' معروف بہ ''سانت رس'' شائع ہو چکا ہے۔ دوسری جانب اُردو شعرا کا ایک بڑا طبقہ وہ بھی ہے جس نے تصوف کے مسائل، حقائق و معارف اور اسرار و نکات کا بیان جا بجا کیا ہے مگر تصوف ان کا باقاعدہ حال نہ رہا اور نہ وہ خود ان صوفیہ صافیہ کے زمرے میں رہے۔

زیر نظر مثنوی ''نغمات الاسرار فی مقامات الابرار'' اسی پہلے طبقے کے ایک صاحب دل و صاحب حال شخصیت کے قلبی واردات کا حسین و دلکش، سلیس و عام فہم زبان میں مرقع ہے۔

حضرت مولانا شاہ احسان اللہ محمدی صفوی، اللہ ان کے فیوض و برکات کو قائم و دائم رکھے، سلسلہ عالیہ چشتیہ کے شیخ اور آستانۂ عالیہ سید سراواں شریف الہ آباد کے زیب سجادہ ہیں۔ انہوں نے تصوف کی تعلیمات، اس کے احوال و مقامات، ان کے ضمن میں لوازم و اہم امور طریقت کے مسائل، اصول و رموز اور نکات کو بڑی مہارت وصناعی سے اُردو الفاظ کے پیکر میں سالکین و طالبین کے لیے جنت نگاہ و فردوس گوش بنا کر پیش فرمایا ہے جو فی زمانہ وقت کی ضرورت، تصوف کی بڑی خدمت اور ساتھ ہی مریدین و وابستگان سلاسل کے لیے قابل عمل، لائق تقلید اور مشعل راہ بھی ہے۔ آج کے مصروف ترین دور اور اس سائنس و ٹیکنالوجی کی فضا میں سانس لینے والوں کو اتنی فرصت نہیں کہ وہ ان مسائل کی ضخیم عربی و فارسی کتابوں کو پڑھ کر یا کسی صاحب حال و صاحب دل کی صحبت میں بیٹھ کر اپنے لیے صحیح راہوں کا تعین کر سکیں، گویا ۔

غمِ ایّام پہ دم بھر کے لیے غور کریں
اتنی فرصت ترے رندوں کو کہاں ہے ساقی!

نثر کے مقابلے میں نظم اور شاعری کی بالادستی تقریباً ہر دور میں رہی ہے اور شاید اسی وجہ سے شعر اذہن انسانی پر حکومت کرنے اور اثر انداز ہونے کی بے پناہ صلاحیت رکھتے ہیں اور جہاں شعرا کے رحمن و رحیم کے تلمذ اور راز دل خیز کا معاملہ ہو، وہاں یہ چیز سہ آتشہ بلکہ ہزار آتشہ ہو جاتی ہے۔

راقم احقر نے نغمات الاسرار کی نغمگی و اثر آفرینی سے جستہ جستہ بقدر ظرف حظ وافر حاصل کیا۔ ایک صاحب دل صوفی کی واردات قلبی کا آئینہ اس کے رشحات قلم ہوتے ہیں۔ وہ جس طرح اشیا کا مشاہدہ کر کے نتائج اخذ کرتا ہے وہی اس کی تحریر بن کر ہماری نگاہوں کے سامنے آ جاتے ہیں۔ عشق قواعد و ضوابط کا پابند نہیں ہے، اس لیے ایسی شاعری کو جو ظاہری پیمانوں اور عروض و قوافی کی پابندیوں سے علاحدہ ہوتی ہے، انہیں حد بندیوں کی نظر سے نہیں دیکھنا چاہیے۔

آں محترم نے یہ مثنوی خصوصاً ان لوگوں کے لیے منظوم فرمائی ہے جو ان کے دامن فیض سے وابستہ ہیں اور جن کے مزاجوں کے وہ سب سے بہتر آشنا ہیں۔ ان کے لیے کیا لفظیات و پیکر

تراشی کرنا ہے یہ شاہ صاحب موصوف ہم سب سے بہتر جانتے ہیں- اس لیے ان کو ان کے خانقاہی حوالوں سے وابستہ کر کے پڑھنے کا لطف ہی الگ ہوگا-

یہ مثنوی ۷ اشعار کی تمہید، ۲ ۳ مختلف عنوانات، ایک مناجات اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے- زبان و بیان کی صفائی، بندش کی چستی، سلاست و برجستگی اور سہل ممتنع میں اپنی مثال آپ ہیں-تصوف کے بعض وہ دقیق مسائل بھی جو فلاسفہ و متکلمین اور صوفیہ کے مابین ما بہا النزاع رہے، ان کو بھی بڑی سلاست و عام فہمی سے بیان کیا ہے-

حدیث شریف ہے :**والذی نفس محمدبیدہ لوانکم ا دلیتم رجلاًبحبل الی الارض السفلی لھبط علی اللہ ثم قرأ:ھو الاول والآخر والظاھر والباطن وھو بکل شئ علیم** "اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں محمد کی جان ہے، اگر تم کسی کو رسی میں باندھ کر زمین کے نچلے حصے کی طرف لٹکاؤ تو البتہ وہ اللہ پر ہی پڑے گی- بعدازاں آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی کہ وہی اول وہی آخر وہی ظاہر اور وہی باطن ہے اور وہ ہر چیز سے پوری طرح باخبر ہے-"
(ترمذی، تفسیر القرآن، سورۃ الحدید)

وہ ذات باری پردہ کی آڑ میں مخاطب ہے، وہ اپنی انانیت کا اظہار فرماتا ہے کہ میرے سوا کچھ موجود نہیں، آسمان و زمین، مکان و لامکاں بلکہ وراء الوراء کچھ نہیں بس میں ہی میں ہوں "إِنَّنِي أَنَا اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا" (میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں-طٰہٰ: ۱۴) "وَفِي أَنفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ" (وہ تمہارے نفوس میں ہے کیا تم کو نظر نہیں آتا؟-الذاریات: ۲۱) وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنتُمْ (تم جہاں کہیں بھی ہو وہ تمہارے ساتھ ہے-الحدید: ۴) "نَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي" (میں نے انسان میں اپنی روح پھونکی-الحجر: ۲۹) "وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ" (ہم انسان کی شہ رگ سے زیادہ قریب ہیں-ق: ۱۶)

کائنات کا ذرہ ذرہ حضرت حق تعالیٰ کے ہونے کی گواہی دیتا ہے، بقول شیخ سعدی:

ہر گیاہے کہ از زمیں روید — وحدہ لاشریک لہ گوید

(جو گھاس روئے زمین سے اگتی ہے وہ وحدہ لاشریک کی وحدانیت کا کلمہ پڑھتی ہے)

صاحب نغمات فرماتے ہیں:

بے صدا و بے نوا و بے کلام — دے رہا ہے ذرہ ذرہ یہ پیام
پتے پتے کی یہی ہے گفتگو — اشھدان لاالہ الاھو
سبزۂ روئے زمیں ہے ذکر میں — محو حیرت غنچہ و گل فکر میں

حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی (۶۳۸ھ/۱۲۴۰ء) فرماتے ہیں: **الحق محسوس**

والخلق معقول حق تو وجود اصلی ہے اور خلق حقیقت میں کچھ بھی نہیں، صرف سمجھ کا پھیر ہے، یعنی وجود حق اصلی ہے اسی کے ذریعے سے خلق کا وجود قائم ہے جو محض خیالی اور تعین عدمی ہے-موجود حقیقی ایک کے علاوہ ہے ہی نہیں، اگر ایک سے زیادہ ہوگا تو ناقص ہوگا اور ناقص بذات خود موجود و قائم نہیں رہ سکتا بلکہ ذات حق تمام صفات میں جلوہ گر ہے اور من کل الوجوہ ظہور ذات ہی ہے-حضرت حق کی بندہ کے ساتھ معیت و ہم نشینی کے سلسلے میں ارشاد ربانی: فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللَّهِ (البقرہ: ۱۱۵) وَفِي أَنفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ (الذاریات: ۲۱) کی تشریح و تفسیر میں فرماتے ہیں:

کھول کر چشم حقیقت بے گماں — دیکھ ہر شے میں ظہور جل شاں
کس گماں میں تو پڑا ہے بے خبر — حق تری صورت میں خود ہے جلوہ گر
ڈھونڈتا پھرتا ہے تو اس کو کہاں — جو تری ہستی کے اندر ہے نہاں

حضرت سرمد اسی معیت و عینیت کے ضمن میں فرماتے ہیں:

اے آں کہ شب و روز خدا می طلبی — کورے اگر از خویش جدا می طلبی
حق با تو بہر زمان سخن می گوید — سر تا قدمت منم، کجا می طلبی؟

(اے وہ شخص جو دن رات خدا کو تلاش کر رہا ہے، تو نابینا ہے کہ اس کو اپنے سے الگ ڈھونڈ رہا ہے-حق تعالیٰ تجھ سے ہر لحہ یہ فرما رہا ہے کہ تیرے سر سے پاؤں تک میں ہی ہوں، تو کہاں مجھے ڈھونڈ رہا ہے؟)

مولانا روم اسی مقام سے خبر دے رہے ہیں:

اتصال بے تکیف بے قیاس — ہست رب الناس را با جانِ ناس

رب تعالیٰ کو انسان سے بے کیف و بے قیاس و اندازہ اتصال و میل ہے-

حضرت تراب علی قلندر کاکوروی فرماتے ہیں:

گر آرسی ہو صاف تو چہرہ نظر آئے
حق چمکے ہے اس دل میں نہ ہو جس میں کدروت
جب تک خودی ہے تب ہی تلک ہے خدا جدا
غیبت گر آپ سے ہو تو حق کا ظہور ہے

آئینۂ دل کو جب تک خودی کے زنگار سے صاف نہیں کیا جاتا، اس میں محبوب کا عکس نہیں آسکتا-شیخ سعدی فرماتے ہیں:

سعدی حجاب نیست تو آئینہ صاف دار
زنگار خوردہ گے بنماید جمال دوست

(سعدی! تجھ میں اوراس میں کوئی پردہ نہیں ہے تو آئینۂ دل کو صاف رکھ کیوں کہ زنگ خوردہ اورمیل وکچیل والا آئینہ دوست کے جمال کو کیسے دکھاسکتا ہے؟)

تیری خود بینی حجاب اس نور کا ‏ — کاش تو خود سے نکل کر دیکھتا
(نغمات)

سلطان العارفین حضرت سیدنا علی مرتضی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں:

وتزعم انک جرم صغیر — وفیک انطوئ العالم الاکبر

(تواپنے آپ کوایک حقیر ومعمولی ذرہ سمجھ رہاہے، حالانکہ تیری ذات میں ایک بڑاعالم پوشیدہ ہے-)

بے خبر اک راز کی دنیا ہے تو — شان حق کی تجھ سے ہوتی ہے نمو
تیری رگ رگ میں تجلی ہے نہاں — تو سراپا ہے نشان بے نشاں
تیری ہستی ہے ظہور حسن ذات — تو حقیقت میں ہے نور کائنات
تجھ میں شنوا اور بینا ہے وہی — شعر کے پردہ میں گویا ہے وہی

موحد کا مرتبہ بہت اعلیٰ ہے، موحد کامل وہ ہے جو توحید حق اوراس کی وحدت میں استوار، مضبوط اور یکتا وڈوبا رہے اور یگانگی حق کے سوا کچھ نہ دیکھے- ذات حق میں ایک ہو، اپنی خودی وغیریت سے بالکل فارغ اور عینیت حق میں مستغرق ہو، ہرشئے میں اسی کا جلوہ دیکھتا ہو، ہرکام حق تعالیٰ سے کرتا ہو، اس کی بصارت وبصیرت ایک ہوچکی ہو-

توحید کا مقام سب سے بلند ہے حضرت خواجہ باقی باللہ دہلوی نقش بندی فرماتے ہیں:

''عارف کے لیے اس سے بلند مقام کوئی نہیں- اس مقام میں فنائے کلی، انعدام صرف ہے، یہ کلیہ فنا کے مقام سے ہے- سالک کے لیے جو کچھ ضروری ہے وہ یہی خیال وحدت ہے- رات دن اسی کی کوشش کرنا چاہیے کہ کثرت موہومہ جو بعنوان غریب نظر میں آتی ہے، نظر سے ساکت ہوکر وحدت کا آئینہ ہوجائے اور سالک ایک کے سوانہ دیکھے، نہ جانے اور نہ پڑھے ؎

دو مبیں و دو مداں و دو مخواں — خواجہ را در بندۂ خود محو داں

تم اگر سالہا سال عبادت گزاری وفرماں برداری اوراذکار واشغال میں مشغول رہو اور وحدت سے غافل رہو تو وصل سے محروم رہوگے-(حقیقۃ الحقائق مترجمہ حافظ شبیب انور علوی سلمہ)

توحید کی چار قسمیں ہیں:

(۱) توحید اسمائی یعنی تمام اسماء جملہ موجودات کو اسماء الٰہی جانے-
(۲) توحید افعالی یعنی تمام افعال جملہ موجودات کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرے-
(۳) توحید صفاتی یعنی تمام صفات موجودات کو صفات الٰہی جانے-

(۴) توحید ذاتی یعنی تمام موجودات میں ذات واحد کے سوا کچھ نظر نہ آئے-

ان سطور کے بعد صاحب نغمات کے وحدت کے بیان کوملاحظہ فرمایئے اوراس میں گم ہوجایئے- شاہ تراب علی قلندر قدس سرہ اسی عینیت و یک رنگی کی مثال دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

جیسے موجیں عین دریا ہیں حقیقت میں ترابؔ
ویسے عالم عین حق ہے غیر حق عالم نہیں

نور کے پردہ میں پنہاں ہے وہی — اوراس پردہ سے عریاں ہے وہی
ہر طرف ہر سمت ہے جلوہ نما — بس اسی کی ذات بے چون وچرا
حور وغلماں جن وانساں اور پری — سب ہیں اس کے نور کی جلوہ گری
(نغمات)

غور سے دیکھو تو کوئی بھی نہیں — ماسوائے ذات رب العالمیں
از زمیں تا آسمان کبریا — بس خدا ہے بس خدا ہے بس خدا
(نغمات)

غیریت وبے اعتباری کے پردہ میں پوشیدگی، گم گشتگی کے صحرا میں بے دست و پا لا کر چھوڑ دیتی ہے، ورنہ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللهِ (البقرہ:۱۱۵) کا مشاہدہ دم نقد ہوتا ہے-

علم کی غیرت نے ڈالا دور سب کو یار سے
ورنہ ہرصورت میں دیکھو جلوۂ محبوب ہے
زمیں سے تا بہ فلک بلکہ اور عرش تلک
جو دیکھتا ہوں تو سارا وجود ہے اپنا

صاحب نغمات نے حدیث قدسی ''کنت کنزا مخفیا الخ میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا الخ کی تفسیر میں ۱۲۳ اشعار بڑی سلاست سے پیش فرمائے ہیں:

باعث تخلیق آدم عشق ہے — پیکر آدم مجسم عشق ہے
عشق ہے اسرار حق کا رازداں — عشق ہے مقصود حرف کن فکاں
ذرہ ذرہ عشق میں سرشار ہے — جملہ عالم عشق کا اظہار ہے
عشق ہے نور ظہور کبریا — عشق ہے وجہ نمود مصطفیٰ
حامل راز خدائی عشق ہے — اور سر مصطفائی عشق ہے

حقیقت محمدی اور مقام نبوی سے واقف ہونے کے لیے کلام پاک کی جانب رجوع کیجیے تو پتہ چلے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اسمائے حسنیٰ رؤف، رحیم، مومن، خبیر، علیم، وغیرہ سے ہی موسوم

نہیں فرمایا بلکہ آپ کے عمل کو اپنا عمل قرار دیا" وَمَا رَمَیْتَ إِذْ رَمَیْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى" جب آپ نے پھینکا تو آپ نے نہیں پھینکا بلکہ درحقیقت وہ اللہ نے پھینکا تھا- (الانفال:۱۷) "إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ" جولوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ سے بیعت کرتے ہیں- اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے- (الفتح:۱۰) "مَّنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ" جو رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرتا ہے وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے- (النساء:۸۰) اسی مقام سے زبان نبوت ارشاد فرماتی ہے کہ "من رآنی فقد رأى الحق" جس نے مجھے دیکھا اس نے حق کو دیکھا- (صحیح مسلم، الرؤیا) شاعر بارگاہ رسالت حضرت حسان بن ثابت انصاری فرماتے ہیں:

وضم الاله اسم النبی الی اسمه
اذا قال فی الخمس الموذن أشهد
وشق له من اسمه لیجله
فذو العرش محمود وهذا محمد

(اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کے نام نامی کو (محبت و یگانگت کی بنا پر) اپنے نام میں ضم کرلیا اور وہ اس طرح کہ جب موذن پانچ وقت کی اذان میں **اشھدان لا الہ الا اللہ** کہتا ہے تو اسی کے ساتھ **اشھدان محمدا رسول اللہ** بھی کہتا ہے- اس نے آپ کی تعظیم و تکریم کی خاطر آپ کے نام مبارک کو اپنے ہی نام سے نکالا اور وہ اس طرح کہ عرش والا محمود ہے اور آپ محمد، اور دونوں ناموں کا مادہ "حمد" ایک ہے-)

ارباب تحقیق نے لکھا ہے کہ کلام پاک کی آیت مبارکہ "قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَاداً لِّكَلِمَاتِ رَبِّيْ الخ" (الکہف:۱۰۹) اے رسول! آپ ان لوگوں سے فرمادیجیے کہ اگر تمام سمندروں کے پانی کی روشنائی بن جائے اور آپ کے پروردگار کے کلمات یعنی آپ کی تمام صفات حمیدہ اور خصائل ظاہری و باطنی کو بیان کیا جائے تو سمندروں کی روشنائی ختم ہوجائے گی-

دفتر تمام گشت و بہ پایاں رسید عمر   ماہم چناں دراول وصف تو ماندہ ایم

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ وہ تمام آیات جن میں حضور ﷺ کی برابری و مساوات معلوم ہوتی ہو وہ متشابہات کے مثل ہیں، جیسے اللہ تعالیٰ اپنے نور کی مثال یوں دیتا ہے "مَثَلُ نُورِهِ كَمِشْكَاةٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ" (اس کا نور ایسا ہے جیسے طاقچہ میں چراغ- النور:۳۵) اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ نور الٰہی چراغ جیسا ہے- اسی طرح کوئی یہ نہیں سوچ سکتا کہ حضور ﷺ نعوذ باللہ ہم جیسے بشر ہیں-

محمد بشر لا كالبشر   بل هو ياقوت بين الحجر

محمد ﷺ بشر تو ہیں مگر عام بشر جیسے نہیں، آپ کی مثال ایسی ہے جیسے پتھروں میں یاقوت

مرزا اسد اللہ خاں غالب کہتے ہیں-

حق جلوہ گر ز طرز بیان محمد است   آرے کلام حق بزبان محمد است

رسول اکرم اروا حنا فداہ ﷺ آئینۂ حق ہیں جس کے دو رخ ہیں اور اگر ایسا نہ ہوتا تو کائنات کی حقیقت بے معنی ہوتی اور اس کا قالب بے فیض ہوتا- آئینہ کا ایک رخ اللہ کی طرف ہے جہاں سے ارشاد ہوتا ہے "وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ" (النجم:۴،۳) وہ اپنی خواہش اور مرضی سے کچھ نہیں فرماتے- ان سے تو جو کچھ اللہ فرماتا ہے وہ وہی فرماتے ہیں-

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود   گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

اور دوسرا رخ مخلوق کی طرف ہے جس سے ارشاد ہے "إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ الخ" بے شک میں تم جیسا بشر ہوں- (الکہف:۱۱۰) حضرت شاہ بوعلی قلندر پانی پتی قدس سرہ فرماتے ہیں-

تو بودی معنی آدم عزازیلے اگر داند   زاول روز تا محشر نمی برداشت پیشانی

(آپ آدم اور آدمیت کا سر ہیں، اگر شیطان کو یہ معلوم ہوجاتا تو وہ قیامت تک سجدہ سے پیشانی نہ اٹھاتا)

نہ پیچیدہ سر از طاعت اگر ابلیس دانستے
کہ مثل تو چوں فرزندیست در ذریت آدم

(اگر شیطان کو یہ پتہ چل جاتا کہ حضرت آدم کی اولاد میں آپ جیسی ہستی ہوگی تو وہ ان کو سجدہ کرنے سے کبھی انکار ہی نہیں کرتا-)

کلام پاک کی بے شمار آیات میں آں حضرت ﷺ کی بارگاہ میں ادب و تعظیم و تکریم میں غلو کا بھی حکم ہے- سورۂ حجرات میں تو صاف صاف فرمادیا کہ اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو نبی کی آواز سے بلند مت کرو اور جس طرح آپس میں گفتگو کرتے ہو، اس طرح ان سے گفتگو نہ کرو، ایسا نہ ہو کہ تمہاری ذرا سی بے ادبی تمہارے سارے نیک اعمال کو برباد کردے اور تم کو خبر بھی نہ ہو- (الحجرات:۲) دوسری جگہ ارشاد باری ہے، "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انظُرْنَا" (البقرۃ:۱۰۴) اے ایمان والو! حضور سے یہ مت عرض کرو کہ ہمارا خیال کیجیے بلکہ یوں عرض کرو کہ ہمارے اوپر نظر کرم فرمائیے- عزت بخاری کا ایک شعر ہے-

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

یعنی زیر آسمان ایک ایسی بھی جائے ادب ہے جو اپنی عظمت ورفعت اورنزاکت میں عرش سے زیادہ ہے اور جہاں حضرت سید الطائفہ سرگروہ ارباب صحو جنید بغدادی اور سرخیل ارباب سکر حضرت سیدنا بایزید بسطامی جیسے کاملین دم بخود ہیں، اوراخیر میں اسی فیصلہ پر بات ختم کرنی پڑتی ہے ۔

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم　　　کاں ذات پاک مرتبہ دان محمد ست

(غالب! ہم نے آقائے دوجہاں کی حمد وثنا کو خدائے بزرگ وبرتر کے لیے چھوڑ دیا، وہی پاک ذات سرکاردوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقام ومرتبہ جانتی ہے-)

ان تمہیدی کلمات کے بعد حضرت صاحب نغمات کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

عالم تنزیہ سے نور خدا　　　شان تشبیہی میں ہے جلوہ نما
شکل احمد میں ہے متشکل احد　　　ہر تجلی میں ہے متجلی صمد
بے گماں بے کیف بے چون وچرا　　　یوں ہی احمد میں احد ہے خودنما
خود کلام اللہ میں ہے یوں رقم　　　بے ادب لاترفعوا اصواتکم
جو ہو گستاخ رسول کبریا　　　عین کافر ہے وہ مردود خدا
حکم ربی ہے کہ من یطع الرسول　　　غور سے اس کو سمجھ اے بوالفضول
آپ کی عظمت عیاں بے قال وقیل　　　آپ کی رفعت مسلم بے دلیل
اللہ اللہ عظمت شاہ رسل　　　فہم مخلوقات سے بالا ہے کل
وہ بشر ایسا بشر ہے بالقیں　　　جس کے آگے سر بہ خم روح الامیں
اس کا کوئی مثل اور ثانی نہیں　　　وہ سراپا نور رب العالمیں
من رآنی سے یہ عقدہ حل ہوا　　　آپ ہیں آئینۂ ذات خدا

صاحب نغمات نے اولیاء اللہ کی عظمت وشان ،شریعت وطریقت وحقیقت، شیخ کامل کی ضرورت واہمیت وغیرہ کے ضمن میں بھی اشعار قلم بند فرمائے ہیں- نبوت کا خزانہ بند ہو چکا ہے مگر ولایت کا خزانہ ابدالآباد تک صرف میں ہے- حدیث شریف میں ہے کہ ”**واشوقاہ الی لقاء اخوانی من بعدی**“ مجھے اپنے ان بھائیوں سے ملنے کا بڑا اشتیاق ہے جو میرے بعد ہوں گے- یہ وہی حضرات ہیں جن کے لیے ارشاد ہے ”**ھم القوم لا یشقی بھم جلیسھم**“ وہ ایسے لوگ ہیں جن کے پاس بیٹھنے والا بد بخت نہیں ہوتا- (صحیح مسلم، باب فضل مجالس الذکر) سلسلۂ عالیہ چشتیہ کی ایک عظیم المرتبت شخصیت حضرت شیخ ابوجعفر حسینی مکی قدس سرہ ۱۰/ ذی الحجہ ۸۲۴ھ کے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

”حضرت صمدیت جلت قدرتہ کے ایسے محب بھی روئے زمین پر ہیں کہ خط دین کے قواعد ان کے اقدام صدق سے معمور ہیں اور آدم وآدمیت کا سران کے احوال کے جمال سے پاک ہے-

وہ عرض ولایت کے سلطان اور بارگاہ عنایت کے ستون ہیں- ان کی ہمت کا ہما سوائے قاب قرب کے کہیں نہیں بیٹھتا- ان کی دولت کا عنقا سوائے سدرۂ کبریائی کے کہیں قرار نہیں پاتا- وہ وحدت کے ایسے شاہباز ہیں جن کی ہمت کی اکسیر بادیۂ جہالت کے مردود کو خالص سونا بنادیتی ہے- وہ جناب حضرت صمدیت کے ایسے پاکباز ہیں جن کے مبارک انفاس کی برکت سے وہ گمراہوں اور ظالموں کو قبول کر کے مقبول بنادیتا ہے- یہ محبوب حضرت لایزالی کے شہباز صحرائے محبت میں ڈیرے ڈالتے ہیں لیکن دیکھنے والوں کو آنکھیں میسر نہیں کہ وہ ان حضرات کے محرم ہو سکیں“

حدیث قدسی ہے ”**عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان اللہ تعالیٰ قال من عادیٰ لی ولیا فقد آذنتہ بالحرب وماتقرب الی عبدی بشیٔ احب الی مما افترضت علیہ ومایزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احببتہ فاذا احببتہ کنت سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصر بہ ویدہ التی یبطش بھا ورجلہ التی یمشی بھا وان سألنی لاعطینہ ولئن استعاذنی لاعیذنہ**- (بخاری، کتاب الرقاق، باب التواضع)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یقیناً اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس نے بھی میرے ولی سے دشمنی رکھی، اس کو میں اپنے سے لڑائی لڑنے سے خبردار کرتا ہوں- میرے بندے نے میری طرف اس چیز سے زیادہ کسی چیز سے میرا قرب حاصل نہیں کیا جو میں نے اس پر فرض کی- وہ نوافل کے ذریعے مسلسل میرا قرب ڈھونڈتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس کو چاہنے لگتا ہوں اور جب میں اس کو چاہنے لگتا ہوں اور دوست بنالیتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے- وہ اگر مجھ سے کچھ مانگتا ہے تو اس کو دیتا ہوں اور پناہ چاہتا ہے تو پناہ دیتا ہوں......ع

میں جو اس کا ہوگیا وہ ہوگیا میرے لیے

اس کا ہر عمل حق تعالیٰ کا عمل بن جاتا ہے- حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ ولی وہ ہے جس کو دیکھنے سے خدا یاد آئے یعنی اس کی شخصیت میں ایمان وتقوی کی یکجائی ہو ”الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَ کَانُوْا یَتَّقُوْنَ“ جو ایمان لائے اور تقوی اختیار کیے-(یونس: ۶۳)

عارف رومی فرماتے ہیں ۔

صحبت مرداں اگر یک ساعت است　　　بہتر از صد خلوت وصد طاعت ست

(مردان خدا کی ایک گھڑی کی صحبت وہم نشینی سیکڑوں خلوت واطاعت گزاری سے کہیں بہتر ہے)

اولیاء اللہ ہیں سر تا بپا　　　نائب حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جونہیں ملتی ریاضت سے وہ شے — اولیاء اللہ کی صحبت میں ہے
اولیاء اللہ کو جو پا گیا — وہ خدا و مصطفٰی کو پا گیا
جس کا چہرہ عین وجہ اللہ ہے — جس کی ہستی نور الا اللہ ہے
اے خوشا وہ دل کہ صورت آشنا — جو ہو دنیا میں کسی درویش کا

صحیح مسلم شریف کی حدیث ہے **عن عبداللہؓ ابن عمر من خلع یدا من طاعة لقی اللہ یوم القیامة لا حجة له و من مات و لیس فی عنقه بیعة مات میتة جاهلیة** ''حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ جس نے اپنا ہاتھ (امیر کی) اطاعت سے اٹھالیا وہ قیامت کے روز اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ اس کے پاس کوئی حجت نہ ہوگی اور جو شخص اس حال میں مرا کہ اس کی گردن میں کسی کی بیعت نہیں وہ جاہلیت کی موت مرا۔'' (مسلم، الامارۃ، باب الامر بلزوم الجماعۃ عند ظہور الفتن)

خوبیٔ قسمت سے جس کسی کو پیر کامل مل جائے تو اس کے ہاتھ کو خدا کا ہاتھ جانے اور سمجھے اور بیعت کے بعد اپنے کو بالکل اس کے سپرد کردے اسی طرح جس طرح مردہ اپنے نہلانے والے کے ہاتھ میں ہوتا ہے (**کالمیت بید الغسال**) مرید پر فرض ہے کہ وہ اپنا جان و مال اولاد سب پیر پر نثار کردے اور اس کے حکم سے بال برابر انکار نہ کرے اور دل میں اس بات کا پورا یقین رکھے کہ اگر پیر غلطی بھی کرے تو اس کی غلطی میں بھی مجھ کو فائدہ ہوگا، برخلاف اس کے کہ اپنی رائے اور مرضی سے سیدھے راستہ پر جائے۔ اس سلسلے میں ہمہ وقت حضرت موسیٰ اور حضرت خضر کے واقعات یاد رکھے کیوں کہ جو مرید اپنی مراد و ارادت کی راہ پر چلتا ہے وہ مراد کا مرید ہے نہ کہ پیر کا، مریدی دراصل پیر پرستی ہے، مولانا جلال الدین رومی قدس سرہ فرماتے ہیں ؎

چوں کہ کردی ذات مرشد را قبول — ہم خدا در ذاتش آمد ہم رسول

مرید بیعت ہونے کے بعد یہ امید نہ رکھے کہ پیر سب سے بڑا عبادت گزار، معصوم عن الخطا اور تسبیح و مصلیٰ سے ہر وقت وابستہ ہو، وہ اپنی ظاہری آنکھوں سے پیر کے شب و روز کے اوقات نہ دیکھے بلکہ دل کی آنکھوں سے دیکھنے کی کوشش کرے اور ہر وقت اس خیال سے بچتا رہے کہ پیر کے کسی ظاہری عمل کو دیکھ کر شک پیدا ہوا اور گویا ابوجہل و ابولہب وغیرہ کی آنکھوں سے رسول اللہ ﷺ کے دیدار سے پناہ مانگتا رہے۔ اپنے پیر سے اپنے تمام حالات عرض کرتا رہے اور حاضر و غائب میں اس کی طرف متوجہ رہے ؎

حاضر و ناظر مرید اس طرح جانے پیر کو
جس طرح احوال بندہ سے خدا آگاہ ہو

پیر کے مقبول کو مقبول، مردود کو مردود اور مخالف و موافق کو اپنا مخالف و موافق سمجھے اور پیر

ہرات حضرت خواجہ عبداللہ انصاری قدس سرہ کے اس ارشاد کو حرز جاں بنالے:

''ہر کہ با پیر تو بد باشد و تو نیک، سگ از تو بہتر ست'' (جو کوئی تمہارے پیر کا بدخواہ و مخالف ہو اور تم اس کے خیر خواہ ہو تو جان لو کہ کتا تک تم سے بہتر ہے) کہ وہ اپنے مالک کے لیے کسی کی ترچھی نگاہ بھی برداشت نہیں کرتا۔

مذکورہ بالا سطور کے بعد اب صاحب نغمات کے الفاظ ملاحظہ کیجیے:

گوش دل سے سن تو قول بوسعیدؒ — شیخ ہے اس راہ کی اول کلید
شیخ سے گمراہ کرے جو آدمی — درحقیقت وہ ہے شیطان قوی
شیخ ہے اپنے مریدوں میں یوں ہی — جس طرح سے اپنی امت میں نبی
شیخ کی صورت ہے ایسا آئینہ — جلوہ گر جس میں خدا و مصطفٰی
جس کا کوئی مرشد و رہبر نہیں — اس کا رہبر نفس و شیطاں بالیقیں
گر ہے تیرے پاس علم موسوی — جستجو کر پھر بھی خضر وقت کی
صدق دل سے بے محابا اے پسر — امر و نہی شیخ کو تسلیم کر
اختلافی مسئلہ میں ہر گھڑی — پیروی واجب ہے اپنے شیخ کی
شیخ کی روحانیت کو ہر زماں — حاضر و ناظر سمجھ تو اے جواں

علاوہ ازیں حضرت ناظم موصوف نے سماع و وجد، شریعت، طریقت، حقیقت اور معرفت، تصوف کی فضیلت، فقیہان خشک اور صوفیان جاہل، علمائے سوء، شان علمائے برحق، شرائط درویشی و شیخی، طالبانِ حق کے لیے پند و نصائح، اذکار و اشغال اور مناجات کے عناوین کے تحت بہت کچھ نظم فرمادیا ہے جو یقیناً طالبین و سالکین کے لیے لائق عمل و مشعل راہ ہے۔

اگر تفصیل کا خوف دامن گیر نہ ہوتا تو ضرورت اس بات کی تھی کہ ہر ہر بات کی تشریح و تفصیل اور توجیہ و تعبیر میں دفتر سیاہ کیا جاتا۔ آں جناب موصوف نے راقم السطور سے حکم فرمایا چنانچہ پاس خاطر اور دیرینہ تعلق نے اس امر پر مجبور کیا کہ مثنوی کی بابت اپنے نامۂ اعمال کی طرح چند اوراق سیاہ کردیے جائیں۔ اُمید ہے کہ یہ مثنوی ارباب تصوف کے یہاں پذیرائی حاصل کرے گی اور مشعل راہ ثابت ہوگی۔

○○○

روحانی تجربات ومشاہدات پر مبنی شاعری

شاعری جذبے اور احساس کے اظہار کا نام ہے۔ ہم بسا اوقات اپنے جذبات و احساسات سے واقف ہونے کے باوجود انہیں بیان کرنے سے قاصر ہوتے ہیں۔ یہ ملکہ شاعر کو حاصل ہے کہ وہ اپنے ہی نہیں، دوسروں کے جذبات کو بھی اس طرح بیان کر دیتا ہے کہ جگ بیتی اور آپ بیتی کی سرحدیں ٹوٹتی نظر آتی ہیں اور بعض اوقات بہ ظاہر سادہ اشعار میں بھی معنیٰ کی متعدد تہیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ ہزار کوشش کے باوجود اور لفظ و معنی کی تلاش میں ستر ستر کنویں جھانکنے کے بعد بھی شاعر ہمت ہار جاتا ہے اور پکار اٹھتا ہے کہ جو کہنا چاہتے تھے، پوری طرح کہہ نہیں پائے۔ عام انسانی جذبات کے اظہار کا جب یہ عالم ہے تو روحانی تجربات و مشاہدات اور کشف و وجدان کے لفظی اظہار کی مشکلات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ شیخ ابوسعید شاہ احسان اللہ محمدی صفوی کی ”نغمات الاسرار فی مقامات الابرار“ بھی موضوع کے لحاظ سے ایسی ہی ایک مثنوی ہے۔ یہ اُس زمانے کی یادگار ہے جب اُن پر بالعموم استغراق اور نیم جذبی کیفیات طاری رہا کرتی تھیں۔ فرماتے ہیں:

میرے جذب و شوق کا یہ قافلہ   مثنوی کی شکل میں ہے برملا
جس طرح یہ چاہتا ہے بے خطر   کھینچ لے جاتا ہے مجھ کو سر بسر
میں ہوں اس کے پنجہ گیرا میں یوں   عقل پہ غالب ہو جس طرح جنوں
ما سوائے اہلِ دل اہلِ کمال   کون سمجھے گا زبانِ حال و قال
ذوق و حال و قال کے ہے درمیاں   میرے جذب و شوق کا یہ کارواں
حرف را بگذار معنی را بگیر   دور کن از مغز قشرش ہمچوں شیر

شاعر کو احساس ہے کہ اس کے متعدد اشعار تشریح طلب ہیں۔ اس لیے ”خاتمہ“ میں یہ تاکید کی گئی ہے کہ جہاں شکوک ہوں، کسی واقف کار سے دریافت کر لیں:

مثنوی نغمات ہے وہ مثنوی   جس میں پوشیدہ ہیں اسرارِ خفی
اعتبارات و جہات اس کے سمجھ   اصطلاحات و لغات اس کے سمجھ
گر سمجھ سے دور ہو یہ علم و فن   پوچھ مردانِ خدا سے جانِ من

اس مثنوی کے اب تک تین ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ پہلی بار ۱۹۸۸ء میں، پھر ترمیم و اضافے کے بعد ۲۰۰۴ء میں، اور مزید حذف و اضافے اور وضاحت طلب امور کی تشریح کے ساتھ تیسری مرتبہ اگست ۲۰۱۱ء میں۔ فی الوقت موخر الذکر ایڈیشن پیشِ نظر ہے جس کے پیش لفظ میں ذیشان احمد مصباحی صاحب نے یہ وضاحت کر دی ہے کہ: ”یہی اشاعت مکمل اور صحیح تر ہے۔ پچھلی دونوں اشاعتیں اس کے بالمقابل ناقص اور نامعتبر ہیں، کیوں کہ یہ اشاعت خود شیخ کے قلم سے کافی حذف و اضافے کے بعد سامنے آئی ہے۔ پچھلی اشاعتوں کے جو اشعار اس میں شامل نہیں ہیں ،انہیں منسوخ سمجھا جائے“۔ (نغمات الاسرار فی مقامات الابرار۔ الہٰ آباد۔ ۲۰۱۱ء۔ ص ۲۱)

موجودہ ایڈیشن میں ”تقدیم“ کے عنوان سے پروفیسر مسعود انور علوی کی تحریر اور ”رموزِ نغمات“ کے تحت ذیشان احمد مصباحی صاحب کے طویل حواشی بھی قابل ذکر ہیں جن کی روشنی میں مثنوی کا مطالعہ بہتر طور پر کیا جا سکتا ہے۔

اس مضمون میں اب تک جو باتیں کہی گئیں ہیں، ان سے کہیں یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ یہ از اول تا آخر ایک مشکل مثنوی ہے۔ ہرگز نہیں۔ تصوف کے نِکات سے قطع نظر، ”نغمات الاسرار“ کی زبان آسان ہے۔ نمونۂ کلام ملاحظہ ہو:

ذرّہ ذرّہ عشق میں سرشار ہے   جملہ عالم عشق کا اظہار ہے
عاشقانِ حق کی دنیا عشق ہے   عشق کے بندوں کا مولیٰ عشق ہے
ہادیِ راہِ شریعت عشق ہے   مرشد و پیرِ طریقت عشق ہے

کہنے کی ضرورت نہیں کہ الفاظ عام فہم ہیں، البتہ نفسِ مضمون مشکل ہے۔ مثنوی کا ابتدائی حصہ مختلف عنوانات کے تحت اسی نوع کے فکری اشعار پر مشتمل ہے اور بہ کثرت آیات، احادیث، اقوال اور اشاروں کنایوں سے مزین ہے۔ آگے چل کر تصوف کا اصلاحی پہلو شاعر اور قاری کے درمیان رابطے کا ذریعہ بنتا ہے۔

علم کے سینہ میں ہے جوشِ غرور   فقر کے سینہ میں ہے دریائے نور
علم کہتا ہے زباں کو پاک رکھ   فقر کہتا ہے کہ جاں کو پاک رکھ
علم ہے جویائے راہِ مستقیم   فقر ہے دانائے راہِ مستقیم
علم کا مقصود ہے راہِ نجات   فقر کا مقصود ہے عرفانِ ذات

....

عالم باللہ وہ کہلاتا ہے   جس کی صحبت میں خدا یاد آتا ہے

آہستہ آہستہ ناصحانہ رنگ حاوی ہوتا چلا گیا ہے اور اس قسم کے اشعار ہماری توجہ کا مرکز بن جاتے ہیں:

اہلِ دنیا کے لیے عقبیٰ نہیں   اہلِ عقبیٰ کے لیے دنیا نہیں

اسے سہلِ ممتنع نہیں تو اور کیا کہیں گے۔ لیکن مثنوی نگار کا اصل مقصد اپنی شعری صلاحیتوں کی داد وصول کرنا نہیں بلکہ ''اظہار مدعا'' ہے اور اسی کسوٹی پر ان اشعار کو پرکھنا مناسب ہوگا۔ کچھ اور مثالیں ملاحظہ ہوں:

زہد و تقویٰ سے مزین جو نہ ہو   اس کو درویش و قلندر مت کہو

....

جو حسد سے پاک ہو وہ آدمی   جنتی ہے جنتی ہے جنتی

....

سب سے کم تر جان اپنے آپ کو   تا کہ دل سے کبر و نخوت دور ہو
انکساری ہے صفت انسان کی   کبر و نخوت ہے صفت شیطان کی

....

دور کر دل سے تو اے مردِ خدا   کفر و شرک و بدعت و عُجب و ریا

....

کیا دھرا ہے دہرِ دوں میں بے گماں   جز فلاں ابن فلاں ابن فلاں
ماسوا سے اور امیدِ وفا   لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى

متوسلین کی رہنمائی کے لیے ضرورتِ شیخ، آدابِ بارگاہِ شیخ، سالکینِ راہِ طریقت کے مابین اختلافات کی نوعیت، شیخی و درویشی کی شرائط، وغیرہ پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ مثلاً ارادت مند کے لیے محبتِ شیخ، حسن ظن اور انکسار کو لازمی قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

بد گمانی اور تکبر بے گماں   قاطع راہِ طریقت ہے میاں

....

اعتراض و شک و انکار و کلام   شیخ کی صحبت میں ہے مطلق حرام

....

بد گمانی اور حضورِ شیخِ دیں   جس کے دل میں ہو، مرید ہرگز نہیں

''آداب مریدین'' کے عنوان سے ان ہی خیالات کا اعادہ اس طرح کیا گیا ہے:

اپنی فکر و رائے کو جو چھوڑ دے   ہر تعلق سے جو ناتا توڑ دے
تم مریدِ با صفا اس کو کہو   جس کی اپنی کوئی مرضی ہی نہ ہو
صاحبِ اخلاص ہے وہ بایقیں   جس کے دل میں حبِّ شیخ ہو جا گزیں

صاحب نغمات الاسرار نے یہ تاکید بھی کی ہے کہ مبتدی کا تعلق خواہ کسی سلسلے سے ہو، دوسرے سلسلوں کا احترام اور تمام شیوخ واکابر سے حسنِ ظن رکھنا لازم ہے۔ سچ پوچھیے تو اہلِ تصوف کا روزِ اول سے یہی شیوہ رہا ہے۔ بدقسمتی سے آج ہم اس سبق کو بھولتے جا رہے ہیں۔ اس لیے اسے یاد دلاتے رہنا ضروری ہے:

جس کسی درویش سے ہو اختلاف   اس کو بھی افضل سمجھ بے شین و کاف
جس جہت سے وہ ہے تجھ سے مختلف   اس جہت سے حق ہے اس پہ منکشف

درویشی کو ''دنیا کمانے کا ذریعہ'' بنانے والوں سے دور رہنے کا مشورہ دیتے ہوئے یہ وضاحت بھی کی گئی ہے کہ:

پیر زادہ ہو کہ سجادہ نشیں   علم کی دولت نہیں تو کچھ نہیں
علم وہبی ہو نہ کسبی ہو جسے   صوفی و درویش مت سمجھو اُسے
اُس کی صحبت سے بچ اے مردِ خدا   طالب دنیائے دوں ہو جو سدا
اس کی باتوں میں کبھی ہرگز نہ آ   گو بچھائے جال اپنے کشف کا

''شرائط شیخی و درویشی'' کا ذکر کرتے ہوئے، جن امور پر زور دیا گیا ہے، ان میں سے بعض درج ذیل ہیں:

صاحب علم و عمل ہو شیخ دیں   پیکرِ صدق و صفا صاحب یقیں
اہل سنت والجماعت سے ہو شیخ   شیخِ کامل کی اجازت سے ہو شیخ
علم و عقل و عشق کی دولت بھی ہو   صاحبِ دل صاحبِ ثروت بھی ہو
علمِ ظاہر اور باطن ہو جسے   صاحبِ ارشاد کہیے بس اُسے
علم اتنا ہو کہ غور و فکر سے   اختلافی مسئلے کو حل کرے
خوف ہو اس درجہ غالب قلب پر   اپنی ہستی سے بھی اُٹھ جائے نظر
جو کرے پابندی اکلِ حلال   اور ہو جو پیکرِ صدق مقال

اصولی نوعیت کے یہ اشعار اس قابل ہیں کہ انہیں ہمہ وقت پیشِ نظر رکھا جائے۔

المختصر ''نغمات الاسرار فی مقامات الابرار'' کی تفہیم کی دو سطحیں ہیں۔ ایک وہ جن کا تعلق علمی

مباحث اور جذب و کیفیت سے ہے اور دوسری سطح عام عقیدت مندوں کی تربیت، اصلاح فکر، تزکیۂ نفس اور ذہن سازی سے متعلق ہے۔ مثنوی کے جدید ایڈیشن (۲۰۱۱ء) میں تفہیم کے ان دونوں مراحل کو حتی الامکان آسان بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ پھر بھی مطالعے کے دوران کوئی بات بعید از فہم یا کوئی پہلو شرعی طور پر نا قابلِ قبول معلوم ہو تو اطمینانِ قلب کے لیے صاحبِ مثنوی سے رجوع کرنا مناسب ہوگا۔

فارسی اور اردو میں اخلاقی اور متصوفانہ نظموں کی ایک قابلِ قدر روایت رہی ہے۔ درسِ اخلاق اور ذہنی تربیت کے لیے یہ ایک مؤثر ذریعہ ہے۔ ''نغمات الاسرار'' کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ مؤلف کی طبیعت اس طرزِ تکلم سے فطری مناسبت رکھتی ہے۔ اس لیے ان سے یہ درخواست کی جا سکتی ہے کہ وہ تاریخِ اسلام کے سبق آموز واقعات، عام دلچسپی کی حکایتوں اور اخلاقی نوعیت کے قصوں کو اپنے مخصوص انداز میں قلم بند فرما کر اس سلسلے کو مزید آگے بڑھائیں تو اس سے نئی نسل کو بہ طور خاص مستفید ہونے کا موقع ملے گا۔ شیخ جہاں اور بہت سی مفید خدمات انجام دے رہے ہیں، وہیں ایک نیک کام اور سہی!

○○○

پروفیسر معین الدین جینابڑے

مثنوی نغمات الاسرار: ایک نعمت غیر مترقبہ

مثنوی بحر رمل مسدس غیر سالم محذوف میں کہی گئی ہے (فاعلاتن فاعلاتن فاعلن) اس کا وزن ہے رمل اور اس کے زحافات میں سبب اور وتد کی ترتیب و تکرار کا صوتی آہنگ نغمہ گروں اور موسیقاروں کو خوب بھاتا ہے۔ یہ بحر صوفیہ اور صوفی منش شاعروں میں ایک زمانے سے مقبول رہی ہے۔ غالب جیسے فن موسیقی کا درک رکھنے والے شاعر کی رمل مع اپنے زحافات کے محبوب بحر رہی ہے صرف ان کا مطلع دیوان نہیں بلکہ بیشتر مشہور غزلیں رمل کے آہنگ میں کہی گئی ہیں۔ ان کا مشہور زمانہ مطلع دیوان رمل مثمن غیر سالم محذوف (فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن) میں ہے۔ مولانا روم کی مثنوی معنوی اور مثنوی زیر بحث بعنوان ''نغمات الاسرار فی مقامات الابرار'' کی بحر ایک ہے۔ مولانا کے مرید ہندی علامہ اقبال نے مثنوی اسرار خودی اسی بحر میں لکھی ہے۔ مثنوی معنوی دنیا بھر کے صوفی حلقوں میں آج بھی ایک مخصوص لے میں پڑھی جاتی ہے۔ نغمگی رمل اور اس کے زحافات کا نمایاں وصف ہے۔ مثنوی زیر بحث کے عنوان میں اس وصف کی رعایت کا پایا جانا محض اتفاق نہیں، رمزیاتی بلاغت کا ایک جہان معانی اس میں آباد ہے، (مثنوی معنوی بھی بانسری کے تان سے شروع ہوتی ہے) عنوان کے ساتھ تمہید کے اشعار موضوع کا تعارف پیش کرتے ہیں:

طائر قدسی حقیقت آشنا ‌ ‌ لحنِ داؤدی میں ہے نغمہ سرا
سازِ الہامی ہے جس کی ہر صدا ‌ ‌ اور ندائے غیب ہے جس کی ندا
گفتگوئے حق ہے جس کی گفتگو ‌ ‌ جس کا اوّل ہی سبق ہے **وَحْدَہٗ**
نغمۂ جبریل ہے جس کی صدا ‌ ‌ صورِ اسرافیل ہے جس کی نوا
جس کو سن کر روحِ انسانی تمام ‌ ‌ روزِ اوّل سے ہے اب تک شاد کام
صاحب وجد و سماع ہیں سر بکف ‌ ‌ بےخودی میں سن کے صوتِ **لَاتَخَف**
ہوش میں آئے نہ پھر اہلِ جنوں ‌ ‌ سن کے نغماتِ **وَ لَاھُمْ یَحْزَنُوْن**

ان سات اشعار میں ہم مثنوی کے موضوع کے ساتھ صاحب مثنوی کے کمال فن سے بھی متعارف ہوتے ہیں۔ مثنوی کا موضوع فلسفۂ تصوف اور اس کا ادارہ جاتی نظام ہے اور فن کا کمال یہ ہے کہ موضوع کی دقت بیانیہ کی سلاست وروانی اور اس کے وصف تاثیر میں کسی طور حائل نہیں ہو پاتی۔ یہ موضوع اتنا اور ایسا دقیق ہے کہ اس سے دقیق تر موضوع کا ہم تصور نہیں کر سکتے۔ ہماری شعری روایات میں تصوف برائے شعر گفتن خوب است کہا گیا ہے۔ سہل است نہیں کہا گیا اس مقولے میں جس خوبی اور سہولت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ معنی آفرینی اور رعایت لفظی سے عبارت غزل کی روایت تصوف کے مسائل اور اصطلاحات کے سہارے استعارہ سازی کے بے پناہ امکانات اپنے اندر رکھتی ہے، شاعروں کی آزمائش اس میں تھی کہ وہ ان امکانات کو کس حد تک اور کس خوبی سے بروئے کار لاتے ہیں۔ غزل کی یہ روایت مشاہدۂ حق کی گفتگو میں بادہ و ساغر کہہ کر بات بنانے کی سہولت فراہم کرتی تھی۔

مثنوی ایک بیانیہ صنف ہے۔ ہر شعر میں کافیہ بدلنے کی سہولت طول کلامی میں معاون ہوتی ہے اس کے موضوعات بھی ایسے ہوتے ہیں کہ اجمال یا تو بدمزگی کو راہ دیتا ہے یا پھر مباحث کو غیر واضح اور مغلق چھوڑ دیتا ہے۔ رزم و بزم دونوں کا بیان تفصیل چاہتا ہے اور تفصیل ہی میں مزہ دیتا ہے۔ تصوف اور فلسفہ جیسے سنجیدہ موضوعات صراحت و وضاحت چاہتے ہیں۔ ٹھہر ٹھہر کر دھیمے لہجے میں دھیرے دھیرے بات آگے بڑھائی جاتی ہے، کوئی الجھن کوئی پیچ باقی نہ رہے، ہر چند کہ مثنوی کو اشارے کنایے اور استعارے سے گریز نہیں لیکن راستی اور صراحت اس کے غالب اوصاف میں ہے۔ راست بیانی سے تاثیر کا وصف پیدا کرنے کی کڑی آزمائش سے گزرنا ہر مثنوی نگار کا مقدر ہوا کرتا ہے، اس آزمائش سے کم سخن وروں کو کامیاب گذرتے ہوئے دیکھا گیا ہے۔

مثنوی ''نغمات الاسرار فی مقامات الابرار'' کا یہ وصف کسی معجزہ سے کم نہیں کہ اس کی قرأت کے دوران پڑھنے والے کی کیفیت قلب پہلے بدلتی جاتی ہے اور پھر مباحث مثنوی کی تفہیم کا آغاز ہوتا ہے یہ ہر کسی کے ظرف فہم وفراست پر منحصر ہے کہ کون کتنا سمجھ پاتا ہے۔ تاہم امر واقعہ ہے کہ اس کے پڑھنے والوں کے دلوں کے قبلے درست ہو جاتے ہیں۔ یہ محض زبانی دعوی نہیں، اس خاکسار عاصی کا ذاتی تجربہ ہے، اس کے اس تجربے میں اس کے کئی خواجہ تاش بھی شریک ہیں۔

تاثیر کے وصف سے متصف یہ بےنظیر فن پارہ ادب سے شغف رکھنے والے سالکین کے لیے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے۔

○○○

ڈاکٹر ظفر انصاری ظفر

نغمات الاسرار فی مقامات الابرار-ایک مطالعہ

داعی اسلام حضرت شیخ ابو سعید شاہ احسان اللہ محمدی صفوی دام ظلہ عہد حاضر کے ممتاز صوفی اور جلیل القدر رہنمائے طریقت ہیں، ان کی ذات اقدس صوفیہ سلف کے اخلاق و کردار اور شمائل و خصائل کی آئینہ دار ہے۔ دو چار مرتبے کی رسمی ملاقاتوں سے ہی ان کے تعلق سے مجھ پر اس حقیقت کا انکشاف ہوا کہ ان کی شخصیت میں وہ مقناطیسی قوت ہے جو ہر خاص و عام کو اپنا گرویدہ بنانے کی صلاحیت رکھتی ہے، ان کی عام گفتگو کا بھی یہ خاص انداز ہے کہ جب وہ لب کشا ہوتے ہیں تو ان کی باتوں سے علوم و معارف کے نکتہ ہائے دقیق کی گرہ کشائی ہوتی رہتی ہے اور ان کی صحبت فیض رساں میں زانوائے ادب تہہ کرنے والے افراد واشخاص یہ محسوس کرنے لگتے ہیں کہ:

یک زمانے صحبتے با اولیا   بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

زیر نظر تصنیف نغمات الاسرار فی مقامات الابرار داعی اسلام حضرت شیخ ابو سعید شاہ احسان اللہ محمدی صفوی مدظلہ العالی ہی کے رشحات قلم کا ثمرہ بیش بہا ہے جسے ان کی واردات قلبی اور کیفیات روحانی کے منظوم اظہار نامے سے موسوم کرنا زیادہ موزوں اور مناسب ہوگا، کیوں کہ بقول ذیشان احمد مصباحی ''یہ شاعری اس زمانے کی ہے جب حضرت استغراقی او رنیم جذبی کیفیات سے دوچار تھے۔'' بالعموم ایسی تصنیفات میں فنی محاسن سے زیادہ معنوی آفاق و اعمال کی اہمیت ہوتی ہے۔ لہٰذا زیر نظر تصنیف پر تنقید و تبصرہ کے وقت اس کے فنی جہات سے قطع نظر اس کے معنوی اطراف و اکناف کو ملحوظ رکھنا میری نظر میں زیادہ موزوں معلوم ہوتا ہے، حالانکہ فنی نقطۂ نظر سے بھی نغمات الاسرار فی مقامات الابرار کا پایہ کچھ کم بلند نہیں ہے اور اس جہت سے بھی زیر نظر تصنیف داعی اسلام کی جولانی طبع اور قادر الکلامی پر دلالت کرتی ہے۔

نغمات الاسرار فی مقامات الابرار کی صنفی اور ہیئتی حیثیت ایک مثنوی کی ہے، اس کی تشکیل میں بحر رمل مسدس محذوف الآخر یا مقصور الآخر کا انتخاب کیا گیا ہے جس کا وزن فاعلاتن

فاعلات فاعلن یا فاعلان ہے۔ بقول صاحب بحر الفصاحت حکیم نجم الغنی خاں نجمی رام پوری: ''اس وزن میں اکثر حقائق و معارف و حکایات علما و اہل اللہ و پند و نصائح وغیرہ بیان کی جاتی ہیں۔'' چوں کہ داعی اسلام نے زیر نظر مثنوی میں اسی مخصوص بحر و وزن کا استعمال کیا ہے جس سے اس امر کی شہادت بہم پہنچتی ہے کہ انہوں نے فن عروض کا بھی خاطر خواہ مطالعہ کیا ہے اور اس پر بھی کامل دست رس ہے صنفی اعتبار سے اس مثنوی کی ایک خاص خوبی یہ بھی ہے کہ روایتی مثنویوں کی طرح اس میں داستانی فضا نہیں پائی جاتی۔ نہ اس میں مہمات سر کرنے کا جوش وجذبہ ہے، نہ شہزادوں اور پریوں کے حسن و جمال کا بیان اور نہ ہی محیر العقول وخرق عادت باتوں کا ذکر۔ یہ مثنوی قصہ گوئی یا حکایت نگاری سے قطع نظر اپنے موضوع کے مختلف جہات و ابعاد پر علمی انداز میں روشنی ڈالتی ہے جس سے حقائق و معارف کے لاتعداد مینارے منور ہوتے ہیں۔ حجم کے اعتبار سے بھی یہ مثنوی ایسی نہیں جو قاری کے لیے گراں باری کا باعث ہو، اس کا اسلوب بھی سادہ و پرکار ہے جس کے باعث از اول تا آخر مطالعہ کرتے وقت دلچسپی کا حسن قائم رہتا ہے۔

موضوع کے اعتبار سے یہ مثنوی عرفانیات سے متعلق ہے۔ عنوانات حسب ذیل ہیں:

''حقیقت اشیا کا بیان' 'شرح: وفی انفسکم افلا تبصرون،' 'وحدت کا بیان،' نور ظہور ذات کا بیان،' 'کنت کنز مخفیا،' 'نعت حقیقت محمدی،' 'مثال' 'فضائل آداب نبوی،' 'اطاعت و پیروی آنحضرت،' 'عظمت و رفعت آنحضرت،' 'تواضع باوجود رفعت وعظمت آنحضرت،' 'شان بشریت کا بیان،' 'برزخ کبریٰ کا بیان،' 'آنحضرت پر علوم غیبیہ کے انکشافات کا بیان،' 'شان اولیا،' 'نسبت و بیعت کی مثال،' 'اولیا کی عظمت کا بیان،' 'آداب شیخ کامل،' 'طالب صادق کے لیے ضرورت شیخ اور آداب بارگاہ شیخ کا بیان،' 'سالکین راہ طریقت کے مابین اختلاف کا بیان،' 'سماع و وجد کا بیان،' 'شریعت' طریقت اور معرفت' 'تصوف کی فضیلت،' 'فقیہان خشک اور صوفیان جاہل و مکار کا بیان،' 'علمائے سوء کا بیان،' 'فضیلت فقر و تصوف،' 'شان علمائے برحق،' 'شرائط شیخی و درویشی،' 'آداب مریدین،' 'استقامت،' 'طالبان حق کے لیے پند و نصائح،' 'اذکار و اشغال کا بیان،' 'مناجات بدرگاہ قاضی الحاجات،' 'اور خاتمہ۔

منقولہ بالا عناوین سے اس بات کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ'' مثنوی نغمات الاسرار فی مقامات الابرار'' کس نوع کی تصنیف ہے اور اسے احاطۂ تحریر میں لانے کے پس پشت داعی اسلام کے کون سے مقاصد کار فرما ہیں۔ شیخ کامل ابوسعید شاہ احسان اللہ محمدی صفوی کی ذات اعلیٰ صفات سراپا تبلیغ دین متین و اشاعت اسلام ہے، اس لیے زیر نظر تصنیف میں حضرت نے ان ہی موضوعات کی صراحت فرمائی ہے جو تفہیم دین سے متعلق ہیں، ان کے مطابق دین کے ظاہری و

باطنی دونوں پہلوؤں کا عرفان و ادراک لازمی ہے۔ دین کا ظاہری پہلو علم اور باطنی پہلو عشق ہے اور جب تک علم کے پہلو میں عشق کی آگ روشن نہیں ہوتی تب تک علم ادھورا اور نامکمل رہتا ہے جس کی طرف علامہ اقبال نے مندرجہ ذیل شعر میں واضح طور سے اشارے کیے ہیں:

عشق کی تیغ جگر دار اڑالی کس نے
علم کے ہاتھ میں خالی ہے نیام اے ساقی

کسی انسان کے اندر علم اور عشق دونوں کی کارفرمائی ہوتی ہے تبھی وہ عارف کامل اور بندۂ مومن بنتا ہے اور یہ عقیدہ ہمارے اکثر و بیشتر ائمہ وصوفیہ کا رہا ہے جو ارباب نظر سے پوشیدہ نہیں اور یہاں جس کی وضاحت کرنا میں ضروری نہیں سمجھتا ہوں۔ داعی اسلام نے اس مثنوی کے آغاز میں بطور تمہید سات شعر کہے ہیں جن میں اسرار و رموز کی ایک دنیا آباد ہے۔ اشعار ملاحظہ ہوں:

طائر قدسی حقیقت آشنا — لحنِ داوٗدی میں ہے نغمہ سرا
سازِ الہامی ہے جس کی ہر صدا — اور ندائے غیب ہے جس کی ندا
گفتگوئے حق ہے جس کی گفتگو — جس کا اوّل ہی سبق ہے وَحدَہٗ
نغمۂ جبریل ہے جس کی صدا — صورِ اسرافیل ہے جس کی نوا
جس کو سن کر روحِ انسانی تمام — روزِ اوّل سے ہے اب تک شادکام
صاحب وجد و سماع ہیں سر بکف — بےخودی میں سن کے صوتِ لاَ تَخَف
ہوش میں آئے نہ پھر اہلِ جنوں — سن کے نغماتِ وَ لاَ ھُمْ یَحزَنُوْن

محولہ اشعار میں روز اول کی کیفیات کا بیان کیا گیا ہے جب رب اکبر نے اپنی ربوبیت کا اظہار کیا تھا اور جس کی گواہی تمام ارواح نے دی تھی، ان اشعار کے بعد مثنوی کا باضابطہ آغاز ہوتا ہے اور مختلف عنوانات سے ابواب قائم کر کے حقائق و معارف کے گوناگوں گوشوں پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

حقیقت اشیا کا بیان

یہ بات بلا خوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ ماننے کے لیے جاننا ضروری ہے جب تک ہم کو کسی کی شخصیت کا عرفان حاصل نہیں ہوتا ہم اس کو اپنے قلب ونظر کا مرکز نہیں بناتے۔ اس لیے معرفت کو عقیدہ کی اساس مانا جائے تو شاید غلط نہ ہوگا۔ ذات باری تعالیٰ کے عرفان و ادراک کے لیے بھی مظاہر قدرت و مناظر فطرت کی چھوٹی سے چھوٹی چیزوں پر نگاہ تفکر ڈالنا چاہیے، کیونکہ کائنات کا ہر ذرہ اس کی ربوبیت کی شہادت پیش کرتا ہے۔ اسی نکتے کی وضاحت شیخ کامل نے اس باب میں فرمائی ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

سازِ ہستی پردۂ الہام ہے — نغمۂ تارِ نفس پیغام ہے

تار کیا ہے یار کی آواز ہے　　جو نَفَخْتُ فِیْہِ کا اک راز ہے
بے صدا و بے نوا و بے کلام　　دے رہا ہے ذرّہ ذرّہ یہ پیام
پتے پتے سے یہی ہے گفتگو　　اَشْھَدُ اَنْ لاَ اِلٰہَ اِلاَّھُوْ

شرح: وفی انفسکم افلا تبصرون

اشیائے کائنات تو خالق اکبر کے ظہور کی دلیل ہیں، لیکن انہیں کے ساتھ خود انسان کا وجود بھی خدا کے وجود کا ثبوت پیش کرتا ہے، اس لیے انسان اپنی ذات کا عرفان حاصل کر لے تو اسے ذات خداوندی کا عرفان حاصل ہو جائے گا۔ اس ضمن میں چند اشعار ملاحظہ ہوں:

کھول کر چشمِ حقیقت بے گماں　　دیکھ ہر شے میں ظہورِ جلِّ شاں
کس گماں میں تو پڑا ہے بے خبر　　حق تری صورت میں خود ہے جلوہ گر
ڈھونڈتا پھرتا ہے تو اُس کو کہاں　　جو تری ہستی کے اندر ہے نہاں
چشمِ احول بیں سے پوشیدہ رہا　　اے دریغا جلوۂ نورِ خدا
تیری خود بینی حجاب اُس نور کا　　کاش تو خود سے نکل کر دیکھتا
بے خبر اک راز کی دنیا ہے تو　　شانِ حق کی تجھ سے ہوتی ہے نمو
تیری رگ رگ میں تجلّی ہے نہاں　　تو سراپا ہے نشانِ بے نشاں
تیری ہستی ہے ظہورِ حسنِ ذات　　تو حقیقت میں ہے روحِ کائنات

منقولہ اشعار میں بنی نوع انسان کی عظمت و بزرگی کو بھی ظاہر کرنے کی سعی مستحسن کی گئی ہے، چوں کہ حضرت انسان ذات باری تعالیٰ کا مظہر اور خلیفہ فی الارض ہے اس لیے بلا امتیاز رنگ و نسل اور ذات و برادری ایک انسان کی عزت و آبرو اور رفعت و کرامت کا پاس و لحاظ رکھنا دوسرے انسان کے لیے لازمی ٹھہرتا ہے۔ تصوف کا یہ نظریہ پوری انسانیت کے لیے باعث رحمت ہے اور اس کے ذریعے ساری کائنات کی قلب ماہیئت کی جا سکتی ہے اور امن و آشتی اور اخوت و محبت کے گل سرسبد کھلائے جا سکتے ہیں۔

وحدت کا بیان

اس باب میں حضرت نے اپنے عقیدۂ توحید کا اظہار کیا ہے۔ شیخ کامل سرتاپا موحد ہیں اور وجودی و شہودی دونوں ہی نظریات کے قائل ہیں بلکہ وہ دونوں ہی نظریات کو ایک ہی سکے کے دو پہلو مانتے ہیں اور دونوں میں کوئی امتیاز قائم نہیں کرتے۔ میرے خیال کی تائید مندرجہ ذیل اشعار سے بخوبی ہوتی ہے:

گر ہے توحیدِ خدا تو بس یہی　　کچھ نہیں ہے اور سب کچھ ہے وہی

احدیت کا نور ہے وحدت میں گم　　اور وحدت پردۂ کثرت میں گم
جلوہ گر خود آپ ہے جلوہ میں گم　　پردہ اُس میں اور وہ پردہ میں گم
کون کہتا ہے کہ وہ پردہ نشیں　　پردہ کے اندر ہے اور باہر نہیں
پردہ کے اندر بھی وہ پردہ نشیں　　کس قدر بے پردہ ہے پوچھو نہیں
خود ہی پردہ اور پردہ میں وہی　　خود ہی جلوہ اور جلوہ میں وہی
از زمیں تا آسماں ہے اس کا نور　　ذرّہ ذرّہ میں اسی کا ہے ظہور

نور ظہور ذات کا بیان

اس باب میں حضرت نے ذات باری تعالیٰ کے نور سے متعلق اظہار خیال کیا ہے، ان کا یہ عقیدہ ہے کہ ہر طرف خدا ہی کے نور کی جلوہ سامانی ہے جو نص قطعی سے بھی ثابت ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اللہ نور السموات و الارض (اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے)۔ یہی نور باعث تخلیق کل ہے۔ یعنی کل کائنات کی تخلیق نور الٰہی سے ہوئی ہے۔ اس لیے کائنات کے ذرے ذرے سے نور ظہور ذات کا انعکاس ہوتا ہے لیکن اس کے مشاہدے کے لیے چشم بصیرت کی ضرورت ہے۔ بقول شاعر:

آنکھ والے تیرے جوبن کا تماشا دیکھیں
دیدۂ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے

چوں کہ شیخ اہل بصیرت بزرگ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے نور خالق کی حقیقت اور اس کے تکوینی پہلوؤں پر اپنے اشعار میں سیر حاصل روشنی ڈالی ہے۔ اس ضمن میں ان کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

ہر طرف ہر سمت ہے جلوہ نما　　بس اسی کا نور بے چون و چرا
شوقِ اظہارِ خدائی ہے وہ نور　　اور جوشِ خود نمائی ہے وہ نور
احدیت کے راز کا پردہ ہے نور　　اور اس کی ذات کا جلوہ ہے نور
خود محیطِ ہر دو عالم ہے وہ نور　　آیتِ قطعی و محکم ہے وہ نور
نور ہی سے ہم ہیں ظاہر اور تم　　نور ہی میں ہم سبھی ہیں محو و گم
نور ہی سے ہیں زمین و آسماں　　نور سے ہثردہ ہزار عالم عیاں
نور ہی کے عشق کا ہے یہ ظہور　　عشق ہی کے نور کا ہے یہ غرور
بس یہی تخلیق کی بنیاد ہے　　دو جہاں جس کے سبب آباد ہے

کنت کنزا مخفیا

پوری عبارت اس طرح ہے: **کنت کنزا مخفیا فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق۔** (میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا تو میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں تو میں نے خلق کی تخلیق کی) اس حدیث سے اس نکتے کی وضاحت ہوتی ہے کہ حسن مطلق کا یہ ارادہ تھا کہ پوری کائنات اس کے جمال دل افروز سے آشنا ہوکر اس کے جلوۂ جہاں آرا کا والہ وشیدا بن جائے۔ اس غرض سے اس نے کائنات کے تمام اشیا کی تخلیق فرمائی، اس لحاظ سے دیکھا جائے تو کائنات کا ذرہ ذرہ عشق کا مظہر ہے۔ اسی بات کا اظہار میر تقی میرؔ مندرجہ ذیل شعر میں کرتے ہیں:

عشق ہی عشق ہے جہاں دیکھو　　　سارے عالم میں بھر رہا ہے عشق

ایک دوسری حدیث سے اس بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ اگر خدائے بزرگ و برتر کو اپنے محبوب حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کرنا مقصود نہ ہوتا تو نہ وہ آسمانوں کی تخلیق کرتا اور نہ زمین کو، یہاں تک کہ وہ اپنی خدائی کا بھی اظہار نہیں کرتا۔ اس حدیث سے بھی عشق کی عظمت واضح ہوتی ہے اور یہ شق ابھرتی ہے کہ تخلیق کائنات میں عشق کی کارفرمائی مسلم ہے۔ شیخ کامل داعی اسلام حضرت ابوسعید شاہ احسان اللہ محمدی صفوی نے بھی عشق کی عظمت اور اس کے تکوینی پہلوؤں کو زیر نظر تصنیف میں روشن کرنے کی سعی بلیغ فرمائی ہے۔ بطور نمونہ چند اشعار پیش خدمت ہیں:

حاملِ رازِ خدائی عشق ہے　　　اور سرِّ مصطفائی عشق ہے
باعثِ تخلیقِ عالم عشق ہے　　　پیکرِ آدم مجسّم عشق ہے
حضرتِ حق کی امانت عشق ہے　　　روحِ آدم کی حقیقت عشق ہے
عشق ہے اسرارِ حق کا راز داں　　　عشق ہے مقصودِ حرفِ کُن فکاں
عشق ہے نورِ ظہورِ کبریا　　　عشق ہے وجہ نمودِ مصطفی

نعت حقیقت محمدی

اس باب میں شیخ کامل نے جان ایماں، رحمت دو عالم، امام الانبیا حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و رفعت اور مقام و مرتبہ پر بالتفصیل روشنی ڈالی ہے اور حقیقت محمدی کو آشکار کرنے کی سعی مستحسن فرمائی ہے۔ عرفان ذات نبوی پر مبنی بطور مثال شیخ کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

اللہ اللہ جلوۂ ذاتِ خدا　　　مظہرِ نورِ ظہورِ کبریا
کون ہے آئینۂ ذاتِ خدا　　　جز محمد مصطفی و مجتبیٰ
جو سراپا پیکرِ انوار ہے　　　جس کی ہستی مخزنِ اسرار ہے
جس کے آگے ہیں ملائک با ادب　　　جو ہے خود تخلیقِ آدم کا سبب

جس کی ہستی نورِ ربُّ العالمیں　　　جس کی صورت رحمۃٌ لِّلعٰلمیں
کون ہے جز رحمۃٌ لِّلعٰلمیں　　　قبلہ گاہِ اوّلین و آخریں
فخر موجودات ہے کس کا وجود　　　کون ہے فرماں روائے ہست و بود
صاحبِ لولاک ہے کس کا وجود　　　صورتِ آدم میں ہے کس کی نمود
کس کی ہستی ہے شفیعُ الْمُذْنِبِیں　　　کون ہے محبوبِ ربُّ الْعٰلَمِیں
حامد و محمود و احمد کون ہے　　　ماسوائے حق محمد کون ہے
خود محمد حامد و محمود ہے　　　خود محمد ساجد و مسجود ہے
خود محمد صورتِ رحمن ہے　　　خود محمد جلوۂ سبحان ہے
خود محمد مصحف قرآن ہے　　　خود محمد حجت و برہان ہے
خود محمد کاشفِ اسرار ہے　　　خود محمد پیکرِ انوار ہے
خود محمد سرِّ سرُّ اللہ ہے　　　خود محمد روحِ رُوح اللہ ہے
گو بظاہر ہے سراپا عبدہٗ　　　پر حقیقت میں ہے نور وحدہٗ
بے گماں وہ نور ہے سر تا بپا　　　عین ظاہر میں رسولِ کبریا
یعنی ذاتِ پاک کا بھیجا ہوا　　　غیب سے سوے شہادت برملا
جس کو بھیجا اس نے وہ خود آگیا　　　جلوۂ ہستی میں بے چون و چرا
کس کو بھیجا اس نے یہ سوچو ذرا　　　ما سوائے ذات جب کوئی نہ تھا
کس کو بھیجا اس نے مخلوقات میں　　　کون ظاہر ہے یہ موجودات میں
اوّل و آخر اسی کی ذات ہے　　　باطن و ظاہر اسی کی ذات ہے
ذاتِ واجب آپ ہے جلوہ نما　　　نور کے پردہ میں بے چون و چرا

مثال

یہ باب نعت حقیقت محمدی سے متعلق ہی ہے۔ اس میں یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے نور الٰہی اور نور محمدی کے درمیان عقلی نسبت اور مادی رشتہ نہیں ہے، کیوں کہ نور خدا مقام تنزیہہ میں ہے، اس لیے وہ ہر مثال و مثالیت سے منزہ و مبرا ہے۔ یہاں جو مثالیں پیش کی گئی ہیں وہ محض برائے تفہیم ہیں، کیونکہ دونوں کے درمیان عقلی نسبت اور مادی رشتہ اگر قائم کیا جاتا ہے تو وہ شرک کا مصداق ہوگا۔ شیخ کے موحد ہونے کا ثبوت مندرجہ ذیل اشعار پیش کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہوں:

جیسے قطرہ میں ہے دریا کی نمود　　　جیسے ذرّہ میں ہے صحرا کا وجود
روشنائی جس طرح سے حرف میں　　　آبِ شیریں جس طرح سے برف میں

یوں محمد میں خدا ہے جلوہ گر　　جیسے آئینہ میں آئینہ نگر
بے حلول و اِتحادو اِتصال　　آئینہ میں آئینہ ہیں کا جمال
پھول میں خوشبو نہاں ہے جس طرح　　جسم کے پردہ میں جاں ہے جس طرح
چشمِ بینا میں بصارت جس طرح　　گوشِ شنوا میں سماعت جس طرح
یوں ہی احمد میں احد ہے خود نما　　بے گماں بے کیف بے چون و چرا
بے حلول و اتحاد و اتصال　　حاصل ہے اس کو وصالِ ذوالجلال
لاشک اللہ بے شک اللہ یاد کن　　سینہ را از عشقِ او آباد کن

فضائل آدابِ نبوی

اس باب میں محبوب کردگار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و آداب بیان کیے گئے ہیں اور یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی ہے کہ رسول خدا کا عزت و احترام ہر مومن و مسلم کے لیے فرض عین کا درجہ رکھتا ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی اپنی آواز نبی کی آواز سے اونچی مت کرو۔ اس ضمن میں حضرت داعی اسلام کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

جو محمد مصطفیٰ کا ہے ادب　　بے شک و شبہ وہی آدابِ رب
خود کلام اللہ میں ہے یوں رقم　　بے ادب لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَکُمْ
جو محمدؐ مصطفیٰ سے پھر گیا　　در حقیقت وہ خدا سے پھر گیا
منکر تعظیم حضرت جو ہوا　　طوقِ لعنت اس کی گردن میں پڑا

اطاعت و پیروی آنحضرت

قرآن مجید کی متعدد آیات کریمہ اس بات کی شہادت پیش کرتی ہیں کہ جو کوئی بارگاہ خداوندی میں سرخرو ہونا چاہتا ہے وہ محبوب خدا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و پیروی کرلے، کیوں کہ انہیں کی اطاعت کے صلے میں دین و دنیا کی بزرگی نصیب ہوتی ہے۔ غوث وقطب اور ابدال کا رتبہ اطاعت رسول کا ہی صدقہ ہے۔ خدا کا خاص بندہ ہونے کے لیے رسول کی فرماں برداری ضروری ہے، اس لیے حضرت نے اپنی اس مثنوی میں اطاعت رسول کی طرف خاص توجہ دلائی ہے۔ اس حوالے سے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

جو کہ بندہ ہے رسول اللہ کا　　خاص بندہ ہے وہی اللہ کا
جو ہے جان و مال سے ان پر فدا　　بس وہی غوث و قطب ہے باخدا
روحِ مذہب جانِ ایمان و یقیں　　اتباع و عشقِ ختم المرسلیں

واجب و لازم ہے شرعِ مصطفیٰ　　جملہ عالم پر بلا چون و چرا

اس باب کے ایک شعر میں حضرت نے یہ بات واضح طور سے بیان فرمائی ہے کہ فقط زبان سے اہل سنت و الجماعت کا دعویٰ کرنے والے شخص کو قطعی سنی نہیں ماننا چاہیے جب تک کہ اس کی ذات اطاعت رسول کا عملی نمونہ نہ ہو، وہ شعر مندرجہ ذیل ہے:

اہل سنت و الجماعت ہے وہی
جو کرے پابندی حکم نبی

عظمت و رفعت آنحضرت

یہ باب بھی عظمت مقام نبوت کے عرفان و ادراک سے متعلق ہے جس کی ابتدا قرآن مقدس کی آیت کریمہ من یطع الرسول فقد اطاع اللہ سے کی گئی ہے اور مختلف آیات مقدسہ کی روشنی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان و بزرگی بیان کی گئی ہے۔ اس باب کے تمام اشعار نعت ہی کے زمرے میں آتے ہیں۔ چند اشعار دیکھیے:

حکم ربی ہے کہ مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْل　　غور سے اس کو سمجھ اے بوالفضول
طاعتِ حق ہے اِطاعت آپ کی　　نورِ قُدسی ہے حقیقت آپ کی
سرّ توحید ہے رسالت آپ کی　　رمز احدیت ہے وحدت آپ کی
حضرتِ جبریل جیسے باوقار　　آپ کی رِفعت کے آگے شرمسار

تواضع باوجود رفعت و عظمت آنحضرت

اس باب میں جن باتوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ اس کے عنوان ہی سے منعکس ہیں۔ ذات باری تعالیٰ کے بعد کل کائنات میں سب سے زیادہ معزز و محترم ہونے کے باوجود انہوں نے تواضع و خاکساری کا دامن کبھی بھی اپنے ہاتھوں سے جانے نہ دیا، عاجزی اور انکساری کے ساتھ زندگی گزاری اور تکبر و انانیت کے سائے سے بھی بچتے رہے۔ یہ ان کے تواضع وار خاکساری تھی کہ انہوں نے اپنے آپ کو بشر مثلکم کہا۔ اس کا ہرگز مطلب نہیں ہے وہ ہماری طرح بشر ہیں بلکہ آپ مظہر حق اور ظل سبحانی ہیں اور آپ کے جیسا تمام کائنات میں کوئی پیدا ہی نہیں ہوا۔ اس تعلق سے اس مثنوی کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

اللہ اللہ عظمتِ شاہِ رُسُل　　فہمِ مخلوقات سے بالا ہے کُل
جلوۂ نورِ خدا ہے ان کی ذات　　اور ان کے نور سے کل کائنات
آسمان و انجم و خورشید و ماہ　　با خدا سب ہیں انہیں کی جلوہ گاہ
باوجود اس کے نیاز بندگی　　اللہ اللہ انکسار و عاجزی

قولِ اِنِّیْ عَبْدُہٗ گوید نبی　　لیک سبحانی نہ گوید آں صفی
کس قدر شانِ تواضع ہے بلند　　جو محمد مصطفیٰ کو ہے پسند
چوں کہ شانِ عجز میں ہے وہ کمال　　جس کی دنیا میں نہیں کوئی مثال
اور وہ بھی مصطفیٰ کی شانِ عجز　　جس پہ قرباں ہے سراپا جانِ عجز
اس لیے قرآن کا اعلان ہے　　اور خدائے پاک کا فرمان ہے
یا محمد مصطفیٰ ہر چند تم　　صاف فرما دو کہ بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ
اس کا یہ مطلب نہیں ہرگز کبھی　　تو بھی یہ کہنے لگے مرد شقی!
ہم بشر ہیں اور وہ بھی تھے بشر　　مثل ہم جیسے تھے وہ بھی سر بسر
بے ادب اُس سے مجالِ ہمسری　　جس کو بخشی ہے خدا نے برتری

شانِ بشریت کا بیان

اس باب میں نبی برحق حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان بشریت بیان کی گئی ہے اور یہ واضح کیا گیا ہے کہ نبی بے شک بشر ہیں لیکن وہ ہماری طرح بشر نہیں ہیں وہ مبشر و بشیر ہیں اور قرآن کی طرح بے مثل و بے نظیر ہیں، وہ ایسے بشر ہیں جن کے آگے جبریل امیں جیسے جلیل القدر فرشتے سر بہ خم ہوتے ہیں۔ بظاہر وہ مخلوق خدا نور کبریا ہیں۔ آپ اگر بشر کی شکل میں ابن عبداللہ بن کے ظاہر نہیں ہوتے تو پھر کیسے کوئی نور خدا کو دیکھتا۔ درحقیقت خدا کی ربوبیت کو منوانے اور اس کی ذات کا عرفان کرانے کے لیے آپ کو لباس خاکی میں اس خاکدان گیتی پر بھیجا گیا۔ یہی محبت معرفت کی راہ ہموار کرتی ہے۔ نبی کی محبت خدا ہی کی محبت ہے اور خدا کی محبت ہی دراصل معرفت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ پیکر نور ہوتے ہوئے بھی صورت بشری میں ظاہر ہوئے۔

برزخ کبریٰ کا بیان

دو مخالف چیزوں کے درمیان کی چیز کو برزخ کہتے ہیں۔ ارباب معنی کے مطابق خالق مخلوق کے درمیان کا برزخ حقیقت محمدی ہے جسے برزخ کبریٰ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ حقیقت محمدی یہ ہے کہ نور خالق سے نور محمدی کی تخلیق ہوئی اور اسی نور محمدی سے پوری کائنات وجود میں آئی۔ اس بات کی ترجمانی حدیث نبوی: اول ما خلق اللہ نوری و کل خلائق من نوری و انا من نور اللہ بھی کرتی ہے۔ امر کی سطح پر حقیقت محمدی یہ ہے کہ وہ خدا کا نور ہے اور خلق کی سطح پر خدا کا مخلوق۔ یعنی اس کا ایک سرا خالق سے ملتا ہے تو دوسرا مخلوق سے۔ اس لیے انہیں بشر محض کہنا قطعی درست نہیں۔ اس نکتے کی وضاحت داعی اسلام نے بحسن و خوبی کی ہے۔ اس ضمن میں ان کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

صورتِ احمد اگر چہ ہے بشر　　معنی احمد فَلاَ ھٰذَا بَشَر
حضرتِ آدم اگر ہیں بو البشر　　تو محمد مصطفیٰ فوق البشر
خلق میں اوّل ہیں مخلوقِ خدا　　امر میں اوّل ہیں نورِ کبریا
واجب و امکاں کے مابین اے اخی　　برزخِ کبریٰ ہیں سر تا پا نبی
آپ ہیں وہ آئینہ سر تا بپا　　جلوہ گر ہے جس میں نورِ کبریا
مَنْ رَاٰنِیْ سے یہ عقدہ حل ہوا　　آپ ہیں آئینۂ ذاتِ خدا
آئینہ کیا ہے تجلیِ خدا　　جس میں متجلی ہے نورِ کبریا
نور سے آئینہ یوں معمور ہے　　گویا آئینہ ہی عینِ نور ہے
پردۂ امکاں میں بے چون و چرا　　ذاتِ واجب آپ ہے جلوہ نما

آنحضرت پر علوم غیبیہ کے انکشاف کا بیان

اس باب میں حضرت داعی اسلام نے علوم غیبیہ پر نبی کی قدرت سے متعلق مباحث کو موضوع سخن بنایا ہے۔ ان کے مطابق عالم الغیب صرف رب قدیر کی ذات پاک ہے، لیکن خدا کی عنایت سے نبی بھی غیب کے اسرار و رموز سے واقف ہیں۔ یعنی خدا کا علم غیب ذاتی ہے اور نبی کا علم غیب وہبی اور عطائی، چوں کہ خدا کو اپنے محبوب کی رضا مقصود تھی اس لیے اس نے ان کی محبت میں انہیں دونوں جہاں کے ظاہر و مخفی علوم سے بہرہ مند کر دیا۔ دوسری بات یہ کہ نبی کی ذات ذات غیب الغیب کا مظہر ہے اس لیے بھی یہ لازمی تھا کہ وہ صفات غیب الغیب کا حامل ہو۔ علم غیب صفات غیب الغیب ہی کی ایک صفت ہے، اس لیے اس صفت سے نبی کا دور رہنا حقیقت سے دور کی بات معلوم ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں عارف کامل شیخ داعی اسلام کے چند اشعار ملاحظہ کیجیے۔

عارف کامل کا ایماں ہے یہی　　مرشدِ برحق کا فرماں ہے یہی
عالم الغیب ہے وہی ذاتِ خدا　　کاشفِ اسرار نورِ مصطفیٰ
جس پہ روشن ہیں امورِ غیب سب　　لوح و کرسی و قلم لاریب سب
عقلِ اوّل غیب دان و غیب بیں　　شہرِ علم اوّلین و آخریں
وہ نبی حکمِ خدا سے سر بسر　　غیب کے اسرار سے ہے باخبر

حضرت نے نبی کی غیب دانی سے متعلق مباحث میں ندوۃ العلماء لکھنؤ کا تیار کردہ عربی لغت 'مصباح اللغات' کا حوالہ بھی دیا ہے جس میں نبی کا معنی غیب کی باتیں بتانے والا بیان کیا گیا ہے:

خود نبی کا ہے یہی معنی پسر　　دیکھ مصباح اللغات اے بے خبر

اس سے اس امر کی شہادت حاصل ہوجاتی ہے کہ داعی اسلام کی نظر دینیات کے علاوہ

لغت پر بھی ہے۔ ان کا مطالعہ وسیع ہے اور اپنے مطالعے کی وسعت کی بنیاد پر بلا تامل وہ قول فیصل صادر کرنے پر قادر ہیں۔

شانِ اولیاءاللہ

اس باب میں اولیاءاللہ کی شان بیان کی گئی ہے، اولیاءاللہ کی شان یہ ہے کہ وہ اللہ کی محبت میں اپنی مادی خواہشات کو فنا کر کے اللہ کی رضا ہی کو اپنی رضا تسلیم کر لیتے ہیں۔ یہ لوگ نفس کے غلام نہیں ہوتے اور مشیت خداوندی کے مطابق اپنی زندگی گذارتے ہیں۔ رضائے مولیٰ کو شعار حیات بنانے کی وجہ سے ان کی بشری خواہشات مٹ جاتی ہیں جس کے باعث اللہ کے لطف وعنایت سے ان کے اندر صفات الٰہی کا نور پیدا ہو جاتا ہے اور ان کا ہر عمل خدا کا عمل ہو جاتا ہے۔ داعی اسلام نے اس نکتے کی صراحت بڑے خوب صورت انداز میں فرمائی ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

ہو چکے ہیں ذاتِ حق میں جو فنا　　　خود بقائے حق سے ہے ان کی بقا
کون کہتا ہے خدا سے ہیں جدا　　　انبیا و اولیا و اصفیا
مَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ را ببیں　　　ہم یَدُاللہ فَوْقَ اَیْدِیْھِم چنیں
چونکہ مردِ حق فنا فی اللہ شد　　　رفت بشریت بقا باللہ شد

اولیاءاللہ کی شان یہ بھی ہے کہ ان کے وسیلے سے نبی تک رسائی ممکن ہو جاتی ہے۔ اس بات کی وضاحت شیخ نے ایک مثال کے ذریعے اس طرح فرمائی ہے کہ جب قلمی پودے کی شاخ کو تراش کے اس میں تخمی پودے کو لگا دیا جاتا ہے تو قلمی پودے سے نسبت و تعلق کی وجہ سے تخمی پودے میں قلمی پودے کی تمام صفات منتقل ہو جاتی ہیں اور وہ بھی قلمی پودا بن جاتا ہے۔ یہی حال اولیاءاللہ کی نسبت کا بھی ہے۔

جب قلم تخمی میں قلمی کا لگا　　　بے خطر تخمی سے قلمی ہو گیا
انبیا سے اولیا تک اے اخی　　　بس قلم لگتی چلی آئی یونہی
دستِ بیعت اور نسبت اے پسر　　　صورت و شکلِ قلم ہے سر بسر

نسبت و بیعت کی مثال

اس باب میں شیخ نے نسبت و بیعت کی غرض وغایت پر روشنی ڈالتے ہوئے عوام کو اس طرف توجہ دینے کی تلقین فرمائی ہے۔ ان کے مطابق کوئی انسان چاہے کتنا ہی دیدہ ور کیوں نہ ہو کسی مرشد کامل کے دست حق پر بیعت کیے بغیر روشن ضمیر نہیں بن سکتا اور اس کے اثبات کے لیے ایک مثال بھی پیش کی تا کہ بات آسانی سے سمجھ میں آ جائے۔ اس باب کے اشعار ملاحظہ ہوں:

جس طرح بجلی کے اک کھمبے سے تار　　　مل کے ہو جاتا ہے بجلی میں شمار
یونہی نسبت اولیائے حق سے جوڑ　　　عالمِ وہم و گماں سے منھ کو موڑ
اولیا کھمبے کی صورت ہیں سبھی　　　اور مثالِ پاور ہاؤس ہیں نبی
جس میں بجلی کی طرح سر تا بپا　　　جاری و ساری ہے نورِ مصطفی
مصطفی نورِ ظہورِ کبریا　　　روشن ہیں جس کے سبب ارض وسما
بلب کی صورت ہے قلبِ با صفا　　　اور نسبت ہے کنکشن حق نما
بے کنکشن روشنی ممکن نہیں　　　بلب چاہے جس قدر بھی ہو حسیں
نسبتِ مرشد ہے شرطِ اوّلیں　　　بعدہٗ شرطِ دگر، کامل یقیں
جو اگر چاہے کہ روشن ہو ضمیر　　　تو ادب سے تھام پہلے دستِ پیر
تا کہ روشن ہو ترا سینہ تمام　　　نورِ حق سے صورتِ بیت الحرام
تا کہ آ جائے کرنٹ تجھ میں وہی　　　بلب کی صورت ہو حالت قلب کی
جس سے کفر و شرک کی تاریکیاں　　　دور ہوں دنیائے ہستی سے میاں

اولیا کی عظمت کا بیان

معلم انسانیت، آقائے نامدار، محبوب کردگار حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم نے عالم کی تعریف (Definition) بیان کرتے ہوئے اپنی ایک حدیث میں یہ فرمایا ہے کہ عالم وہ نہیں جس کو زیادہ سے زیادہ حدیثیں یاد ہوں بلکہ عالم وہ ہے جس کے دل میں خشیت الٰہی ہو۔ اس حدیث کی روشنی میں حقیقی عالم ولی اللہ ہی ٹھہرتے ہیں اور انہوں نے اپنی دوسری حدیث میں علماء کو انبیا کا وارث قرار دیا ہے۔ العلماء ورثۃ الانبیاء۔

مذکورہ دونوں احادیث سے یہ شق ابھر کر سامنے آتی ہے کہ اولیاءاللہ ہی حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب و وارث ہیں۔ لہٰذا اولیاءاللہ کی عظمت یہ ہے کہ عرفان ذات خداوندی اور ادراک مقام نبوت انہیں کے وسیلے سے ممکن ہوتا ہے۔ ان کی شان امتیاز یہ ہے کہ ان کو دیکھ کر خدا کی یاد آ جاتی ہے۔ اس لیے ان کی صحبت سے فیض اٹھانے والا بڑا خوش نصیب ہوتا ہے۔ شیخ کامل نے اس باب میں انہیں نکات پر روشنی ڈالنے کی سعی مستحسن فرمائی ہے۔ اس سلسلے میں ان کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

اولیاء اللہ ہیں سر تا بپا　　　نائب حضرت محمد مصطفی
جو نہیں ملتی ریاضت سے وہ شے　　　اولیاء اللہ کی صحبت میں ہے
اولیاء اللہ کو جو پا گیا　　　وہ خدا و مصطفی کو پا گیا

جس نے بھی دیکھا ولی اللہ کو — اُس نے دیکھا بالیقیں اللہ کو
اے خوشا وہ دل کہ صورت آشنا — جو ہو دنیا میں کسی درویش کا

آدابِ شیخ کامل

راہ سلوک میں آدابِ شیخ کو ملحوظ رکھنا اشد ضروری ہے۔آدابِ شیخ ہی کے ضمن میں یہ بات آتی ہے کہ ہر مرید اپنے شیخ کے تعلق سے حسن ظن رکھے اور ان کو ہر طرح کی کمیوں اور کمزوریوں سے مبرا مانتے ہوئے ان سے رشتۂ ارادت قائم کر لے، راہ سلوک میں ارادت شیخ کی بڑی اہمیت ہے اور اس کے بغیر کوئی مرید اپنے شیخ سے فیض حاصل نہیں کر سکتا۔اقبال نے اسی نکتے کی وضاحت مندرجہ ذیل شعر میں کی ہے:

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو
ید بیضا لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

چوں کہ داعی اسلام آشنائے رموز معرفت ہیں، اس لیے انہوں نے اس بات پر بطور خاص توجہ دلائی ہے۔اس ضمن میں ان کے مندرجہ ذیل اشعار ملاحظہ کیجیے:

یہ ہے وادیِ مقدس اوّلیں — شرط ہے اس میں ارادت بالیقیں
بے ارادت شیخ کامل سے کوئی — فیض پا سکتا نہیں ہر گز کبھی
بشنو اے غافل تو قولِ حق پرست — شیخ من خس، اعتقادِ من بس ست

ارادت شیخ کی اہمیت کو بلا تمیز مذہب وملت ہر طبقے کے صاحبان بصیرت نے تسلیم کیا ہے، ہندی ادب کے معروف شاعر کبیر داس اپنے شیخ سے ارادت کا اظہار اس انداز میں کرتے ہیں:

گرو گوبند دوَو کھڑے کاکے لاگوں پائے
بلہاری گرو آپ نے گوبند دیو بتائے

مریدوں کے درمیان شیخ کی جو حیثیت ہوتی ہے، اس کو بھی حضرت نے بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ان کے مطابق اپنے مریدوں میں شیخ کی حیثیت وہی ہوتی ہے جو اپنی امت میں نبی کی۔اس لیے مریدوں کے لیے یہ لازم ٹھہرتا ہے کہ وہ اپنے شیخ کی اطاعت گزاری و فرماں برداری کریں اور فنافی الشیخ کی منزل سے آشنا ہو جائیں۔داعی اسلام کے لفظوں میں:

شیخ ہے اپنے مریدوں میں یوں ہی — جس طرح سے اپنی امت میں نبی
در حقیقت وہ ہے مقبولِ خدا — جو دل و جاں سے ہو بندہ شیخ کا

طالب صادق کے لیے ضرورت شیخ اور آداب بارگاہ شیخ کا بیان

ایک حد تک اس باب میں گذشتہ باب کی باتوں کو وسعت دی گئی ہے اور اس بات کا

اظہار کیا گیا ہے کہ کسی کے پاس علوم کا خزانہ عامرہ ہی کیوں نہ موجود ہو اگر وہ شریعت کی راہ سے بےخوف وخطر گزرنا چاہتا ہے تو اس کے لیے یہ لازم ہے کہ وہ کسی شیخ کامل کو اپنا مرشد و رہنما بنا لے، کیوں کہ اس کے بغیر شریعت کے پل صراط سے گزرنا ایک مشکل امر ہے۔

نفس اور شیطان انسان کے کھلے ہوئے دشمن ہیں۔یہ ہمہ وقت انسانوں کو اپنے دام فریب میں پھنسانے کی گھات میں لگے رہتے ہیں۔ایسی صورت میں مرشد کی نگاہ دوررس اپنے مرید کو نفس وشیطان کے دام فریب سے آگاہ کرتی رہتی ہے لیکن جس کا کوئی مرشد ورہنما نہیں ہوتا اس کا مرشد و رہنما نفس اور شیطان بن جاتے ہیں۔یہ اسے اپنے اشارے پر چلاتے ہیں اور ضلالت وگمراہی کی عمیق وتاریک کھائی میں گرا دیتے ہیں۔اس لیے شیخ و رہنما کی اہمیت مسلم ہے جس سے انکار ممکن نہیں۔

یہ دنیا مرد کامل سے خالی نہیں۔ضرورت صرف تلاش وجستجو کی ہے۔اگر عزم مستحکم کے ساتھ کوئی شخص مرد کامل کی تلاش میں نکل جائے تو ضرور اسے کوئی نہ کوئی مل ہی جائے گا۔جب اسے کوئی شیخ مل جائے تو اپنے حق میں اسی کو وہ سب سے محترم مانے اور اس سے مکمل ارادت وعقیدت کا رشتہ قائم کر لے اور اس کے تصور کو اپنا مرکز دیدہ ودل بنا لے۔ایسا کرنے سے اس کی مراد دلی بر آئے گی اور اس کے دین ودنیا کا سفینہ سلامتی کے ساتھ کنارے لگ جائے گا۔مذکورہ باتوں کا اظہار داعی اسلام اس طرح کرتے ہیں:

جو تصور میں رہے گا شیخ کے — فیض پائے گا وہ اس کی ذات سے
اے پسر اس راہ میں بس اوّلیں — شرط ہے توحیدِ مطلب بالیقیں
یہ سمجھ جو بھی عطا ہوگا مجھے — وہ عطا ہوگا ہمارے شیخ سے
غوثِ صمدانی سراپا شیخ ہے — قطب ربّانی سراپا شیخ ہے
ظلِّ سبحانی سراپا شیخ ہے — نورِ ربّانی سراپا شیخ ہے
سب سے یکتا بے مثال و بے نظیر — پیر ہے ایسا کہ ہے پیروں کا پیر
گرچہ عالم میں بہت سے ہیں ولی — پر نہیں ہے شیخ سا کامل کوئی
گر کسی سے فیض پائے تو کبھی — تو سمجھ اس کو کرامت شیخ کی
تیری نظروں میں نہ آئے کوئی بھی — عین معراجِ ارادت ہے یہی
صدقِ دل سے بس عقیدہ رکھ یہی — شیخ سے بڑھ کر نہیں کوئی ولی

سالکین راہ طریقت کے مابین اختلاف کا بیان

اس باب میں رواداری اور صلح کل کا نظریہ پیش کیا گیا ہے جو ہمارے صوفیہ کا مقصود بالذات

نظر یہ رہا ہے۔اس نظریے کے تحت ہمارے صوفیوں نے فکری و مسلکی اختلافات کے باوجود تمام انسانوں کو ایک رشتۂ وحدت میں منسلک کرنے کا کارنمایاں انجام دیا ہے۔حضرت نے اس باب میں جس موقف کا اظہار کیا ہے اس موقف کو دورِ حاضر کی خانقاہیں اپنا موقف بنالیں تو تمام طرح کے اختلافات و بدگمانیوں کا ازالہ ہوجائے اور تنازعۂ باہمی کا خوبصورت حل نکل آئے۔یہ باب سات اشعار پر مشتمل ہے جو مندرجہ ذیل ہیں:

جس کسی درویش سے ہو اختلاف   اُس کو بھی افضل سمجھ بے شین و کاف
جس جہت سے وہ ہے تجھ سے مختلف   اُس جہت سے حق ہے اُس پہ منکشف
اعتبارات و جہات اُس کے سمجھ   اصطلاحات و لغات اُس کے سمجھ
عین ممکن ہے کہ وہ مغلوب ہو   سالک اپنی ذات میں مجذوب ہو
صاحب دل جو کہ ہو مغلوبِ حال   وہ ہے مرفوع القلم بے قیل و قال
بیخودوں کو شرع کی تکلیف سے   دور رکھا ہے خدائے پاک نے

سماع و وجد کا بیان

داعی اسلام سماع کے قائل صوفی ہیں اس لیے انہوں نے اس سے متعلق مباحث پر صراحت کے ساتھ روشنی ڈالی ہے اور یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ کس صورت میں سماع جائز و مباح ہے اور کس صورت میں ناجائز وحرام۔ان کے مطابق اگر لہو ولعب کے مقصد سے دہل وطنبور مزمار و رباب اور اس قبیل کے دوسرے آلات موسیقی کا استعمال کیا جائے تو بلاشبہ ناجائز وحرام ہے لیکن ان کا استعمال نیک اغراض و مقاصد کے تحت کیا جائے تو جائز و مباح ہے۔جن اولیا وشیوخ نے ان آلات موسیقی کے ساتھ سماع کی محفلیں آراستہ کیں وہ تہمت لہو ولعب سے پاک تھے اس لیے ان پر تنقید ونکتہ چینی کرنا درست معلوم نہیں ہوتا، کیوں کہ اس معاملے میں شریعت نہیں بلکہ تقلید محض اور عصبیت کی کارفرمائی نظر آتی ہے۔شیخ نے معترضین کو یہ مشورہ دیا ہے کہ اس کے تعلق سے تحقیق کریں اور عصبیت وتقلیدی روش کو چھوڑ کر اپنے تحقیقی نتائج کی بنیاد پر اس سلسلے میں اپنی رائے قائم کریں۔

شیخ نے اس تعلق سے جو داد تحقیق دی ہے اس سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہوتا جاتا ہے کہ اس موضوع کی فقہی جہات پر بھی ان کی نگاہ ہے جس کا اظہار مندرجہ ذیل اشعار میں ہوا ہے:

میلِ خاطر حق کی جانب ہو اگر   مستحب اُس کے لیے ہے بے خطر
گر طبیعت شر کی جانب ہو تمام   اُس کی خاطر نغمہ ہے بے شک حرام
خیر و شر دونوں طرف ہو میل اگر   اُس پہ ہے مکروہ و ناجائز پسر

دیدۂ تحقیق سے کر مشورت   چھوڑ کر تقلیدِ محض و عصبیت
عصبیت ہی مانعِ تحقیق ہے   بے محابا منکرِ تصدیق ہے
صاحب وجد و سماع کے حال پر   تو کبھی نادان مت انکار کر
ہر گھڑی اہلِ سماع و وجد پر   رحمتِ حق نازل ہوتی ہے پسر
روح کی معراج ہے ذوقِ سماع   معرفت کا تاج ہے ذوقِ سماع
طالبوں کے واسطے یہ ہے شفا   عاشقوں کے دردِ دل کی ہے دوا

شریعت،طریقت،حقیقت اور معرفت

اس باب میں شیخ نے تصوف کی ان چاروں اصطلاحات پر روشنی ڈالی ہے،ان کے مطابق شریعت قال،طریقت فعل،حقیقت حال اور معرفت اس حال کا انجام ہے۔یعنی شریعت دین کا نظری پہلو ہے اور طریقت اس کا عملی پہلو۔شریعت اور طریقت کی منزل سے گذرنے کے بعد دین کی حقیقت واضح ہوتی ہے اور اس کے بعد گل معرفت سے دامن طلب معمور ہوتا ہے۔اس طرح ان چاروں کو عرفان کی چار منزل تصور کرلیا جائے تو شاید غلط نہ ہوگا۔

تصوف کی فضیلت

شیخ کے نزدیک مذہب وملت اگر مثل تن ہے تو اس کی جان تصوف ہے۔یہی دین کی بنیاد ہے اور اسی سے معرفت کے درواز سے وا ہوتے ہیں۔حدیث جبریل میں اسے احسان سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس کی تعریف یوں بیان کی گئی ہے:''احسان یہ ہے کہ اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا اسے تم دیکھ رہے ہو اور اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے ہو تو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔''اس حدیث سے اس نکتے کی وضاحت ہوتی ہے کہ تصوف عبد اور معبود کے درمیان رشتہ قائم کرنے کا نام ہے اور دین کا مقصد بھی یہی ہے کہ خالق ومخلوق کے درمیان رشتہ قائم ہوجائے،اس اعتبار سے تصوف ہی دین کی غایت اصلی ہے۔

فقیہان خشک اور صوفیان جاہل ومکار کا بیان

اس باب میں شیخ نے اس نکتے کی وضاحت فرمائی ہے کہ شریعت اور طریقت کے درمیان مضبوط رشتہ ہے۔اتباع شریعت کے بغیر اگر کوئی شخص دین داری کا دم بھرتا ہے تو یہ حرام ہے،لیکن اسی کے ساتھ یہ بات بھی حقیقت سے تعلق رکھتی ہے کہ شریعت بھی طریقت کے بغیر مکمل نہیں ہوتی، کیوں کہ یہ دین کا عملی پہلو ہے اور اس کا تعلق عشق الٰہی سے ہے اور عشق الٰہی سے متعلق علامہ اقبال نے یہ بیان فرمایا ہے کہ:

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے	مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

طریقت کی اہمیت کے پیش نظر ہمارے بیشتر علماوصوفیہ نے اس طرح کی رائے کا اظہار کیا ہے

کہ ایک عالم دین کو صوفی ہونا بھی ضروری ہے (شیخ کا موقف بھی یہی ہے) کیوں کہ جب تک محبت خداوندی اور عشق رسول کا شعلہ سینے میں روشن نہیں ہو جاتا تا اتباع شریعت کی پاسداری محض ظاہری امور تک محدود ہو کر رہ جاتی ہے اور اس میں جذب و کشش کی وہ کیفیت پیدا نہیں ہو پاتی جس سے روح کے تار بجنے لگیں۔

تصوف آلائش دنیا سے منزہ اور عشرت زمانہ سے مبرا ہونے کا سبق سکھاتا ہے۔ اس لیے جو فقر و درویشی کے مصنوعی لباس میں مادی وسائل کے طلبگار ہیں ان کو ہرگز صوفی تصور نہیں کرنا چاہیے، خواہ وہ کشف و کرامات کے جال ہی نہ بچھا دیں، کیوں کہ ایسے لوگ مستصوف اور مکار ہوتے ہیں۔ شیخ فرماتے ہیں:

فقر سے دنیا کا طالب ہو اگر — تو وہ مستصوف ہے بے شک اے پسر
اس کی باتوں میں کبھی ہرگز نہ آ — گو بچھائے جال اپنے کشف کا
جبّہ و دستار پہ اُس کے نہ جا — مردِ خود بیں ہے وہ مردودِ خدا
بے محابا اُس کا خرقہ خر کا جھول — مکر کے سیکھے ہیں اس نے چند بول
آدمی کی شکل میں شیطان ہے — جو یقینا رہزنِ ایمان ہے
اپنی شیخی کو جتا کر وہ شقی — خلق کو گمراہ کرتا ہے یونہی

علمائے سوء کا بیان

علمائے سوء سے مراد ایسے علما ہیں جو عقیدے کے ساتھ ساتھ عملی میدان میں بھی ناقص ہیں اور جنھوں نے اپنے علم کو رضائے مولا کی حصولیابی کا ذریعہ بنانے کے بجائے دنیا طلبی کا وسیلہ بنا رکھا ہے اور نائب ابلیس بن کر سیدھے سادے عوام کو اپنے مکر و تلبیس کے جال میں پھنساتے رہتے ہیں۔ شیخ فرماتے ہیں:

عالم سوء نائب ابلیس ہے — جس کا مذہب مکر اور تلبیس ہے
ماسوائے طالب دنیائے دوں — عالم سو کون ہے کس کو کہوں

فضیلت فقر و تصوف

اس باب میں علم اور فقر کے درمیان تقابلی پیرایہ اختیار کر کے فقر و تصوف کی عظمت و برتری کو واضح کیا گیا ہے۔ اس سلسلے کے چند منتخب اشعار ملاحظہ ہوں:

علم کی تکمیل قیل و قال ہے — فقر کا اوّل سبق ہی حال ہے
علم کے سینہ میں ہے جوشِ غرور — فقر کے سینہ میں ہے دریائے نور
انتہائے علم بس گفتار ہے — ابتدائے فقر پُر اسرار ہے

علم کا مقصود ہے دنیا و دیں — فقر کا مقصود ربُّ العالمیں
علم کی دنیا میں ہے تعظیمِ کُل — فقر کی دنیا میں ہے تعظیمِ دل
علم کا مقصود ہے راہِ نجات — فقر کا مقصود ہے عرفانِ ذات

شان علمائے برحق

اس باب میں علمائے برحق کی علامت اور ان کی شان و عظمت بیان کی گئی ہے۔ علمائے حق کی امتیازی شان یہ ہے کہ ان کی صحبت میں خدا یاد آجاتا ہے۔ جن کی سیرت لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔ کی جیتی جاگتی تصویر ہوتی ہے اور جن کی صورت سے حیدری شان کا انعکاس ہوتا ہے۔ جو اخلاق میں انک لعلیٰ خلق عظیم کے ترجمان ہوتے ہیں اور جو احسان کے رموز و اسرار سے واقف ہوتے ہیں اور یہ تمام اوصاف ایک صوفی باصفا میں پائے جاتے ہیں۔ اس لیے حقیقی معنوں میں انہیں کو عالم برحق تسلیم کیا جانا چاہیے۔ داعی اسلام کا اس سلسلے میں یہی موقف ہے:

عالمِ برحق ہے صوفی با صفا — در حقیقت جانشینِ مصطفٰی
صوفی و صافی ہے جو مردِ ذکی — ظاہر و باطن میں ہے عالم وہی
حاملِ علمِ نبوت ہے وہی — صاحب کشف و کرامت ہے وہی

شرائط شیخی و درویشی: شیخ کے مطابق شیخی و درویشی کی یہ شرائط ہیں کہ ایک شیخ کو پوری طرح سے مستغرق باری ہونا چاہیے، اسوۂ رسول کا حامل ہونا چاہیے، صاحب عمل ہونا چاہیے، اہل یقین ہونا چاہیے، پیکر صدق و صفا ہونا چاہیے۔ یعنی سخاوت میں امتیازی شان رکھنے والا ہونا چاہیے، صاحب مال و دولت ہونا چاہیے، اس کے پاس ظاہری اور باطنی دونوں علوم ہونے چاہئیں اور اسی کے ساتھ اس کے اندر اتنا فہم و ادراک ہونا چاہیے کہ اپنے علم کی بنیاد پر وہ اختلافی مسائل کو حل کر سکے۔ مذکورہ شرائط کو پورا کرنے کے بعد ہی کوئی انسان مسند ارشاد پر متمکن ہونے کا مستحق ٹھہرتا ہے۔

آداب مریدین

مریدوں کے آداب یہ ہیں کہ وہ ہمہ دم عبادت و ریاضت میں مصروف رہیں، خواہشات نفس سے محفوظ رہیں، شیخ کی رضا ان کی رضا ہو اور شیخ کے حکم کی تعمیل وہ بہ طیب خاطر کریں۔ اسی کے ساتھ ان کا دل حب شیخ سے معمور ہو۔

استقامت

استقامت کے لغوی معنی کسی امر پر ثابت قدم رہنے کے ہیں۔ یہ صفت اہل اللہ کی پہچان ہے۔ ایسے لوگوں کے تعلق سے ارشاد ربانی ہے: **ان الذین قالو ربنا اللہ ثم استقاموا فلا خوف علیھم و لا ھم یحزنون۔ اولئک اصحب الجنۃ خالدین فیھا جزاء بما کانوا یعملون۔**

(الاحقاف:۱۳-۱۴)

بے شک جن لوگوں نے یہ کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر وہ اپنی بات پر جمے رہے تو انہیں نہ تو کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے، وہی لوگ اپنے اعمال کے بدلے میں جنت میں داخل ہوں گے۔قرآن کی ان آیات سے اس بات کا بخوبی علم ہوتا ہے کہ دین میں استقامت کی اشد ضرورت ہے اور ایسے افراد جنہوں نے ہر طرح کے نامساعد حالات میں مضبوطی کے ساتھ اللہ اور رسول کی رضا کو مقدم رکھا وہ بے شک جنتی ہیں۔یہی وجہ ہے کہ شیخ ہادی اور گمراہ کے درمیان فرق واضح کرتے ہوئے یہ فرماتے ہیں کہ ہادی کی پہچان یہ ہے کہ اس کے اندر استقامت پائی جاتی ہے اور گمراہ ہمیشہ اپنی باتوں سے مکرتا رہتا ہے، کیوں کہ وہ اللہ اور رسول کے تعلق سے تذبذب کا شکار رہتا ہے۔دین پر پورے ایمان وایقان کے ساتھ ثابت قدم رہنا بہت بڑی بات ہے اور ولیوں کی یہ پہچان ہے کہ وہ استقامت کا دامن کبھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔اگر چہ زندگی میں ان کے ساتھ ناخوش گوار حالات پیش آتے رہتے ہیں، جو ایک فطری بات ہے اس کے باوجود وہ اللہ کے احکام اور نبی کے ارشاد پر جمے رہتے ہیں۔اسی بات کو پیش نظر رکھ کے اقبال نے کہا ہے:

ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رفیق	یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

اس تعلق سے حضرت نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ پیش کر دینا نامحل نہ ہوگا۔ کہا جاتا ہے کہ ایک شخص ان کی خانقاہ میں وارد ہوا اور ہفتوں وہاں قیام پذیر رہا۔ایک دن اس نے خادم سے اجازت طلب کی کہ وہ یہاں سے جانا چاہتا ہے۔خادم نے اس سے کہا کہ مہمان نوازی میں کون سی کمی ہوئی کہ آپ یہاں سے تشریف لے جارہے ہیں۔ٹھیک ہے، آپ جانا چاہتے ہیں تو جائیے لیکن مجھے اس کے لیے شیخ سے اجازت لینی ہوگی۔خادم شیخ کے پاس پہنچا اور اس نے حضرت سے اس شخص کے بارے میں ساری باتیں بتائیں۔شیخ نے اس شخص کو اپنی بارگاہ میں بلایا اور بڑی محبت سے دریافت کیا کہ آپ کس غرض سے تشریف لائے تھے اور کیوں جانا چاہتے ہیں؟ اس شخص نے کہا کہ میں آپ سے مرید ہونے آیا تھا اور سوچا تھا کہ آپ کی کوئی کرامت دیکھوں تو مرید ہوجاؤں۔لیکن میں نے اس عرصے میں آپ کی کوئی کرامت نہیں دیکھی۔حضرت نے اس سے سوال کیا کہ کیا آپ نے اس عرصے میں کبھی کوئی غیر شرعی عمل کرتے ہوئے پایا ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں۔تب حضرت نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مومن کی سب سے بڑی پہچان یہ ہے کہ وہ شریعت پر استقامت کے ساتھ عمل پیرا رہے۔حکم خدا اور فرمان رسول کی استقامت کے ساتھ پیروی کرنا سب سے بڑی کرامت ہے۔یہی ولایت اور بزرگی کی پہچان ہے۔حضرت داعی اسلام کا بھی یہی موقف ہے جو مندرجہ ذیل شعر سے واضح ہے:

استقامت پر جو قائم ہو کوئی	صاحب کشف و کرامت ہے وہی

طالبانِ حق کے لیے پند ونصائح

جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے، اس باب میں داعی اسلام نے طالبان حق کے لیے کچھ پند و نصیحت کی باتیں بیان فرمائی ہیں۔یقیناً یہ باتیں کیمیائے حیات کی حیثیت رکھتی ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر دونوں جہان کی کامیابی حاصل کی جاسکتی ہیں۔ان کے مطابق (۱) طالبان حق کو زندگی کا وہ معمول بنانا چاہیے کہ ہر لمحہ ان کے دل میں محبت الٰہی کی افزائش ہو اور جس سے اطاعت و بندگی کے جذبے میں شب و روز اضافہ ہوتا رہے۔(۲) نفس امارہ کی بندگی ترک کر کے انہیں فقر و فاقہ میں زندگی بسر کرنی چاہیے اور دنیا کی محبت کو خیر باد کہہ کے آخرت کو سنوارنا چاہیے۔(۳) علم و آگہی اور عرفان و معرفت کی طلب میں سرگرم عمل رہنا چاہیے، کیوں کہ یہی مرد خدا کا شیوہ رہا ہے۔(۴) زن و فرزند کی محبت باعث فتنہ ہے، اس لیے ان کی محبت دل سے نکال کر اپنے دل کو محبت الٰہی سے منور کرنا چاہیے۔(۵) نااہل لوگوں کی صحبت سے پرہیز کرنا چاہیے، کیوں کہ یہ زہد واتقا کے منافی ہے۔(۶) جملہ اخلاق رذیلہ سے اپنے آپ کو حتی الامکان بچانا چاہیے۔(۷) تواضع وخاکساری اور عاجزی وانکساری اپنانی چاہیے، کیوں کہ کبر ونخوت شیطان کی صفت ہے۔(۸) بغض وحسد اور کینہ کپٹ سے اپنے آپ کو پاک رکھنا چاہیے۔(۹) کفر والحاد، شرک و بدعت، لہو ولعب اور کذب و غیبت سے دور رہنا چاہیے۔(۱۰) رضائے مولا کا طالب ہونا چاہیے۔اور (۱۱) ماسوا سے ترک تعلق کر کے اپنی محنت اور خدا کی عنایت پر یقین کامل رکھنا چاہیے۔

اذکار واشغال کا بیان

اس باب میں اذکار واشغال کے فضائل بیان کیے گئے ہیں شیخ کے مطابق اذکار واشغال سے اللہ کے لطف وکرم کی بارش ہوتی ہے، اس لیے انہوں نے اس طرف خصوصیت کے ساتھ توجہ دلائی ہے، اس ضمن میں چند اشعار ملاحظہ ہوں:

ذکر کر ذکرِ خدا ہر روز و شب — ذکر سے ہوتا ہے نازل فضل رب
ذکر سے غافل نہ ہو تو اک گھڑی — ذکر ہے مردِ خدا کی زندگی
ذکر سے بڑھ کر نہیں کوئی بھی شئ — سب سے برتر اور اعلیٰ ذکر ہے
ہر نفس اور ہر گھڑی تو ذکر کر — ذکر قائم ہو تو شغلِ نفی کر
محو کر ہستی کو یوں مردِ خدا — ما سوائے حق سبھی کو بھول جا
بھول جا دل سے تو اے مردِ خدا — اپنی ہستی کو بھی تو اُس کے سوا
بس خدا کے نطق سے گویا ہو تو — اور اُسی کے نور سے بینا ہو تو

مناجات بدرگاہ قاضی الحاجات

یہ دعائیہ باب ہے۔اس باب میں شیخ نے اپنے آپ کو خدائے کریم کا بندۂ عاصی ہونے کا اعتراف واقبال کر کے اس سے لطف وکرم اور عنایت ونوازش کی بھیک مانگی ہے، جو مندرجہ ذیل اشعار سے واضح ہے:

بندۂ عاصی ہوں میں یا ذوالجلال | سربسر بد بین و بدخو، بدخصال
میں ہوں اس درجہ گنہگار و شقی | جس کے آگے ہیچ ہے ابلیس بھی
اک گناہ اس نے کیا میں نے ہزار | بلکہ سچ پوچھو تو بے حد بے شمار
کس زباں سے میں کہوں بارِ الٰہ | رحم فرما با ہمہ ذوقِ گناہ
کس زباں سے میں کہوں ربِّ غفور | رحم فرما با ہمہ فسق و فجور
تجھ سے پوشیدہ نہیں میرے عیوب | بس کہ تو ہے آپ علّامُ الغیوب
پر ادب کے ساتھ کہتا ہوں یہ بات | چوں کہ غفارالذّنوب ہے تیری ذات
گو سراپا بحرِ معصیت میں ہوں | پر تیرے محبوب کی امت میں ہوں
بس یہی ہے مدّعائے گفتگو | رحم کر از کلمۂ لاَ تَقْنَطُوْا

اپنی دعا کی مقبولیت کی غرض سے انہوں نے اپنے پیرومرشد کے علاوہ اپنے سلسلے کے بزرگوں کے ساتھ ساتھ شیر خدا حضرت علی رضی اللہ عنہ اور شفیع المذنبین حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ بھی پیش کیا ہے اور اخیر میں ایک نہایت ہی قیمتی دعا مانگی ہے جو ان کی بزرگی اور ولایت پر دال ہے:

بخش نور معرفت کا ایسا جام		جس کو پی کر میں رہوں بےخود مدام
یعنی اپنے آپ سے ہو جاؤں گم		پی کے صہبائے سقاھم ربھم

خاتمہ

یہ مثنوی کا آخری باب ہے جس میں داعی اسلام نے اس کے منصۂ شہود پر آنے کے اسباب وعلل پر روشنی ڈالی ہے۔انہوں نے یہاں اس بات کا اظہار کیا ہے کہ یہ مثنوی جذب وکیف کے عالم میں لکھی گئی ہے، اور یہ ان کے حال وقال کی کیفیت کی ترجمان ہے، اس لیے اسے سمجھنے کے لیے اہل دل ہونا ضروری ہے۔اسی کے ساتھ اس کا موضوع تصوف وعرفانیات ہے، اس جہت سے بھی اس کی تعبیر وتفہیم کے لیے تصوف کی اصطلاحات سے واقف ہونا لازمی ہے۔لہٰذا جو لوگ اصطلاحات تصوف سے ناآشنا ہیں انہیں چاہیے کہ پہلے ان سے واقف ہو جائیں یا کسی اہل اللہ سے رابطہ قائم کرلیں تاکہ یہ کتاب ان کے احاطۂ تفہیم میں آجائے۔

جہاں تک اس سے مستفیض ہونے کا سوال ہے، تو اس کے لیے پہلی شرط ارادت ہے۔
چوں کہ یہ مثنوی حال وقال کی کیفیت میں تحریر کی گئی ہے اور اس میں اسرار خفی کا خزانہ پوشیدہ ہے، اس لیے جو لوگ صاحب تصنیف سے ارادت وعقیدت پیدا کر کے اس مثنوی کا مطالعہ کریں گے ان ہی پر اس کے اسرار ورموز منکشف ہوں گے۔اس ضمن میں شیخ نے صریحاً فرمادیا ہے:

اہلِ معنٰی سے عقیدت چاہیے | ہر نفس صدقِ ارادت چاہیے
جو ارادت کی نظر سے دیکھے گا | اُس پہ کشف اسرار سب ہو جائے گا
جو رکھے گا مثنوی سے دشمنی | کبر ونخوت کے سبب ہوگا شقی

اس مثنوی کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں جو باتیں بیان کی گئی ہیں وہ تمام کمال تصوف والٰہیات سے متعلق ہیں اس لیے اس کو جو بھی صدق دل سے پڑھے گا وہ حق آشنا ہو جائے گا اور اس میں عارف باللہ کی خصوصیت پیدا ہو جائے گی جس کی وجہ سے اس کی ذات مقبول بارگاہ خداوندی ہو جائے گی۔ان شاءاللہ۔اس مثنوی کی افادیت سے متعلق خود حضرت فرماتے ہیں:

مثنوی نغمات الاسرار ہر زماں		جو پڑھے گا صدق دل سے بےگماں
وہ سعیدؔ ہو جائے گا حق آشنا		عارف باللہ مقبول خدا

چوں کہ یہ اظہار خیال ایک صوفی باصفا وفقیر حق آشنا کا ہے اس لیے اس بات کا دائرہ امکانات میں آنا کوئی بعید نہیں معلوم ہوتا۔یہ مثنوی پڑھ کر میں نے اپنے تئیں ایسا ہی محسوس کیا ہے، حالانکہ ابھی میرے احساس کی تجسیم نہیں ہوسکی ہے۔

تتمۂ تحریر کے طور پر یہ بات بلاخوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ نغمات الاسرار فی مقامات الابرار تصوف وعرفانیات کے موضوع پر ایک معیاری تصنیف ہے، دور حاضر میں اس طرح کی تصنیفات بہت کم دیکھنے کو ملتی ہیں۔یہ مثنوی ادبی ذوق کی تسکین کا سامان بھی بہم پہنچاتی ہے اور تصوف والٰہیات کے رموز ونکات کی تعبیر وتفہیم کا سلیقہ بھی سکھاتی ہے۔یعنی ادبی اور دینی دونوں جہتوں سے اس کی اہمیت ومعنویت مسلم ہے۔چوں کہ عہد رواں میں مادیت کے عفریت نے ہر طرف قیامت مچا رکھی ہے اس لیے بھی ایسی تحریروں کی اشد ضرورت ہے جو قلوب میں روحانیت کی شمع فروزاں کرنے میں معاون ہوں، اس اعتبار سے بھی اس مثنوی کی افادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے۔رواں دواں اسلوب، سلیس الفاظ اور نادر ونایاب تشبیہات واستعارات نے جہاں اس کے حسن میں چار چاند لگادیے ہیں وہیں فارسی وعربی تراکیب، قرآنی آیات واحادیث کا استعمال اور گاہے بہ گاہے فارسی اشعار نے بھی ادبی دنیا میں اس کی خاطر خواہ پذیرائی کے امکانات روشن کردیے ہیں۔

○○○

نغمات الاسرار فی مقامات الابرار- ایک تجزیاتی مطالعہ

تعین قدر کا مسئلہ اکیسویں صدی میں بالکل نئے انداز میں از سرنو زیر بحث آیا ہے، جس میں ہر طرح کی ادبی اقدار پر سوال قائم کئے جا رہے ہیں، شعر کی تفہیم، اس کی اصنافی حیثیت اور شعریت کے ابواب بھی عصر حاضر میں شعری قواعد کو دوبارہ مرتب کرنے میں کوشاں ہیں، شاعری یا علم شعر کے بعض مسلم الثبوت قواعد ایسے تھے جن پر جدیدیت کے زمانے تک کوئی سوال قائم نہیں کیا گیا تھا، ان پر بھی مابعد جدیدیت کے عہد میں استفہامی نشان لگ گیے۔ میر، غالب، داغ، اقبال اور فیض جیسے اردو زبان کے بڑے شعرا کے کلام کو اکیسویں صدی کے اس موڑ پر دوبارہ جانچا اور پرکھا جانے لگا جب سوشل میڈیا کے ذریعے دنیا بھر کی مختلف النوع آرا ایک پلیٹ فارم پر آ کر جمع ہونے لگیں، اردو ادب کے وہ مسلمات جو بیسویں صدی کے نصف آخر تک باہمی گفت و شنید کی عالمی حکمت عملیوں سے محروم تھے، اس نے اکیسویں صدی میں داخل ہوتے ہی اپنی مسلم الثبوتیت کو خیر باد کہہ دیا، ایسے عہد میں کسی بھی شعری کاوش پر آخری اظہار خیال کرنا اور اس کے متعلق کوئی حتمی فیصلہ سنانا ہرگز ممکن نہیں رہا، اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ شعر کی تفہیم نے سائنس اور عمرانیات کے جدید اصولوں کی روشنی میں اپنے وجود کو جس تنوع سے ہم آہنگ کیا ہے اس کے حاصل کے طور پر کوئی ایسا شعری پیرایہ یکسر تسلیم اور رد نہیں کیا جا سکتا جس میں کوئی واضح ترین صحت و سقم نہ پایا جاتا ہو۔ کسی بھی شئے کے متعلق کوئی رائے ذاتی اظہار خیال ہے، جس سے ہر طرح کا اختلاف و اتفاق کیا جا سکتا ہے۔

موزوں ایک

ترین کڑی ہے، جس کے تخلیق کار شیخ ابوسعید الہ آبادی ہیں، اس نظم کو اردو زبان میں مثنوی کے پیرائے میں تخلیق کیا گیا ہے۔ مثنوی کے متعلق کوئی رائے قائم کرنے سے قبل میں اس مثنوی کے خالق کے تعلق سے دو ایک باتیں کہنا چاہتا ہوں، صاحب مثنوی ایک ماہر علم و فن ہیں، لہٰذا ان کا رویہ بھی ایسا ہی ہے

جیسا دنیا کے بڑے علمائے کرام کا رہا ہے، مثلاً حلم، فکر، اعتدال، محبت، خلوص، شفقت، قوت عمل اور قائدانہ صلاحیتیں وغیرہ جیسی کئی ایک صفات ان کی شخصیت کا حصہ ہیں، ساتھ ہی بات کہنے اور سننے کے آداب سے بھی موصوف بخوبی واقف ہیں، اپنی زندگی کے بنیادی مقاصد کو اچھی طرح جانتے ہیں اور اپنے فکری اظہار کے تمام حوالوں سے اپنے واضح ترین موقف کی ترسیل کے عمل میں کوشاں رہتے ہیں، شاعری ان کا مقصد حیات نہیں بلکہ اصلاح فکر و عمل کا ذریعہ ہے، جس طرح وہ نثر میں اپنی بات کہنا جانتے ہیں اسی طرح شعری ذرائع سے بھی اپنے افکار و خیالات کو ظاہر کرنے کے ہنر سے واقف ہیں، یہاں یہ بات کہنا میں ضروری سمجھتا ہوں کہ نثر اور نظم ان دونوں پیرایہ بیان پر شیخ صاحب یکساں قادر ہیں، لیکن نظم کے حوالے سے جس انداز کی گفتگو وہ سننے اور پڑھنے کے شائق رہے ہیں اس نے ان کے شعری ذوق میں مزید بالیدگی پیدا کر دی ہے۔

جو فائدہ بڑا سے

مجھے نظر آتا ہے وہ یہ کہ اس صنف کے ذریعے کسی بھی ایسے خیال کو بحسن و خوبی بیان کیا جا سکتا ہے جس میں یک گنا تسلسل پایا جاتا ہو، زیر نظر مثنوی ”نغمات الاسرار فی مقامات الابرار“ بھی ایسے ہی خیالات کا گلدستہ ہے جس کے پہلے شعر سے آخری شعر تک ایک طرح کا تسلسل و ربط موجود ہے۔ اس مثنوی کی اصل اہمیت اس میں موجود آداب اور اخلاقیات تصوف کا ضم ہو جانا ہے، ابھی تک میں نے اس مثنوی کو تین مرتبہ پڑھا ہے اور ہر بار میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ یہ مثنوی اردو کی کلاسکل مثنویوں سے جس قدر مشابہ ہے اسی قدر متضاد ہے، اردو زبان میں مثنوی نگاری کی جو روایت رہی ہے اس سے ہم سب اچھی طرح واقف ہیں، کہانی در کہانی اور واقعہ در واقعہ ہماری کلاسکل، اردو مثنویات کا ایک لازمی جز و رہا ہے، پھر خواہ وہ دکنی مثنویات ہوں یا شمالی، نغمات الاسرار میں بھی مجھے اردو کی قدیم مثنویات کی طرح کئی ایک کہانیاں نظر آتی ہیں، فرق یا پھر یہ کہہ لیا جائے کہ تضاد صرف اتنا ہے کہ نغمات الاسرار کی کہانی ایسی جذبی کیفیت سے لبریز ہے کہ اس مثنوی کے مضامین کو اردو کی کلاسکل مثنویوں کے متن سے یکسر مختلف قرار دیا جا سکتا ہے، اس کے برعکس اس مثنوی کی کلاسکل ہیئت پر اگر غور کریں تو محسوس ہوتا ہے کہ صاحب مثنوی نے جس طرح کی زبان اور اسلوب کو اپنی مثنوی میں روا رکھا ہے وہ ہمیں میر تقی میر، خواجہ میر درد اور مظہر جان جاناں وغیرہ کے کلام کی یاد دلاتا ہے، ایک اور بات جو اس مثنوی کو اردو کے ان صف اول کے شعرا سے ”اکیسویں الابرار
جوڑتی ہے وہ اس مثنوی کی مستقل متصوفانہ حیثیت ہے، نغمات الاسرار میں صاحب مثنوی نے اپنی بات کو جن صوفیانہ اصطلاحوں کے ذریعے بیان کیا ہے ان میں اس درجہ بلاغت پائی جاتی ہے کہ خواجہ میر درد اور میر تقی میر کے اشعار کی یاد تازہ ہو جاتی ہے، لیکن یہ واقعہ ہے کہ میں نے حمد

باری تعالی کا جواسلوب اور طرز اس مثنوی میں دیکھا وہ کسی شاعر کے یہاں مجھے نظر نہیں آیا، حتی کہ خواجہ میر درد اور میر تقی میر جو اردو کی صوفیانہ شاعری کی سب سے بڑی دو مثالیں ہیں ان کے یہاں بھی نہیں۔(1)، مثلاً آپ میر صاحب، خواجہ صاحب اور زیر نظر مثنوی کے چند ایک حمد یہ اشعار دیکھیے جس سے میری بات مزید واضح ہو جائے گی۔

مقدور ہمیں کب ترے وصفوں کے رقم کا
حقا کہ خدا وند ہے تو لوح و قلم کا
اس مسند عزت پہ کہ تو جلوہ نما ں ہے
کیا خاک گزر ہوے تعقل کے قدم کا

خواجہ میر دردؔ

تھا مستعار حسن سے اس کے جو نور تھا
خورشید میں بھی اس ہی کا ذرہ ظہور تھا
پہنچا جو آپ کو تو میں پہنچا خدا کے تئیں
معلوم اب ہوا کہ بہت میں بھی دور تھا

میر تقی میر

طائر قدسی حقیقت آشنا
لحن داودی میں ہے نغمہ سرا
ساز الہامی ہے اس کی ہر صدا
اور ندائے غیب ہے جس کی ندا
گفتگو ئے حق ہے جس کی گفتگو
جس کا اول ہی سبق ہے وحدہ

شیخ ابوسعید آلہ بادی

خواجہ صاحب اور میر صاحب کے حمد یہ اشعار کو غور سے پڑھیے اور پھر شیخ صاحب کے کلام کو دیکھیے آپ کو خود نظر آجائے گا کہ کس کلام میں زیادہ بلاغت پائی جاتی ہے، خواجہ صاحب اور میر صاحب نے جو اشعار کہے ہیں اس کی اہمیت سے تو انکار نہیں کیا جا سکتا، لیکن یہ واقعہ ہے ان کے اشعار کا خیال یک گنا سطحی ہے، جب کہ شیخ صاحب نے وحدت کے جس عنصر کو اپنے اشعار کے ذریعے بیان کیا ہے اس سے ظاہر ہو رہا ہے کہ وحدت کے متعلق غور کرنا اور اس حوالے سے افکار و خیالات کی نئی نئی منزلیں طے کرنا شیخ صاحب کا کل وقتی مشغلہ رہا ہے، جس کی بنیاد پر وہ اپنے

اشعار میں وحدت کے مضمون کا نیا خیال باندھنے پر قادر ہیں، جبکہ میر صاحب اور خواجہ صاحب کے اشعار کا مطالعہ کر کے ایسا محسوس نہیں ہوتا، شیخ صاحب اپنے اشعار میں جس طائر قدسی کا ذکر کر رہے ہیں وہ اتنا معنی خیز ہے کہ اس سے کائنات کی تمام اشیا کی طرف یک بارگی ذہن دوڑ جاتا ہے، مادہ اور روح ان دونوں حوالوں سے طائر قدسی کا تجزیہ کیا جا سکتا ہے، جس سے بات حقیقت کی منزلوں پر پہنچتی ہے، اسی طرح حقیقت، اور حق جیسی اصطلاحات کا استعمال کر کے شیخ نے مضمون میں جو وسعت پیدا کی ہے وہ بھی لائق تحسین ہے، یہاں میں اس بات کا اعادہ کرنا چاہوں گا جو بات میں اکثر اپنے احباب سے کہتا رہتا ہوں کہ آج جس عہد میں ہم جی رہے ہیں اس میں زندگی اور زندگی سے متعلق علوم میں کوئی نئی بات کہہ پانا جتنا مشکل ہے اتنا ہی آسان بھی ہے، کیوں کہ ہمارا علمی اثاثہ جس میں ہر طرح کی باتیں موجود ہیں وہ ابھی بھی اتنا ہی خالی ہے جتنا اول روز میں تھا، ادب بھی اس سے مستثنیٰ نہیں، ہمارے یہاں اس بات کا جو رونا رویا جاتا ہے کہ کوئی نئی بات کیوں کر کہی جائے یا کس انداز میں کہی جائے تو ایسے لوگوں کو مثنوی کے مطالعے کی ضرورت ہے، تا کہ ان کو زندگی کی قدامت سے جو گلہ ہے وہ ختم ہو سکے، خیر آپ مذکورہ بالا اقتباس کی تمام اصطلاحوں کو اگر غور سے دیکھیں گے تو مجھے امید ہے کہ اس نتیجے پر پہنچیں گے کس طرح ایک پھول کے مضمون کو سو رنگوں سے باندھا جا سکتا ہے۔ قرآنی تعلیمات اور قرآن کے ذریعے خدا کی دریافت یہ مضمون مثنوی کے حمدیہ کلام میں دو اور دو چار کی طرح رقم کیا گیا ہے جس میں تفہیم کی جس قدر سلاست ہے اسی قدر گیرائیت بھی، اپنے حمدیہ اشعار میں وحدت کے اول سبق کا ذکر کرنے کے بعد صاحب مثنوی نے آخری سبق تک قاری کی نشان دہی کر دی ہے اور اس کے آگے جن دو قرآنی اصطلاحوں مثلاً ''لا تخف'' اور ''ولا هم یحزنون'' کا تذکرہ انہوں کیا ہے، اس سے واضح انداز میں وحدت کے سبق کی تکمیل ہو جاتی ہے۔

نغمات الاسرار فی مقامات الابرار کا مطالعہ میری ناقص رائے میں چار حوالوں سے بیک وقت کیا جا سکتا ہے:

الف: علم تصوف کے حوالے سے
ب: زبان و ادب کے حوالے سے
ج: شعریت کے حوالے سے
اور
د: اردو کے مابعد جدید شعری منظر نامے کے حوالے سے

علم تصوف کے حوالے سے بھی اس مثنوی کے مطالعے کی کئی ایک جہتیں ہیں، مثلاً:

الف: اصلاح علم وعقیدہ کے حوالے سے
ب: صوفیہ کے عقائد ونظریات کے حوالے سے
ج: تصوف کی اصطلاحات کے حوالے سے
د: علم تصوف اور آداب تصوف کے حوالے سے

اسی طرح شعریت کے حوالے سے بھی کئی ایک موضوعات ترتیب دے کر نغمات الاسرار کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے، مثلاً:

الف: جدید صوفی شعریات کے حوالے سے نغمات الاسرار کا مطالعہ
ب: نئی استعاراتی بساط اور نغمات الاسرار فی مقامات الابرار کا مطالعہ
ج: شعریت کی جدید تعریف اور نغمات الاسرار کی عملی کارکردگی ایک مطالعہ

اسی طرح مابعد جدیدیت کی اگر بات کی جائے تو اس حوالے سے بھی کئی ایک موضوعات زیر بحث آ سکتے ہیں، مثلاً اردو کی جو مقامی شاعری ہے اس تناظر میں بھی اس مثنوی پر غور کیا جا سکتا ہے، ساتھ ہی ادب کے جدید مباحث Reformation,Deconstruction ساختیات اور پس ساختیات وغیرہ کے قاعدوں کے تحت بھی اس کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔

اس مثنوی کی ایک خاصیت یہ بھی ہے کہ اس میں کئی ایک پہلو بیک وقت موجود ہیں، لیکن اس کا بنیادی نقطہ نظر خالص صوفیانہ ہے، اور وہ بھی ایسا صوفیانہ نہیں جس کو اردو زبان میں عمومی انداز میں بیان کیا جاتا ہے۔ اس مثنوی میں تصوف کی اصطلاحات کو اس انداز میں نظم کیا گیا ہے اور اس کے اشارات اس طرح جذب کیے گیے ہیں کہ پوری مثنوی تصوف کی اسپیشل اسٹڈی کا اعلیٰ نصاب معلوم ہوتی ہے۔ اوپر بیان کیے گئے ان عناوین کے تعلق سے میں ایک اور بات کہنا چاہتا ہوں کہ یہ مثنوی خواہ کسی حوالے سے پڑھی جائے، لیکن اس کا حقیقی لطف اور اس کی اصل تفہیم اسی کو حاصل ہو سکتی ہے جو شیخ کی صحبت میں رہ چکا ہوں یا شیخ کی صحبت میں رہ کر اس کو سمجھنے کا متمنی ہو۔ کیوں کہ اس کی اصل تفہیم تک رسائی شیخ کی صحبت میں کچھ وقت گزارے بنا مشکل ہی سے حاصل ہوگی۔ اس کی ایک خاص وجہ جس کو شیخ الاسلام ڈاکٹر طاہر القادری نے اپنی ایک تقریر میں بہت واضح انداز میں بیان کر دیا ہے، ملاحظہ کیجیے، ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں:

ہوتا یہ ہے بعض اوقات ایک عبارت کے سمجھنے میں مغالطہ ہو جاتا ہے، ہر عبارت کا ایک سیاق وسباق ہوتا ہے، اور ویسے بھی یہ ایک فیکچوئل بات ہے کہ کسی خاص ٹیکنکل چیز کو اگر سمجھنا ہو، تو اس ٹیکنکل چیز کی اپنی ایک اسپیشلٹی ضروری ہوتی ہے، یعنی، اس زبان کو سمجھنا، اس زبان کے اشارات کو سمجھنا، اس زبان کی اصطلاحات کو سمجھنا وغیرہ ضروری ہوتا ہے، مثلاً کیمسٹری کے بہت

سے فارمولاز ہیں، ان کے اپنے اشارات ہیں، فزکس کے بہت سے فارمولاز ہیں، ان کے اپنے اشارات ہیں، میتھ میٹکس کے فارمولاز ہیں، اس کے اپنے اشارات ہیں، اور آج تو آپ جینیٹک سائنس کی بڑی سے بڑی ڈیٹیلس میں چلے جائیں، پروٹونس کے ڈسکشن میں، نیوٹرون کے ڈسکشن میں، ایک ایک چیز کے اوپر اتنی ٹیکنکل نالج وجود میں آ گئی ہے اور اتنی ٹیکنکل اشارات کی زبان وجود میں آ گئی ہے کہ اس سبجیکٹ کا بنیادی علم رکھنے والا بھی جب ان چیپٹر پہ آئے گا تو رتی برابر یہ اشارات اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آئیں گے، لہٰذا وہی شخص ان اشارات کو سمجھ سکتا ہے جو دراصل اس سبجیکٹ پر کامل مہارت رکھتا ہو۔

Dr. Tahir ulQadri, Introduction to Series(Sufism Teachings of Sufis: Episode. 1X(YouTube.

نغمات الاسرار فی مقامات الابرار کو سمجھنے کا بھی یہی معاملہ ہے کہ اس کی تفہیم اس کے ماہرین ہی کے ذریعے ممکن ہے۔

یہ مثنوی ایک فن پارہ ہے، جس کو اردو زبان کی نئی شعریات کے حوالے سے میں قابل قدر سمجھتا ہوں، یہ فن پارہ جہاں ایک طرف شاعری کی جدید روایت کو اس زبان کی قدیم روایات سے جوڑتے ہوئے کئی ایک بڑے کارنامے انجام دیتا نظر آتا ہے وہیں ہندوستان کی علاقائی شعری روایت کو دوبارہ زندہ کرتا ہوا نظر آتا ہے، الہ آباد جو کئی برسوں سے اچھی اور بڑی شعری تخلیقات سے محروم ہوتا چلا جا رہا تھا اس مثنوی نے اس کسر کو بخوبی پورا کیا ہے، میں شیخ صاحب کی مثنوی کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ محسوس کرتا ہوں کہ اردو زبان میں جس کلاسکی رنگ کے فقدان کو ہم شدت سے محسوس کر رہے تھے وہ کلاسکی رنگ اس مثنوی کے حوالے سے دوبارہ اپنے حقیقی عرفان کے ساتھ زندہ ہوتا نظر آتا ہے۔

....

(1) میر صاحب کا اردو دیوان اور خواجہ صاحب کا اردو دیوان دونوں حمدیہ کلام سے شروع ہوئے ہیں اور شیخ صاحب نے چوں کہ اپنا کوئی ایسا دیوان ترتیب نہیں دیا ہے اس لیے میں ان کی مثنوی کے ابتدائی حمدیہ کلام سے یہ ان کے مختلف اسلوب کی مثال پیش کر رہا ہوں، ان تینوں شعری اقتباسات میں قدر مشترک یہ ہے کہ یہ تینوں حمدیہ شاعری کی مثالیں ہیں۔

○○○

زاویہ

شیخ نجم الدین کبریٰ کی حیات، افکار اور خدمات پر خصوصی گوشہ

ادارہ

آئینۂ حیات کبریٰ

نام؛ احمد بن عمر بن محمد خیوقی
ولادت: ۵۴۰ھ/ ۱۱۴۵ء
شہادت: ۶۱۸ھ/ ۱۲۲۱ء، تاتاری حملے میں
عقیدہ: اہل سنت و جماعت/ اشعری
مذہب: شافعی
القابات: نجم الدین، الطامۃ الکبری، نجم الدین الکبری، ولی تراش، محدث خراسان، شیخ خراسان، ملجا الغرباء
کنیت: ابوالجنّاب
تعلیمی اسفار: دو مرحلوں پر مشتمل ہے (۱) علوم شرعیہ، دینیہ کی طلب (۲) تصوف اور علوم حقائق و معارف کی طلب
مقامات: مکۃ المکرمہ، اصفہان، نیشاپور، آرمینیا، قاہرہ، اسکندریہ، دمشق، بغداد، اہواز، تبریز، مصر، ہمدان وغیرہ
مشائخ: شیخ الوریٰ ابو ابراہیم اسماعیل بن الحسین بن عبداللہ قصری
شیخ السیار عمار بن یاسر بن محمد بن عمار بن سحاب شیبانی، بدلیسی (۵۹۰ھ)
قاضی القضاۃ ابوسعد عبداللہ بن محمد بن ھبۃ اللہ بن مطہر بن علی ابن ابی عصرون (۵۸۵ھ)
شطاح فارس ابومحمد روزبہان بن ابونصر بقلی، فسوی، شیرازی، مصری (۶۰۶ھ)
خرقہ پوشی: شیخ قصری سے نہرجوریہ میں اصلا، شیخ عمار سے سہروردیہ میں تبرکا
اجازت وخلافت: سلسلۂ سہروردیہ میں شیخ السیار عمار بن یاسر بن محمد بن عمار بن سحاب شیبانی
مشاہیر اساتذہ: ابوطاہر سلفی، ابوالعلا ہمدانی عطار، ابومحمد مبارک بن مبارک بن طباخ، ابو

الضیاء بدر بن عبداللہ حدادی، احمد بن محمد اللبان، ابوسعید خلیل بن بدر رازی، ابوعبداللہ محمد بن ابوبکر کیزانی، ابوجعفر بن محمد بن احمد بن نصر صیدلانی، مسعود بن مسعود حمال

ممتاز خلفا اور تلامذہ : مجد الدین بغدادی، سیف الدین باخرزی، سعدالدین حموی، عین الزماں جمال الدین گیلی، بابا کمال جندی، رضی الدین علی لالا، خطیب داریا شیخ، عبدالعزیز بن ہلالہ، ناصر بن منصور عرضی وغیرہ قدس سرہم

خدمات اور کارنامے: خوارزم میں خانقاہ کبرویہ کی بنیاد، درس وتدریس، طالبین ومریدین کی تربیت؛ مخلوق کا رجوع اور توبہ وانابت الی اللہ، سنت وشریعت کا احیا، مجالس وعظ ونصیحت، مختلف علاقوں اور ممالک میں دعوت کے لیے خلفا کی روانگی، تاتاریوں میں دعوت وتبلیغ کے لیے اولیا اور داعیوں کی جماعت کی تشکیل، جہاد فی سبیل اللہ

تصانیف: **فوائح الجمال وفواتح الجلال، التاویلات النجمیة، الاصول العشرة، رسالة السفينة، رسالة الخائف الهائم من لومة اللائم، منهاج السالكين، رباعيات۔** ان کے علاوہ کچھ اور کتابیں بھی شیخ کی طرف منسوب ہیں: **طوالع التنوير، رسالة الطرق، منازل السائرين، سر الحدس، سكنات الصالحين، آداب المريدين، الرسالة الكبروية، مقدمة مختصرة مفيدة، فصل فی الذكر، رسالة فی السلوک، رسالة سر الحدس، رسالة الطرق** ان کے علاوہ دیگر تصانیف اور رسائل بھی آپ کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں۔

سیرت وکمالات: صوفی، زاہد، واعظ، باحث، مدرس، محدث، مصنف، مربی، فقیہ، ناقد

○○○

شیخ نجم الدین کبریٰ
ترجمہ: مولانا اظہار احمد سعیدی

اللہ تک پہنچنے کے راستے

رسالہ الاصول العشرۃ کا اردو ترجمہ

اللہ تک پہونچنے کے راستے بھی بے شمار ہیں جس طرح مخلوق کی بے شمار سانسیں۔ البتہ جس راستے کو ہم بیان کرنے جا رہے ہیں یہ اس تک پہونچنے کا سب سے قریبی، واضح اور رشد و ہدایت سے پُر ہے۔

واضح رہے کہ اللہ تک رسائی کے سارے راستے ذیل کے تین راستوں سے مل جاتے ہیں:

اصحاب معاملات کا راستہ

یہ کثرت سے نماز، روزہ، حج، زکوۃ تلاوتِ قرآن اور دوسرے ظاہری اعمال، کرنے والوں کا راستہ ہے یہ اخیار کا راستہ ہے۔ اس راستے کے ذریعے لمبی مدت کے بعد بھی اللہ تک بہت ہی کم لوگ پہونچ پاتے ہیں۔

مجاہدات وریاضات کا راستہ

یہ طریقہ ریاضات ومجاہدات کرنے والوں، باطن اور نفس کو مزکی ومصفی کر کے حسن اخلاق پیدا کرنے والوں کا ہے، یہ راستہ ابرار کا ہے۔ اس راستے سے اللہ تک پہونچنے والوں کی تعداد پہلے والے کی بنسبت کچھ زیادہ ہے، لیکن یہ لوگ بھی شاذ ونادر ہی اللہ تک واصل ہوتے ہیں۔

اسی وجہ سے جب منصور حلاج نے ابراہیم خواص سے پوچھا کہ تمہارا نفس کس چیز میں لگا ہوا ہے؟ تو انھوں نے کہا کہ تیس سال سے توکل میں۔ یہ سن کر انھوں نے کہا کہ جب تم نے پوری عمر باطن کو صاف وشفاف کرنے میں لگا دی تو فنا فی اللہ کا مقام کب حاصل کرو گے؟

سالکین اور طائرین باللہ کا راستہ

یہ ان اہل عشق ومحبت کا راستہ ہے جو جذبۂ ربانی سے سلوک طے کرتے ہیں، یہ لوگ ابتدا ہی میں ان مقامات پر فائز ہوجاتے ہیں جن مقامات تک دوسرے لوگ انتہا تک بھی نہیں پہنچ پاتے، کیونکہ اس پسندیدہ راستے کی بنیاد ہی اپنے ارادے کی موت ہے ۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: موتوا قبل أن تموتوا ۔اس راہ کے دس اصول ہیں۔

۱۔توبہ

توبہ نام ہے اللہ کی طرف رجوع بالارادہ کا۔اسی طرح غیرارادی طور پر اللہ کی طرف رجوع کا نام بھی ہے ارشاد باری تعالی ہے: ارجعي إلى ربک راضية مرضية ۔(فجر:۲۸) اے نفس مطمئنہ! اپنے رب کی بارگاہ میں اس طرح لوٹ جاؤ کہ تو اس سے راضی ہو اور وہ تجھ سے راضی ہو۔

لہٰذا توبہ کا مطلب یہ ہے کہ بندہ ہرطرح کے گناہوں سے پاک وصاف ہوجائے ۔اور گناہ ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو بندے کو اللہ سے محجوب کردے، چاہے وہ چیز دنیوی ہو یا اخروی ۔اس لیے طالب مولی پر ضروری ہے ماسوا کی ہرخواہش سے دور ہوجائے حتی کہ اپنے وجود سے بھی دور ہو، جیسا کہ بزرگوں کا قول ہے تمہارا وجود ایسا گناہ ہے جس کے برابر کوئی گناہ نہیں۔

۲۔دنیا وآخرت سے زہد

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: **الدنيا حرام على أهل الآخرة، والآخرة حرام على أهل الدنيا، وهما حرامان على أهل الله تعالى** ۔اہل آخرت پر دنیا، اور اہل دنیا پر آخرت حرام ہے، اور اہل اللہ پر دونوں کے دونوں حرام ہیں۔

۳۔توکل

توکل علی اللہ یہ ہے کہ بندہ اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے اسباب دنیا اور اس کو اختیار کرنے سے ایسے منقطع ہوجائے جیسے کہ موت سے ہوتا ہے، فرمان باری تعالی ہے: **من يتوكل على الله فهو حسبه** ۔(طلاق:۳) جو اللہ پر توکل کرتا ہے اللہ تعالی اس کے لئے کافی ہے۔

۴۔قناعت

جیسے مردہ ہرطرح کی خواہشات سے دور ہوتا ہے اسی طرح نفسانی شہوات اور حیوانی لذتوں سے دور ہونے کا نام قناعت ہے، ہاں بصورت مجبوری ضرورت بھر ماکولات وملبوسات ومسکن کے استعمال کی اجازت ہے۔

۵۔خلوت

خلوت یہ ہے کہ انسان مخلوق کی صحبت سے جدا ہوجائے، ہاں اگر کوئی شیخ مربی اور واصل

ہو تو اس کی صحبت سے دور نہ ہو کہ وہ مردوں کو غسل دینے والے کی طرح ہے اور اس کے ہاتھ میں ایسے ہی ہوجائے جیسا کہ میت نہلانے والے کے ہاتھ میں ہوتا ہے تاکہ وہ اس سے اجنبیت کی گندگی اور حدوث کی غلاظت کو ولایت کے پانی سے دھلنے کے لیے، جیسے تصرف کرنا چاہے کرسکے۔

خلوت کی اصل یہ ہے کہ محسوسات میں تصرف کرنے سے حواس باز آجائیں، اس لئے کہ ہر آفت اور فتنے کی بنیاد روح کا محسوسات میں تصرف سے ہے کیوں کہ نفسانیت کا غلبہ اور نفسانی صفات کی نشونما محسوسات میں تصرف ہی سے ہوتی ہے ۔یہ چیزیں حواس کی مدد سے اندر داخل ہوتی ہیں اور انہیں کی مدد سے نفس روح کو اسفلِ سافلین تک پہونچا کر اسی میں جکڑ دیتا ہے، پھر اس پر آسانی سے غالب آجاتا ہے، لیکن خلوت اختیار کرنے کی وجہ سے حواس بند ہوجاتے ہیں تو نفس کو دنیاوی اور شیطانی مدد نہیں مل پاتی، اور اس طرح سے نفسانی خواہشات کی اعانت بند ہوجاتی ہے اور وہ کمزور پڑجاتے ہیں۔

جیسے کہ ڈاکٹر جب کسی مریض کا علاج کرتا ہے تو سب سے پہلے ضرر پہنچانے والی یا مرض میں اضافے کا سبب بننے والی چیزوں سے پرہیز کرواتا ہے، کیونکہ پرہیز کی وجہ سے مرض کو بڑھانے والے جو فاسد مواد ہوتے ہیں وہ ختم ہوتے ہیں اور جب وہ ختم ہوجاتے ہیں تو باقی مادے بھی صاف وشفاف ہوجاتے ہیں۔

کسی کا قول ہے کہ: **الحمية رأس كل دواء** ۔ترجمہ: پرہیز ہر دوا کی اصل ہے ۔ڈاکٹر پرہیز کرانے کے بعد اس مریض کا علاج دست آور دوا سے کرتا ہے، جس سے پیٹ میں بچے ہوئے فاسد مواد زائل ہوجاتے ہیں، پھر وہ مریض کی طبعی قوتوں اور اس کی فطری حرارت کو بڑھاتا ہے، تاکہ طبیعت کی تاثیر سے مرض کا ازالہ ہو، اور صحت صحیح ہو، اس سے معلوم ہوا کہ پہلے پرہیز پھر دست آور دوا ہوتی ہے اور مواد فاسدہ کی صفائی ذکر ہے۔

۶۔ذکر دائمی

ذکر دائمی یہ ہے کہ بندہ ہر چیز کو بھلا کر اللہ کے ذکر میں لگ جائے ۔فرمان باری تعالی ہے: **واذكر ربک إذا نسيت** ۔(کہف:۲۴) جب بھول جاؤ تو اپنے رب کو یاد کرو۔

دست آور دوا ذکر لا الٰہ الا اللہ ہے ۔کلمہ ''لا الٰہ الا اللہ'' ایسا معجون ہے جو نفی واثبات سے مرکب ہے، نفی کے ذریعہ سے وہ فاسد مواد زائل ہوجاتے ہیں جن سے دل مریض ہوتا ہے اور روح مقید ہوتی ہے اور جن نفس اور اس کی صفات مثلا اخلاق ذمیمہ، شہواتِ نفسانیہ، علائق کونین مواد فاسدہ بڑھتے ہیں۔

''الا اللہ'' کے اثبات اور اس کی نورانیت سے قلب کو صحت وقوت اور اوصافِ رذیلہ سے

سلامتی حاصل ہوتی ہے کیوں کہ اس صورت میں قلب اپنے اوصاف ذمیمہ سے جدا ہوجاتا ہے، اس کو زندگی مل جاتی اور نور الٰہی سے قلب اپنی حالت اعتدال کی جانب لوٹ جاتا ہے تب اسے حق کا مشاہدہ نصیب ہوتا ہے اور ذاکر کی روح کے ساتھ اس کی ذات وصفات بھی مجلی ہوجاتے ہیں ،اس کی زمین نفس نور الٰہی سے چمک اٹھتی ہے، اور نفس کی ظلماتی صفتیں زائل ہوجاتی ہیں ۔فرمان باری تعالی ہے : **یوم تبدل الأرض غیر الأرض والسموات وبرزوالله الواحد القهار** ۔(ابراہیم:۴۸) اس دن کو یاد کرو جس دن زمین وآسمان بدل جائیں گے اور وہ سب کے سب اللہ واحد وقہار کے حضور حاضر ہوں گے۔

پھر اللہ کے فارمولے ’’**فاذکرونی أذکرکم**‘‘ (بقرہ:۱۵۱) کے تحت ذاکریت مذکوریت میں، مذکوریت ذاکریت سے بدل جاتی ہے اور ذاکر ذکر میں فنا ہوجاتا ہے، مذکور باقی رہ جاتا ہے۔

اس مقام پر پہونچنے کے بعد اگر تم ذاکر کو تلاش کروگے تو مذکور کو اور جب مذکور کو تلاشو گے تو ذاکر کو پاؤ گے۔ ایسے ہی مقام کے لئے صوفیہ فرماتے ہیں: **فإذا أبصرتني أبصرته وإذا أبصرته أبصرتني.** ترجمہ: کہ اگر تم نے مجھے دیکھا تو گویا اسے دیکھا، اور اگر اسے دیکھا تو مجھے دیکھا۔

۷۔توجہ الی اللہ

مکمل وجود کے ساتھ اللہ کی طرف کامل توجہ کا مطلب یہ ہے کہ ہر اس خواہش سے انسان الگ ہوجائے جو غیر اللہ کی طرف لے جانے والی ہو، اور اس کا محبوب ومطلوب ومقصود ومقصد صرف اور صرف اللہ کی ذات رہ جائے جیسے کہ مردہ ہر طرح کی خواہش سے الگ تھلگ ہوکر صرف اللہ کے لئے ہوجاتا ہے۔ لہٰذا اب اگر اس صادق کے سامنے انبیاء ومرسلین کے سارے مقامات پیش کیے جائیں تو بھی وہ ایک لمحے کے لئے ذاتِ الٰہی سے منھ پھیر کر ان مقامات کی طرف متوجہ نہیں ہوسکتا، جیسا کہ جنید بغدادی رحمہ اللہ نے فرمایا:

اگر مقام صدیقیت پر فائز شخص ہزار سال تک اللہ تعالی سے لولگائے رہا پھر اگر وہ ایک لمحے کے لئے بھی روگردانی کر بیٹھا تو ہزار سال میں جتنا اس نے حاصل کیا تھا ایک لمحے کی روگردانی میں اس سے کہیں زیادہ گنوا بیٹھا۔

۸۔صبر

ریاضت ومجاہدہ کے ذریعہ نفس کو اس کی محبوب ومالوف چیزوں سے پاک کرکے، شہوت کی آگ کو بجھاکر، اوصافِ رذیلہ سے اس کو مصفی، اور روح کو ہر طرح کے خسائس سے مزکی کرنے کے بعد اللہ کے راستے پر مکمل طریقے سے جم جانے کا نام صبر ہے، جیسے کہ مردہ ہر طرح کی خواہشات سے صرف نظر کرکے صرف اور صرف اللہ پر صابر ہوتا ہے۔ صابرین کے بارے

میں فرمان باری تعالی ہے:

وجعلنا منهم أئمة يهدون بأمرنا لما صبروا وكانوا بآياتنا يوقنون ۔(سجدہ:۲۴)

جب لوگوں نے صبر کیا تو ہم نے کچھ امام وپیشوا بنا دیئے جو ہمارے حکم سے ہدایت کرتے رہے، اور وہ ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے۔

۹۔مراقبہ

جس طرح مرجانے کے بعد انسان اپنی طاقت وقوت سے بالکل الگ تھلگ ہوجاتا ہے۔ اسی طرح اپنی قوت وطاقت سے نکل کر اللہ کی عطاوں اور اس کے لطف وکرم کی نعمتوں کا منتظر، ماسوا سے الگ تھلگ، رضائے الٰہی کے بحر بیکراں میں غوطہ زن، لقائے الٰہی کے مشتاق ہونے کا نام مراقبہ ہے، اس طرح کہ اس کے قلب وروح اس کے پاس ہوتے ہوئے بھی اللہ کی طرف مکمل مائل ہوں اور اسی سے استعانت واستغاثہ کرتے رہیں یہاں تا کہ اس پر رحمت کا ایسا دروازہ کھلے جسے نہ کوئی بند کرسکتا ہو، اور عذاب کا دروازہ ایسا بند ہو کہ جسے نہ کوئی کھول سکتا ہو، جب مراقب اس مقام پر پہونچ جائے گا تب جاکر وہ نور الٰہی سے فائز وکامران ہوگا اور اس کے نفس پر اللہ کی ایسی رحمت ہوگی جو نفس امارہ کی ظلمت کو ایک لمحے میں ختم کردے گی جسے تیس سال کے مجاہدات وریاضات بھی نہیں ختم کرسکتے جیسا کہ فرمان باری تعالی ہے ۔ **إلا ما رحم ربي** ۔ (یوسف:۵۳) ہاں جن پر اللہ اپنی رحمت نازل فرمائے اور یہی اخیار حضرات کا مقام ہے، جن کی نفسانی سیئات کو روحانی حسنات سے بدل دیا جاتا ہے، فرمان باری تعالی ہے: **فأئلک یبدل الله سیئاتهم حسنات** ۔(فرقان:۷۰)

یہ وہی لوگ ہیں جن کے سیئات کو اللہ تعالی حسنات سے بدل دیتا ہے۔

اور یہ ابرار کا مقام ہے بلکہ ابرار کے حسنات بھی مقربین کے سیئات ہوتے ہیں۔ کیوں کہ مقربین کو حق تعالی کے الطاف وعنایات کے حسنات حاصل ہوتے ہیں۔ فرمان باری تعالی ہے **:للذین أحسنوا الحسنی وزیادة** ۔(یونس:۲۶)

ایسے لوگوں کے لئے جو نیک کام کرتے ہیں جنت ہے بلکہ اس پر بھی اضافہ ہوگا۔ اور یہ اضافہ اللہ تعالی کے لطف وکرم کے حسنات ہیں۔ **ذلک فضل الله یؤتیه من یشاء** ۔(جمعہ:۴)

۱۰۔تسلیم ورضا

رضا یہ ہے کہ بندہ احکام ازلی کو تسلیم کرے، بلاچوں چرا خود کو تدبیر ابدی کے حوالے کردے، رضائے نفسانی سے نکل جائے اور رضائے مولی اختیار کرلے۔ جیسا کہ موت میں ہوتا ہے۔ صوفیہ میں سے کسی نے یہ شعر کہا ہے:

وكلت إلى المحبوب أمري كله
فإن شاء أحياني وإن شاء أتلفا

اپنا سب کچھ میں نے اپنے محبوب کے حوالے کر دیا، اب وہ چاہے تو مجھے زندہ رکھے یا مار ڈالے۔

لہٰذا جو شخص ارادی طور پر اس طرح کے ظلمانی اوصاف سے مرجاتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اپنی عنایت کے نور سے زندہ فرماتا ہے جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے: **أومن كان ميتا فأحييناه وجعلنا له نورا يمشي به في الناس كمن مثله في الظلمات ليس بخارج۔** (انعام: ۱۲۲)

(بھلا وہ شخص جو مردہ تھا پھر ہم نے اسے زندہ کیا اور ہم نے اسے ایمان ومعرفت کا نور عطا فرمادیا پھر وہ اس کے ذریعہ بقیہ لوگوں میں بھی روشنی پھیلانے کے لیے چلتا ہے اس شخص کی مانند ہو سکتا ہے جس کا حال یہ ہو کہ اندھیروں میں اس طرح گھرا پڑا ہے کہ اس سے نکل ہی نہیں سکتا۔)

انسانی ڈھانچے میں نفس کے ظلمانی اوصاف سے جو مرچکا ہو ہم اسے اوصافِ ربانیہ سے زندہ کر دیتے ہیں اور اس کو ایسا نور عطا کرتے ہیں جس سے وہ لوگوں کے دلوں پہ بھی مطلع ہو جاتا ہے، فراست اس کے ساتھ میں ہوتی ہے اور وہ ان کے احوال کا مشاہدہ کر لیتا ہے، اس کی مثال اس شخص کی طرح نہیں ہے جو تاریکیوں میں ہو یعنی اس کا شجر وجود ایسی ظلمت میں ہو کہ جس سے نبوت وولایت کے نورانی پھل اور مومنیت کے پرنور پھول بھی اس سے نہیں نکل سکتے۔

(رسالہ **الاصول العشرۃ** کا ترجمہ)

○○○

رفعت رضا نوری

شیخ نجم الدین کبریٰ: حیات وخدمات

شیخ نجم الدین کبری امت کے ان اولوالعزم اولیا اور صاحب استقامت مرشدین میں گزرے ہیں جو اپنے علمی، عملی اور عارفانہ کمالات کی بنیاد پر اپنے ہم زمانہ علما ومشائخ پر فوقیت رکھتے تھے، وہ بیک وقت جامع شریعت وطریقت تھے، حدیث نبوی کے درس اور سنت نبوی کی پیروی میں حریص تھے، اپنی تبلیغی، اصلاحی اور روحانی خدمات کی وجہ سے اپنے عہد ہی میں مشہور ہو گئے تھے، ایران کے بڑے بڑے شہروں یہاں تک کہ روم، بغداد اور دمشق کے علما اور طلبہ کے مابین آپ کی عظمت کا چرچا عام ہو گیا، اپنی بے نظیر خوبیوں کے ذریعے، علما ومشائخ کی ایسی ٹیم تیار کی جنہوں نے سقوط بغداد کے بعد خود تاتاریوں کے درمیان حکمت، موعظت کے ساتھ آستینوں میں ید بیضا لیے ایسی تبلیغ کی کہ۔ع پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے اور بھاری تعداد میں تاتاریوں نے اسلام قبول کر لیا۔ شیخ نجم الدین کبری چنگیز خان کی فوج سے جہاد کرتے ہوئے خود تو شہید ہو گئے مگر اپنے پیچھے خلفا، طالبین اور مریدین کی عظیم جماعت، بے مثال تصانیف کا ذخیرہ اور بے شمار روحانی نعمتیں چھوڑ گئے جو انقلاب لانے کا پیش خیمہ بنیں۔ اللہ رب العزت نے اس کا صلہ یہ عطا فرمایا کہ آج تک آپ کا سلسلہ کبرویہ جاری ہے اور اس کی شاخیں پورے عالم اسلام میں پھیلی ہوئی ہیں اور فیضان علم ومعرفت دونوں سے سیراب کر رہی ہے۔

شیخ اپنی نادر ونایاب خوبیوں کی وجہ سے اہل طریقت اور محققین کے درمیان مخصوص القابات سے یاد کیے جاتے ہیں۔ مشہور نقش بندی مجددی مؤرخ ضیاء الدین احمد بن مصطفی کمشخانوی کتاب ”**جامع الاصول فی الاولیاء وانواعهم واوصنافهم۔**“ (ص۔ ۱۸/۱۹) میں لکھتے ہیں:

”اولیا میں سے ہر ولی کی اپنی مخصوص خصوصیت اور انفرادیت ہوتی ہے، اور حیات و موت میں خاص ہمت انہیں حاصل ہوتی ہے۔ مثلا بحر توحید میں فنا اور استغراق کے اعتبار سے شاہ نقش بند، تصرف وامداد کے حوالے سے غوث صمدانی شیخ عبدالقادر جیلانی، علمی رسوخ اور واردات

ربانیہ میں ابوالحسن شاذلی، کرامت وخوارق میں سید احمد رفاعی، لطف ونرمی میں سید احمد بدوی ،سخاوت وکرامت میں ابراہیم دسوقی، عرفان وکمال میں شیخ اکبر،عشق کی لذت اورمحبت وشوق میں جلال الدین رومی، مشاہدۂ ربانی میں محویت کے لیے امام سہروردی، حلم وبردباری کے تعلق سے شیخ خضر یحییٰ، وجد وجذبات اورنظروعنایت میں حضرت نجم الدین کبریٰ قدست اسرارہم مشہور رہے ہیں۔ آگے لکھتے ہیں کہ مذکورہ تمام خصائل واوصاف گرچہ تمام اولیا میں قدرے مشترک پائی جاتی ہیں مگر ہر ولی خود اپنی شان اور انوکھی پہچان اور انہیں مخصوص مقام کا حامل ہوتا ہے۔ **کل حزب بمالدیھم فرحون**۔(بحوالہ فوائح الجمال، مقدمہ ص/ ۲۶)

شیخ ولی تراش

اپنی مخصوص نظروعنایت اور دیگر نمایاں خوبیوں کی بنیاد پر حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ کو اسلامی تاریخ میں عظیم رتبہ اور امتیازی حیثیت حاصل ہے اور انہیں ''ولی تراش'' کہا جاتا ہے کیوں کہ جب آپ پر جذب ووجد کی کیفیت طاری ہوجاتی اور اسی حالت میں کسی پر نظر پڑ جاتی تو وہ ولایت کے درجہ تک پہنچ جاتا تھا۔ اس سلسلے میں سردست چند واقعات اجمالاً حاضر ہیں:

(۱) ایک دن ایک سوداگر آپ کی خانقاہ میں آیا، اس وقت شیخ کی حالت بہت قوی تھی، جونہی آپ کی نظر اس سوداگر پر پڑی اسی وقت وہ ولایت کے درجے پر پہنچ گیا، شیخ نے دریافت کیا کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو، سوداگر نے اپنا وطن بتایا، آپ نے اس کو ارشاد وہدایت کا اجازت نامہ تحریر فرمایا اور حکم دیا کہ اپنے ملک میں جاؤ اور خلق خدا کو اللہ کی طرف بلاؤ۔(نفحات الانس: ص، ۶۵۷)

(۲) علامہ جامی لکھتے ہیں: ایک دن ایک باز ایک ممولے کا پیچھا کر رہا تھا (اس کا شکار کرنا چاہتا تھا) اچانک شیخ کی نظر اس ممولے پر پڑ گئی فوراً مولہ پلٹا اور باز کو پکڑ کر شیخ کی خدمت میں حاضر کر دیا۔ اقبال نے اپنے شعر میں اسی واقعے کی طرف تلمیح کی ہے۔

اٹھا ساقیا پردہ اس راز سے
لڑا دے ممولے کو شہباز سے

(۳) ایک دن اصحاب کہف کے متعلق آپ اپنے اصحاب اور مریدین کے درمیان گفتگو کر رہے تھے کہ شیخ کے ایک مرید کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اس امت محمدیہ میں بھی کوئی ایسا شخص ہے جس کی صحبت کتے پر اثر کرے۔ شیخ نے باطنی نور سے یہ بات معلوم کر لی اور اٹھے اور خانقاہ کے دروازے پر کھڑے ہوگئے۔ کچھ دیر کے بعد ایک کتا وہاں آ گیا اور شیخ کے سامنے دم ہلانے لگا، شیخ کی نظر اس کتے پر پڑی، وہ اسی وقت متحیر وبیخود ہوگیا اور شہر سے پلٹ کر ایک قبرستان میں چلا گیا۔ اور بس وہ ہمہ وقت زمین پر سرگڑتا رہتا تھا، منقول ہے کہ وہ جدھر جاتا تھا پچاس ساٹھ

کتے جمع ہوجاتے اور اس کے گرد حلقہ باندھ لیتے۔ بغیر کھائے پیے خاموش سبھی پنجے گاڑے رہتے۔ کچھ عرصہ بعد وہ مر گیا۔ شیخ نے حکم دیا کہ اس کو دفن کر دیں اور اس کے مدفن پر عمارت بنا دیں۔
(نفحات الانس، ص ۲۵۷)

ولادت اور نشوونما

شیخ کی پیدائش ۵۴۰ھ خوارزم (موجودہ خیوا۔ از بیکستان) کے گاؤں خیوق میں ہوئی، شیخ کے خاندان کے احوال کی تفصیل نہیں ملتی البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ شیخ کی پرورش و پرداخت کسی امیر وکبیر گھرانے میں نہیں بلکہ ایک غریب گھرانے میں ہوئی۔ شیخ نجم الدین کبریٰ نے فوائح الجمال میں اپنے بارے میں لکھا ہے جب وہ بچے تھے تو ایک گھر میں سامانوں اور کپڑوں کی حفاظت کے لیے مامور تھے ایک رات ان کے دل میں چور کا خطرہ گذرا اور یہی سوچ کر وہ بے ہوش ہوگئے اور دوسرے دن دوپہر تک بیہوشی طاری رہی اور کسی نے ان کی خبر بھی نہیں لی۔ (فوائح الجمال، ص:۲۰۰)

اس واقعے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ غالباً شیخ یتیم ہو چکے تھے، ان کے بچپنے کے دور میں انہیں سہولیات اور فراوانی میسر نہیں تھیں۔ لیکن بعد میں شیخ کے پاس اسباب مہیا ہوئے، جبھی شیخ نے مختلف ممالک کا تعلیمی اور روحانی دورہ کیا ہے، البتہ ذرائع معاش کیا تھے، اس کی تفصیل بھی نہیں ملتی۔

نام، القاب اور کنیت

آپ کا نام احمد بن عمر ابن محمد خیوقی خوارزمی ہے، کنیت ابوالجنّاب ہے۔ (دنیا اور آخرت کے حظوظ سے بہت زیادہ کنارہ کش) نجم الدین الکبری، نجم الدین، الطامۃ الکبریٰ، صانع الاولیا، آپ کے معزز القاب ہیں۔ آپ سے بحث ومباحثہ میں کوئی جیت نہیں سکتا تھا اس لیے آپ الطامۃ الکبری (بڑی مصیبت) کے لقب سے مشہور ہوگئے تھے۔ بعد میں الطامۃ حذف ہوگیا اور کبریٰ رہ گیا۔ حافظ ذہبی نے سیر اعلام النبلاء میں اس کی اصل یہ بیان کی ہے کہ نجم الدین الکبریٰ اصل میں نجم الکبراء ہے، یہی بعد میں الکبریٰ میں تبدیل ہوگیا اور پھر بعد میں نجم الدین الکبریٰ ہوگیا۔

آپ کو صانع الاولیا (ولی تراش) اس لیے کہا جاتا تھا کہ آپ کی بارگاہ سے بڑی تعداد میں ولیوں کی جماعت نکلی، جنھوں نے مخلوق میں دعوت وتبلیغ کا کام کیا، دوسری بنیادی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ اللہ نے آپ کو جذبی نظر عطا فرمائی تھی اور جذب وشوق کی حالت میں اگر کسی کو دیکھ لیتے تو وہ اسی وقت مرتبہ ولایت تک پہنچ جاتا۔ جیسا کہ کچھ واقعات آپ نے اوپر ملاحظہ فرمایا۔

علوم شریعت کی تحصیل

شیخ کے ابتدائی تعلیم خوارزم ہی میں ہوئی۔ حصول تعلیم کی ابتدا کیسے ہوئی اس کی تفصیل

نہیں ملتی البتہ اتنا ضرور ہے کہ شیخ کے اندر شرعی علوم کے حصول کا جذبہ شروع ہی سے تھا، خاص طور پر علم حدیث سے ان کو خاص شغف تھا پھر ان کے اندر معارف دینیہ کے حصول کا جذبہ پیدا ہوا، اس کے لیے مشاہیر مشائخ تصوف کی طرف رجوع کیا، حدیث وتصوف کے حصول کے حوالے سے ہی شیخ نے کئی اسفار کا ذکر کیا ہے۔ان اسفار کی ترتیب وتنظیم کچھ اس طرح ہے بنیادی طور پر یہ اسفار دو مرحلوں میں منقسم ہے۔

پہلا مرحلہ: شرعی علوم کی تحصیل، خصوصاً علم حدیث کی سماعت۔

دوسرا مرحلہ: (الف) علم تصوف کی تحصیل اور شیخ کامل کی تلاش۔(ب) مختلف محدثین سے سماع حدیث۔

پہلے دور میں انہوں نے خوارزم سے نکل کر ایران کے علمی شہروں کا دورہ کیا چنانچہ نیشاپور گئے، وہاں کے محدثین اور فقہا سے شرعی علوم حاصل کیے۔مگر پھر بھی علمی پیاس پوری طرح نہ بجھی تو ہمدان گئے، وہاں کے اساتذہ سے استفادہ کیا، پھر یہاں سے اصفہان چلے گئے، آپ جس دور میں ان علاقوں کا دورہ کر رہے تھے اس زمانے میں یہ علاقے اسلامی تعلیمات کے اہم مراکز تھے۔ایک زمانے کے بعد آپ کربلا کے راستے سے اپنے وطن خوارزم لوٹ آئے۔آپ کے علمی اسفار کا یہ پہلا دورہ تھا جس میں آپ نے علمی مراکز کے اہم اساتذہ سے شرعی علوم کی تکمیل کی۔

شیخ نے ظاہری علوم پر مہارت اور کامل رسوخ حاصل کرنے کے بعد اپنے متعلق یہ گمان کر لیا کہ ان کے بالمقابل کوئی دوسرا نہیں ہے۔مگر قدرت کو کچھ اور منظور تھا جاذبہ الٰہی نے اپنی طرف کھینچا اور احسان وسلوک کے علوم واحوال کی تحصیل کے لیے شیخ کامل کی تلاش میں نکل پڑے۔

دوسرے دور کے احوال

چنانچہ شیخ خوارزم سے چل کر اھواز میں شیخ اسماعیل قصری کی خانقاہ میں آئے، پھر شیخ قصری کے حکم سے شیخ عمار بن یاسر کی خدمت میں آرمینیا (شمال مشرق میں جورجیا اور آذربائجان، ایران اور ترکی) آئے، اور عرصہ تک ان کی صحبت میں رہے پھر شیخ کے حکم سے مصر میں صاحب عرائس شیخ روزبہان بقلی شیرازی ثم مصری کی صحبت میں آئے، شیخ روزبہان بقلی کی صحبت نے آپ کو مزید کندن بنا دیا، اور سلوک میں جو کچھ روڑے باقی رہ گئے تھے، وہ سب راستے سے دور کر دیا، اور پھر واپس شیخ عمار کے پاس بھیج دیا، شیخ نجم الدین کبریٰ نے دمشق (شام) میں قاضی القضاۃ عالم اہل شام، ابوسعد عبداللہ بن محمد بن ھبۃ اللہ بن المطہر بن علی بن ابی عصرون تمیمی دمشقی (متوفی ۵۸۵ھ) سے بھی علم ظاہر و باطن حاصل کیا۔شیخ ابی عصرون صاحب تصنیف تبحر عالم اور جامع شریعت و طریقت شیخ تھے، فقہ و حدیث اور تصوف تینوں میں انہیں درک حاصل تھا، مشائخ کی برکت و

روحانیت اور یہ تینوں فن شیخ نجم الدین کبریٰ کے اندر بھی کمال کی حد تک جذب ہو گئے۔شیخ دمشق سے لوٹتے ہوئے بغداد گئے وہاں مسجد شونیزیہ میں کچھ مدت قیام کیا پھر وہاں سے شیخ عمار کی خدمت میں واپس آئے، خوارزم لوٹنے سے پہلے دوبارہ بغداد گئے، اور پھر ہمیشہ کے لیے خوارزم میں مقام خیوق کو آخری وقت تک جائے سکون وقرار بنا لیا۔اور یہیں آپ کی وفات ہوئی۔

اجازت وخلافت

شیخ قصری، شیخ عمار بن یاسر اور روزبہان بقلی تینون شیخ ابوالنجیب سہروری کے مرید ہیں۔آپ کے پیر ارادت در اصل شیخ اسماعیل قصری قدس سرہ ہیں، انہوں نے ہی آپ کو خرقہ ارادت پہنایا اور کچھ روز ان کی صحبت میں رہے۔حضرت شیخ عمار یاسر قدس سرہ آپ کے پیر صحبت وتربیت ہیں، تبرکاً سہروردی خرقہ بھی پہنایا اور اخیر میں خلافت واجازت سے نوازا اور حضرت شیخ روزبہان بقلی اور شیخ ابن عصرون قدس سرہما آپ کے پیر صحبت وتربیت ہیں۔

شجرۂ نہرجوریہ (بیعت وارادت)

حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ، اسماعیل قصری، شیخ محمد بن مالکیل، شیخ داؤد خادم الفقرا، شیخ ابوالعباس ادریس، شیخ ابوالقاسم بن رمضان بن ادریس، شیخ ابویعقوب نہرجوری، شیخ ابویعقوب موسیٰ، شیخ عبدالواحد بن زید، شیخ کمیل بن زیاد، امیر المومنین علی بن ابی طالب، حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم

شجرۂ سہروردیہ (خلافت واجازت)

شیخ نجم الدین، شیخ عمار بن یاسر، شیخ ابونجیب سہروردی، شیخ احمد غزالی، ابوبکر نساج، شیخ ابوالقاسم گرگانی، شیخ ابوعثمان مغربی، شیخ ابوعلی کاتب، شیخ ابوعلی روذباری، شیخ جنید بغدادی، شیخ سری سقطی، شیخ معروف کرخی،، شیخ داؤد طائی، شیخ حبیب عجمی، شیخ حسن بصری، حضرت علی، حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضرت شیخ اسماعیل قصری کے ذریعے آپ کا سلسلہ، سلسلۂ نہرجوریہ یعنی الاستاد العارف شیخ ابویعقوب اسحاق بن محمد نہرجوری متوفی (۳۳۰ھ) قدس سرہ کا سلسلہ ہے۔اور آپ کی ارادتاً بیعت اسی سلسلے میں ہوئی۔البتہ حضرت شیخ عمار قدس سرہ سے آپ نے تبرکا خرقہ سہروردیہ بھی زیب تن فرمایا۔اسی وجہ سے آپ کو ''ملتقی البحرین'' کہا جاتا ہے، گویا خرقۂ اصلی شیخ اسماعیل قصری کا نہرجوری خرقہ ہے اور خرقہ تبرک حضرت عمار بن یاسر کا سہروردی خرقہ ہے۔یہ الگ بات ہے کہ آپ پر سہروردی نسبت غالب تھی، آپ کی زندگی میں سب سے زیادہ اثرات شیخ عمار کے تھے۔ان سے آپ کا تعلق بہت قوی تھا، اتنا زیادہ کہ مرید و شیخ کے خوابوں میں بھی حد درجہ مناسبت و

مطابقت پائی جاتی تھی۔(شذرات الذہب ۵/ ۶، ۷)بحوالہ فوائح الجمال مقدمہ ۶۱)

رسالت مآب ﷺ کی زیارت اور شیخ کامل کی ضرورت

اسکندریہ میں حضرت حافظ ابو طاہر سلفی قدس سرہ سے درس حدیث لے رہے تھے کہ اچانک نگاہوں سے اوجھل ہو گئے اور حضور کی زیارت نصیب ہوئی۔ کہتے ہیں میرے دل میں خیال آیا کہ پوچھوں حضور! میری کنیت کیا ہے۔آپ نے فرمایا: ابو الجناب،عرض کیا ابو الجناب مخففہ یا مشددہ؟ آپ نے فرمایا مشددہ،(فوائح الجمال ص، ۱۴۴) جب خواب سے بیدار ہوئے آپ نے اس کی تعبیر نکالی: دنیا و آخرت سے بہت زیادہ پرہیز کرنے والا۔بس اسی وقت سے تجرید وتفرید اختیار کر لی اور مرشد کی طلب میں روانہ ہو گئے۔شیخ اسماعیل قصری کی خدمت میں حاضر ہوئے،آپ سے بیعت کر لی اور سلوک کی منزلیں طے کرنے لگے اور ایک مدت تک شیخ کی خدمت کرتے رہے ،اسی بیچ دل میں وسوسہ پیدا ہوا کہ شیخ اسماعیل قصری کا علم ظاہر،میرے علم ظاہر سے کم ہے۔شیخ قصری اس وسوسے سے آگاہ ہو گئے اور صبح ہوتے ہی کہا کہ تم سفر کی تیاری کرو اور شیخ عمار بن یاسر کی خدمت میں جاؤ، چنانچہ اھواز سے نکل کر بدلیس۔آرمینیا میں شیخ عمار کی خدمت میں آئے اور عرصہ دراز تک سلوک کی منزلیں طے کرتے رہے۔ایک دن شیخ کی صحبت میں علم ظاہر میں اپنے تفوق کا وسوسہ پھر لوٹ آیا۔شیخ عمار نے ان سے فرمایا کہ اٹھو اور اب تم مصر میں شیخ روزبہان بقلی مصری کی صحبت میں جاؤ وہی تمہارے دماغ سے اس سستی کو نکالیں گے۔شیخ نجم الدین،شیخ روزبہان بقلی کی خانقاہ میں حاضر ہوئے شیخ اس وقت وضو کر رہے تھے،آگے خود فرماتے ہیں:

میں نے شیخ کو دیکھا کہ وہ بہت تھوڑے سے پانی سے وضو کر رہے ہیں میرے دل میں خیال آیا کہ شیخ یہ بھی نہیں جانتا کہ تھوڑے سے پانی سے وضو جائز نہیں ہے۔بھلا یہ شیخ کیسے ہو سکتے ہیں۔شیخ تحیۃ الوضو پڑھنے میں مشغول ہو گئے، میں منتظر کھڑا رہا کہ شیخ سلام پھیریں تو میں سلام کروں لیکن وہ اسی نماز میں کھڑے کھڑے غائب ہو گئے۔ادھر میں نے دیکھا کہ قیامت قائم ہے اور دوزخ نمودار ہے،فرشتے لوگوں کو پکڑتے ہیں اور آگ میں ڈال دیتے ہیں۔راستے میں ایک ٹیلہ ہے اور ایک شخص اس ٹیلے پر وضو کر رہا ہے، جو شخص یہ کہہ دیتا ہے کہ میرا تعلق ان کے ساتھ ہے اس کو چھوڑ دیتے ہیں انہوں نے مجھے بھی پکڑ لیا، جب میں ٹیلے کے پاس پہنچا تو میں نے بھی کہہ دیا کہ میرا اس شخص سے تعلق ہے، چنانچہ انہوں نے مجھے بھی چھوڑ دیا، میں ٹیلے پر گیا اور دیکھا شیخ روزبہان ہیں، میں ان کے سامنے حاضر ہوا اور ان کے قدموں پر گر پڑا انہوں نے زوردار دودستی میری پیٹھ پر ماری، میں تاب نہ لا سکا اور زمین پر گر پڑا،اور شیخ نے فرمایا آئندہ کبھی اہل حق کا انکار نہ کرنا۔ اتنے میں میری آنکھ کھل گئی ،شیخ نے بیداری میں بھی مجھے دودستی مارے اور وہی جملہ ارشاد فرمایا کہ

آئندہ کبھی اہل حق کا انکار نہ کرنا۔شیخ نجم الدین فرماتے ہیں اس سے میرے دل کی بیماری رخصت ہو گئی اور میں شیخ عمار کے پاس واپس آ گیا۔(نفحات الانس مترجم:ص ۶۵۹/ ۶۶۰)

شیخ روزبہان بقلی کے دولطمہ نے اولیا کی صحبت و تربیت میں رہنے والے نجم الدین الطامۃ الکبریٰ جیسے کا غرور علم وانا توڑ کر انہیں نہ صرف ولی بلکہ ولایت کبریٰ پہ فائز کر دیا اور ولی تراش بنا دیا۔

آثار ولایت اور کرامت

اس سفر میں شیخ کے سلوک کا تکملہ ہوا،اور ولایت کے کئی آثار اور نشانیاں اس سفر میں ظاہر ہوئیں،سب سے بڑی نشانی یہ ہے کہ مشائخ کبار نے وراثت نبوی کی تبلیغ و ترسیل کے لیے حلقۂ تصوف میں شامل فرمایا اور خرقۂ ولایت وخلافت سے سرفراز فرمایا۔علامہ جامی نے شیخ کے حوالے سے نفحات الانس میں یہ واقعہ بھی لکھا ہے کہ مقام تبریز میں محی السنۃ کے ایک شاگرد سے شرح السنہ کا درس لیتے ہوئے مجذوب بزرگ باباخرج سے نگاہیں چار ہوئیں۔دوسرے دن شیخ نجم الدین اپنے استاد اور رفقائے درس کے ساتھ بابا سے ملاقات کے لیے آئے۔دوران ملاقات بابا کے او پر عظمت کے آثار نمایاں ہوئے اور چہرہ آفتاب کی طرح چمکنے لگا اور جو کپڑے پہنے ہوئے تھے وہ پھٹ گئے اور وہی چاک شدہ کپڑے آپ کو پہنا دیا۔اور فرمایا کہ تمہارا وقت دفتر (کتابیں) پڑھنے کا نہیں بلکہ وقت آ گیا ہے کہ تم دنیا کے لیے ''سر دفتر بن جاؤ'' یہیں سے میری حالت بدلی اور پھر غیبی واردات اور علم لدنی ظہور میں آنے لگے،اس کے علاوہ حضور کی زیارت کا واقعہ بھی پیش آیا،جس میں آپ کو جناب رسالت کی بارگاہ سے ''ابوالجنّاب'' کی کنیت ملی،شیخ نے اپنی کتاب فوائح الجمال میں بہت سارے مقامات پہ وہ واقعات بھی لکھے ہیں جو شیخ عمار بن یاسر نے خواب میں دیکھا بعینہ انہیں کے مطابق آپ بھی خواب میں وہی دیکھتے۔گویا مرید کے خواب کی تصدیق شیخ کے خواب سے ہو جاتی ہے۔

ایک مقام پر لکھتے ہیں: میں نے کچھ اشخاص کو خواب میں دیکھا، میرا خیال ہے وہ فرشتے تھے اور آپس میں یہ کہہ رہے تھے کہ ہم نے فلاں کو اسم اعظم عطا کیا اور انھوں نے میرا نام لیا۔

(فوائح الجمال،ص:۱۴۲)

اس طرح بے شمار خرق عادت واقعات ظہور پذیر ہوئے جن سے مریدوں کو ثبات قلب ملتا ہے اور شیخ کی عظمت ورفعت کا پتا چلتا ہے۔

حضرت شیخ روزبہان بقلی کے حکم سے شیخ عمار کے پاس واپس آ گئے اور عرصہ بعد پھر خوارزم واپس آ گئے شیخ کی زندگی کے اسفار کا یہ دوسرا دور بھی مکمل ہو گیا جو خالص اللہ کی طلب اور

فیوضات ربانیہ سے مستفیض ہونے کے لیے تھا، امام ذہبی نے لکھا ہے۔

خرج نجم الدین من خوارزم یطلب علم الحدیث ، فعاد الیها محدثا ، ثم خرج مرۃ یطلب التصوف فعاد ولیا۔

(سیر اعلام النبلاء، ۲۲ / ۱۱۳)

اساتذہ وشیوخ کی فہرست

شیخ نجم الدین کبریٰ کے اساتذہ وشیوخ کی فہرست تین خانوں میں بنائی جاسکتی ہے۔ یہ تمام اساتذہ اپنے فن میں یکتائے روزگار ہستیاں تھیں۔

(۱) وہ اساتذہ ومشائخ جن سے آپ نے علوم شریعت، درس حدیث، فقہ، تفسیر اور دیگر ضروری علوم حاصل کیے، ان میں محدث جلیل ابو طاہر سلفی اسکندری، شیخ ابو العلا ہمدانی، شیخ محمد بن بنیمان، شیخ عبد المنعم بن فراوی، ابو محمد مبارک بن طباخ مکی شیخ بدر بن عبد اللہ حدادی، شیخ احمد بن محمد لبان، شیخ ابوسعید خلیل بن بدر الرازی شیخ محمد بن ابوبکر کیزانی، شیخ محمد بن احمد بن نصر الصید لانی اور شیخ مسعود بن مسعود جمال قدست اسرارہم شامل ہیں۔

(۲) مشائخ اور اکابر صوفیہ جن کی صحبت وتربیت میں آپ نے سلوک ومعرفت کے خزانے سے فیوض وبرکات کی موتیاں چنیں اور تعلق باللہ کے راستے کے راہی بنے، ان میں شیخ اسماعیل قصری، شیخ عمار بن یاسر بدلیسی، شیخ روز بہان بقلی شیرازی ثم مصری، شیخ ابن عصرون دمشقی قدس سرہ جیسی ہستیاں شامل ہیں۔ شیخ نے اپنے ان مشائخ سے کیا حاصل کیا خود لکھتے ہیں: **اخذت علم الطریقۃ عن روزبھان، والعشق عن ابن العصر، (ابن العصرون) وعلم الخلوۃ عن عمار، والخرقۃ عن اسماعیل القصری۔** (میں نے طریقت کا علم روز بہان بقلی سے، محبت وعشق ابن العصرون سے خلوت کا علم عمار بن یاسر سے اور خرقہ طریقت اسماعیل قصری سے حاصل کیا۔

(۳) تیسرے طبقے میں وہ مشائخ ہیں جن سے آپ نے بطریقۂ اویسیہ استفادہ کیا ہے، ان میں شیخ بایزید بسطامی، خواجہ سہل بن عبد اللہ تستری، خواجہ جنید بغدادی، امام سحنون المحب، امام ابو الفتح واسطی اور شیخ ابو النجیب سہروردی، امام ابو الحسن خرقانی، امام قشیری قدس سرہم جیسے اکابر اولیا شامل ہیں۔

اپنے مشائخ اولیا، صلحا اور اساتذہ کے علوم وفیضان اور ان کی توجہات وہمتوں نے آپ کو کس قدر یگانہ روزگار اور رشک زمانہ بنایا تھا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ قلم اس پر تبصرہ کرنے سے قاصر ہے، اسی وجہ سے ان کے مؤرخین اور اکابر محققین صوفیہ نے انہیں بجا طور مندرجہ ذیل القاب سے یاد کیا ہے۔

امام ذہبی لکھتے ہیں: **الامام الزاھد القدوۃ، صانع الاولیا، ابو الجناب، نجم الدین الکبریٰ، الخوارزمی الخیوقی المحدث الشھید۔** (سیر اعلام النبلاء، ن طبقہ: ۳۲، ج: ۲۲)

شیخ کا اعتقادی مسلک

شیخ عقیدے میں اہل سنت وجماعت کے امام ابو الحسن اشعری قدس سرہ کے مسلک کے پیروکار تھے۔ شیخ بذات خود متکلمانہ شان کے مالک تھے اور صوفیانہ عقائد وافکار کے معتدل و منصف پیروکار تھے۔

فقہی مذہب ومسلک

صوفیہ عین واصل شریعت محمدی ہوتے ہیں مگر شیخ نجم الدین کبریٰ تو ارثاً شافعی مسلک کے مقلد تھے۔ شیخ کے سلسلے میں بعض شیعہ مؤرخین نے امامیہ اثنا عشریہ آپ کا مسلک بتایا ہے جو غلط ہے اور تاریخی شواہد کے خلاف ہے۔ قدیم ایران کی اسلامی شخصیات عموماً اکابرین کے بارے میں شیعہ مؤرخین انہیں شیعی فرقوں میں سے کسی فرقے کا پیروکار بتادیتے ہیں اور زبردستی انہیں شیعہ بنانے کی کوشش کرتے ہیں جو سراسر غلط ہی نہیں بلکہ جرم ہے۔ اور تاریخی معلومات نہ ہونے کی وجہ بعض متاخرین سنی علما شیعوں کی جانب سے شبہات میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ خیر شیخ شافعی المسلک تھے اور خود بھی غایت درجہ علمی تبحر اور اجتہادی شان رکھتے تھے۔

خدمات اور کارنامے

شیخ نجم الدین کبریٰ کو ان کے مشائخ طریقت نے تادیب، تہذیب کے بعد مسند ارشاد و ہدایت پر فائز فرمایا اور دعوت وتبلیغ کے لیے خود ان کے وطن خوارزم موجودہ ازبکستان کی طرف بھیج دیا۔ چنانچہ یہاں شیخ نے ارشاد وہدایت کی مسند سجائی اور مخلوق کو وعظ ونصیحت کرنے میں مصروف ہوگئے۔ آپ کا شہرہ ہر طرف عام ہوگیا تو مخلوق کا ہجوم ٹوٹ پڑا، اور اصحاب علم وفضل کی جماعتیں جوق در جوق آنا شروع ہوگئیں، کتاب وسنت کی تعلیمات سے بہرور ہوئیں، سلوک وتصوف سے آشنا ہوئیں ان میں جو جو ہر قابل ہوتا شیخ کمال تک پہنچاتے اور جو بانجھ ہوتا ان میں طلب کی چنگاری پیدا کرتے اور اپنی فن کار تربیت وصحبت سے ولایت کے درجے تک پہنچا دیتے۔ اور پھر ارشاد وہدایت کے لیے مقرر فرما دیتے۔

شیخ کی خانقاہ ان کے زمانے میں غربا کی پناہ گاہ، سنت وحدیث کا مرکز تھی، حضرت شیخ اللہ کے معاملے میں کسی کے خوف وملامت سے بے نیاز واقع ہوئے تھے، انہیں مورخین ان الفاظ سے یاد کیا ہے۔ **کان صاحب سنہ و حدیث، ملجا للغرباء، عظیم الجاہ، لا یخاف فی اللہ لومۃ لائم (طبقات الشافعیۃ: تاج الدین السبکی ۱۱/۵)**

وہ سنت وحدیث کے پیروکار تھے، غریبوں کا سہارا، اور جاہ وحشمت میں عظمت کے مالک اور اللہ کے معاملے کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے بے خوف تھے۔

ایک مؤرخ لکھتا ہے: **کان اکمل الاولیاء المرشدین فی زمانہ،اعلم العلما بین اقرانہ وھوصاحب الاحوال الرفیعۃ،والمقامات ،والمکاشفات، والمشاھدات، و تجلیات الذات والصفات،والسیر فی الملکوت والطیر فی الجبروت، والفناء فی علم اللاھوت،ومشرب التوحید والحقائق ،والتصرف فی الا طوار القلبیۃ ،وایصال الافیاض القلبیۃ،فشعب من ذیل ولایتہ کثیر من الاولیاء۔** (فوائح الجمال وفواتح الجلال مقدمہ:۲۸)

خوارزم میں شیخ کی زندگی کا دعوتی اور تبلیغی مرحلہ بہت دل چسپ احوال پر مشتمل ہے ۔جس میں ان کی شخصیت کے اوصاف وکمالات دوسروں میں منتقل ہونے لگے اوران کا علمی رعب و دبدبہ اہل زمانہ کے مابین مسلم ہوگیا،اوران کے درس گاہ علم وفضل اور تصوف وسلوک سے جید علما اور اولعزم اولیا نے استفادہ کیا،اس عہد میں آپ ولایت کبریٰ کے مقام پر فائز تھے اور اپنی عظمت،رفعت اور باطنی خوبیوں کی وجہ سے صانع الاولیاء، ولی تراش اورالطامۃ الکبریٰ کے لقب سے مشہور ہوگئے تھے۔

شیخ کی دینی،علمی، تصنیفی،سماجی،رفاہی اور تبلیغی خدمات کا دائرہ خاصا وسیع ہے۔اس لیے تمام خدمات کوتو شمار نہیں کرایا جاسکتا ہے مگر یہاں ان پر مختصر روشنی ڈالی جائے گی تاکہ زندگی کا یہ درخشاں پہلو لوگوں کے سامنے آسکے اور داعیوں کے لیے مشعل راہ بن سکے۔

علمی اور تصنیفی خدمات

شیخ نے خوارزم میں درس وتدریس کا فریضہ انجام دیا،علوم شریعت کو زندہ کیا،خاص طور پر علم حدیث کی تدریس سے خاصا شغف تھا،چنانچہ جس طرح آپ نے اس فن کو مشاہیر محدثین سے سماعت کیا،اسی طرح کثیر تلامذہ نے آپ سے بھی حدیث کی سماعت کی، یونہی شیخ کو دیگر علوم وفنون پر دستگاہ حاصل تھی اورانہوں نے اپنے تلامذہ کے دل ودماغ میں تمام علوم کے نقوش ابھار دیے اس کی شہادت خود شیخ کی تالیفات وتصنیفات اور شیخ کے تلامذہ کی تصانیف ہیں۔

شیخ کا علمی اور تصنیفی ذخیرہ تصوف وسلوک سے زیادہ متعلق ہے باوجودیکہ شیخ حدیث، فقہ ،تفسیر اور دیگر فنون پر کمال رکھتے تھے۔مگر دوسرے فنون پر علما کی کتابیں پہلے سے دستیاب تھیں، اس لیے انہوں نے سلوک ومعرفت اور احسان وتصوف کے میدان کو ترجیح دیا، شیخ کو یہ تحریک اپنے اساتذہ سے ملی ہوگی کیونکہ شیخ عمار، شیخ روزبہان بقلی، شیخ ابن عصرون، یہ سبھی مشائخ صاحب تصانیف تھے اوران کے علاوہ دیگر مشائخ نے بھی قابل قدر علمی ذخیرے چھوڑے تھے،آپ نے ذکر کیا ہے کہ مجھے دوواسطوں سے حضرت امام قشیری کے رسالہ قشیریہ کی اجازت حاصل ہے۔یہی وجہ ہے کہ آپ نے بھی اشاری تفسیر اور تصوف کی دوسری کتابیں رقم فرمائیں۔اور یہ شیخ کی

انفرادیت ہے کہ وہ نہ صرف تصنیف وتالیف کی طرف متوجہ ہوئے بلکہ مشائخ طریقت کے نصائح کو کتاب وسنت سے ثابت کرنے اوراللہ کی جانب سے فیوضات وواردات کو رقم کرنے کے لیے اپنے تلامذہ اور خلفا کو بھی متوجہ کیا،یہی وجہ ہے کہ آپ کے سبھی جید خلفا کثیر التصانیف گزرے ہیں اوران کا علمی مقام ومرتبہ انتہائی بلند پایہ رہا ہے۔شیخ کی مندرجہ ذیل تصانیف کا ذکر ملتا ہے۔

فوائح الجمال وفواتح الجلال،التاویلات النجمیۃ،الاصول العشرۃ،رسالۃ السفینۃ،رسالۃ الخائف الھائم من لومۃ اللائم،منھاج السالکین، رباعیات۔

ان کے علاوہ کچھ اور کتابیں بھی شیخ کی طرف منسوب ہیں: **طوالع التنویر، رسالۃ الطرق، منازل السائرین،سر الحدس،سکنات الصالحین،آداب المریدین،الرسالۃ الکبرویۃ، مقدمۃ مختصرۃ مفیدۃ، فصل فی الذکر،رسالۃ فی السلوک، رسالۃ سر الحدس، رسالۃ الطرق** اوران کے علاوہ دیگر تصانیف اور رسائل بھی آپ کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں۔

سماجی اور رفاہی خدمات

اللہ سے قریب ہونے کے اہم راستوں میں سے نہایت اہم راستہ اس کی مخلوق کی خدمت کرنا بھی ہے۔خاص کر انسانوں کی خدمت،ان کے ساتھ بھلائی،ان کے دکھ درد کو سننا اور مداوا بننے کی کوشش کرنا،صوفیہ نے ہمیشہ حضور کی سیرت کے اس حصے کو زندہ کیا ہے اور آج تک زندہ ہے،یہی وجہ ہے کہ اللہ کی قدرت اوراس کی نصرت وحمایت بھی بزرگان دین کے ساتھ بے پایاں ہوا کرتی ہیں ،حضور کی حدیث: **ان اللہ فی عون العبد ما کان العبد فی عون اخیہ**، جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں لگا رہتا ہے اللہ بھی مدد کرنے والے کی مدد کررہا ہوتا ہے۔صوفیہ کی خانقاہ اس کا مظہر ہوا کرتی ہیں۔یہ کتنے مزے کی بات ہے کہ وہ اللہ کی مخلوق کو بلاتے ہیں اس کی خدمت کرتے ہیں،اس کے دل ودماغ اور نفس کی تربیت کرتے ہیں،اس کو نوازتے ہیں اور پھر لائق فائق ہوجاتا ہے تو اسے اپنی جانشینی بھی عطا کرتے ہیں۔مشائخ یہ سب کچھ بے لوث، بےنفس اور بےغرض ہوکر کرتے ہیں،ان کا مقصود صرف اللہ کی رضا اوراس کا مشاہدہ ہوتا ہے۔زرکلی نے شیخ کے متعلق امام سبکی کے حوالے سے لکھا ہے: **کان ملجاللغربا**۔وہ غریبوں کی پناہ گاہ تھے۔(الاعلام للزرکلی:۱/۱۸۵)

شیخ نہ صرف خانقاہ کے واردین کے لیے مددگار تھے بلکہ اگر کوئی دور رہ کر بھی پریشان حال ہوتا تو آپ اسے اپنے نور باطنی سے معلوم کرلیتے اوراس کی تکلیف دور کردیتے،علامہ جامی نے ایک واقعہ لکھا ہے:

شیخ جمال الدین قزوین میں رہتے تھے،قزوین کے سادات میں ایک سید صاحب شیراز

جانے لگے تو شیخ سے گذارش کی کہ بادشاہ شیراز آپ کا بہت معتقد ہے آپ میری سفارش اس کو لکھ
دیں، شیخ نے کاغذ کا ایک ٹکڑا منگوایا اور اس پر لکھ دیا ''غسل و راز یانہ'' اور پرچہ ان کو دے دیا،
جب یہ سید صاحب شیراز پہنچے اور بادشاہ سے ملاقات کا ارادہ کیا تو لوگوں نے کہا کہ وہ درد شکم میں
مبتلا ہیں اور حمام میں ہیں، جب سید صاحب حمام کے دروازے پر پہنچے تو بادشاہ کو درد شکم سے
پریشان پایا، شیخ کا حال دریافت کیا تب انہوں نے وہ کاغذ کا پرزہ نکال کر تھما دیا، بادشاہ نے کھول
کر دیکھا تو اس میں تحریر تھا ''غسل و راز یانہ'' بادشاہ نے کہا شیخ نے اپنے نور فراست سے مرا حال
معلوم کر کے میرا علاج لکھ دیا ہے۔ اس دوا سے بادشاہ کو شفا ملی اور سید صاحب کی توقیر بڑھی۔

(نفحات الانس، ص:)

یہ واقعہ جہاں شیخ کی روشن ضمیری اور ان کی کھلی کرامت پر دلیل ہے وہیں شیخ کی فریاد
رسی، اور دکھیوں کے ساتھ ہمدردی اور ان کی مدد پر بھی بین دلیل ہے۔

شیخ کی دعوتی اور تبلیغی خدمات

شیخ نجم الدین کبریٰ کی دعوتی اور تبلیغی خدمات کی زندگی کا آغاز ۵۹۰ھ میں خوارزم واپس
ہونے کے بعد پوری توانائی اور جوش و جذبے کے ساتھ شروع ہوجاتی ہے، شیخ کے دعوتی اور
اصلاحی خدمات کو مختلف جہتوں سے دیکھا جاسکتا ہے۔ مثلا

درس و تدریس کے ذریعے افراد سازی اور ان کی تربیت و تعلیم وغیرہ اس میں کوئی شک
نہیں کہ شیخ نے درس گاہ شریعت و طریقت کے بحر سے بے شمار افرد کو سیراب کیا، خوارزم اور
اطراف میں آپ کے علم و فن کا شہرا عام ہوا تو دور دراز اور ایران کے بہت سے شہروں سے طلبہ کی
تعداد آپ کے ارد گرد جمع ہوگئی، خود آپ جن علاقوں کی طرف استفادہ کے لیے اور مشائخ طریقت
سے فیضان حاصل کرنے گئے تھے وہاں تک کے طلبہ آپ کی طرف رجوع کرنے لگے، پھر کیا تھا
آپ نے بھی تشنگان علوم کو بے دریغ سیراب کرنا شروع کردیا اور علوم دینیہ کے ساتھ حقائق و
معارف کا شناور بھی بنا دیا۔ بعد میں یہی تلامذہ اور مریدین نے آپ کی درسگاہ سے نکل کر مختلف
علاقوں میں کتاب و سنت کی تعلیم کو عام کیا۔ اپنی تحریر و تقریر کے ذریعے لوگوں کو متاثر کیا اور مخلوق
کے اقوال و احوال کی اصلاح کی، لوگوں کو اصلاح و تذکیر کے ذریعے کتاب و سنت کے پیروکار
بنانے کی بھرپور جدوجہد کی اور کامیاب ہوئے۔

دعوت و تبلیغ کے لیے شیخ کی تصنیفات و تالیفات اور چھوٹے چھوٹے رسالوں کا انتہائی
بنیادی کردار ہے۔ آپ کی تصانیف نے آپ کے ہم عصر علما فقہا اور متکلمین کو متاثر کیا، طالبان راہ
آخرت کے لیے رہنمائی کا ذریعہ بنیں اور سلوک و تصوف، ایمان و احسان کے درجات طے کرنے

کا زینہ بنیں۔

آپ نے کتابوں میں علمی، عقلی، اور استدلالی طریقوں کے ذریعے شریعت محمدی کے
قوانین اور طریقت محمدی کے اسرار و معارف کے ذریعے اتباع رسالت کا جذبہ پیدا کیا، بدعتوں
اور گمراہیوں کا خاتمہ کر کے سنتوں کا احیا کیا ہے۔ آپ کی تصنیفات کا اسلوب اس قدر پختہ، دل
نشین، رشیق، جاذب نظر اور روحانی ذوق و حلاوت سے پر ہے کہ عقل روشن ہوجاتی ہے، روح مچل
جاتی ہے، نگاہیں چمک اٹھتی ہیں۔ قلب زندہ ہوجاتا ہے اور طلب و لقا کی کیفیت انگڑائی لینے لگتی
ہے اور وصال کی لذت سے بہرہ ور ہونے کے لیے دل بیتاب ہوجاتا ہے۔ اس حوالے سے
دوسرے مضامین کا مطالعہ مفید ہوگا۔ ان کی تصنیفات و تالیفات دعوت و تبلیغ کا اہم Source
ہیں۔ جو انتہائی قیمتی دستاویز ہیں، اور سالکین و طالبین کے لیے نسخۂ ہدایت بھی۔

اسلامی دعوت کو عام کرنے اور اسلام کی ہمہ جہت تبلیغ کے لیے آپ نے سنت نبوی کے
مطابق سب سے اہم کارنامہ جو انجام دیا وہ یہ ہے کہ آپ نے اپنی درس گاہ تصوف سے ایسے جید
خلفا پیدا کیے جنہوں نے ایران اور خوارزم کے اطراف میں پھیل کر لوگوں میں تزکیہ و تربیت،
تذکیر و اصلاح کا فریضہ انجام دیا۔ افراد سازی کرنا، وہ بھی منہج نبوت پر ذہنوں، دلوں اور نفوس کی
تربیت کرنا مشکل ترین امر ہے مگر یہ اللہ کی رحمت اور رسول اللہ کی ہمت و برکت ہے کہ مشائخ اس
فریضے کو بحسن و خوبی انجام دیتے ہیں اور آج تک یہ سلسلہ جاری ہے۔

شیخ نجم الدین کبریٰ کو مریدین کی تربیت ان کی ریاضت اور نفس کی تہذیب، دلوں کو نور
الٰہی سے منور کرنے میں عجیب و غریب ملکہ حاصل تھا۔ اللہ نے آپ کو جذب و شوق کی ایسی
نظر عنایت فرمائی تھی کہ اگر اس حالت میں کسی کو دیکھ لیتے اور اس کی طرف توجہ فرما دیتے تو وہ ولی
ہوجاتا تھا اس وجہ سے آپ ولی تراش کے لقب سے مشہور ہوگئے۔ جیسا کہ پچھلے صفحات میں آپ
نے کئی واقعات ملاحظہ کیے ہیں اسی وجہ سے حضرت شیخ کی بارگاہ سے کثیر تعداد میں اولیا کی
جماعت پیدا ہوئی، ان کے تمام خلفا کی تفصیلی فہرست تو نہیں ملتی البتہ ان کے جید خلفا اور ان کی علمی
و تصنیفی اور روحانی خدمات کا ذکر کتابوں میں مرقوم ہے۔

مشاہیر تلامذہ اور خلفا

شیخ کی دعوتی اور اصلاحی زندگی کی اصل خدمات وہ افراد ہیں جو انہوں نے اس کام کو
انجام دینے کے لیے تیار کیے تھے، ان میں اہم مشائخ، خلفا اور مریدین کی وہ ٹیم ہے جنہوں نے
امت اسلامیہ میں برپا تاتاری بحران کو ختم کیا اور گمراہوں کے دلوں میں ہدایت کا چراغ روشن کر
دیا، ان میں درج ذیل اسما خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

سیف الدین باخرزی

ابوالمعالی سیف الدین سعید بن المطہر بن سعید بن علی القائدی الباخرزی (متوفی ۶۵۹)
نیشاپور کے رہنے والے تھے، خراسان کے مشائخ میں سرفہرست تھے، محدث، فقیہ متقی اور مخلوق کے پیشوا تھے، اور صاحب تصنیف شیخ تھے، بخاری آئے، شیخ نجم الدین کبریٰ نے خلافت عطا کی، خرقہ پہنایا اور ماوراء النہر کی طرف روانہ فرمایا، کبرویہ کی اہم شاخ فردوسیہ آپ ہی کی طرف منسوب ہے، اسی سلسلے میں مخدوم جہاں شیخ شرف الدین بہاری جیسی عبقری شخصیت مقام مشیخت پہ فائز رہ چکی ہے آج بھی سلسلہ جاری ہے۔ شیخ باخرزی کے دست حق پرست پر ان کے کرامتوں سے متاثر ہو کر بہت سے تاتاری اسلام لائے۔ تاتاریوں کے درمیان بالغ الشیخ یعنی الشیخ الکبیر کے نام سے مشہور ہو گئے۔ برکہ بن توشی بن چنگیز خان جو امیر و سالار تھے وہ جب شیخ باخرزی کے ہاتھ پر اسلام لائے تو برکہ کے ماننے والے سپاہیوں نے بھاری تعداد میں اسلام قبول کر لیا۔ شیخ نے اپنے تاتاری مریدین کی تربیت کی، انہیں داخل سلسلہ کیا، اوراد و وظائف بتائے اور پھر انہیں ان کے وطن کی طرف واپس کر دیا۔

قدرت کی عجیب حکمت

شیخ نجم الدین کبریٰ تاتاریوں کے حملے میں خود تو شہید ہو گئے اور اللہ کے ازلی فیصلے پر راضی ہو گئے، مگر وہیں مشیت ایزدی نے شیخ کے خلیفہ کے ہاتھوں پر تاتاریوں کو توفیق اسلام عطا فرما دی۔ کسی کی گردن اللہ کی راہ میں قربان صرف اس لیے ہو جاتی ہے، کہ اس کی وجہ سے نہ جانے کتنے گمراہوں کو ہدایت مل جائے گی اللہ کے کامل بندے اس کی رضا پہ راضی ہونا ہی اصل پونجی سمجھتے ہیں۔

بہر قتلم چو کشد تیغ نہم سر بسجود
او بنازے عجبے من بنیازے عجبے

ایسے ہی مردان حق کے واقعات سے متاثر ہو کر علامہ اقبال نے کہا تھا ؎

تو نہ مٹ جائے گا ایران کے مٹ جانے سے
نشہ مئے کو تعلق نہیں پیمانے سے
ہے عیاں یورش تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

شیخ مجد الدین بغدادی

مجد الدین ابو سعد شرف بن موید بن محمد بن ابو الفتح بغدادی (متوفی ۶۰۷ھ، ۶۱۰ھ، ۶۱۳ھ مختلف فیہ) نہایت ذی علم، صاحب ہمت اور طریقت میں اعلی مراتب پر فائز شیخ نجم الدین

کبریٰ کے خلیفہ تھے، خوارزم (موجودہ خیوا ازبکستان) میں وعظ و نصیحت سے مخلوق کو مستفیض کرتے رہے۔ **رسالۃ السلوک، رسالہ سفر، تحفۃ البررۃ فی المسائل العشرۃ** آپ کی مشہور تصانیف ہیں۔ شیخ نجم الدین نے اپنے خلیفہ شیخ مجد الدین کو ان کی اور اپنی شہادت کی خبر حیات ہی میں دے دی تھی، ساتھ سلطان محمد خوارزم شاہ کی سلطنت ختم ہونے کی پیشین گوئی بھی پہلے ہی کر دی تھی اور پھر ویسا ہی واقع ہوا جیسا کہ شیخ نے بتایا۔

شیخ نجم الدین دایہ

نجم الدین عبد اللہ بن محمد بن شاور بن انوشروان بن ابو نجیب رازی (متوفی: ۶۵۴ھ)
نجم الدین رازی اور نجم الدین دایہ کے نام سے مشہور ہیں۔ اپنے وقت کے محدث، شاعر اور عظیم صوفی ہیں، تصوف میں شیخ نجم الدین کبریٰ کے خلیفہ ہیں، روحانی مراتب کے حصول کے بعد بغداد واپس ہوئے۔ اور ۶۵۴ھ میں وفات پائی۔ شیخ دایہ کثیر التصانیف مصنف اور بلیغ البیان واعظ تھے۔ چنگیز خان کے حملے میں خوارزم سے روم چلے گئے تھے، جہاں آپ کی ملاقات شیخ جلال الدین رومی اور شیخ صدر الدین قونوی سے ہوئی، شیخ دایہ اپنی بے مثال تصانیف کی وجہ سے آج بھی اہل علم کے درمیان نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ **بحر الحقائق و المعانی فی تفسیر السبع المثانی، مرصاد العباد من المبدأ الی المعاد، منارات السائرین و مقامات الطائرین، رسالہ العاشق و المعشوق، معیار الصدق فی مصداق العشق، رسالہ العشق و العقل، سراج القلوب، سلوک ارباب النعم، کشف الحقائق، و شرح الدقائق، تحفة الحبیب، حسرة الملوک، اشعار الصوفیہ** جیسی نادر و نایاب کتابیں آپ ہی کے نام سے منسوب ہیں جنہیں مختلف مؤرخین اور محققین نے ذکر کیا ہے، مذکورہ بالا تصانیف کا ذکر استاد زیدان نے بھی فوائح الجمال کے مقدمہ میں کیا ہے۔

شیخ سعد الدین حموی

سعد الدین محمد بن المؤید بن عبد اللہ بن علی (متوفی مابین: ۶۵۰-۶۵۸ھ) شیخ نجم الدین کے تلمیذ رشید، خلیفہ اجل ہیں، صاحب احوال و ریاضت تھے، ان کے اصحاب اور مریدین کی کثرت ہے، دمشق میں ایک مدت تک رہے، پھر خراسان آ گئے اور یہیں وفات پائی، ظاہری اور باطنی علوم میں یگانہ تھے، صاحب تصانیف تھے مثلاً **محبوب القلب، سجنجل الارواح، لطائف التوحید فی غرائب التفرید، رسالۃ المصباح** ان کا علمی ذخیرہ ہے۔ شیخ سعد الدین حموی کبرویہ سلسلے میں خاص مقام و مرتبہ رکھتے ہیں، اپنی امتیازی خصوصیات کی وجہ سے آپ سے منسوب کبرویہ کو "**الطریقة الکبرویة الذهبیة**" کہا جاتا ہے۔

شیخ رضی الدین علی لالہ غزنوی

علی بن سعید بن عبد الجلیل غزنوی (متوفی ۶۴۲ھ ۱۲۴۴) کو شیخ نجم الدین کبریٰ کے خلفا و مریدین میں علامہ جامی نے علاء الدولہ سمنانی کے حوالے شمار کرایا ہے، شیخ سمنانی نے ذکر کیا ہے کہ شیخ علی کو ایک سو پچیس خرقے مشائخ سے حاصل تھے، آپ کی وفات کے بعد سو خرقے باقی رہ گئے انہوں نے شیخ کو اپنے سلسلے کا شیخ قرار دیا ہے۔ اسی وجہ سے شیخ علی کو شیخ سمنانی اور شیخ نجم الدین کبریٰ کے درمیان ہمزۂ وصل مانتے ہیں۔

مذکورہ بالا مشائخ صوفیہ کے علاوہ علامہ جامی نے شیخ العالم عین الزمان جمال الدین گیلی، بابا کمال جنیدی کو خلفا اور تلامذہ میں گردانا ہے۔ ان مشائخ کے علاوہ شیخ نجم الدین نے ترکستان میں مولانا مفتی شمس الدین کے صاحب زادے احمد مولانا کو بھی خرقہ بھیجوایا تھا، نیز ایک تاجر کے واقعہ کے ذیل میں علامہ جامی نے لکھا ہے کہ شیخ کی نظر خاص اس پر پڑی وہ درجۂ ولایت پر فائز ہوا اور پھر خلافت واجازت سرفراز فرمایا اور انہیں کے ملک کی طرف واپس کر دیا۔

شیخ نجم الدین کبریٰ کے خلفا، تلامذہ اور مریدین نے تاتاری فتنے کے دور میں جس الوالعزمی، جواں ہمتی اور حکیمانہ طریقے پر مخلوق کو اللہ کی طرف بلایا ہے تاریخ ان کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

سلسلہ کبرویہ کی شاخیں

سلسلہ کبرویہ اپنے دور اور بعد کے ادوار میں ایران اور دوسرے ممالک میں کثرت سے پھیلا اور اس کی شاخوں کی طرف کثرت سے مخلوق نے رجوع کیا، صرف کبرویہ کے تمام شاخوں کی خدمات جمع کی جائیں تو ان کی خدمات وکارناموں کا انسائیکلوپیڈیا ترتیب دیا جا سکتا ہے۔ تلاش و تفحص کے بعد کبرویہ کی مندرجہ ذیل شاخوں کی جان کاری ہمیں مل سکی ہے۔

کبرویہ کی شاخیں

شاخوں کے اسما	منسوب مشائخ
کبرویہ ہمدانیہ	سید علی ہمدانی کشمیر متوفی ۷۸۱ھ۔
کبرویہ نوریہ	شیخ نورالدین اسفرائینی ت ۶۳۹
کبرویہ رکنیہ	رکن الدین علاء الدولہ سمنانی متوفی ۷۴۵ھ۔
کبرویہ جردوسیہ	کبرویہ رکنیہ کی شاخ ہے۔
ذہبیہ اغتشاشیہ	شیخ اسحاق ختلانی (نویں صدی ہجری)۔ سید میر علی ہمدانی کے مرید اور داماد ہیں، آپ سے کبرویہ کی اشاعت ایران کی طرف بہت ہوئی

نوربخشیہ	شیخ نوربخش ۸۶۹ھ۔ خلیفہ شیخ ختلانی
عیدروسیہ	کبرویہ کی یمنی شاخ ہے۔
فردوسیہ	شیخ رکن الدین فردوسی دہلی متوفی ۶۹۹ھ
شطاریہ	شیخ عبداللہ شطاری

ان تمام سلسلوں کی اپنی خصوصیات وامتیازات بھی ہیں ان میں بہت سے سلسلے اب تک پوری آب وتاب کے ساتھ جاری وساری ہیں۔ شیخ نجم الدین کبریٰ نے علم وحکمت، شریعت وطریقت کی بیج جن خلفا کے قلوب کی زمین میں ڈالے تھے وہ اب تناور درخت بن گیے اور کبروی نعمتوں کے پھل آج بھی اسی تازگی اور لطافت کے ساتھ مخلوق تناول کر رہی ہے۔ ان کے بحروں اور نہروں سے فیض یاب ہو رہی ہے۔ ایران، اصفہان، ہندوستان اور کشمیر کے علاوہ مختلف ممالک میں سلسلے جاری ہیں ڈاکٹر ابراہیم دسوقی لکھتے ہیں۔

ان الکبرویۃ الیوم تعد من اوسع الطرق انتشارا فی ایران، وھی طریقۃ نشطۃ۔
(فوائح الجمال ص ۸۶) آج تک ایران میں سب سے زیادہ پھیلنے والے سلسلوں میں سلسلہ کبرویہ ہے۔ یہ سلسلہ تیز رفتار سلسلہ ہے۔

ہندوستان میں کبرویہ کا فیضان

ہندوستان میں سلسلہ ہمدانیہ اور فردوسیہ آج بھی جاری ہے۔ شیخ سیف الدین باخرزی کے مرید وخلیفہ شیخ بدرالدین سمرقندی (متوفی ۶۹۸ھ) اور ان کے خلفا کے ذریعے فردوسیہ ہندوستان میں متعارف ہوا۔ اس کا آغاز تو دہلی میں ہوا لیکن اس کا عروج وارتقا بہار میں مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری (متوفی ۷۸۲ھ) کے ذریعہ پوری دنیا میں ہوا اور ابھی تک جاری ہے۔

کبرویہ کا فیضان اور اس کی تعلیمات ہندوستان کے مختلف سلاسل میں بھی موجود ہے۔ حضرت مخدوم اشرف جہاں گیر سمنانی (متوفی ۸۰۸ھ) کو کئی طرق سے کبروی نعمتیں اور تعلیمات پہنچی ہیں۔ آپ نے رکن الدین علاء الدولہ سمنانی (خلیفہ شیخ مجد الدین بغدادی)، سید میر علی ہمدانی، امام عبداللہ یافعی اور مخدوم جہانیان جہاں گشت قدست اسرارہم جیسے اکابر صوفیہ اور مشائخ سے نہ صرف استفادہ کیا، بلکہ ان مشائخ کا توارث اور ان کی تعلیمات کا ذکر آپ کے ملفوظات کے مجموعے لطائف اشرفی میں موجود ہے۔

اسی طرح صاحب رسالہ مکیہ علامہ شیخ قطب الدین دمشقی (۷۸۰ھ) کا سلسلہ کبرویہ سہروردیہ ہے۔ شیخ قطب الدین دمشقی نے مخدوم جہانیاں جہاں گشت کو اپنا رسالہ ہدیۃً عطا فرمایا۔ اور مخدوم بخاری نے اسی رسالے کا درس امام یافعی کی صحبت میں بھی لیا، مخدوم بخاری اپنے مریدین اور

طلبہ کے درمیان رسالے کی تعلیمات کا تذکرہ کرتے اوراس کی عبارتیں نقل فرماتے۔اسی واسطے سے سلسلہ کبرویہ کا فیضان اوراس کی تعلیمات وتلقینات چشتیہ کی اہم شاخ نصیریہ، جلالیہ، مینائیہ،صفویہ میں ابھی تک موجود ہے۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ حاجی الحرمین شیخ قوام الدین لکھنوی (متوفی ۸۰۶ھ)،خواجہ نصیرالدین چراغ دہلی (متوفی ۷۵۷ھ) کے مرید اور مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے خلیفہ تھے۔حاجی الحرمین ہی سے مخدوم شیخ سارنگ (متوفی ۸۵۵ھ) کو ارادت و بیعت حاصل تھی۔حاجی الحرمین سے شیخ سارنگ کو تلقین ذکر اور بے شمار کبروی سہروردی نعمتیں حاصل تھیں۔مخدوم شیخ سارنگ کے مرید وخلیفہ مخدوم شاہ مینا لکھنوی (متوفی ۸۸۴ھ) اور آپ کے مرید وخلیفہ مخدوم شیخ سعد خیرآبادی (متوفی ۹۲۲ھ) ہیں، جنہوں نے رسالہ مکیہ کی شرح مجمع السلوک میں توارثاً بہت سی کبروی تعلیمات ذکر کی ہیں۔شیخ نے اپنی شرح میں شیخ مجد الدین بغدادی کے رسالہ "تحفۃ البررۃ فی المسائل العشرۃ کے مضامین نقل کیے ہیں اور حوالہ بھی دیا ہے۔

یہ نعمتیں آج بھی مخدوم شیخ سعد خیرآبادی کے مرید وخلیفہ مخدوم شاہ صفی (متوفی ۹۴۵ھ) سے منسوب سلسلہ صفویہ اوراس کی شاخوں میں توارثاً موجود ہیں۔اس حوالے سے سب سے اہم ثبوت یہ ہے کہ سلسلہ عارفیہ صفویہ (سید سراواں شریف) کے صاحب سجادہ داعی اسلام شیخ ابوسعید شاہ احسان اللہ محمدی صفوی کی "مثال اجازت" میں شیخ نجم الدین کبری کا مشہور رسالہ "الاصول العشرۃ" مترجم موجود ہے۔اس اندازہ ہوتا ہے کہ کبرویہ کی تعلیمات اوراس کا فیضان کتنا عام ہے۔ان سلسلوں کے علاوہ سلسلہ شطاریہ (منسوب بہ شیخ عبداللہ شطاری) اور شطاریہ کے شاخیں مثلاً غوثیہ، (منسوب بہ محمد غوث گوالیاری) علویہ وجیہیہ (منسوب بہ شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی) اور پھر علویہ کی شاخیں ہاشمیہ (منسوب بہ شیخ ہاشم پیر بیجاپوری) شہبازیہ، (منسوب بہ شیخ محمد شہباز بھاگلپوری) منعمیہ (منسوب بہ منعم پاک باز، بہار) اور ابوالعلائیہ کی شاخوں میں کبرویہ کا فیضان اوراس کی تعلیمات وتلقینات پہنچی ہیں۔اگر مزید تلاش وجستجو کی جائے تو دیگر سلاسل سے بھی کبروی تعلیمات کی موجودگی کا پتا مل سکتا ہے۔

خلفا، تلامذہ اور شیخ کی خود کی مساعی جمیلہ سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کی خدمات کا دائرہ کتنا وسیع اور ہمہ گیر ہے۔خلاصہ یہ ہے کہ آپ نے علما ومشائخ، عوام وخواص سب کے درمیان اصلاح وتزکیہ کی کوشش کی اوران پر شریعت اسلامی کو نافذ کرنے اور سنتوں کو عام کرنے کی انتھک جدوجہد کی اور اللہ نے اس میں آپ کو اپنی نصرت ومدد عطا فرمائی۔آپ کی وجہ سے گمراہ قلوب میں اسلام کی شمع روشن ہوئی اوراہل اسلام میں اتباع رسول کا جذبہ بیدار ہوا۔گناہ گاروں کو ہدایت ملی، طالبوں کو راستہ ملا، سالکوں کو منزل ملی اور واصلوں کو لذت وصال مل گئی۔

معاصر علما اور مشائخ

آپ نے ملاحظہ کیا کہ شیخ نجم الدین کبریٰ ان اکابر اولیا اور علمائے راسخین میں سے ہیں جنہوں نے ابتدائے عمر سے لے کر انتہائے حیات تک علم دین، معرفت الٰہی اور سنت وحدیث کی طلب اوران کی تبلیغ وترسیل میں پوری عمر گذاردی، اسلامی تاریخ کا دور عروج اور خوشحالی کا زمانہ آپ کو میسر ہوا، آپ نے مسلم ممالک میں سے اکثر کا دورہ کیا، اور علوم اسلامیہ اور سلوک ومعرفت کے نامور اساتذہ ومشائخ سے ملاقاتیں کیں، آپ کا زمانہ ۵۴۰ھ سے ۶۱۸ تک ہے۔اس عہد میں مختلف علوم وفنون اور سائنس وٹکنالوجی میں مسلم ممالک کے عبقری اور مستند علما موجود تھے، علوم شرعیہ، لغت، تصوف، طب، منطق وفلسفہ اور دیگر عصری علوم میں نابغۂ روزگار ہستیاں موجود تھیں، اگر صرف ان کی فہرست سازی کی جائے تو مستقل کتاب درکار ہے، اسلامی مؤرخین جیسے امام ذہبی، امام سبکی، حاجی خلیفہ، ابن العماد، ابن الاثیر، علامہ جامی اور دیگر حضرات نے تفصیل سے ان کے احوال لکھے ہیں۔

امام رازی کی ملاقات

آپ کے معاصرین میں ایک بڑا نام امام فخرالدین رازی کا ہے، امام رازی صاحب تفسیر کبیر شیخ کے مرید نہیں تھے، مستند تاریخی حوالوں سے ان کی ارادت ثابت نہیں ہے البتہ ملاقات ثابت ہے، شیخ نجم الدین کبریٰ کی عقیدت میں کچھ مؤرخین نے دونوں کی ملاقات اور بحث ومباحثہ میں بڑی ملمع سازی کی ہے یونہی عقیدت میں کچھ مؤرخین نے شیخ فریدالدین عطار کو بھی شیخ کبری کا شاگرد بتایا ہے، اسی طرح شیخ شہاب الدین سہروردی اور شیخ جلال الدین رومی کو بھی کچھ غالی مؤرخین نے تلامذہ میں گردانا ہے۔یہ تمام باتیں تاریخی حقائق وشواہد کے خلاف ہونے کی وجہ سے غلط ہیں، امام ذہبی اور دوسرے مستند مؤرخین کا اجماع ہے کہ امام رازی سے ملاقات ثابت ہے مگر ایسا نہیں ہے کہ انہوں نے شیخ کی شاگردی اختیار کی اوران کے سلسلۂ تصوف میں داخل ہوئے ہیں۔

امام ذہبی نے ملاقات کی جتنی تفصیل لکھی ہے وہ زیادہ معقول اور قابل قبول ہے لکھتے ہیں: **وقد ذهب اليه فخر الدين الرازی صاحب التصانيف ،وناظربين يديه فقيها فی معرفة الله تعالیٰ وتوحيده، فاطالا الجدال، ثم سالا الشيخ نجم الدين علم المعرفة، فقال: واردات ترد علی النفوس ،تعجز النفوس عن ردها ،فساله الرازی: كيف الوصول الی ادراک ذلک؟ قال: بترک ما انت فيه من الرياسة والحظوظ۔ فقال الرازی: هذا ما اقدر عليه، وانصرف وامار فيقه فانه تزهد وتجرد وصحب الشيخ۔** (سیر اعلام النبلاء ۲۳/ ۱۱۲)

کثیر التصانیف مصنف امام فخرالدین رازی اوران کے ایک رفیق شیخ نجم الدین کبری کے یہاں حاضر ہوئے۔اور شیخ کے سامنے اللہ کی معرفت اوراس کی توحید کے موضوع پر فقیہانہ

مناظرہ کیا۔امام رازی اور ان کے رفیق نے اس کو جدال کی حد تک طول دے دیا۔شاید بحث کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا مگر انہوں نے شیخ سے علم معرفت کے متعلق دریافت کیا۔تو شیخ نے جواب دیا کہ یہ وہ پاکیزہ واردات ہیں جو پاکیزہ نفوس پر نازل ہوتے ہیں ،جنہیں نفوس رد کرنے سے عاجز ہیں ،امام رازی نے پوچھا، آخر ان کی حقیقت تک رسائی کیسے ہوسکتی ہے؟ آپ نے فرمایا:

''بترک مافیھا من الریاسۃ و الحظوظ''

یعنی ان تمام چیزوں کو ترک کردینے سے جن میں تمہیں سرداری حاصل ہے اور جن سے تمہیں دلچسپی ہے۔

امام رازی نے کہا میں اس پہ قادر نہیں ہوں ،اور پھر واپس لوٹ گئے۔

مگر ان کے دوست رک گئے ،زہد و تجرد اختیار کیا اور شیخ کی صحبت سے مالا مال ہوئے۔جس کا جہاں حصہ لکھا ہے وہ وہاں سے ضرور مستفیض ہوگا،اس کا یہ مطلب نہیں کہ دوسرے اہل مرتبہ حضرات کم تر ہیں۔

قُلۡ کُلٌّ یَّعۡمَلُ عَلٰی شَاکِلَتِہٖ فَرَبُّکُمۡ اَعۡلَمُ بِمَنۡ ھُوَ اَھۡدٰی سَبِیۡلاً (الاسراء، ۸۴)۔

آپ فرمادیں کہ ہر شخص اپنے شاکلہ کے مطابق عمل کرتا ہے۔البتہ تمہارا رب بہتر جانتا ہے کون زیادہ ہدایت پر ہے۔

اللہ نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے،معیار فضیلت اور درجۂ فضیلت کے اعتبار سے اللہ کی ہر نشانی اپنی معنویت رکھتی ہے۔ہاں لیکن جس طرح بحر اور نہر،قشر اور مغز اور ٹھیکری اور موتی برابر نہیں،اسی طرح رازی اور کبری دونوں برابر نہیں،واللہ اعلم بالصواب

ذوق و کیف

علامہ جامی نے نفحات الانس میں لکھا ہے کہ شیخ نجم الدین کبری کو پہلے سماع سے نفرت تھی ،مگر جب اسماعیل قصری کی خانقاہ پہنچے تو گھٹیا کے درد سے حد درجہ پریشان تھے،شیخ اسماعیل قصری اس وقت سماع سن رہے تھے،شیخ نے وجد و کیف کے عالم میں آپ کو محفل میں بلایا اور آپ خود بھی وجد و کیف میں آگئے۔اور اسی حال میں خوب رقص کیا،کہتے ہیں: مجھ پر رات بھر غشی طاری رہی،میں جب ہوش میں آیا تو میرا درد جاتا رہا اور مجھے شیخ سے بے پناہ عقیدت ہوگئی۔اور میرا ذوق سماع بھی بیدار ہوگیا۔آج بھی کبرویہ کی فردوسیہ اور ہمدانیہ جیسی شاخوں میں مشائخ سماع بالمزامیر سنتے ہیں۔اور اپنے قلوب کو مزکی،مصفی اور مجلی کرتے ہیں۔

شخصی خصوصیات و امتیازات

شیخ نجم الدین کبریٰ کو اللہ تعالیٰ نے آغاز زندگی ہی سے بہت سی امتیازی خوبیوں سے

نوازا تھا،شیخ عام بچوں سے جدا تھے،عام جوانوں سے جدا تھے،قدرت الٰہی نے یتیمی اور غربت کے باوجود آپ کی تعلیم و تربیت کا انتظام کیا اور علم ظاہر و باطن سے مزین کرنے کے بعد مخلوق کی تربیت و اصلاح کے لیے مقرر فرمادیا اپنی بعض نمایاں خوبیوں کی وجہ سے اہل علم و تصوف اور معاصرین کے درمیان ممتاز تھے بلکہ ان پر فوقیت رکھتے تھے۔

بنیادی اور اہم خوبی یہ تھی کہ شیخ علوم شریعت پر کامل دستگاہ رکھتے تھے۔

علوم حقائق و معارف سے آشنائی آپ کو مشائخ کی صحبتوں سے نصیب ہوا تھا۔

ان حقائق و معارف کو بیان کرنے کی قدرت حاصل تھی،اور علمہ البیان کا مظہر تھے۔

شیخ کے حقائق و معارف،کتاب و سنت سے مبرہن ہوتے تھے۔

آپ کو تحریری ملکہ بھی حاصل تھا،آپ کا اسلوب تحریر جوامع الکلم کا آئینہ دار ہے۔

آپ کی شخصیت میں وقار و طنطنہ اور رعب و دبدبہ کا اندازہ ہوتا ہے۔

آپ کے دیدار اور مشاہدے سے دلوں کی دنیا میں ہلچل پیدا ہوجاتی اور لوگوں کی کیفیت یہ ہوتی کہ ع

کوئی کھینچے لیے جاتا ہے خود جیب و گریباں کو

مریدین کی تربیت،سالکین کی رہنمائی اور عارفین کے منازل طے کرنے میں خصوصی مہارت حاصل تھی۔

اللہ نے آپ کو مخصوص نظر،ہمت،تصرف اور عنایت سے سرفراز فرمایا تھا۔

آپ **نادر من نوادرات العالم** اور **عجیب من عجائب العالم** میں سے تھے۔

علمی بحث و مباحثہ میں کوئی آپ کا ثانی نہیں تھا،ان کے سامنے زبانیں گنگ ہوجاتیں اور ایسا لگتا ہے کہ بحث کرنے والے کا علم سلب کرلیا گیا ہو اس لیے آپ ''الطامۃ الکبریٰ'' (بڑی آفت) کے لقب سے ملقب تھے۔

ان کی صحبت انتہائی پر تاثیر تھی،ان کی صحبت میں اولیا جنم لیا کرتے تھے۔

آپ پر سہروردی نسبت غالب تھی۔آپ کی وارداتی تحریروں میں سہل ممتنع کا انداز کار فرما ہے۔آپ کے زمانے کے مشہور محدث حافظ عبد العزیز بن حسین ابن ہلالۃ (متوفی:۶۱۷) سے آپ کی متعدد ملاقات ثابت ہے ابن ہلالۃ آپ کے متعلق لکھتے ہیں: شیخ نجم الدین کی خلوت میں مجھے بار بار بیٹھنے کی سعادت ہوئی اور میں نے ان کے خلوت میں عجیب و غریب امور کا مشاہدہ کیا اور میرے کانوں نے سنا کہ کوئی خوبصورت باتوں سے مجھے مخاطب کر رہا ہے۔

(سیر اعلام النبلاء:۲۲/ ۱۱۲،بحوالہ فوائح الجمال مقدمہ:ص،۶۲)

شہادت ووفات

تاریخ اسلامی میں امت اسلامیہ پر تاتاری یورش اور سقوط بغداد (۶۵۶ھ) کا واقعہ اتنی اہمیت کا حامل ہے کہ اس امت مسلمہ پر اس سے پہلے ایسی مصیبت کبھی نازل نہیں ہوئی تھی ،اس مصیبت کے پس پردہ جہاں تقدیر ازلی کا فیصلہ اور کاتب خیر وشر کی حکمتیں شامل ہیں وہیں بظاہر سلطان محمد خوارزم شاہ کی حماقت اس کی اصل وجہ بنی۔اس کی چنگیز خان سے غیر دانش مندانہ سفارتی تعلقات، جنگ کی آگ بھڑکانے کا سبب بنی۔اسی خوارزم میں شیخ نجم الدین کبریٰ بھی موجود تھے، شیخ کی شہادت بھی اسی فتنۂ تاتار میں واقع ہوئی، شیخ کی شہادت ان کی کھلی کرامت غیر معمولی استقامت، اور اللہ کے فیصلے پر راضی رہنے کی زندہ مثال ہے۔مشہور مؤرخ ابن العماد نے اس واقعے کو جس طرح بیان کیا ہے اس کا خلاصہ کچھ اس طرح ہے۔شیخ نے اپنے بعض مریدین وخلفا سعد الدین حموی، رضی الدین علی لالہ اور سیف الدین باخرزی کو طلب کیا اور کہا کہ اپنے اپنے ملک کی طرف روانہ ہو جاؤ، کیونکہ مشرق سے ایک ایسی آگ بھڑک اٹھی ہے جو مغرب تک سب کچھ جلا ڈالے گی ،عنقریب یہ امت ایسے فتنے میں مبتلا ہوگی کہ اس سے پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی ،بعض حضرات نے شیخ سے عرض کیا کہ اس فتنے سے بچنے کی دعا کیوں نہیں فرما دیتے ،شیخ نے ارشاد فرمایا یہ قضائے مبرم ومحکم ہے،دعا اسے ٹال نہیں سکتی ہے،اصحاب نے عرض کیا آپ بھی ہمارے ساتھ تشریف لے چلیں،آپ نے فرمایا تم کوچ کر جاؤ، کیونکہ میں عنقریب یہیں شہید ہوں گا۔

۶۱۸ھ میں جب کفار شہر میں داخل ہوئے تو شیخ نے اپنے اصحاب کو آواز دی ،اور ان سے فرمایا: **قوموا باسم اللہ نقاتل فی سبیل اللہ**۔اللہ کے نام سے تیار ہو جاؤ ہم اللہ کے راستے میں جہاد کریں گے، شیخ حجرے میں گئے اور اپنے شیخ کا خرقہ زیب تن کیا، دشمن پہ حملہ کیا ان پر پتھروں برسائے اور انہیں تیروں سے زخمی کیا، ادھر سے کفار بھی تیر برساتے رہے یہاں تک کہ ایک تیر آپ کے سینے میں پیوست ہو گیا۔آپ نے اسے نکال کر آسمان کی طرف اچھال دیا اور عرض کیا: **ان اردت فاقتلنی بالوصال او الفراق**۔(ابن العماد،شذرات الذھب فی اخبار من ذھب ۵/۷۹)

وكلت الى محبوبى أمرى كله
فإن شاء أحيانى وإن شاء أتلفا

میں نے اپنا سب کچھ محبوب کے حوالے کر دیا،اب وہ چاہے مجھے مارے یا مجھے زندہ رکھے۔

تیر قضا کو کیف میں حسن ادا کہوں
یعنی ہر اک جفا کو میں جان وفا کہوں

○○○

حضرت نجم الدین کبریٰ کے افکار ونظریات

فکری منابع

کسی بھی شخصیت کے افکار اور ان کی تعلیمات کو جاننے کے لیے اس کے سماجی و دینی پس منظر اور ان افراد کو جاننا ضروری ہے جنہوں نے اس کی شخصیت میں تکوینی کردار ادا کیا ہے۔اس حوالے سے جب ہم حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ قدس سرہ کی زندگی کا جائزہ لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی ولادت خوارزم اور بلاد فارس کے ایسے علاقے میں ہوئی جہاں سنی شافعی مسلمان بہت تھے۔(دیکھیے: یاقوت الحموی،معجم البلدان،ج:۲ ص:۳۹۵، ۴۱۵،دار صادر، بیروت)

جن شخصیات نے آپ کی فکری تعمیر میں کلیدی کردار ادا کیا، وہ دو طرح کی ہیں ایک تو آپ کے وہ اساتذہ ہیں جن سے آپ دینی علوم فقہ وحدیث وغیرہ کی تحصیل کی اور دوسرے آپ کے وہ مشائخ طریقت ہیں جن سے آپ نے بلاواسطہ استفادہ کیا۔جن فقہا ومحدثین سے آپ نے اکتساب علم کیا وہ سب اپنے زمانے کے آفتاب وماہتاب ہیں جن میں حافظ ابو طاہر سلفی (۴۷۸ھ-۵۷۶ھ)،حافظ ابوالعلا ہمذانی (۴۸۸ھ-۵۶۰ھ) اور ابوالمعالی فراوی (۴۹۷ھ- ۵۸۷ھ) نمایاں ہیں۔علوم اسلامیہ کے ان اعلام زمانہ سے استفادے کی وجہ سے شیخ نے علوم اسلامیہ میں بلند مقام حاصل کیا اور اسی وجہ سے الطامۃ الکبریٰ کہلائے۔ذہبی جیسے ناقد جن کو عموماً صوفیہ کے حوالے سے خوش گمانی رکھنے والا نہیں مانا جاتا انہوں نے بھی آپ کو محدث وقدوہ جیسے القاب سے یاد کیا ہے اور طلب حدیث کے لیے آپ کے سفر اور اس حوالے سے آپ کے اہتمام وتوجہ کا تذکرہ کیا ہے۔
(دیکھیے: سیر اعلام النبلاء،ج:۲۲ طبقہ:۲۳،نجم الدین الکبریٰ،مؤسسۃ الرسالۃ،۲۰۰۱ء)

فقہ وحدیث کے حصول کے بعد جب آپ طلب مولیٰ میں نکلے اور راہ طریقت میں قدم رکھا تو آپ نے بہت سے مشائخ سے استفادہ کیا لیکن خصوصاً چار مشائخ کی صحبت نے آپ کی فکری وروحانی تعمیر میں اساسی کردار ادا کیا، ان مشائخ کا تذکرہ انہوں نے خود ہی کیا ہے کہ میں

نے علم طریقت شیخ روز بہان بقلی سے، عشق ابن العصر سے، خلوت نشینی کا علم شیخ عمار بن یاسر سے اور خرقہ اسماعیل قصری سے حاصل کیا۔

صاحب عرائس البیان شیخ روز بہان بقلی شیرازی ثم مصری (۶۰۶ھ) اسلام کے عظیم صوفیہ میں ہیں۔ تفسیر اشاری، عشق الٰہی اور حسن مطلق پر گفتگو کے لیے جانے جاتے ہیں، آپ کی ایک ضرب نے شیخ نجم الدین کبریٰ کے سر سے غرور علم اور انانیت کبر کو دور کر کے ولی کامل بنا دیا یوں ہی شیخ ابن العصر یہ دراصل شیخ ابن ابی عصرون (۵۷۵ھ) کا مخفف ہے آپ اپنے زمانے کے قاضی القضاۃ شیخ شافعیہ عالم اہل شام اور مقتدائے زمانہ صوفی بھی تھے آپ کے بعض اشعار کے مطالعے سے اس درد عشق کا پتہ چلتا ہے جس کے حصول کا تذکرہ خود شیخ نجم الدین نے کیا ہے۔

(دیکھیے یوسف زیدان: فوائح الجمال ص؛۵۵، دار سعاد الصباح، ۱۹۹۳ء)

شیخ عمار (۵۹۰ھ) آپ کے سب سے محبوب شیخ ہیں، آپ کی تصانیف میں جا بجا ان کا تذکرہ ملتا ہے اور ان تذکروں سے ارادت کی بھینی بھینی خوشبو اٹھتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ آپ نے اپنے جن روحانی تجربات کا ذکر اپنی کتابوں میں کیا ہے ان میں سے اکثر کا تعلق شیخ عمار کی صحبت کے زمانے سے ہے۔ آپ نے ان سے خرقۂ تبرک بھی حاصل کیا ہے۔ شیخ نجم الدین کی عبارت کی ترتیب کے لحاظ سے آپ کے آخری شیخ اسماعیل قصری ہیں۔ یہ درحقیقت آپ کے سب سے پہلے شیخ ہیں۔ ان کے بعد آپ شیخ عمار یاسر کی صحبت میں رہے پھر شیخ روز بہان بقلی کی صحبت میں اور اخیر میں پھر لوٹ کر شیخ عمار کی صحبت میں آ گئے۔ شیخ قصری سے ہی آپ نے خرقۂ ارادت حاصل کیا اور اس طرح آپ نے اپنی روحانی زندگی کا آغاز کیا۔ شیخ قصری سے جو آپ کو نسبت خرقہ حاصل ہوئی وہ حضرت کمیل بن زیاد کے واسطے سے حضرت حسن بصری تک پہنچتی ہے۔

شیخ نجم الدین کبریٰ کے ان فکری منابع و مراجع کو جان لینے کے بعد شیخ کی شخصیت کا جو فکری زاویہ سامنے آتا ہے اس میں جہاں فقہ و حدیث اور اتباع شریعت کی چمک ہے وہیں طریقت و معرفت کے اسرار و رموز بھی ہیں۔ جن عناصر سے مل کر آپ کا فکری معجون تیار ہوا ہے اس میں علوم شریعت کی خمیر ہے، لیکن اس پر عشق الٰہی کا ایسا رنگ چڑھا ہوا ہے اور عناصر طریقت کا ایسا غلبہ ہوا ہے کہ عناصر شریعت اسی میں گم ہو کر رہ گئے ہیں۔ ان کے فکری معجون میں علوم شریعت کا جو عنصر ہے وہ خوارزم کے جس علاقے سے آپ تعلق رکھتے ہیں وہاں کے ماحول کا اثر ہے اور اس میں ان اساتذہ کا فیضان ہے جن کے سامنے آپ نے زانوئے تلمذ تہ کر کے علوم شریعت میں تبحر حاصل کیا، پھر بعد میں طریقت و معرفت کی جو آمیزش ہوئی اور پھر اس کا غلبہ ہوا وہ ان مشائخ عظام کی نگاہ فیض کا صدقہ ہے جن کی صحبت میں آپ نے اپنی عمر عزیز کا ایک بڑا حصہ گزارا۔

آپ کی فکر میں جہاں علوم شریعت کی تحصیل اور اس پر سختی سے عمل کی دعوت ہے وہیں صرف اس پر قناعت کی بجائے طریقت و معرفت کے اعلیٰ احوال، منازل و مقامات اور محبوب حقیقی کے وصال کے لیے مجاہدہ و ریاضت کی صدا بھی بہ آواز بلند سنائی دیتی ہے، آئیے ہم ان کی فکری بنیادوں کو سمجھ لینے کے بعد ان کے کچھ افکار و تعلیمات سے خوشہ چینی کی کوشش کرتے ہیں:

شریعت و طریقت

شریعت و طریقت کے حوالے سے بیشتر لوگ افراط و تفریط میں گرفتار ہیں، کوئی شریعت یعنی ظاہر احکام و اعمال کو ہی سب کچھ سمجھ کر اس پر اکتفا کر لیتا ہے اور طریقت یعنی باطن سے تعلق رکھنے والے اعمال اور احوال و مقامات کے حصول کو بے کار سمجھتا ہے۔ حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ ان شخصیات میں ہیں جن کے یہاں مشائخ صوفیہ کی طرح واضح اور افراط و تفریط سے پاک نقطۂ نظر پایا جاتا ہے۔ وہ اس نقطۂ نظر کی وضاحت اور اس کی تمثیل پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

شریعت کشتی کی طرح ہے، طریقت سمندر کی طرح اور حقیقت موتیوں کی طرح۔ جو اس ترتیب کو ترک کر دے اس کو موتی حاصل نہیں ہو سکتے۔ (رسالۃ السفینۃ مشمولہ مقدمہ فوائح الجمال ص:۹۶)

صرف ظاہری اعمال ہی کافی نہیں بلکہ ان ظاہری اعمال کی حقیقتوں تک رسائی ضروری ہے شیخ نجم الدین کبری رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلے کی مختلف مقامات پر وضاحت کی ہے، ایک مقام پر اس کی تفہیم فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

شریعت کی طہارت پانی سے ہوتی ہے، طریقت کی طہارت قلوب کو ہوائے نفس سے خالی کرنے سے اور حقیقت کی طہارت قلب کو ماسوا سے پاک کرنے سے ہوتی ہے۔ شریعت کی نماز اذکار و ارکان سے ادا ہوتی ہے، جب کہ طریقت کی نماز کائنات سے دست برداری، بالکلیہ رحمان کی طرف توجہ اور ہر وقت اور ہر لحہ حق تعالیٰ سے مناجات کے ذریعے ہوتی ہے۔ شریعت میں روزہ کھانے پینے سے رک جانے کا نام ہے، جب کہ طریقت میں رب کائنات کی محبت میں مشغول ہو کر سارے اوہام و خیالات سے رک جانے کا نام ہے، شریعت میں زکات یہ ہے کہ بیس مثقال میں نصف مثقال اللہ کی راہ میں نکالا جائے جبکہ طریقت کی زکات یہ ہے کہ سارا مال ہی صدقہ کر دیا جائے۔ (ایضا: ص:۹۷)

مطلوب اللہ ہے

جنت کی نعمتوں کے تذکرے اور جہنم کے عذاب کے ذکر سے مقصود یہ ہے کہ نعمتوں کے شوق اور عذاب کے خوف ان دونوں بہانے سے ہی سہی لیکن بندہ اللہ تعالیٰ کو اپنا محبوب و مطلوب و مقصود تسلیم کر لے اور اس کی رضا کے لیے ہی اپنی زندگی کی ساری تگ و دو کرے، جنت و جہنم کے

تذکرے کا مقصود یہ نہیں ہے کہ بندہ صرف جنت کی لالچ اور جہنم کے خوف سے عبادت کرے، جنت مقصود لذاتہ نہیں مقصود لغیرہ ہے، جنت اس لیے مقصود ہے کہ وہ دیدار الٰہی کا مقام ہے، وہیں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو سب سے عظیم نعمت، دیدار سے نوازے گا۔ داعی اسلام حضرت شیخ ابوسعید شاہ احسان اللہ محمدی صفوی فرماتے ہیں کہ جنت خاص دیدار الٰہی کا مقام ہے، اس لیے وہ مطلوب ہے، ورنہ مطلوب حقیقی تو مولیٰ تعالیٰ اور اس کا دیدار ہے۔ عام حالات میں بھی جنت اور وہاں کی ہر شئی اس لیے خوبصورت اور آنکھوں کی ٹھنڈک کا ذریعہ ہے کہ وہ جمال الٰہی کی تجلیات میں نہائی ہوئی ہے اور رضائے ربانی کا مظہر ہے، اسی طرح جہنم اس لیے ناپسندیدہ ہے کہ وہ غضب مولیٰ کا مظہر ہے لیکن کچھ لوگوں کے رویے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے مطلوب رب تعالیٰ کی ذات نہ ہو جنت وجہنم ہی مطلوب حقیقی ہو، شیخ اس پر تنبیہ فرماتے ہوئے مریدین کو ارشاد فرماتے ہیں کہ: اے میرے حبیب! اللہ تعالیٰ تم کو اپنے محبوب اور پسندیدہ کاموں کی توفیق عطا فرمائے یہ بات ذہن نشین کرلو کہ مراد و مطلوب تو صرف اللہ ہے اور مرید جو بھی کام انجام دیتا ہے وہ اس کے نور توفیق سے انجام دیتا ہے۔ (فوائح الجمال: ص:۱۲۲)

ایک اور مقام پر عالم ربانی اور مرید صادق کی صفت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

عالم ربانی اور مرید صادق وہ ہے جو ماسوا سے مجرد ہو کر روحانی ہو چکا ہو جس کا چشمۂ دل تمام ارادوں اور مرادوں کے پانی سے خشک ہو گیا ہو، جو دنیا اور آخرت کا تارک اور موت کا عاشق ہو۔ پھر اس کے بعد وہ مالک الملک والملکوت کی طرف متوجہ ہونے والا، لا الٰہ الا اللہ کہنے والا، سب سے براءت کا اظہار کرنے والا اور حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے والا ہو۔ (منہاج السالکین ومعراج الطالبین ص:۲۰، مطبوعہ علی قلی خان ۱۳۰۳ھ)

حصول مطلوب کے لیے مجاہدہ ضروری

کوشش کے بغیر مطلوب کے حاصل ہو جانے کی امید رکھنا شریعت وطریقت کے خلاف ہونے کے ساتھ ہی عقل سلیم کے بھی خلاف ہے، جس خواہش میں کوشش نہ ہو اس کو جھوٹی تمناؤں اور آرزؤں سے تعبیر کیا جاتا ہے، یہ ایسی کھائی ہے جس میں ہزاروں لوگ گرے ہوئے ہیں۔ مولیٰ کو حاصل کرنا چاہتے ہیں لیکن اس کے لیے مجاہدہ وکوشش کی راہ کیا ہے، نہ اسے معلوم کرتے ہیں اور نہ ہی معلوم ہو جانے کے بعد اس پر چلنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وجود نفس وشیطان جو اغیار ہیں اور وصال مولیٰ سے روکنے والے ہیں ان سے نجات اور حق تعالیٰ تک رسائی کی راہ کیا ہے، اس کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

اغیار کو دفع کرنے یا اغیار کو قتل کرنے کے لیے کوشش کرنے کا نام مجاہدہ ہے اور اغیار؛

وجود، نفس اور شیطان ہیں اور مجاہدہ وکوشش کا طریقہ متعین ہے، پہلا یہ ہے کہ آہستہ آہستہ خوراک کم کی جائے اس لیے کہ وجود، نفس اور شیطان کی مدد غذا سے ہوتی ہے، اگر غذا کم ہوگی تو اس کا اثر ونفوذ بھی کم ہوگا۔ دوسرا یہ ہے کہ اپنا اختیار ترک کر دیا جائے اور اسے کمال تک پہنچانے والے دینی اعتبار سے محفوظ و مامون شیخ کے اختیار میں فنا کر دیا جائے، جس میں اس کے لیے خیر ہو، شیخ اس کے لیے وہی اختیار کرے اور تیسرا طریقہ امام جنید قدس سرہ کا طریقہ ہے اور اس میں آٹھ شرطیں ہیں: دوام وضو، دوام سکوت، علم الواقعات کا استفادہ اور وہ اس طرح حاصل ہوگا کہ اپنا سارا تصرف شیخ کے تصرف میں فنا کر دے، نفی خواطر پر مداومت اور دائمی طور سے اللہ تعالیٰ پر اعتراض کو ترک کر دینا۔ (فوائح الجمال، ص:۱۲۲، ۱۲۵)

شیطان بھی اس راہ میں دوست ہو جاتا ہے

حضرت حاجی وارث علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ایک مشہور قول ہے کہ شیطان بھی اس راہ میں دوست ہو جاتا ہے، یہ قول دراصل مبہمات مشائخ کی قبیل سے ہے جب تک اس کی شرح نہ کی جائے واضح نہیں ہو سکتا، شیخ نجم الدین کبریٰ قدس سرہ نے اس کی عقدہ کشائی کچھ اس طرح کی ہے:

حق تعالیٰ اپنی شان لطف وعطا سے کبھی کبھی شیطان کے واسطے سے بھی اپنے بندوں کو مقام قرب تک رسائی عطا فرماتا ہے، وہ دراصل ہوتا یوں ہے کہ شیطان ریاکارانہ عبادت کی محبت لوگوں کے دلوں میں ڈال دیتا ہے چنانچہ لوگ مخلوق خدا کی توجہ حاصل کرنے کے لیے اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور جب خلق خدا ان کی جانب متوجہ ہوتی ہے تو اس توجہ والتفات کی وجہ سے ان لوگوں کی رغبت عبادت اور بڑھ جاتی ہے، جب یہ عبادت ان کو بھلی معلوم ہونے لگتی ہے تو وہ عبادت گزاری کے سمندر میں ڈوب جاتے ہیں اور عبادت کا معاملہ اور اس کی شان یہ ہے کہ وہ غیر حق کو قبول نہیں کرتی اور وہ بہر صورت حق تعالیٰ کے لیے ہی ہو کر رہتی ہے، اس لیے بالآخر ان کو ان عبادات کے واسطے سے عبادت حق کی چاشنی مل ہی جاتی ہے اور عبادات واذکار کے لوازمات علوم اور اسرار وانوار کی شکل میں ظاہر ہو جاتے ہیں چنانچہ وہ خلق سے منہ موڑ کر حق تعالیٰ کی آغوش رحمت میں چلے جاتے ہیں۔ (ایضا، ص:۱۴۲)

خیر کی راہ سے بھی شیطان آتا ہے

شیطان ایک عقل مند دشمن ہے جب کہ نفس ایک نادان بچہ۔ چنانچہ شیطان، نادان بچہ نفس کی طرح ایک گناہ کی ضد نہیں کرتا بلکہ اس کا مقصد بندگان خدا کو گناہ میں ملوث کرنا اور گھاٹے والا بنانا ہے۔ چنانچہ جب اللہ کے بندے اس کے شر والے پھندے میں نہیں پھنس پاتے تو وہ خیر کی راہ سے بھی آتا ہے، اس کے اشارات قرآن وحدیث سے ثابت ہیں، شیخ نجم الدین کبریٰ جو اس راہ کے شناور ہیں اس مکر سے متنبہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

مختلف قسم کی عبادتوں ،نیکیوں اور کشف و کرامات کے سلسلے میں بھی شیطان اپنے خطرات ڈالتا رہتا ہے اور جب تک بندہ اللہ کے مخلَص ومنتخب بندوں میں شامل نہیں ہوجاتا، اس وقت تک یہ سلسلہ جاری رہتا ہے، پھر جب وہ اللہ کا مخلَص ومنتخب بندہ بن جاتا ہے، اس وقت شیطان اس کا پیچھا چھوڑ دیتا ہے اور اس کو گمراہ کرنے کے سلسلے میں اپنی امیدیں منقطع کر لیتا ہے۔(ایضا:ص:۱۴۱)

شرعی ذمے داریاں کبھی ساقط نہیں ہوتیں

بعض گمراہوں نے صوفیہ کے نام پر یہ گمراہی پھیلائی ہے کہ سلوک کی تکمیل اور مقام وصال سے بہرہ ور ہوجانے کے بعد بندوں سے شرعی ذمہ داریاں؛ فرائض و واجبات کی پابندی ختم ہوجاتی ہے، جب کہ درحقیقت ایسا نہیں، مشائخ صوفیہ نے ہمیشہ اس کی تردید کی ہے اور اس سلسلے میں صوفیہ کا اصل عقیدہ کیا ہے شیخ وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: کیا خاص لوگوں کی عبادت سے تکلیف ساقط ہوجاتی ہے؟ ہاں ضرور اس معنی میں تکلیف ختم ہوجاتی ہے کہ تکلیف کلفت بمعنی مشقت سے ماخوذ ہے، چنانچہ اللہ کے خاص بندے کسی مشقت و تکلیف کے بغیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں، بلکہ ان کو تو عبادت میں لذت وطرب ملتا ہے کیوں کہ نماز مناجات کا نام ہے ،لیکن عبادت کرنے والا جب شیطان کی پیروی کرنے والا اور رحمٰن کا مخالف ہوگا تو اس کو مناجات کی لذت حاصل نہیں ہوگی بلکہ عبادت اس پر شاق ہوگی۔(ایضا:ص:۱۴۷)

نفس امارہ کی پاکیزگی

نفس ہی انسان کو برائیوں میں گرفتار کرتا ہے اس لیے نفس کی پاکیزگی ضروری ہے۔اس پر گفتگو کرتے ہوئے شیخ فرماتے ہیں:

نفس تین طرح کا ہوتا ہے(۱) نفس امارہ: یہ عام لوگوں کا نفس ہے۔یہ تاریکی میں ڈوبا ہوتا ہے، اس نفس میں جب نور ذکر داخل ہوتا ہے تو ذکر کی مثال ایسے ہی ہوتی ہے جیسے تاریک گھر میں کوئی چراغ روشن ہوگیا ہو، اس وقت یہ نفس، لوامہ میں تبدیل ہوجاتا ہے، کیوں کہ اس وقت نفس یہ بتانے لگتا ہے کہ خانۂ دل نجاستوں سے بھرا ہوا ہے، اس گھر میں کتے بھی ہیں خنزیر بھی، چیتا بھی، تیندوا، گدھا بھی، بیل بھی، ہاتھی بھی اور وجود کی ہر مذموم شئ خانۂ دل میں موجود ہے، چنانچہ وہ نفس لوامہ ان نجاستوں کو گھر سے دور کرنے کی کوشش کرتا ہے، ذکر الٰہی اور انابت حق کی پابندی کرتا ہے، اس وقت سلطان ذکر ان تمام گندی چیزوں پر غالب ہوکر ان کو گھر سے بے گھر کر دیتا ہے، پھر یہ نفس، مطمئنہ کے قریب ہوجاتا ہے، اور اپنے بکھرے ہوئے گھر کو درست کرنے میں لگ جاتا ہے، یہاں تک کہ ایک روز وہ گھر اوصاف حمیدہ سے آراستہ ہوجاتا ہے اور سلطان حق کی آمد کے لیے وہ گھر تیار ہوجاتا ہے پھر جب سلطان کا نزول اجلال ہوجاتا ہے اور حق تعالیٰ کی تجلی ہوجاتی ہے تو وہ نفس، مطمئنہ، بن جاتا ہے۔(ایضا:ص:۱۶۲)

حال، مقام اور وقت

حال، مقام اور وقت یہ سب صوفیانہ اصطلاحات ہیں جن کی طریقت میں ایک حقیقت ہے، ان اصطلاحات کی حقیقت کیا ہے، اس پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

حال توشۂ سفر، پینے کا پانی اور سواری کا نام ہے۔اسی حال کے ذریعہ سالک وسائر اپنے مطلوب مطلق کی جانب سفر معنوی میں قوت حاصل کرتا ہے اور اس سے مدد لیتا ہے۔سیر وسلوک کی تھکاوٹ سے رک کر آرام کرنے اور اس مقصد سے کہیں ٹھہر جانے کا نام مقام ہے۔یہ کہہ لیں کہ حال پرندے کی دو پر کی طرح ہے اور مقام اس کے گھونسلے کی طرح ہے۔(ایضا:ص:۱۸۵-۱۸۶)

آگے چل کر چند صفحات کے بعد وقت پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وقت کاٹنے والی تلوار کی طرح ہے اس لیے کہ وقت کاٹنے والی تلوار کی طرح نہ ہوتا تو ٹھہر کر تم کو غور وفکر کا موقع دیتا۔صوفی ابن الوقت ہوتا ہے کیوں کہ وقت جیسا بھی ہو، وہ وقت کے ساتھ گردش کرتا رہتا ہے۔وہ نہ ماضی کی طرف دیکھتا ہے اور نہ مستقبل کی طرف، اس لیے کہ اگر وہ ماضی یا مستقبل کی طرف دیکھے گا تو اس کا ایک وقت نہیں بلکہ اس کے بہت سے اوقات ضائع ہوجائیں گے اور صوفی کا ابن الوقت ہونا ہی مراقبہ کے صحیح ہونے کے لیے شرط ہے، بندہ اور حق تعالیٰ دونوں ایک دوسرے کے رقیب ونگراں ہیں، حق تعالیٰ بندے کا رقیب ونگراں اس طرح ہے کہ وہ بندے کے تمام افعال؛ خواہ خیر ہوں یا شر، یوں ہی ماسوا کی جانب اس کی توجہ، سب پر وہ نگاہ رکھے ہوئے ہے اور بندہ حق تعالیٰ کا رقیب ونگراں اس طرح ہے کہ وہ انعام ومصیبت جو بھی اس کی طرف سے آئے دونوں کو ابتدا میں صبر وشکر کے ذریعے، وسط سفر میں شکر وایثار کے ذریعہ اور کبھی دونوں کو ایک ہی طرح سمجھ کر گلے لگا لیتا ہے۔(ایضا:ص:۱۹۷-۱۹۸)

صوفی کی بلند ہمتی

صوفی کم تر چیزوں کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتا، وہ شاعر کے اس شعر

در دشت جنون من جبریل زبوں صیدے
یزداں بہ کمند آور اے ہمت مردانہ

کا مصداق ہوتا ہے۔اس پر گفتگو کرتے ہوئے شیخ فرماتے ہیں:

صوفیہ کا قول ہے کہ صوفی کی ہمت دو قدم سے زیادہ نہیں ہوتی، لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا کہ صوفی کی ہمت کم تر ہوتی ہے، اس لیے کہ صوفی کا ایک قدم متناہی دنیا میں اور دوسرا قدم لامتناہی عالم میں ہوتا ہے اور وہ اپنی اس ہمت سے کبھی جدا نہیں ہوتا، اس لیے کہ سالک وسائر شہسوار ہے اور ہمت گھوڑے کی سواری۔(ایضا:ص:۱۹۸)

خلوت درانجمن

طالبین کوحق تعالی کی طرف متوجہ کرنے، مخلوق کی محبت اور دنیاوی خواہشات ولذات سے جدا کرنے کے لیے صوفیہ خلوت نشینی یا چلہ کشی کا حکم دیتے ہیں اور پھر بندہ جب حق تعالی کی طرف متوجہ رہنے کا عادی ہوجاتا ہے تو اس کی حالت یہ ہوتی ہے کہ جلوت میں خلوت کا لطف اٹھاتا ہے اور اسے انجمن میں خلوت کی لذتیں حاصل ہوتی ہیں۔ یہ کاملین ومرشدین کی حالت ہوتی ہے اور اس کیفیت کا حصول ہی خلوت کا مقصود ہے۔ چنانچہ اس موضوع پر درافشانی فرماتے ہوئے شیخ لکھتے ہیں:

سالک طریقت کوابتدا میں جواغیار واضداد ہیں ان سے وحشت ہوتی ہے تو وہ خلوت سے مانوس ہوتا ہے پھر وہ انیس کی طلب میں اٹھتا ہے تو ابتدائے راہ میں اسے کشف حق ہوتا ہے پھر وہ جلیس وہم نشیں کے ذکر میں انسیت حاصل کرنے لگتا ہے تو ایسا ہوتا ہے کہ اغیار واضداد مولیٰ تعالی کی ہم نشینی میں رخنہ ڈالتے ہیں، چنانچہ وہ پھر سے خلوت کی جانب مائل ہوجاتا ہے پھر وہ ذکر وخلوت سے انس حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اغیار واضداد اور سارے معبودان باطلہ اوران کے ذکر کا خاتمہ ہوجاتا ہے۔ اس وقت اس کوحق تعالی سے انس حاصل ہوتا ہے۔ یہ خلوت کے میدان کا آخری کنارہ ہے اور یہیں سے معنوی خلوت کی ابتدا ہوتی ہے چنانچہ پھر وہ ظاہر میں اغیار کے ساتھ ہوتا ہے لیکن معنوی طور پر معرفت عطا کرنے والی ذات کے ساتھ ہوتا ہے۔ (ایضا: ص: ۲۱۳)

صوفیہ کے نعرے برحق ہیں

سالکین طریقت بعض اوقات اپنے احوال میں اس طرح مغلوب ہوجاتے ہیں کہ وہ بے خود وبے اختیار ہوکر صدائے حق بلند کرنے لگتے ہیں۔ بعض لوگ اس طرح کے احوال کو برا جانتے ہیں اور ایسے صاحبان احوال پر انکار کرتے ہیں، اس کی حقیقت کیا ہے، اس پر گفتگو فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہ ایک عمدہ حالت ہے البتہ جو حالت اس کے بعد ہے وہ اس سے اعلیٰ ہے اور وہ ان احوال پر غالب رہا جائے، کیوں کہ جو شخص اپنے حال پر غلبہ رکھتا ہے وہ اس شخص سے زیادہ قوی ہے جس کو اس کا حال مغلوب رہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلی صورت میں بندہ اپنے اختیار سے حق تعالی کے اختیار میں فانی ہوجاتا ہے پھر بعد میں وہ ترقی کرجاتا ہے تو وہ خود حق تعالی کے اختیار کی صفت سے متصف ہوجاتا ہے اور یہ حالت حق تعالی کے اختیار میں فنا ہوجانے کی حالت سے بہتر ہے۔ (ایضا: ص: ۲۳۲)

مجذوب مقتدا نہیں

بندگان خدا کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی عقلیں محبت الٰہی میں چلی جاتی ہیں اور پھر وہ مکلف نہیں رہ جاتے اور اس وجہ سے ان سے بعض خلاف شرع اعمال بھی سرزد ہوجاتے ہیں اور کچھ لوگ نادانی کی وجہ سے ان اعمال کی پیروی شروع کردیتے ہیں اور دلیل میں ان حضرات کو پیش کرتے ہیں جو صحیح نہیں، چنانچہ کون مقتدا ہوسکتا ہے اور کون نہیں اس پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

تربیت اور مشیخت کی ذمے داری وہی ادا کرسکتا ہے جو خود راہ کا مسافر ہو، جس نے اچھے برے کو دیکھا ہو اور اس کا تجربہ کیا ہو، طوفان عظمت الٰہی کی بلاؤں مثلاً ہیبت، موت اور فنا کے مقامات سے گزرا ہو، مجذوب مقتدا نہیں ہوسکتا کیوں کہ اس کو مقصود تو ضرور حاصل ہوگیا لیکن اس کو مقصود تک پہنچانے والی راہ کا تجربہ نہیں، اس لیے وہ تربیت ومشیخت کے کام کے لائق نہیں۔ (ایضا: ص: ۲۵۸)

دنیا کی حقیقت

دنیا ایسی رنگین چیز ہے جس نے اہل دنیا کو اپنی زلفوں کا اسیر بنا رکھا ہے۔ اس کی حقیقت کیا ہے اسے وہی لوگ بہتر بتا سکتے ہیں جنہوں نے دنیا کو قریب سے دیکھنے کے بعد اس سے اپنی نگاہ پھیر لی۔ شیخ انہیں بندگان الٰہی میں سے ہیں جنہوں نے دنیا کو قریب سے دیکھا سمجھا اور پھر اسے ہمیشہ کے لیے طلاق دے دی اور حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو گئے، جیسا کہ شیخ نے اپنے رسالے منہاج السالکین ومعراج الطالبین کے مقدمے میں اس کی صراحت کی ہے، چنانچہ شیخ دنیا کی حقیقت اور اس کی صفت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

دنیا تفکر کی جگہ، عبرت کا مقام، ٹھوکر کھانے کی منزل اور حسرت کا مکان ہے، جب کہ یہی دنیا مومن کے لیے زراعت کی جگہ، طالبین کے لیے بازار، مریدین کے لیے تجارت گاہ، حق تعالیٰ کا قصد رکھنے والوں کی سواری، سالکین کے لیے پل، فریب خوردہ لوگوں کی معشوقہ، صادقین کی گزرگاہ، عارفین کا بیت الخلاء اور شیطان کی مملکت ہے۔ یہ دنیا بوڑھی عورت ہے جو خود کو باکرہ ظاہر کرتی ہے۔ اے عقل والو! فکر وفطانت والو! یہ دنیا مکار، دھوکہ دے کر راہ فرار اختیار کرنے والی، اچک لینے والی عورت ہے جو ہر لمحہ اور ہر پل نئے نئے دوست بناتی ہے اور ہر وقت اپنے دوستوں کو قتل کرتی ہے، یہ دنیا ایسا گہرا سمندر ہے جس میں سفر کرنے والا ڈوب جاتا ہے، اس سے محبت کرنے والا اسی میں مشغول ہوجاتا ہے، اس کا امیر معزول ہوجاتا ہے، اس کا دوست مقتول ہوتا ہے، اس سے زہد اختیار کرنے والا بے فکر ہوتا ہے اور اس سے بے رغبتی رکھنے والا رسوا ہوتا ہے، اس کی خوشی، غم ہے اور اس کا تریاق، زہر ہلاہل ہے اور اس کا ساحل بھی دریا کی طرح

گہرا ہے، اس کی شفا، مرض ہے، اس کی صحت بلا ہے اور اس کی محبت سراپا مشقت ہے، اس لیے کہ دنیا مصائب و آلام کے لیے ہی بنائی گئی ہے، یہ دنیا ساری مخلوق کی دشمن ہے، اس کا پانی دھوکہ ہے، اس کی آبادی ویرانہ ہے، اس کا حاصل مٹی ہے۔ اس کی حلال چیز میں حساب ہے اور حرام میں عذاب۔ (منہاج السالکین ومعراج الطالبین: ص: ۲۳)

راہ الٰہی پر خطر ہے

طریقت کا نام لینا جتنا آسان ہے اس پر چلنا اسی قدر مشکل، حق تعالیٰ کی یہ خاص راہ کتنی پرخطر ہے اس سے آگاہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ راہ الٰہی سورج سے زیادہ روشن، چاند سے زیادہ پرضیا اور دن سے زیادہ واضح ہے۔ اس راہ کی کچھ واضح علامتیں ہیں، جو ان علامتوں سے غافل رہے گا، گمراہ ہو جائے گا اور جو ان علامتوں کو دھیان میں رکھتے ہوئے راہ سلوک طے کرے گا وہ مطلوب تک پہنچ جائے گا، لیکن اس راہ میں رکاوٹیں، رہزنی کے مقامات اور ہلاکت کی وادیاں بہت ہیں، اس راہ میں مضبوط پہاڑوں سے بھی گزرنا ہے اور ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کو بھی عبور کرتا ہے، اس راہ میں خوف ناک صحرا ہیں جس کے ہر پتھر کے نیچے بچھو ہے اور اس کے ہر تودے کے اوپر ایک شیر بیٹھا ہے، یہ حالت دور سے دیکھنے والوں کے لیے ہے، قریب والوں کے لیے تو وہ سراب کی طرح ہے جسے پیاسا پانی سمجھتا ہے۔

اس وادی کو صدیقین جو تارک الدنیا حق تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے، اس کی جانب رغبت رکھنے والے، آباد آسمانی دل رکھنے والے اور ویران زمینی جسم رکھنے والے ہیں، وہی لوگ اس وادی کو طے کر پاتے ہیں۔ (ایضا: ص: ۲۴-۲۵)

دعائیں کیوں قبول نہیں ہوتیں؟

یہ ایک عام شکوہ ہے کہ ہماری دعائیں قبول نہیں ہوتیں چاہے جو بھی دعا پڑھ لی جائے اس کا اثر ظاہر نہیں ہوتا، آخر اس کی وجہ کیا ہے، اس پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اللہ اگر اسم اعظم ہے تو اس کی شان تو یہ ہے کہ اس نام سے جو بھی دعا کی جاتی ہے وہ قبول ہوتی ہے اور جو بھی سوال کیا جاتا ہے وہ پورا ہوتا ہے لیکن ہم اس نام سے دعا کرتے ہیں، مانگتے ہیں لیکن اکثر اوقات ہماری دعائیں قبول نہیں ہوتیں، تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ اس کی دو وجہ ہے؛ ایک تو یہ کہ دعا کے کچھ آداب و شروط ہیں، ان کی رعایت کی صورت میں ہی دعا قبول ہوگی۔ اور اس کی پہلی شرط یہ ہے کہ دعا کرنے والے کا باطن حلال لقمے سے صالح ہو چکا ہو اور دوسری شرط یہ ہے کہ اخلاص اور حضور قلب سے دعا کرے۔

دوسری بات یہ کہ وہ اسم اگرچہ اپنے آپ میں عظمت والا ہے لیکن اس کا فائدہ اس وقت تم کو حاصل ہوگا جب تعظیم کے ساتھ وہ نام لوگے، اور جتنی تمہاری نیت صاف ہوگی اور ذکر کے وقت دل سے دنیوی اور اخروی حظوظ کو نکالنے کی ہمت جتنی بلند ہوگی اسی قدر اس اسم کی تعظیم ہوگی اور اس حالت میں تم جس نام سے بھی اللہ کی بارگاہ میں دعا کروگے وہ تمہارے لیے اسم اعظم ہوگا اور تمہاری دعا قبول ہوگی۔

(تاویلات نجمیہ، ج:۱، ''سورہ فاتحہ''، ص:۸۱-۸۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۰۹ء)

شکر کے درجات

شکر ایک اعلیٰ صفت ہے جس بندے کے اندر یہ صفت پائی جاتی ہے اللہ تعالیٰ اس بندے کی نعمتوں میں اضافہ فرما دیتا ہے لیکن بعض لوگوں نے شکر لسانی کو ہی سب کچھ سمجھ لیا ہے جب کہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ شکر الٰہی کے درجات کی طرف رہنمائی فرماتے ہوئے شیخ فرماتے ہیں:

شکر کے تین درجے ہیں شکر قولی، شکر عملی، شکر حالی۔ شکر قولی یہ ہے کہ بندہ خود اپنے آپ میں نعمتوں کو یاد کرے، اپنے نفس کو اس نعمت کے بارے میں خفیہ طور پر بتائے اور دوسرے لوگوں سے بھی اس نعمت کا اظہار کرے اور اپنے رب کی بارگاہ میں اپنے فقر اور اپنی نیازمندی کا اظہار کرے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **واما بنعمة ربک فحدث**۔ شکر عملی یہ ہے کہ بندہ اپنی اطاعت و فرماں برداری کے ذریعہ اس نعمت کا اظہار کرے، اس نعمت کے ذریعہ اس کی معصیت کا ارتکاب نہ کرے، طاعتیں جو چھوٹ گئی ہیں ان کے تدارک کی کوشش کرے اور گناہوں سے تیزی کے ساتھ دور بھاگے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **اعملوا آل داؤد شکرا**۔ اور شکر حالی یہ ہے کہ خود انعام فرمانے والی ذات صفت شکوریت کے ساتھ بندے کے سرّ میں متجلی ہو جائے چنانچہ اب اس نعمت و شکر میں منعم کی ذات اور شکور ذات کے علاوہ کوئی نظر نہ آئے، اور نعمت کی حالت میں منعم کی تجلی کا نظر آنا بھی انعام فرمانے والے کی طرف سے ہی سمجھے اور شکر کی توفیق بھی شکور کی جانب سے ہی جانے اور اپنے وجود اور دونوں نعمتوں کے شکر کو منعم کی نعمت کا حصہ سمجھے، اس طرح اس کے وجود کی نعمت منعم کے جمال کا آئینہ بن جائے گی اور اس کا شکر شکور ذات کے جمال کا آئینہ ہو جائے گا اور نعمت و منعم کا دیدار ایک دوسری غیر متناہی نعمت ہے، اس طرح بندے کو یہ بات یقین سے معلوم ہو جائے گی کہ وہ اس کے شکر کی ادائیگی نہیں کر سکتا اور صرف شکور ذات ہی اس نعمت کا شکر ادا کر سکتی ہے اور اس کی توفیق دے سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو کسی حسنہ کو انجام دے گا تو ہم اس میں ایک دوسرے حسن کا اضافہ کر دیں گے۔ (ایضا: ص: ۶۴-۶۵، زیر آیت البقرۃ: ۵۷)

اہل باطن کے لیے قرآن کا کوئی حصہ منسوخ نہیں

قرآن میں بعض آیتوں کے احکام منسوخ ہیں لیکن تلاوت باقی ہے لیکن کیا منسوخ آیات سے اشارات وحقائق بھی نہیں لیے جاسکتے؟ یہ ایک سوال ہے۔ شیخ فرماتے ہیں:

یہ بات ذہن نشین کرلیں کہ قرآن جس طرح اہل ظاہر کے لیے اترا ہے اسی طرح اہل باطن کے لیے بھی اترا ہے اور احکام میں نسخ کا احتمال ہوتا ہے جیسا کہ آیت وصیت کا معاملہ ہے لیکن باطنی احکام اور اس کے حقائق کبھی منسوخ ہونے کا احتمال نہیں رکھتے، اس لیے اہل معانی نے فرمایا ہے: قرآن کا کوئی حصہ منسوخ نہیں، اگر ظاہر احکام میں نسخ ہو تب بھی باطنی احکام میں نسخ نہیں پایا جائے گا۔ چنانچہ ظاہری طور پر منسوخ آیتوں سے حاصل ہونے والے مواعظ وحکم اور اسرار وحقائق پر عمل کیا جائے گا کیوں کہ آیت وصیت میں ہی حق تعالیٰ کا ارشاد ہے **حقا علی المتقین**، یہاں **علی المسلمین و المؤمنین** نہیں فرمایا، کیونکہ یہ لوگ اسلام ظاہری والے ہیں اور اہل تقویٰ اہل باطن ہیں، جیسا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قلب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ تقویٰ یہاں ہے (ایضا:ص:۲۵۷، زیر آیت وصیت البقرۃ:۱۸۰)

میراث میں ملتی نہیں یہ مسند ارشاد

شیخ ومرشد ہونا ایک عظیم منصب ہے۔ جو لوگ اس منصب پر فائز ہوتے ہیں وہ اللہ کی توفیق اور اس کے اذن سے بھٹکے لوگوں کو مولیٰ کی راہ دکھاتے ہیں، بشریت کی کھائی سے نکال کر نورانیت کی راہ پر گامزن کرتے ہیں اور بارگاہ الٰہی میں حاضری کے لائق بناتے ہیں لیکن آج صورت حال بڑی خراب ہوگئی جسے دیکھیے وہی مرشد زمانہ بنا بیٹھا ہے اور بندگان خدا کو لوٹ رہا ہے۔ اس بری صورت حال پر اپنے زمانے میں اظہار افسوس کرتے ہوئے شیخ فرماتے ہیں:

طالب کے حق میں یہ بات درست نہیں کہ وہ اپنے سلوک کے دوران اہل صدق وارادت میں سے کسی کو اپنی تربیت میں قبول کرے اور خود اس دھوکے میں گرفتار ہوجائے کہ اب وہ شیخ مرشد اور مقتدیٰ بن چکا ہے، جب تک کسی سلوک طے کرانے والے کامل وواصل کے ذریعے سلوک کا تکملہ نہ ہوجائے۔ ہاں اگر اس کے شیخ یہ سمجھیں کہ وہ شیخ بننے کے لائق ہوگیا ہے اور اشارۂ ربانی کے ذریعہ وہ سمجھ جائیں کہ وہ تربیت کرنے اور مخلوق کی دعوت وارشاد کا اہل ہوگیا ہے تو اس وقت انتہائی احتیاط کا مظاہرہ کرتے ہوئے مریدین کا مرشد و ہادی ہونا اس کے لیے جائز ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہر قوم کا ایک ہادی ہوتا ہے لیکن ہمارے زمانے میں تو صورت حال ایسی ہوگئی ہے کہ جو کبھی مرید بھی نہ رہا ہو وہ بھی مشیخت کا دعویٰ کر رہا ہے اور اپنی شہرت اور اپنے مریدین کی تعداد بڑھانے کے لیے جاہلوں اور گمراہوں کے سامنے اپنے شیخ ہونے کا اعلان

کرتا ہے، یا لوگوں نے اس عظیم کام کو بچوں کا کھلونا اور شیطان کے استہزا کا ذریعہ بنالیا ہے، چنانچہ جب ان میں سے کوئی وفات پاجاتا ہے تو دوسرا اس کا وارث ہوجاتا ہے اور اس کا بیٹا چھوٹا ہو یا بڑا اس کی جگہ لے لیتا ہے اور پھر لوگ اس سے خرقۂ ارادات حاصل کرتے ہیں، برکت حاصل کرتے ہیں یہ بلا بہت عام ہوگئی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے طریقت اپنے کمال کو پہنچنے کے بعد اب اس کے آثار مٹ چکے ہوں۔ (ایضا:ج:۲،ص:۳۱۶، زیر آیت المائدہ:۱۰۵)

رسم پرست صوفیہ اور علمائے سوگمراہ ہیں

آج صوفیہ کے نام پر لوگوں نے گمرہی کا بازار گرم کر رکھا ہے اور اس طرح اہل اللہ کی جماعت صوفیہ سے لوگ بدگمان ہو رہے۔ یونہی دین حاصل کر کے دنیا میں ڈوبے ہوئے علما نے بھی دین میں فتنہ برپا کر رکھا ہے، ایسے لوگ ہر دور میں رہے اور اہل حق نے ہمیشہ ایسے لوگوں کا رد کیا اور طالبین کو متنبہ کیا۔ شیخ بھی اللہ تعالیٰ کے ارشاد **و کانوا شیعا** کے ضمن میں گمراہ جماعتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

دین میں تفرقہ پیدا کرنے والوں میں ایک جماعت مدعیان تصوف کی بھی ہے جن کے پاس حقیقت کچھ بھی نہیں، جیسے بعض ریا کارانہ طور پر زہد کا اظہار کرنے والے، بغیر صفائی قلب کے تصوف کا دعوی کرنے والے جاہل جھوٹے عارف جو معرفت سے بہت دور ہیں مثلا قلندری جوالقی جو ڈاڑھی منڈواتے ہیں اور موٹے لباس پہنتے ہیں، اکثر ان مدعیان فقر کا یہ حال ہے کہ ان کے اندر فقر کی بو باس بھی نہیں۔ یوں ہی بعض غافل باطل پرست علماء سو بھی اس زمرے میں شامل ہیں جو دین کے عوض دنیا حاصل کرتے ہیں۔ وہ اپنے وجود سے طلب جاہ، مقبولیت، مال اندوزی فخر ومباہات، شہرت اور کھانے کمانے کے لیے عہدے اور مناصب کے حصول میں لگے رہتے ہیں۔ یہ لوگ خواص اہل اسلام میں ہونے کا دعوی کرتے ہیں اور صالحین جیسا لباس بھی پہنتے ہیں۔ (ایضا:ص:۴۱۰،الانعام:۱۴۹)

گذشتہ صفحات میں شیخ نجم الدین کبریٰ قدس سرہ کے جو افکار اور ان کی جو تعلیمات بیان کی گئی ہیں ان سے شریعت وطریقت اور معرفت کے میدان میں شیخ کے مقام ومرتبہ کا پتہ چلتا ہے۔ یہ مشائخ اپنی زندگیوں کو راہ الٰہی میں صرف کر کے خود کامیاب ہو کر اور لوگوں کی ایک جماعت کو کامیاب بنا کر دنیا سے چلے گئے لیکن اپنے پیچھے اپنی کتابوں اور افکار وتعلیمات کے ایسے روشن نقوش چھوڑ گئے ہیں جن سے ہم بھی اپنے قلوب کو روشن کر سکتے ہیں اور شریعت وطریقت کے ہر گام پر رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں۔

○○○

حضرت نجم الدین کبریٰ کی تصنیفات: ایک تعارف

امام علامہ محدث ابوالجناب نجم الدین کبریٰ احمد بن عمر بن محمد خیوقی خوارزمی شیخ خراسان مقتدائے زمانہ، مربی عصر (۵۴۰-۶۱۸) کا شماران صوفیہ میں ہوتا ہے جنہوں نے نہ صرف یہ کہ ارشاد وتربیت کی بساط بچھائی اور ہزاروں لوگوں کے قلوب کا تزکیہ کیا، ناقصوں کو کامل اور کاملوں کو دوسروں کے لیے رہنما بنایا بلکہ انہوں نے قرطاس وقلم پر بھی ایسے نقوش چھوڑے جو رہتی دنیا تک طالبین وسالکین کو منزل کا پتا بتاتے رہیں گے۔

آپ کو حدیث وفقہ اور دوسرے اسلامی فنون پر کامل دستگاہ حاصل تھا لیکن اس کے باوجود آپ نے جو تحریری ذخیرہ چھوڑا ہے ان سب کا محور ومرکز تصوف ہے۔ آپ کی جانب جن کتابوں کی نسبت میں محققین کو شبہہ نہیں ہے ان کے اسما درج ذیل ہیں: (۱) **فوائح الجمال و فواتح الجلال** (۲) **التاویلات النجمیة**۔ (۳) **الاصول العشرة**۔ (۴) **رسالة السفینة**۔ (۵) **رسالة الخائف الهائم من لومة اللائم**۔ (۶) **منهاج السالکین و معراج الطالبین**۔ (۷) **رباعیات**۔

ان کے علاوہ کچھ ایسی کتابیں بھی ہیں جن کی نسبت شیخ کی جانب مشکوک ہے ان کتابوں کے اسما یہ ہیں: (۱) **طوالع التنویر**۔ (۲) **رسالةالطرق**۔ (۳) **منازل السائرین**۔ (۴) **سر الحدس**۔ (۵) **سکنات الصالحین**۔ (۶) **آداب المریدین** (۷) **الرسالة الکبرویة**۔ (۸) **مقدمةمختصرةمفیدة**۔ (۹) **فصل فی الذکر**۔ (۱۰) **رسالةفی السلوک**۔

رسالۃ سرالحدس، اس کا ذکر بغدادی نے ھدیۃ العارفین (۱/ ۹۰، مطبع وکالۃ المعارف، استنبول، ۱۹۵۱ء) میں کیا ہے لیکن اس کتاب کا عنوان بالعموم اور صوفیہ کے لحاظ سے بالخصوص غریب ہے۔

رسالۃ الطرق، اس کا بھی تذکرہ بغدادی نے ھدیۃ العارفین میں (۱/ ۹۰) اور کحالۃ نے معجم المؤلفین (۲/ ۴۳، داراحیاء التراث العربی، بیروت) میں کیا ہے لیکن صاحب کشف الظنون (ج:۲، ص:۸۷۶، استنبول، ۱۹۴۸ء) کی بات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ الاصول العشرۃ کا ہی دوسرا نام ہے۔

طوالع التنویر، اس کا بھی ذکر بغدادی نے ھدیۃ العارفین (۱/ ۹۰) میں کیا ہے لیکن شیخ کی جانب اس کی نسبت پر محقق فوائح الجمال یوسف زیدان نے شبہے کا اظہار کیا ہے۔ (دیکھیے حاشیہ مقدمہ فوائح الجمال ص:۱۰۷، دار سعاد الصباح، ۱۹۹۳ء)

منازل السائرین، کا پورا نام ریحانۃ الادب (۶/ ۱۴۴، چاپخانہ شفق، تبریز، ایران) میں منازل السائرین ومنہاج السالکین ذکر کیا گیا ہے اور یہ صراحت کی گئی ہے کہ کشف الظنون میں بھی اس کتاب کا ذکر ہے لیکن کشف الظنون کی جانب رجوع کرنے پر پتا چلا کہ اس کا نام وہاں موجود نہیں ہے۔

رسالہ سکنات الصالحین، آداب المریدین، رسالہ کبرویۃ، مقدمۃ مختصرۃ مفیدۃ، فصل فی فضل الذکر اور رسالہ فی السلوک ان سب کا ذکر بروکلمان نے کیا ہے لیکن شیخ نجم الدین کبریٰ کی شخصیت اور کارنامے کے حوالے سے پہلی تحقیقی کتاب کے مؤلف یوسف زیدان کے مطابق رسالہ کبرویۃ اور رسالۃ السلوک؛ رسالۃ السفینۃ یا اصول عشرۃ کا ہی دوسرا نام ہے۔ یوں ہی فصل فی فضل الذکر، فوائح الجمال یا رسالۃ الھائم کی ہی ایک فصل ہے (دیکھیے: مقدمہ حاشیہ فوائح الجمال از یوسف زیدان ص:۱۰۷)

اب ذیل میں ان کتابوں کا تعارف پیش کیا جاتا ہے جن کی نسبت شیخ کی جانب متحقق ہے۔

(۱) فوائح الجمال

یہ حضرت شیخ کی مشہور ترین تصنیفات میں سے ہے، اس کتاب کے مطالعے سے شیخ کی روحانی زندگی کے مختلف پہلوؤں سے آگہی حاصل ہوتی ہے اس کتاب میں شیخ نے تصوف کے مختلف موضوعات پر گفتگو کی ہے اور خلوتوں اور مشائخ کی صحبتوں میں پیش آنے والے واقعات کا بھی تذکرہ کیا ہے، یہ کتاب شیخ کی ایک قسم کی خودنوشت سوانح بھی ہے اور ان کے روحانی سفر کی کہانی بھی۔ شیخ کی جانب اس کتاب کی نسبت میں کوئی شک وشبہہ نہیں ہے کیونکہ شیخ سے متعلق تقریبا تمام مصادر ومراجع میں اس کتاب کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ بہت سے سوانح نگاروں نے اس کتاب کی اصل زبان فارسی قرار دیا ہے لیکن اس کتاب کے جتنے بھی نسخے موجود ہیں سب کے سب عربی میں ہیں۔ خود طہران میں اس کتاب کا جو نسخہ موجود ہے وہ بھی عربی میں ہے۔ اور فارسی زبان میں اس کا کوئی نسخہ موجود نہیں ہے۔ محقق یوسف زیدان کے مطابق یہ دراصل کسی سوانح نگار کا سہو ہے اور پھر یہ سہو نقل در نقل چلا آیا، یوسف زیدان کہتے ہیں کہ شاید کشف الظنون کے مؤلف سے سب سے پہلے یہ سہو ہوا اور پھر بعد والے انہیں پر اعتماد کرتے ہوئے بلا تحقیق نقل کرتے رہے۔

یہ کتاب سب سے پہلے فریٹز مائر کے ذریعہ ۱۹۵۱ میں شائع ہوئی، بعد میں مصری محقق یوسف زیدان نے فریٹز مائر کے نسخے اور دوسرے خطی نسخوں کو سامنے رکھتے ہوئے تحقیق وتعلیق کا کام کیا اور ساتھ ہی شیخ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر ایک تفصیلی مقدمہ تحریر کیا جو بعد کے محققین

کے لیے بڑا قیمتی سرمایہ ثابت ہوا۔ (دیکھیے مقدمہ فوائح الجمال ص:۱۰۸-۱۱۵)

اس کتاب میں شیخ نے مریدین اور طالبین وسالکین کو یا حبیبی کہہ کر خطاب کیا ہے، چنانچہ کتاب کے آغاز میں ہی فرماتے ہیں: **اعلم یا حبیبی۔ وفقک الله لما یحب ویرضی ان المراد الله، والمرید نور منه۔** یہ کہہ کر شیخ نے صوفیہ کا مطلوب ومقصود اور مرید کی حیثیت واقعی کو بھی بیان کیا ہے، اس کے بعد مریدین کو اس بات کی دعوت دی ہے کہ اپنا روحانی محاسبہ کریں اور باطنی امتحان لیں اور دیکھیں کہ ان کی قلبی حالت کیسی ہے اس کے بعد انہوں نے امراض کے علاج اور اس کے طریقوں پر گفتگو کی ہے۔

مجاہدہ، ظلمت وجود کے ازالے کا وسیلہ ہے۔ اس پر گفتگو کرتے ہوئے حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ قدس سرہ فرماتے ہیں: میرے پیارے! اپنی آنکھیں بند کرو اور پھر دیکھو کیا نظر آتا ہے، اگر تم یہ کہو کہ مجھے تو کچھ نظر نہیں آرہا ہے تو یہ تمہاری خطا ہے، تم کو نظر تو آئے گا لیکن چوں کہ تمہارے وجود کی تاریکی تمہاری قلب کی بینائی کے بہت قریب ہے اس لیے تم کو نظر نہیں آرہا ہے۔ اگر تم اس کو پانا چاہتے ہو اور آنکھیں بند کیے ہی اپنے سامنے اس حقیقت کو دیکھنا چاہتے ہو تو اپنے وجود کی تاریکی کو کچھ کم کرو یا اس تاریکی کو کچھ دور کرو، وجود کی تاریکی کو کم کرنے اور اس کو کچھ دور کرنے کی راہ مجاہدہ ہے۔ (ص:۱۲۲)

اس کے بعد مجاہدے کے طریقوں پر تفصیلی گفتگو کی گئی ہے، وجود نفس وشیطان کی ظلمتوں کے درمیان فرق بیان کیا گیا ہے اور اس کے متعلقات پر بحث کی گئی ہے، آتش ذکر اور آتش شیطان کے امتیازی اوصاف بیان کیے گئے ہیں، وجود کے اجزائے ترکیبی، منفی اور مثبت تاثیرات اور اس سے نجات کے طریقے کی نشان دہی کی گئی ہے۔ سلوک عروجی کے مشاہدات، قلب کے لطائف اور سالک پر اترنے والے انوار ربانیہ ملکوتیہ کی جانب بھی اشارہ کیا گیا ہے۔ اور اس ضمن میں شیخ کے خود اپنے مشاہدات ومعائنات کا بھی تذکرہ ہے، جن سے سالکین راہ طریقت کی رہنمائی ہوتی ہے۔ خواطر وواردات کی حقیقت اس کے اقسام اور سلوک ووصال کے کسی بھی مرحلے میں شرعی ذمے داریوں کے ساقط نہ ہونے کے مسئلے پر بھی گفتگو کی گئی ہے۔

آگے چل کر ذوق ومشاہدہ اور اس کے مباحث، استغراق اور اس کے درجات، مراتب نفس، جذب وسیر، انوار الٰہیہ، نبویہ ایمانیہ، اسم اعظم، عشق ومحبت اور فنا پر گفتگو کی گئی ہے اور حال، مقام اور وقت کے مابین فرق کو واضح کیا گیا ہے۔

ایک مقام پر معرفت کے درجات پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

عرفان کے تین درجے ہیں: (۱) عام لوگوں کا عرفان؛ یہ ظاہری آیات ونشانیوں سے معروف

کی ذات پر استدلال کا نام ہے۔ (۲) خاص لوگوں کا عرفان: یہ ظاہری اور باطنی آیات اور نشانیوں سے معروف کی ذات پر استدلال کا نام ہے اور یہ عرفان ایمان وایقان ہے۔ (۳) خاص الخواص کا عرفان: یہ آیات اور نشانیاں قائم کرنے والی ذات سے ان نشانیوں پر استدلال کا نام ہے اور یہ عرفان اتقان ہے، چنانچہ اس درجے کے نفوس قدسیہ کو ہر شئی کی معرفت اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہوتی ہے۔ ایسا نہیں کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی معرفت کسی نشانی کے ذریعے ہوتی ہے۔ (ص:۱۹۵)

آگے چل کر اسرار حروف، ذکر کے درجات، اسرار خلوت، اسرار ذکر، صوفیہ کی اصطلاح کے مطابق جمود وخمود، اسم ذات اللہ، اس کے خواص، سالک کا کلام الٰہی سننا، عالم غیب میں کونی مشاہدات اور اس کی تفسیرات، بارگاہ رسالت سے شیخ کے لیے کنیت ابوالجناب کا ملنا (مشدد نون کے ساتھ) صوفیہ کے خرقے، علامات ولایت، حصول ولایت، انتہائے ذکر وسلوک اور اس سے متعلق مباحث پر گفتگو کی گئی ہے اور ان تمام مباحث کے ضمن میں شیخ نے اپنے روحانی تجربات سے طالبین وسالکین کو مستفید کیا ہے۔

ولایت کب کامل ہوتی ہے؟ اس پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ولایت سالک کو تیسرے درجے میں بہ تمام وکمال حاصل ہوتی ہے، ان میں پہلا درجہ تلوین، دوسرا تمکین اور تیسرا تکوین ہے۔ ان تینوں درجات کی مختلف تعبیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ پہلا درجہ علم ہے دوسرا حال اور تیسرا فنا۔ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ پہلا درجہ تجرید ہے دوسرا تفرید اور تیسرا توحید۔ ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ پہلا درجہ علم الیقین، دوسرا حق الیقین اور تیسرا عین الیقین، علم الیقین کسب ہے حق الیقین حال ہے اور عین الیقین فنا ہے، ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ پہلا درجہ عبادت ہے دوسرا عبودیت اور تیسرا عبودت۔ (۲۴۹-۲۵۰)

کتاب کا خاتمہ ان دعائیہ کلمات پر ہوتا ہے: **وأسال الله العفو والعافية فی الدنيا والآخرة والمغفرة والرحمة لجميع أمة محمد عليه السلام ولمن قال لا اله الا الله محمد رسول الله والهداية لجميع خلقه، انه الكريم المنان، المجيد الحنان والحمد لله وسلام علی عباده الذين اصطفی۔**

فوائح الجمال سے صاحب رسالہ مکیہ کا استفادہ

صاحب رسالہ مکیہ علامہ قطب الدین دمشقی قدس سرہ (۷۸۰ھ) سلسلہ کبرویہ کے مشائخ میں سے ہیں۔ برہان الدین سمرقندی، عبدالرحمن کسرتی (۶۳۹-۷۱۷ھ) احمد کوربانی (۶۶۹ھ) رضی الدین علی بن سعید لالا (۶۴۲ھ) شیخ مجد الدین بغدادی (۵۵۶ھ/۶۱۶ھ) قدست اسرارھم کے واسطوں سے شیخ نجم الدین کبریٰ تک آپ کا سلسلۂ طریقت پہنچتا ہے۔ شیخ قطب

الدین دمشقی کی تصنیف الرسالۃ المکیۃ تصوف کی کتابوں کے درمیان متن کی حیثیت رکھتی ہے، جس کی تاریخ میں پہلی بار اشاعت کا سہرا خانقاہ عالیہ عارفیہ، سید سراواں، الہ آباد اور اس کے صاحب سجادہ حضرت داعی اسلام شیخ ابوسعید شاہ احسان اللہ محمدی صفوی کو جاتا ہے۔

ویسے الرسالۃ المکیۃ میں حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ قدس سرہ کے اقوال کو مختلف مقام پر نقل کیا گیا ہے۔ لیکن فوائح الجمال کے مطالعے کے بعد یہ انکشاف ہوا کہ دراصل وہ جتنے اقوال نقل کیے گئے سب کے سب فوائح الجمال میں موجود ہیں، یہی نہیں بلکہ الرسالۃ المکیۃ میں ان اقوال کے علاوہ دیگر مقامات پر بھی فوائح الجمال کے طویل اقتباسات موجود ہیں۔ ہم یہاں ذیل میں چند اقتباسات کی طرف اشارہ کر رہے ہیں:

فوائح الجمال میں ص: ۱۲۵-۱۲۴ پر ایک پورا پیراگراف حضرت جنید بغدادی کے حوالے سے مذکور ہے، وہ پیراگراف ابتدائی الفاظ میں تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ رسالہ مکیہ میں موجود ہے (دیکھیے باب: فی اقرب الطرق الی حصول المقصود، ص: ۱۷ مطبوعہ ضمن الاحسان عربی شمارہ ۲، شاہ صفی اکیڈمی سید سراواں، الہ آباد ۲۰۱۴ء)

صفحہ ۱۲۶ پر دوسرا پیراگراف ہے جو تھوڑے سے تصرف کے ساتھ رسالہ میں ص ۶۹ پر موجود ہے۔ اسی طرح صفحہ ۱۴۳ پر جو پہلا پیراگراف ہے وہ بعینہ رسالہ مکیہ میں ص: ۱۳۷ پر موجود ہے، ص ۱۵۳ پر چھٹی سطر سے تین سطر کی پوری عبارت رسالہ میں ص: ۷۰ پر شیخ نجم الدین کبریٰ کے قول کے طور پر منقول ہے، ص ۱۶۰ پر دوسرے پیراگراف کی پانچ سطری عبارت رسالہ میں ص ۱۰۳ پر بعینہ موجود ہے، اسی صفحہ پر اگلا پیراگراف بھی رسالہ مکیۃ میں ص: ۱۰۲ پر ہے۔ یہ چند نمونے یہاں ذکر کر دیے گئے ہیں، اس کے علاوہ اور بھی دوسرے اقتباسات موجود ہیں۔

اقتباسات سے ہٹ کر اگر مضامین کی بات کی جائے تو رسالہ مکیۃ کے بہت سے مضامین فوائح الجمال سے ماخوذ معلوم ہوتے ہیں۔ فوائح الجمال اور رسالہ مکیہ کا تقابلی مطالعہ کیا جائے تو بہت سی دل چسپ باتیں سامنے آئیں گی۔

یہ بات تو طے کرنا مشکل ہے کہ شارح رسالہ مکیہ شیخ سعد خیرآبادی قدس سرہ نے فوائح الجمال سے استفادہ کیا ہے یا نہیں، لیکن ایک مقام پر اس بحث میں کہ شیطان خیر کے راستے سے بھی گمراہ کرتا ہے اور اس مقام پر شیخ کامل کی رہنمائی کے بغیر کوئی چارہ نہیں، ایک واقعہ شارح نے ذکر کیا ہے، وہ یہ کہ ایک بزرگ خلوت میں تھے، چند روز کے بعد ہی شیطان نے وسوسہ ڈالا کہ تم تو بڑے عالم ہو، تم کو تو علوم اسلامیہ کی نشر واشاعت کا کام کرنا چاہیے، تم یہاں کیا کر رہے ہو؟ لیکن وہ بزرگ متنبہ ہو گئے کہ یہ شیطانی خطرہ ہے۔ کچھ دنوں کے بعد شیطان نے پھر وسوسہ ڈالا کہ تم کافی دنوں سے چلے میں ہو

اور اب تم کو شیطان کے مکر وفریب کا کافی علم ہو گیا ہے لہٰذا تم چلّے میں رہ کر اس موضوع پر ایک کتاب لکھو، تاکہ طالبین وسالکین اس سے فائدہ اٹھائیں اور اس کتاب کا نام حیل المرید علی المرید رکھ دینا، بزرگ کو بات اچھی لگی اور اس بات کا تذکرہ انہوں نے اپنے شیخ سے کیا، شیخ نے فرمایا کہ یہ بھی خطرۂ شیطانی ہے۔ دراصل وہ چاہتا ہے تمہارا تزکیہ اور تصفیہ نہ ہونے پائے۔ (مجمع السلوک، زیر طبع)

اس واقعے میں جس بزرگ کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا وہ حضرت نجم الدین کبریٰ قدس سرہ ہی تھے اور جس شیخ نے اس موقع پر ان کی رہنمائی کی وہ حضرت عمار یاسر قدس سرہ تھے۔ اس پورے واقعے کو شیخ نجم الدین کبریٰ نے فوائح الجمال میں خود ہی ذکر کیا ہے۔ (دیکھیے ص: ۱۴۴)

حاصل یہ کہ فوائح الجمال اسم بامسمیٰ کتاب ہے اس سے جمال الٰہی کی خوشبو پھوٹتی ہے جس سے مشام جاں معطر ہوتے ہیں اور جلال ربانی کی جانب دروازے کھلتے ہیں جس سے سالکین کو رب تعالیٰ کے عظمت وجلال کا مشاہدہ ہوتا ہے۔

(۲) التاویلات النجمیۃ

شیخ کی یہ کتاب صوفی ذوق تفسیر کی نمائندہ ہے۔ محمد حسین ذہبی نے التفسیر والمفسرون (۴/ ۳۳۳) میں ذکر کیا ہے کہ آپ کی یہ تفسیر پانچ جلدوں میں ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ اس کی پانچویں جلد دراصل علاء الدولہ سمنانی (۷۳۸ھ) کی تصنیف ہے، جو تاویلات نجمیۃ کا تکملہ ہے، اور جسے مؤرخین نے عین الحیاۃ کے نام سے موسوم کیا ہے، کیوں کہ سورۂ ذاریات کی تفسیر مکمل ہونے کے بعد شیخ کی شہادت ہو گئی۔ شیخ علاؤالدولہ سمنانی نے جب اس کا تکملہ کیا تو انہوں نے اس تفسیر کا آغاز تبرکا سورۃ فاتحہ سے کیا پھر سورۂ طور سے آخر تک اسے مکمل کیا، یہ تفسیر اس وقت چھ جلدوں میں دار الکتب العلمیۃ، بیروت سے احمد فرید المزیدی کی شاندار تحقیق اور تفسیر اشاری سے متعلق ایک علمی مقدمے کے ساتھ شائع ہو گئی ہے، اس سے ملحق کر کے اس تفسیر کا تتمہ عین الحیاۃ بھی تحقیق کے بعد شائع کر دیا گیا ہے اس طرح یہ تفسیر مکمل ہو گئی ہے۔ اسی تکملے سے بعض لوگوں کو شبہہ ہوا اور انہوں نے تاویلات نجمیہ کو عین الحیاۃ کے نام سے بھی ذکر کر دیا۔ شیخ کی اس تفسیر سے بہت سے مفسرین نے استفادہ کیا ہے ان میں علامہ شہاب الدین محمود آلوسی (۱۲۱۷ھ-۱۲۷۰ھ) نے اور شیخ اسماعیل حقی بروسیوی (۱۱۲۷ھ) دو نمایاں نام ہیں۔ اول الذکر نے تفسیر روح المعانی میں جب کہ ثانی الذکر نے روح البیان میں اس کے حوالے دیے ہیں اور نقل کیا ہے۔ صاحب روح البیان کہیں تو وفی التاویلات النجمیۃ کہہ کر اس تفسیر سے نقل کرتے ہیں اور کہیں وفی تفسیر نجم الدین کہہ کر، یوں ہی کہیں پوری عبارت نقل کرنے کے بعد اخیر میں کہتے ہیں کذا فی التاویلات النجمیۃ۔

تفسیری منہج

اس تفسیر میں شیخ کا منہج یہ ہے کہ کبھی کبھی وہ پہلے ظاہری تفسیر بھی کرتے ہیں پھر تفسیر اشاری یہ کہہ کر ذکر کرتے ہیں و الاشارۃ فیہ الی کذاو کذا۔آپ کی تفسیر فلسفیانہ تصوف کے اصول پر قائم نہیں ،یوں ہی آپ آیتوں کے مابین ربط کے بیان کا بھی اہتمام کرتے ہیں ،جب کہ شیخ سمنانی کے تکملہ کا منہج اس کے برعکس ہے وہ ظاہری تفسیر نہیں کرتے ۔ان کی تفسیر اشاری پیچیدگی لیے اوران فلسفیانہ اصولوں پر ہوتی ہیں جن کا تذکرہ انہوں نے اپنی تفسیر کے مقدمے میں کر دیا ہے۔خلاصہ یہ کہ شیخ نجم الدین کبریٰ کی تفسیر اشاری خالص وہبی معلوم ہوتی ہے جب کہ شیخ سمنانی کا تکملہ کسبی ،اجتہادی اور عقلی معلوم ہوتا ہے۔

تفسیری نمونے

تفسیر کا آغاز اس خطبے سے ہوتا ہے: رب تمم بالخیر ،ربناآتنا من لدنک رحمۃ وھیئ لنامن امرنا رشدا، الحمدللہ رب العالمین، و الصلاۃ و السلام علی محمدو آلہ۔

آغاز تفسیر میں سورۂ فاتحہ کی وجہ تسمیہ پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں :سورۂ فاتحہ کو دو خصوصیتوں کی وجہ سے فاتحہ کہا جاتا ہے؛ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورۂ پاک کے ذریعے ان حقائق کے خزانے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کھول دیے جو آپ سے پہلے کسی کے لیے نہیں کھولے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے تمام انبیا ورسل پر جو جوامع کلم اتارے تھے اس کے حقائق اس قرآن میں ودیعت فرمادیے،اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا وہ فرمان ہے جس میں ارشاد ہے کہ ہر خشک وتر کا بیان اس واضح کتاب میں موجود ہے۔ دوسری یہ کہ سورۂ فاتحہ سے قرآن کریم میں مذکور روحانی فتوحات ،مراتب ربوبیت ،مراتب عبودیت اور مراتب امور دنیویہ واخرویہ کے حقائق کا آغاز ہوتا ہے۔(ج:۱،ص:۵۷-۵۸،دارالکتب العلمیہ ، بیروت)

سورۃ بقرۃ کی آیت (فلما فصل طالوت بالجنود قال :ان اللہ مبتلیکم بنھر فمن شرب منہ فلیس منی ومن لم یطعمہ فانہ منی إلا من اغترف غرفۃ بیدہ) پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:اس میں تفسیر اشاری یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو دنیاوی نہر اور دنیاوی زینت کے پانی سے اور جو چیزیں مخلوق کے لیے آراستہ کی گئی ہیں ان سے آزمایا۔یہ آزمائش اس لیے ہوئی تاکہ نیکوکار اور بدکار ظاہر ہوجائیں۔خبیث وطیب کے درمیان امتیاز ہوجائے۔پھر اللہ تعالیٰ نے ان کا امتحان لیا اور فرمایا: جو اس نہر سے پیے گا اس کا تعلق مجھ سے نہیں ہے اور جو اس کا مزہ نہیں چکھے گا اس کا تعلق مجھ سے ہے۔یعنی وہ میرے اولیا، میرے محبوبین وطالبین میں سے ہیں ،ان کو میرے قرب ،میری بارگاہ میں قبولیت ،میرے اخلاق سے آراستگی اور میری بارگاہ سے حاصل ہونے والی

کرامت حاصل ہے،(الا من اغترف غرفۃ بیدہ)یعنی دنیا کی نہر سے پینے والوں کا تعلق مجھ سے نہیں ۔)البتہ اس سے وہ لوگ مستثنیٰ ہیں جو دنیا کی نعمت کھانے ، پینے ، پہننے ،رہنے اور لوگوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے کے سلسلے میں ضرورت پر اکتفا کرنے والے ہیں،اضطراری حالت والے انسان کی جتنی حد ہوتی ہے اس پر رک جانے والے ہیں۔جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کا حال تھا اور جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرماتے تھے:اللھم ارزق آل محمد قوتا یعنی آل محمد کو اتنی روزی عطا فرما جس سے ان کی زندگی باقی رہے۔(ایضاً،ص:۳۲۱)

سورۃ توبہ میں آیت کریمہ: یا ایھا الذین امنوا قاتلوا الذین یلونکم من الکفار ولیجدوا فیکم غلظۃ واعلموا ان اللہ مع المتقین پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:اے وہ لوگ جو ایمان لائے یعنی اے وہ لوگ جنہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ان باتوں میں تصدیق کی جن کی جانب انہوں نے اللہ کے اذن سے لوگوں کی رہنمائی کی ،قاتلوا الذین یلونکم من الکفار یعنی کافر نفس اوراس کی صفات سے جہاد کرو، اس طرح سے کہ اس کی خواہش اوراس کی صفات کی مخالفت کرو، ان صفات کو بدل ڈالو اور نفس کو اللہ کی اطاعت اوراس کی راہ میں مجاہدے پر مجبور کرو اس لیے کہ یہ نفس تم کو ذات باری تعالیٰ تک رسائی سے روکتا ہے۔

ولیجدوا فیکم غلظۃ یعنی نفس کو شہوتوں ،لذتوں اس کی پسندیدہ چیزوں اور ہوائے نفس کی جانب اس کی رسہ کشی ختم کر کے نفس کو طلب حق میں لگے رہنے پر مجبور کرو اور نفس کو فنا کرنے کی سچی عزیمت رکھو ۔واعلموا ان اللہ مع المتقین۔یعنی متقیوں کو جذبہ وصول کے ساتھ اللہ کی معیت حاصل ہے تاکہ وہ اس جذبہ وصول کے ذریعہ ماسوا سے اپنی حفاظت ایسے ہی کریں جیسے انسان زرہ کے ذریعہ سے نیزہ، تیر اور تلوار سے اپنی حفاظت کرتا ہے۔(ج:۳،ص:۴۳۰)

سورۂ بقرہ کی آخری آیت کے آخری حصے پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ربنا لا تحملنا مالا طاقۃ لنابہ۔اے ہمارے رب ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈال جس کو اٹھانا ہمارے بس میں نہ ہو یعنی تیرے جمال کے مشاہدے اور تیرے وصال پر، تیرے پردۂ جلال کی وسعتوں پر صبر کرنا ہمارے بس میں نہیں ہے۔ واعف عنا یعنی اپنی ہویت کے شواہد کو مٹادے واغفر لنا اور درمیان سے جدائی کو ختم کر کے ہماری بخشش فرمادے۔وارحمنا اپنے خاص جذبے سے ہم پر رحم فرما کہ تو جذبات عطا فرمانے والا ہے۔

فانصرنا علی القوم الکافرین۔ یعنی تو ہم کو خودی سے نکال کر اپنی جانب بے خود بنادے اور اپنی جانب پہنچنے میں دوئی کے کفر کا قلع قمع کرنے میں ہماری مدد فرما۔دوئی وہ کافر ہے جو وحدت قائم ہونے سے روکتی ہے، میری انانیت ، میرے مزاحم ہوتی ہے، لہٰذا اے مولیٰ! اپنے جود وسخا اور فضل وعطا سے میری انانیت کو ختم فرمادے۔(ج:۱ص:۳۸۰)

سورۃ انعام کی آیت قل ان صلاتی و نسکی پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں: قل ان صلاتی و نسکی یعنی آپ کہہ دو کہ منہاج صلاۃ کے مطابق میرا سیر و سلوک اور میرے نفس کا ذبیحہ اللہ ہی کے لیے ہے۔ ومحیای میرے قلب و روح کی زندگی ومماتی اور میرے نفس کی موت للہ رب العالمین سب حق تعالیٰ کی طلب اور اس کی ذات تک رسائی کے لیے ہے۔ لاشریك له مطلوب کی طلب میں کوئی اور شریک نہیں وبذلك امرت یعنی اللہ تعالیٰ کی یہ طلب اور اس کا یہ قصد و ارادہ میری نظر، میری عقل اور میرے طبیعت کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ یہ تو اللہ کا فضل، اس کی رحمت، اس کی ہدایت اور کمال عنایت ہے کہ اس نے میری جانب یہ حکم بھیجا اور فرمایا وتبتل الیه تبتیلا سب سے کٹ کے اسی کے ہو جاؤ۔ اور فرمایا قل الله ثم ذرهم ۔ (اللہ کہو اور ماسوا کو چھوڑ دو) وانا اول المسلمین یعنی میں امر کن کے وقت سب سے پہلے خود سپردگی کرنے والا ہوں، فرمان الٰہی یحبهم کے ذریعہ فیض محبت کی قبولیت کے وقت سب سے پہلے سر تسلیم خم کرنے والا ہوں، اور فرمان باری ''یحبونه'' کے لیے اظہار محبت کی خاطر سب سے پہلے آنے والا ہوں۔ (ج:۲،ص:۴۱۲)

خلاصہ یہ کہ پوری تفسیر حقائق و معارف سے لبریز ہے اور اس تفسیر کی ایک خاص بات یہ ہے کہ ان کے شیخ کی تفسیر عرائس البیان کی طرح اس میں بہت زیادہ دقت و غموض نہیں ہے بلکہ لطائف و معارف بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں جس سے عام طالبین و سالکین بھی بھرپور حظ حاصل کر سکتے ہیں۔ میرے خیال کے مطابق صوفیہ اور صوفیہ کی صحبت میں بیٹھنے والے ہر اہل علم کی میز پر یہ کتاب ضروری ہونی چاہیے۔

(۳) منہاج السالکین ومعراج الطالبین

یہ چند صفحات پر مشتمل رسالہ ہے۔ اس کا ایک قدیم نسخہ میرے پیش نظر ہے جس کی اشاعت ۱۳۰۳ھ میں مطبع علی قلی خان سے ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ اس کتاب کی جدید تصحیح و تحقیق بھی ہوئی ہے جسے ڈاکٹر سید محمد دامادی استاذ فارسی ادب معهد العلوم الانسانیة والدراسات الثقافیة، ایران نے انجام دیا ہے۔ ان کا محقق نسخہ بھی میرے سامنے موجود ہے اور آن لائن اس لنک پر موجود ہے:

www.hawzah.net/ar/article view/89832

اس کتاب کا آغاز اس خطبے سے ہوتا ہے۔: **الحمد لله الذی یعلم مکائیل البحار و مثاقیل الجبال، منشی السحاب الثقال ومدبر الامور مقلب الاحوال، مقدر الارزاق والآجال، ذی الفضل والاکرام والجلال، المنزه عن الحلول والانتقال، والاتصال والانفصال، المتصف بصفات الکمال، المتقدس عن النقصان والزوال، المبرء عن مقالة اهل الکفر والضلال الخ۔**

سبب تالیف

کتاب کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ کے مریدین و محبین میں کسی نے فقر و تصوف، اس سے متعلق معاملات اور اس سلسلے میں خود ان کے مشاہدات و تجربات کے بارے میں سوال کیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے اس طالب کی خواہش پر یہ کتاب تصنیف کی۔

یہ کتاب ایک مقدمے اور تصوف کے آٹھ مناہج پر مشتمل ہے، پہلا منہج راہ تصوف میں فقیر سالک کے مجاہدے اور اس کی محنت و مشقت کے بیان میں ہے، دوسرا منہج بندے کے لیے اللہ کی محبت کی علامت، مولیٰ تعالیٰ تک رسائی، ذکر الٰہی، معرفت صفات اور تقدس ذات کے بیان میں ہے۔ تیسرا منہج خلوت نشینی کی حقیقت اور اس کے آداب کے بیان میں ہے۔ چوتھا منہج معرفت نفس، اتباع نفس اور اس بات کے بیان میں ہے کہ نفس کی حقیقت کو کوئی بھی نہیں جان سکتا۔ پانچواں منہج فقیر کے لیے نصیحت اور ارشاد کے بیان میں ہے۔ چھٹا منہج اس بات کے بیان میں ہے کہ فقر کو ماسوا پر فضیلت حاصل ہے۔ ساتواں منہج دنیا کی صفت اور اس کی حقیقت کے بیان میں ہے۔ آٹھواں منہج طریق الٰہی کی صفت کے بیان میں ہے۔ آخر میں طالبین و سالکین کے لیے کچھ نصیحتیں ہیں اور پھر حضرت شیخ نے اپنے چند اشعار پر رسالے کو ختم کیا ہے جو نفس کی صفتوں کے بیان میں ہے۔

سچے فقیر کا زیور کیا ہے، کسی طالب کی جانب سے کیے گئے سوال کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

اللہ تم کو توفیق سے نوازے تم نے فقیر صادق کے بارے میں مجھ سے سوال کیا ہے تو سن لو کہ تقویٰ کو اپنا زاد سفر بناؤ مفلسی کو اپنی پونجی اور آخرت کو اپنا سفر، زندگی کی سانسوں کو مراحل سفر، قبر کو اپنی منزل، صبر کو اپنا ہم نشیں، یقین کو اپنا ساتھی، عجز و نیاز کو اپنی تدبیر، سکون کو اپنی حرکت، خلوت کو اپنا گھر، بھوک کو اپنا کھانا، آنسوؤں کو اپنا پانی، فقر کو اپنا لباس، زندگی کے محاسبے کو اپنی نیند، اپنے گھٹنے کو اپنا تکیہ، مسجد کو اپنی نشست گاہ، حکمت کو اپنا درس، عبرت کو اپنی نگاہ، حیا کو اپنا نگراں، توفیق کو اپنا رفیق، حسن خلق کو اپنی پہچان، قناعت کو اپنا معلم، الوداع کو اپنی نماز، خاموشی کو اپنا روزہ، جہنم کو اپنا غم، اور جنت کو اپنی خوشی، مایوسی کو اپنی صحت، بیماری کو اپنی امید، مقابر کو اپنا مذکر، روز و شب کو اپنا واعظ اور حزن و غم کو اپنا مطرب خوش نوا۔ موت کی یاد کو اپنا سماع جانو، دنیا اور دنیا والوں کو رد کر دو، وضو کو اپنا ہتھیار بناؤ ورع کو اپنی سواری، شیطان کو اپنا حریف، نفس کو اپنا دشمن، دنیا کو اپنا قید خانہ، ہوا اور خواہش نفس کو اپنا جیلر، تضرع کو اپنی رات، استغفار اور موت کی تیاری کو اپنا دن۔ صالح وقت کو اپنا حاصل جانو، دین کو اپنا قلعہ بناؤ، شریعت کو اپنا شعار، قرآن کو اپنی گفتگو، رب تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن کو اپنی پونجی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کو اپنا پیشہ، اور تمام مسلمانوں کے لیے دعا کو

اپنی عادت، عمل صالح میں امان سمجھو، اللہ کی بارگاہ میں عمل کے رد کردیے جانے اور سوئے خاتمہ سے خوف کھاؤ اور ذات باری کو اپنی منزل اور آرزوؤں کی انتہا جانو۔ یہ فقیر کی صفات اور اس کی علامتیں ہیں، اس کے علاوہ جو کچھ ہے سب جھوٹی تمنائیں اور فریب ہیں چنانچہ اگر تم کو توفیق ربانی حاصل ہوئی اور ان صفات سے آراستہ ہوگئے تو آزاد ہوکر زندگی گزاروگے، بے فکر ہوکر وفات پاؤگے، مامون ہوکر قبر سے اٹھوگے اور سعادت مندی کے ساتھ جنت میں ان شاء اللہ داخل ہوگے۔

آٹھویں منہج کے آخر میں فرماتے ہیں: اے راہ الٰہی کے سالک وسائر، خلوت اسی عالم ربانی اور مرید صادق کو حاصل ہوتی ہے جو ماسوا سے مجرد ہوکر، روحانی ہوگیا ہو، جس کے دل سے تمام ارادوں اور تمام مرادوں کا پانی خشک ہو چکا ہو، جو دنیا اور آخرت کو پس پشت ڈال چکا ہو، موت کا عاشق ہو، دنیا اور نفس کا دشمن ہو، آخرت اور اہل آخرت سے محبت رکھنے والا ہو، اپنے مال سے سخاوت کرنے والا ہو، جو اس کے شایان شان نہیں اس سے پاک دامنی اختیار کرنے والا ہو، زندہ دل، مردہ نفس، صحیح عقل والا ہو اور جس کی خواہش نفس بیمار ہو، جو کم کھانے والا، کثرت سے ذکر وفکر کرنے والا ہو، اس کے بعد ملک وملکوت کے مالک کی جانب وہ متوجہ ہوجائے، لا الٰہ الا اللہ کا دامن مضبوطی سے تھام لے، سب سے براءت کا اظہار کرکے، اپنے تمام دعوے اور مقامات سے اللہ کی بارگاہ میں تائب ہوکر دل سے شہادت دے اور زبان سے کہے لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں، وہی حی ہے اور باقی دوسرے سب مردہ ہیں۔

یہ رسالہ میزان العمل کے نام سے بھی ڈاکٹر فیروز حریر چی، کلیۃ الآداب، طھران کی تحقیق سے شائع ہوا ہے اور اس لنک پر موجود ہے:

http:document.tips/documents/pdf55ct

(۴) الاصول العشرۃ

شیخ کا یہ مشہور ترین مختصر رسالہ ہے جو مختلف سلاسل طریقت میں توراثا بھی منتقل ہوتا آیا ہے۔ یہ رسالہ بیان اقرب الطرق اور رسالۃ السلوک سے بھی معروف ہے، اس رسالے کے مختلف مخطوطے پائے جاتے ہیں، ایک نسخہ مکتبہ ظاہریہ دمشق میں (مخطوطہ نمبر ۷۹۶۶) دوسرا دار الکتب المصریۃ میں (مخطوطہ نمبر ۲۵۳/۹) اقرب الطرق الی اللہ کے نام سے اور تیسرا انڈین لائبریری لندن میں (مخطوطہ نمبر ۱۲۵۶) ہے۔ قاہرہ یونیورسٹی کی لائبریری میں اس کا ایک عمدہ رنگین نسخہ ہے جو مخطوطہ نمبر ۶۹۱۱ ترکی کے تحت رسالہ نجم الدین کبریٰ کے نام سے محفوظ ہے۔ صاحب فوائح الجمال نے وہیں سے نقل کرکے پورا رسالہ فوائح الجمال کے مقدمے میں ذکر کیا ہے (دیکھیے مقدمہ فوائح الجمال: ص ۹۰-۹۵)

اس رسالہ کا آغاز اس مشہور قول سے ہوتا ہے کہ **الطرق الی اللہ بعدد انفاس الخلائق**۔ یعنی

جتنی مخلوق کی سانسیں ہیں اتنے ہی اللہ تعالیٰ تک پہنچانے والے راستے ہیں۔ اس کے بعد شیخ نے فرمایا کہ ہمارا جو راستہ ہے وہ مقصود تک پہنچانے کے لحاظ سے اقرب الطرق ہے، کیوں کہ اللہ تک پہنچانے والے راستوں کی کثرت کے باوجود یہ تمام راستے مختصراً تین قسموں میں منحصر ہیں، پہلا ارباب معاملات کا راستہ، وہ یہ ہے کہ نماز، روزے حج وزکات اور تلاوت قرآن وغیرہ، ظاہری اعمال صالحہ کی کثرت کی جائے، یہ اخیار کا راستہ ہے اور اس راستے سے اللہ تک پہنچنے والے بہت ہی کم ہیں۔ دوسرا راستہ مجاہدہ وریاضت والوں کا ہے جو صفات مذمومہ کو صفات محمودہ سے بدلنے، تزکیہ نفس، تصفیہ قلب، تجلیہ روح اور باطن کو آراستہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں، یہ ابرار کا راستہ ہے، اس راستے سے اللہ تک پہنچے والے پہلی والی جماعت سے زیادہ ہیں، لیکن اس راہ سے بھی حق تعالیٰ تک رسائی والے بہت کم ہیں۔ تیسرا راستہ سائرین الی اللہ اور طائرین باللہ کا ہے۔ یہ راستہ اہل محبت شطار کا ہے جو جذبات حق کی مدد سے سلوک طے کرتے ہیں۔ اللہ تک رسائی حاصل کرنے والے اس راہ کے مبتدی دوسری جماعتوں کے وصال حق حاصل کرنے والے منتہی سے زیادہ ہیں۔ یہ راستہ بالارادہ مرجانے کا نام ہے اور یہ راستہ دس اصول میں منحصر ہے۔ پہلا توبہ، دوسرا زہد، تیسرا توکل، چوتھا قناعت، پانچواں مخلوق سے عزلت، چھٹا ذکر کی پابندی، ساتواں توجہ الی اللہ، آٹھواں صبر، نواں مراقبہ اور دسواں رضا ہے۔ چنانچہ جو بندہ ارادی طور پر ان ظلمانی اوصاف سے مردہ اور فانی ہوجائے گا اللہ تعالیٰ اسے اپنے نور عنایت سے زندہ اور باقی کردے گا۔

بعض مشائخ روم نے اس رسالے کی شرح بھی لکھی ہے اور اس شرح کا نام عرائس الوصل رکھا ہے اور اس کا آغاز اس خطبے سے ہوتا ہے: **الحمد للہ الذی ستر وجوہ عرائس القدم الخ** (دیکھیے: کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون: ج ۱، ص: ۱۱۴) رسالہ اصول عشرہ مختلف ویب سائٹ پر بھی موجود ہے۔

(۵) رسالۃ السفینۃ

یہ رسالہ اصول عشرۃ سے بھی مختصر ہے، اس کا ایک نسخہ مخطوطہ مکتبہ ایا صوفیہ میں (مخطوطہ نمبر: ۱۶۹۷) اور ایک نسخہ قاہرہ یونیورسٹی میں اصول عشرۃ کے نسخے کے ساتھ موجود ہے۔ فوائح الجمال کے مقدمے میں اس پورے رسالے کو نقل کیا گیا ہے رسالہ خطبہ سے خالی ہے اور اس کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے:

قال الشیخ نجم الدین کبریٰ قدس اللہ روحہ: الشریعۃ کالسفینۃ والطریقۃ کالبحر۔ رسالے کے کچھ مضامین اس طرح ہیں کہ شریعت کشتی کی طرح ہے طریقت سمندر کی طرح اور حقیقت موتیوں کی طرح، جو اس ترتیب کو چھوڑ دے گا وہ موتیوں تک رسائی نہیں حاصل

کر سکے گا۔اس مضمون کو بعینہ عبارت کے ساتھ شارح رسالہ مکیہ شیخ سعد خیر آبادی نے مجمع السلوک میں اپنے شیخ مخدوم شاہ مینا قدس سرہ سے بھی نقل کیا ہے۔

اسی رسالے میں آگے لکھا ہے کہ طالب مولیٰ پر سب سے پہلے شریعت یعنی اوامر ونواہی کی اطاعت واجب ہے۔اور طریقت، تقویٰ اور ان تمام باتوں کو اختیار کرنے کا نام ہے جو قرب مولیٰ سے ہم کنار کردے۔

ایک مقام پر یوں ہے: شریعت کی طہارت پانی سے ہوتی ہے، طریقت کی طہارت قلوب کو ہوائے نفس سے خالی کرنے سے اور حقیقت کی طہارت قلب کو ماسوا سے پاک کرنے سے ہوتی ہے، شریعت کی نماز اذکار وارکان سے ہوتی ہے اور طریقت کی نماز کائنات سے دست برداری، بالکلیہ رحمان کی طرف توجہ اور ہر وقت اور ہر لمحہ حق تعالیٰ سے مناجات کے ذریعہ ہوتی ہے۔شریعت میں روزہ کھانے پینے سے رک جانے کا نام ہے، جب کہ طریقت میں رب کائنات کی محبت میں مشغول ہوکر سارے اوہام وخیالات سے رک جانے کا نام ہے، شریعت میں زکاۃ یہ ہے کہ بیس مثقال میں نصف مثقال اللہ کی راہ میں نکالا جائے جبکہ طریقت کی زکات یہ ہے کہ سارا مال ہی صدقہ کردیا جائے۔

یہ رسالہ اس اصول پر ختم ہوتا ہے کہ اگر تم کسی کو ہوا میں اڑتے ہوئے، سمندر پر چلتے ہوئے، آگ کھاتے ہوئے اور اس طرح کی دوسری کرامات کے مشابہ چیزیں انجام دیتے دیکھو اور اس کا حال یہ ہو کہ وہ کسی فرض یا سنت کا تارک ہو تو یقین کرلو کہ وہ جھوٹا ہے اس کا یہ فعل کرامت نہیں بلکہ جادو ہے۔(مقدمہ، فوائح الجمال: ص:۹۶-۹۷)

اس قول کو بھی عربی عبارت کے ساتھ شارح رسالہ مکیہ نے مجمع السلوک میں اپنے شیخ مخدوم شاہ مینا کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

(۶) رسالہ الهائم الخائف من لومة اللائم

یہ رسالہ ہمارے سامنے موجود نہیں ہے البتہ یوسف زیدان جنہوں نے اس کا مخطوطہ پڑھا اور دیکھا ہے ان سے استفادہ کرتے ہوئے ہم یہاں اس کا تعارف پیش کر رہے ہیں۔ اس رسالے کے بارے میں صاحب ریحانۃ الادب مرزا علی مدرس (۶ / ۱۴۳) اور صاحب روضات الجنات مرزا باقر خوانساری (۱ / ۲۹۷، مکتبہ اسماعیلیان، قم، ایران) نے لکھا ہے کہ طریقت میں اس جیسی کتاب نہیں لکھی گئی، اس کے بھی مختلف مخطوطے پائے جاتے ہیں۔ایک انڈین لائبریری لندن میں (مخطوطہ نمبر: ۱۲۵۵) دوسرا مکتبہ ایا صوفیہ میں (مخطوطہ نمبر: ۲۰۵۲ / ۱۶) ایک مخطوطہ دارالکتب المصریہ (مخطوطہ نمبر: ۵۵۶) میں اور ایک مخطوطہ طہران میں (مخطوطہ نمبر ۵۹۸) (دیکھیے: مقدمہ فوائح الجمال ص: ۹۷)

یہ رسالہ فوائح الجمال کے بہت زیادہ مشابہ ہے کیوں کہ اس میں بھی راہ الٰہی، اور اس کے علامات ومقامات کا تفصیلی بیان ہے اور اس میں بھی شیخ کے اپنے روحانی مشاہدات وتجربات کا تذکرہ ہے اور مختلف الفاظ میں اس کتاب کے موضوعات ومضامین کی تکرار بھی ہے۔چنانچہ شیخ نے اس رسالے میں بھی اس واقعے کو ذکر کیا ہے جس میں اس بات کا تذکرہ ہے کہ شیطان خیر کی راہ سے بھی لوگوں کو بھٹکاتا ہے البتہ الفاظ تھوڑے مختلف ہیں۔ یہ رسالہ مشہور شیعی محقق نصیرالدین طوسی (۵۹۷ھ-۶۷۲ھ) کو مخاطب کرکے لکھا گیا ہے۔(دیکھیے: کشف الظنون، ج: ۲، ۱ھا، الف)

(۷) رباعیات شیخ نجم الدین کبریٰ

شیخ نے رباعیات کی شکل میں کچھ اشعار بھی یادگار چھوڑے ہیں، اب تک وہ سارے اشعار کسی دیوان کی صورت میں جمع تو نہیں ہوسکے ہیں لیکن ریحانۃ الادب اور روضات الجنات میں ان کی کچھ رباعیات ذکر کی گئی ہیں، ان میں سے کچھ ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔

حاکمان در زماں معزولی — ہمہ شبلی و بایزید شوند
باز چوں بر سر عمل آیند — ہمہ چوں شمر و چوں یزد شوند

ایک دوسرے مقام پر کہتے ہیں:

گرجہودی قراضہ ای دارد — خواجہ نامدار و فرزانہ است
وانکہ دین دارد و ندارد مال — گر ہمہ بوعلی است دیوانہ است

ایک دوسری رباعی میں کہتے ہیں:

ایں لالہ رخاں کہ اصل شاں از چہ گل است — یارب کہ سرشت پاک شاں از چہ دل است
دل را ببر دند وقصد جاں نیز می کنند — این ست بلا وگرنہ زیشاں چہ گلہ است

(ریحانۃ الادب: ج: ۶، ص: ۱۴۴)

شیخ کی تصنیفات اور ان کے علمی کارناموں کا یہ ایک مختصر سا تعارف ہے درحقیقت شیخ کے تمام علمی کارنامے محققین کی توجہ کے منتظر ہیں جو ان کی تمام مخطوطہ اور مطبوعہ تصانیف کا مطالعہ کریں، ان کی شخصیت پر کوئی مفصل تحقیق پیش کریں اور ساتھ ہی ان کی غیر مطبوعہ تصانیف کو مخطوطے کی ظلمت سے نکال کر طباعت کے اجالے سے ہم کنار کریں تاکہ طالبین وسالکین ان کی کتابوں سے فیض اٹھا کر اپنے مقصود ومطلوب حقیقی تک رسائی حاصل کرسکیں۔

○○○

التأویلات النجمیة: ایک تحقیقی مطالعہ

قرآن مقدس کی تفسیر وتفہیم کے معاملہ میں مجموعی طور سے تمام بڑے اور نمایاں مفسرین تفسیر کے مختلف رجحانات کی نمائندگی اور مختلف اسالیب کی ترجمانی کرتے ہیں۔ان میں بعض کی تفسیریں ایسی ہیں جو انتہائی جامع انداز کی ہیں، جن میں تقریبا تمام بنیادی رجحانات کو سمولیا گیا ہے۔کچھ تفسیریں ایسی ہیں جو فن تفسیر کے کسی خاص رجحان یا اسلوب کی نمائندگی کرتی ہیں انہیں میں سے ایک اسلوب تفسیر اشاری کا بھی ہے جو صوفی منہج کی تفسیر سے معروف ومقبول ہے۔

تفسیر اشاری مروج تفاسیری منہج کے مابین مقبول ومحمود تفسیر ہے اس منہج کی کئی تفسیریں بڑی شہرت یافتہ رہی ہیں ان میں ایک نام ''التاویلات النجمیۃ'' کا بھی ہے۔

تفسیر اشاری کی جو مشہور اور مقبول کتابیں موجود ہیں ان میں کئی انواع واقسام ہیں۔مثلا بعض ایسی کتابیں ہیں جو خالص تفسیر اشاری پر مشتمل ہیں ان میں کہیں بھی تفسیر ظاہری کا اہتمام نہیں ملتا۔بعض وہ ہیں جن میں تفسیر اشاری کے ساتھ ساتھ تفسیر ظاہری کا بھی اہتمام ہے۔ التاویلات النجمیۃ کا شمار ایسی تفاسیر میں ہے جن میں ظاہری تفسیر کا بھی التزام ہے۔

مؤلفین کا مختصر تعارف

محققین سوانح نگار اور معتبر مورخین نے مذکورہ کتاب کو شیخ ابوالجناب احمد بن عمر بن محمد نجم الدین کبریٰ (۵۴۰ھ/۶۱۸ھ) کی گراں قدر تصنیفات میں ذکر کیا ہے شیخ نجم الدین کبری محدث و فقیہ ہونے کے ساتھ عارف ربانی اور زہد وورع میں بھی لاثانی تھے۔آپ نے تین عظیم مشائخ کی صحبت وتربیت سے اکتساب فیض کیا ہے۔ان کے نام یہ ہیں: (۱) شیخ اسماعیل قصری (۲) شیخ روزبہان بقلی فسوی شیرازی (صاحب عرائس البیان) (۳) شیخ عمار یاسر۔(خلیفہ ابونجیب سہروردی)

واضح رہے کہ ایک نام نجم الدین دایہ کا بھی ہے جو شیخ نجم الدین کبری کے شاگرد وصحبت یافتہ ہیں تفسیر اشاری میں ان کی بھی ایک تصنیف ہے، جو بحر الحقائق والمعانی فی تفسیر السبع المثانی

کے نام سے موسوم ہے، بعض لوگوں سے تسامح ہو گیا تو انہوں نے التاویلات النجمیۃ کو ہی ان کی تصنیف بتادیا حالانکہ یہ ان کی تصنیف نہیں ہے۔

دوسرے مولف جنہوں نے اس کتاب کی تکمیل فرمائی شیخ علاء الدولہ سمنانی (۶۵۹ھ۔۷۳۶ھ) ہیں۔ان پر شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کے فکری اثرات غالب تھے۔آپ شیخ نور الدین اسفرائنی کے مرید وخلیفہ تھے، آپ کا بھی سلسلہ سہروردیہ کبرویہ ہے۔آپ کثیر التصانیف مشائخ میں سے ہیں۔دراصل شیخ نجم الدین کبریٰ پورے قرآن کی تفسیر مکمل نہیں کرپائے تھے کہ وفات ہوگئی اسی لیے بقیہ کا تکملہ شیخ علاء الدولہ سمنانی نے کیا۔(التفسیر والمفسرون: ج:۲،ص:۳۴۴ مقدمہ تاویلات نجمیہ، نفحات الانس)

ضخامت واجزا

علامہ ذہبی نے اس پر تبصرہ فرماتے ہوئے لکھا ہے: **یقع هذا التفسیر فی خمس مجلدات کبار ومنه نسخة مخطوطة بدار الکتب وهی التی رجعنا الیها ،ینتهی المجلد الرابع عند قوله تعالیٰ فی الآیتین۔ (۱۷-۱۸) من سورة الذاریات (کانوا قلیلا من اللیل ما یهجعون ۔وبالاسحارهم یستغفرون۔) وهذا هو نهایة ما وصل الیه نجم الدین کبریٰ فی تفسیره اما المجلد الخامس فهو تکملة لهذا التفسیر کتبه علاء الدولة وجعله تتمة لکتاب نجم الدین۔(التفسیر والمفسرون: ج:۳ص:۳۴۵)**

یہ تفسیر پانچ ضخیم جلدوں میں موجود ہے اس کا ایک قلمی نسخہ دار الکتب میں موجود ہے ہم نے جو حاصل کیا ہے اس میں چوتھی جلد سورۂ ذاریات کی آیت نمبر ۱۷-۱۸ پر ختم ہو جاتی ہے اور شیخ نجم الدین کی لکھی ہوئی تفسیر بھی یہیں تک ہے لیکن پانچویں جلد تو وہ تکملہ وتتمہ کے طور پر ہے جسے شیخ علاء الدولہ سمنانی نے تحریر کیا ہے۔(اس کا نام عین الحیاۃ مذکور ہے)

التاویلات النجمیۃ کے تعلق سے مقدمہ فواتح الجمال وفواتح الجلال میں بڑا وقیع اور معلوماتی تبصرہ ملتا ہے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:

ڈاکٹر یوسف زیدان لکھتے ہیں:

''ویذکر المورخون ان الشیخ نجم الدین فسر القرآن العظیم فی اثنی عشر مجلداوهو التفسیر المعروف باسم ''التاویلات النجمیة''(مقدمه فوائح الجمال وفواتح الجلال:۹۹)(هامش سیر اعلام النبلاء ۲۲/۱۱۲،طبقات الشافعیه ۵/۱۱۔الوافی بالوفیات ۷/۲۶۳)

مؤرخین کا بیان ہے کہ شیخ نجم الدین نے قرآن کریم کی بارہ جلدوں میں تفسیر لکھی ہے، جو

التاویلات النجمیۃ کے نام سے مشہور ہے۔(اس وقت جو نسخے دستیاب ہیں وہ چھ جلدوں میں موجود ہیں۔جدید ایڈیشن کے مطابق۔)

اب رہ گئی یہ بات کہ شیخ کبریٰ کی تفسیر کہاں سے کہاں تک ہے اور علاء الدولہ سمنانی کی تفسیر کہاں سے شروع ہے تو اس سلسلے میں محققین علما کی رائے وہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی۔علامہ ذہبی کے بقول یہ پانچ جلدوں میں ہے جن میں سے چار جلدیں شیخ کبریٰ کی تفسیر پر مشتمل ہے اور آخری جلد شیخ سمنانی کی ہے۔چونکہ شیخ کبریٰ اس تفسیر کے مکمل کرنے سے پہلے ہی وفات پا گئے تھے جیسا کہ خود اس کتاب کے مقدمہ میں مذکور ہے اور امام ذہبی نے بھی اس کی صراحت فرمائی ہے:"ومات قبل ان یتمہ فاکملہ من بعدہ علاء الدولۃ السمنانی)(التفسیر والمفسرون۔ج ۴،ص ۳۴۴)

حقائق وشواہد سے یہ امر واضح ہو چکا ہے کہ شیخ کبری سورہ ذاریات کی تفسیر کرتے ہوئے دنیا سے رخصت ہو گئے تھے اب تتمہ وتکملہ کے طور پر علاء الدولہ سمنانی نے آگے کی تفسیر مکمل کی مگر اس میں یہ خامی رہ گئی کہ سورہ ذاریات کی باقی ماندہ وہ آیتیں جن کی تفسیر شیخ کبری نہیں کر پائے تھے ان کو شیخ سمنانی نے بھی مکمل نہیں فرمائی بلکہ شیخ سمنانی نے سورہ طور سے تفسیر کی ہے اور تبرکا سورہ فاتحہ کی تفسیر سے ابتدا کی ہے حالانکہ سورہ فاتحہ کی تفسیر شیخ کبری نے تحریر فرمادی تھی۔

امام ذہبی شیخ سمنانی کی تالیف پر تبصرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

وقد قدم لهذه التكملة بمقدمة طويلة لايفهمها الامن يعرف لغة القوم واصطلاحا تهم ولهذا يقول فيها :ولا يؤمن احد بالذى قلته الا بعدا لسلوك ومشاهدة من حيث العيان ما سمعه من هذا لبيان" ثم بعد ان فرغ من المقدمة فسر الفاتحة على طريقة القوم مع ان نجم الدين فسرها اول الكتاب ثم بعد ذلک ابتدأ بسورة الطور وانتهى عندآخر القرآن ويلاحظ انه لم يكمل تفسير سورة الذاريات التى مات نجم الدين قيل ان يفرغ من تفسيرها،، (التفسير والمفسرون۔ج ۴ ص ۳۴۵)

اس تکملہ میں ایک طویل مقدمہ پیش کیا ہے جسے صرف وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جو طبقۂ صوفیہ کی زبان واصطلاح سے واقفیت رکھتے ہیں اسی وجہ سے وہ مقدمہ میں خود لکھتے ہیں: جو کچھ میں نے بیان کیا اسے وہی تسلیم کرے گا جو راہ سلوک ومشاہدہ کو ملاحظہ کیا ہو۔مقدمہ سے فراغت کے بعد مفسرین کے معمول وعادت کی اتباع میں سورہ فاتحہ کی تفسیر کی ہے حالانکہ شیخ نجم الدین کبریٰ نے آغاز کتاب میں سورہ فاتحہ کی تفسیر بیان فرمادی تھی۔پھر اس کے بعد سورہ طور سے آخر قرآن تک کی تفسیر لکھی ہے۔یہ بات قابل غور ہے کہ شیخ سمنانی نے سورہ ذاریات کی تفسیر مکمل نہیں فرمائی جس کی تکمیل سے پہلے ہی شیخ نجم الدین کبریٰ کی وفات ہوگئی تھی۔

حیثیت واہمیت

اس کتاب کو صوفیانہ تفسیر میں بلند ترین مقام حاصل ہے، سادات صوفیہ نے اسے تفسیر اشاری کی امہات کتب میں شمار کیا ہے۔مقدمہ نگار محقق احمد فرید المزیدی اس کتاب کی اہمیت و مقبولیت کے بارے میں تحریر کرتے ہیں: **وان كتاب التاويلات النجمية من الكتب التى اكثر المفسرون النقل عنها كا لشيخ البروسوى اسماعيل حقى فى،، روح البيان،، وكذلک الشيخ محمود الآلوسى فى،، روح المعانى،، والشيخ النيسابورى فى ،،غرائب القرآن،، وغيرهم۔ كتاب السمانى المسمى بعين الحياة تتمة التاويلات لم يرمن نقل عنه من المفسرين وهذا مما اجهدنا كثيرا فى تحقيق وضبط الفاظه التى رأينا الغالب عليها المنهج الفسلفى الأخلاقى وهو جهد طيب من العلامة السمنانى۔ (مقدمه التاويلات: ص ۵)**

"التاویلات النجمیۃ ان کتابوں میں سے ہے جس سے مفسرین نے بحیثیت ماخذ ومرجع اپنی کتابوں میں نقل فرمائی ہیں، مثلاً شیخ اسماعیل حقی بروسوی نے تفسیر روح البیان میں شیخ محمود آلوسی نے تفسیر روح المعانی میں شیخ نیشاپوری نے غرائب القرآن میں۔وغیرہم۔

سمنانی کی عین الحیاۃ سے کسی نے بطور حوالہ کچھ نقل نہیں کیا ہے ہم نے ان کے تفسیری الفاظ وعبارات کی بڑی بحث وتحقیق کی تو یہ پایا کہ ان کی تفسیر پر فلسفیانہ قواعد والا منہج غالب ہے بہر کیف یہ ان کی ایک اچھی کاوش ضرور ہے۔"

اس کی مقبولیت اور استنادی حیثیت کا ذکر کرتے ہوئے یوسف زیدان لکھتے ہیں:

وقد اعتمد على تفسير نجم الدين اثنان من المفسرين الاول تلميذه نجم الدين دايه (المتوفى:۶۵۴) فى تفسيره :بحر الحقائق والمعانى فى تفسير السبع المثانى ,والاخر هو اسماعيل حقى البروسوى (المتوفى:۱۱۲۷) فى تفسير روح البيان فى تفسير القرآن وتفسير البروسوى عبارة عن مجموع عدة تفسيرات سابقة ذكرها المؤلف فى المقدمة۔ومنها تفسير نجم الدين الكبرىٰ الذى يشير اليه البروسوى بتفسير النجم اوبالتاويلات النجمية وقد نقل البروسوى نصوص الشيخ فى تفسيره بحيث يمكن استخراج نص "تفسير نجم الدين" من مجلدات تفسير البروسوى روح البيان"وهو ينقل النص بكامله مسبوقابعبارة : وفى تفسير نجم الدين :وفى التاويلات النجمية"او يضع النص عقب الآية القرآنية ويختتمه بقوله :كذافى التاويلات النجمية۔(فوائح:ص ۹۹/۱۰۰)

شیخ نجم الدین کبری کی تفسیر کو دو مفسروں نے خصوصی طور سے قابل استناد گردانا ہے ایک تو ان کے شاگرد نجم الدین دایہ (متوفی ۶۵۴) ہیں انہوں نے اپنی تفسیر بحر الحقائق والمعانی فی تفسیر السبع المثانی میں اس کا جا بجا حوالہ نقل کیا ہے۔ دوسرے شیخ اسماعیل حقی بروسوی (متوفی: ۱۱۲۷) نے اپنی تفسیر روح المعانی میں گاہے بہ گاہے ذکر کیا ہے۔ شیخ اسماعیل کی تفسیر دراصل چند قدیم تفسیرات کا مجموعہ ہے، جس کا ذکر خود انہوں نے مقدمہ میں کیا ہے اسی مجموعہ ماخذ میں ایک تفسیر نجم الدین کبری کی بھی ہے جس کی طرف شیخ اسماعیل حقی "تفسیر نجم الدین یا تاویلات نجمیۃ کا نام دے کر اشارہ کرتے ہیں:

جہاں جہاں شیخ حقی نے تفسیر نجم الدین کی عبارتوں کو نقل کیا ہے انہیں ہم بآسانی نکال سکتے ہیں، کیوں کہ وہ جب بھی شیخ نجم الدین کی تفسیر بیان کرتے ہیں تو یہ کہتے ہوئے ان کی عبارت نقل کرتے ہیں۔ وفی تفسیر نجم الدین۔ یا، وفی التاویلات النجمیۃ۔ یا آیت کے بعد ان کی عبارت بیان کرتے ہیں پھر،، کذا فی التاویلات النجمیۃ،، کہتے ہوئے بات ختم کرتے ہیں۔

مولفین کے اسلوب بیان میں بنیادی فرق

اگرچہ پوری کتاب کے مولف دو حضرات ہیں مگر دونوں کی تفسیر، انداز بیان اور اشارات و لطائف اخذ کرنے میں واضح اور نمایاں فرق ہے ایک تو اسلوب بیان کا فرق دوسرا معانی و نکات کے استنباط کا فرق۔ چنانچہ جب آپ شیخ کبری کی تفسیر مطالعہ کریں گے تو ان کا اسلوب و منہج کچھ یوں ملے گا کہ وہ بعض اوقات اولا تفسیر ظاہری بیان فرماتے ہیں پھر اس کے بعد اشارات وحقائق بیان کرتے ہیں اور جو بھی اشارہ بیان کرتے ہیں وہ نہایت آسان اور شائستہ عبارتوں میں بیان کرتے ہیں اس میں کوئی پیچیدگی اور ابہام نہیں ہوتا نظری یا معقولی قواعد پر کوئی فکر نہیں قائم کرتے مزید وہ آیتوں کے مابین نظم و ربط کا جو حسن ہے اسے بھی علمی طریقہ سے واضح فرماتے ہیں۔ جبکہ شیخ علاء الدولہ کی تفسیر میں یہ سب عناصر مفقود نظر آتے ہیں پہلی بات تو یہ کہ وہ کہیں بھی ظاہری تفسیر کا ذکر نہیں کرتے مزید جو اشارات و معانی بیان کرتے ہیں ان میں قبض بیانی اور پیچیدگی ہوتی ہے کیونکہ وہ سارے معانی و دقائق کو صوفی کے ان فلسفیانہ قواعد سے مطابق کرتے ہوئے نظر آتے ہیں جن کو انہوں نے مقدمہ کے اندر ذکر کیا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ شیخ کبری کی تفسیر فیضی و وہبی معلوم ہوتی ہے جب کہ شیخ سمنانی کی تفسیر میں جا بجا کسب و اجتہاد کا دخل نظر آتا ہے۔

علامہ ذہبی اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: **والذی یقرأ فی هذا التفسیر ويقارن بين ما كتبه نجم الدين وبين ما كتبه السمناني، يلاحظ ان هناك فرقا بين التفسيرين ذلك ان الجانب الذى كتبه نجم الدين يتعرض فيه احيانا للتفسير الظاهر**

ثم يعقبه بالتفسير الاشارى قائلا: والاشارة فيه كذا وكذا وما يذكره من التفسير الاشارى سهل الماخذ لانه لا يقوم على قواعد من الفلسفة الصوفية كما انه يربط بين الآيات۔ واما الجانب الذى كتبه السمنانى فلا يعرج فيه على المعانى الظاهرة كما انه ليس فيه السهولة التى فى الجانب الذى كتبه نجم الدين، بل هو تفسير معقد مغلق، والسر فى ذلک: انه بناه على قواعد فلسفية صوفية هذه القواعد ذكرها فى مقدمة التكملة۔ (التفسیر والمفسرون۔ ج:۴۔ ص:۳۴۵۔۳۴۶)

جو بھی اس تفسیر کا مطالعہ کرے گا اور پھر شیخ نجم الدین کی تفسیر اور علاء الدولہ کی تفسیر میں موازنہ کرے گا تو وہ ان دونوں تفسیر کے مابین بڑا فرق محسوس کرے گا کیونکہ جو نجم الدین کبریٰ کی تحریر ہے اس میں بعض مقامات پر تفسیر ظاہری بھی موجود ہے ظاہری تفسیر بیان کرنے کے بعد یہ کہتے ہوئے تفسیر اشاری بیان فرماتے ہیں،، والاشارة فيه كذا وكذا،، نیز جو بھی تفسیر اشاری بیان کرتے ہیں وہ آسان اور قریب الفہم ہوتی ہے کیونکہ وہ ان اشارات کو صوفیانہ فلسفیانہ قواعد کے تابع نہیں کرتے جیسا کہ آیتوں کے مابین ربط بیان کرتے ہیں تو ان کا اسلوب نہایت آسان ہوتا ہے۔ لیکن جس تفسیر کو سمنانی صاحب نے تحریر کی ہے اس میں ظاہری تفسیر کی طرف بالکل التفات نہیں نیز ان کی تفسیر اشاری میں بھی سلیس بیانی نہیں بلکہ پیچیدگی و قبض بیانی ہے اس میں وجہ یہ ہے کہ وہ صوفیانہ فلسفہ کے ان قواعد کی بنیاد پر تفسیر اشاری کرتے ہیں جن کو انہوں نے مقدمہ میں بیان کیا ہے۔

نمونہ کے لیے دونوں کی تفسیر ملاحظہ ہو:

تاویلات شیخ نجم الدین کبریٰ

سورہ توبہ کی آیت نمبر ۱۲۳ يٰأيها الذين امنوا قاتلوا الذين يلونكم من الكفار وليجدوا فيكم غلظة واعلموا ان الله مع المتقين۔ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

(يايها الذين امنوا): اى صدقو محمدا صلى الله عليه وسلم فيما دلهم الى الله باذنه۔ (قاتلوا الذين يلونكم من الكفار) اى جاهدوا كفار النفس وصفاتها بمخالفة هواها وصفاتها، وتبديلها وحملها على طاعة الله والمجاهدة فى سبيله فانها تحجبک عن الله۔ (وليجدوا فيكم غلظة): اى عزيمة صادقة فى فنائها بترک شهواتها ولذاتها مستحسناتها ومنازعتها فى هواها وحملها على المتابعة فى طلب الحق۔ (واعلموا ان الله مع المتقين): بجذبة الوصول ليتقوا به عما سواه كما يتقى المرء بترسه عن النشاب والرمح والسيف۔ (تاویلات نجمیہ۔ ج۳)

(اے ایمان والو:)۔یعنی وہ لوگ جنہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان باتوں میں تصدیق کی جو اللہ کی جانب سے آئیں اور اللہ کی طرف رہنمائی کرنے والی ہیں۔(کافروں میں جو تم سے قریب ہے اس سے قتال کرو)۔یعنی اپنے کافر نفس سے جہاد کرو؛اس کی خواہشات کی مخالفت کر کے اور اس کی مذموم عادتوں کو تبدیل کر کے،اللہ کی اطاعت اور اسکی راہ میں مجاہدہ کی رغبت پیدا کر کے۔بے شک یہ نفس تجھے اللہ سے محجوب کر دیگا۔(اور وہ تمہارے اندر سختی پائیں۔)۔یعنی تمہارے اندر نفس کو ختم کرنے کا مستحکم اور پختہ عزم موجود ہو بایں طور کہ اس کے شہوات ولذات،حظوظ ومطالبات کو ترک کیا جائے،مرغوبات میں مخالفت کی جائے۔طلب حق کی راہ میں تابع بنایا جایے۔(اور جان لو کہ اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔)۔کشش وصال اور شوق جمال عطا کر کے ۔تا کہ وہ غیر کی طلب سے خود کو بچائے رکھے،جیسا کہ لوگ نیزوں اور تلوار کی وار سے بچنے کے لئے زرہ پہنتے ہیں۔

تاویلات سمنانی

سورۂ تحریم کی آیت:وضرب اللہ مثلا للذین آمنوا امرأت فرعون اذقالت رب ابن لی عندک بیتا فی الجنة ونجنی من فرعون وعمله ونجنی من القوم الظالمین۔تحریم:۱۱)۔کی تفسیر میں لکھتے ہیں:(وضرب اللہ مثلا للذین آمنوا)۔یعنی القوی المومنة من قوی النفس اللوامة۔(امرأة فرعون)یعنی القوة الصالحة القابلة تحت القوی الفاسدة الفاعلة المستکبرة ماضرها کفر القوة الفاعلة الفاسدة اذا کانت صالحةهی بنفسها۔(اذقالت رب ابن لی عندک بیتا فی الجنة ونجنی من فرعون وعمله ونجنی من القوم الظالمین)۔یعنی اذقالت اللطیفة الصالحة القابلة فی مناجاتها مع ربها : ابن لی بیتا فی اخص اطوار القلب وقالت ایضا فی مناجاتها :نجنی من هذه القوة الفاسدة والفاعلة وعملها ونجنی من الوانها وقواها الظالمة۔(مقدمه التاویلات النجمیة: ص:۱۰)

(اللہ نے ایمان والوں کے لئے فرعون کی بیوی کی کہاوت بیان فرمائی)۔یعنی نفس لوامہ کی ایمانی قوت کے لئے۔(امراۃ فرعون)۔سے مراد وہ پاکیزہ وصالح قوت جو جابر سرکش قوت کے ماتحت ہو جب وہ قوت اپنے آپ میں صالح ہو تو حاکمانہ قوت کا کفر اسے ضرر نہیں پہنچا تا۔(جس وقت اس نے یہ دعا کی:اے میرے رب:میرے لئے اپنے پاس جنت میں ایک مکان بنادے اور مجھے فرعون اور اس کے عمل سے بچالے اور مجھے ظالموں سے نجات دیدے۔)۔مراد یہ ہے کہ جس وقت لطیفۂ صالحہ نے اپنے رب سے مناجات میں یہ عرض کیا:قلب مطمئنہ کے مخصوص مقام میں میری قرارگاہ بنادے،نیز اس نے یہ بھی عرض کیا:مولی،مجھے اس فاسد متکبر قوت اور اسکے اعمال وحرکات سے محفوظ رکھ اور ظالم قوتوں سے بچا۔

تاویلات نجمیہ کا منہج اور خصوصیات

منہج صوفی وعلمی ہے عمومی طور سے صوفی تفاسیر کے اندر ایسا اسلوب نایاب وکمیاب نظر آتا ہے کیونکہ ان میں حقائق ودقائق کی درافشانی خوب رہتی ہے مگر ان کے پیچھے کوئی مستحکم ومضبوط علمی دلائل وشواہد کا فقدان ہوتا ہے،لیکن شیخ نجم الدین کی اس تفسیر میں اس کا بھرپور لحاظ کیا گیا ہے ہر بات توجیہ ودلیل کے ساتھ لکھی جائے۔ نہایت آسان اور سلیس زبان کا استعمال ہے پر تکلف ترکیبات وعبارات سے محفوظ ہے اس میں تفسیر اشاری کے علاوہ تفسیر ظاہری کا بھی اہتمام ہے۔یہ خالص تفسیر اشاری نہیں نیز تفسیر اشاری بیان کرنے میں بھی ایسا حسین ودلکش اسلوب ہے کہ قارئین بڑی دلچسپی وآسانی سے مراد تک رسائی حاصل کر لیتے ہیں اس میں بہت زیادہ دقت ودشواری نہیں جہاں تک ممکن ہو سکا طول بیانی سے گریز کیا ہے جامعیت واختصار سے کام لیا ہے۔

عمومی طور سے احوال وکوائف اور راہ سلوک کے واردات ومشاہدات کو بیان کرنے میں قبض وابہام رہ جاتا ہے مگر شیخ کبریٰ نے اپنے اسلوب بیان میں اس کو بڑی خوبی سے نبھایا ہے خوبصورت اور دلکش پیرایہ بیان کے ساتھ اس بات کا بھرپور لحاظ کیا ہے کہ کوئی نکتہ یا لطیفہ بیان کرنے میں علمی اسلوب نمایاں رہے محض اشارات ہی نہیں بلکہ ہر اشارہ کے ساتھ اس کی توجیہ بھی موجود ہے جو موصوف کی تاویل آفرینی پر کمال وقدرت کو واضح کرتی ہے نیز ہر اشارہ کو منقول اور شرعی اصول کے موافق ومطابق کرنے کی کوشش بھی کرتے ہیں۔

لطائف واشارات کے نمونے

قرآنی قصص وواقعات میں عبرت آفرینی

سورۂ بقرہ کے اندر جہاں گائے کا واقعہ مذکور ہے اس میں ہر حصہ کی ایک ایسی نظیر بیان کرتے ہیں جو ہر ایک لیے ہر زمانہ میں عبرت وہدایت کا نقش معلوم ہوتا ہے۔

سورۂ بقرۃ کی آیت نمبر ۶۷ سے ۷۱ تک تفسیر بیان کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں۔

الاشارة فی تحقیق الآیات الخمس :فی قوله (ان اللہ یأمرکم ان تذبحوا بقرة-۶۷) اشارة الی ذبح بقرة النفس البهیمة فان فی ذبحها حیاة القلب الروحانی وهذا هو الجهاد الاکبر الذی کان النبی صلی اللہ علیه وسلم یشیر الیه بقوله: رجعنا من الجهاد الاصغر الی الجهاد الاکبر وبقوله للمجاهد نفسه وقوله صلی اللہ علیه وسلم موتوا قبل ان تموتوا ایضا اشارة الی هذا المعنی۔(التاویلات النجمیة۔ج ۱۔ص ۱۷۳۔۱۷۴)

آیت (ان اللہ الخ) میں بہیمی صفت نفس کو ذبح کرنے کی طرف اشارہ ہے کیونکہ اسے ذبح کرنے ہی میں قلب روحانی کی حیات ہے اسی کو جہاد اکبر کہا گیا جس کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا

فرمان۔رجعنا من الجهاد الاصغر الی الجهاد الاکبر۔اشارہ کررہاہےاوررسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کےفرمان المجاهد نفسه اور موتو اقبل ان تموتوا سےبھی اسی معنی کی طرف اشارہ ہے۔

نظم قرآن کی بلاغی پیمائش

شیخ جہاں حقائق وغوامض کو بیان کرنے میں کشف وعرفان کے شہریار معلوم ہوتے ہیں وہیں بعض مقامات پرعلمی وفنی مہارات میں بھی عجوبہ روزگار نظر آتے ہیں چنانچہ انہوں نے کئی آیتوں کی تفسیر لغت وادب کے منہج پر فرمائی ہے جس سے نظم قرآنی کے وجوہ اعجاز کا بخوبی ادراک کیا جاسکتا ہے۔جیسے سورہ بقرہ کی آیت: (انی جاعل فی الارض خلیفة) کی تفسیر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: اللہ رب العزت نے انی جاعل کہا، انی خالق، نہیں فرمایا۔اس میں دو توجیہ ممکن ہے۔اول یہ کہ جاعلیت خالقیت کے مقابلہ عام ہے اور اس میں دوسرا معنی بھی ہے اور وہ معنی یہ ہے: خلافت کی صفت سے موصوف شخص کو پیدا کرنا۔کیونکہ ہر مخلوق اس صفت واختصاص کی حامل نہیں ہے جیسا کہ اللہ تعالی نے ایک مقام پر فرمایا ہے: (یاداود انا جعلناك خلیفة فی الارض) سورہ ص۔۲۶) یعنی اے داؤد! میں نے تجھے خلافت کے قابل بنا کر پیدا کیا پھر خلافت سے سرفراز فرمایا۔

دوم یہ کہ جعلیت مختص ہے عالم امر سے عالم امر عالم ملکوت ہی کا دوسرا نام ہے، یہ عالم خلق کی ضد ہے جس کو عالم اجسام بھی کہتے ہیں۔جیسا کہ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا ہے: الا له الخلق والامر۔(اعراف:۵۴) چنانچہ جہاں اللہ تعالی عالم خلق محسوسات کی تخلیق کا ذکر فرماتا ہے تو خلق سے تعبیر فرماتا ہے اور جب عالم ملکوت، غیرمحسوس کا تذکرہ فرماتا ہے، وہاں جعلیت سے بیان کیا ہے، جیسے (الذی خلق السموات والارض و جعل الظلمات والنور: (اعراف۔۱) (التاویلات النجمیة ج:۱۔ص:۱۴۲۔۱۴۱)

عمومی آداب واطوار کا استخراج

عارفانہ نکات وصوفیانہ لطائف واشارات کے علاوہ شیخ متعدد آیات کی تفسیر میں عمومی اصول اور آداب واطوار کو بڑی منطقیت کے ساتھ واضح فرماتے ہیں اس سے شیخ کی فکری ہمہ گیریت وآفاقیت اور بھی مسلم ہوجاتی ہے آیت کے اشارہ میں جہاں بھی کوئی ارشاد وہدایت کی بات منکشف ہوتی ہے۔اسے بڑے عام فہم انداز میں بیان کردیتے ہیں۔اس کی مثال سورۂ کہف کے اندر حضرت موسی وخضر کے واقعہ میں موجود ہے۔

آیت (واذقال موسی الخ کہف:٦) کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "اعلم ان فی قوله (واذ قال موسی الخ) اشارات: جان لو کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد (واذ قال الخ) میں چند اشارے ہیں:

(۱) مسافر کے لیے شرط ہے کہ پہلے کوئی رفیق سفر تلاش کرے پھر راہ طے کرے۔

(۲) دونوں میں ایک کا امیر ہونا اور دوسرے کا اس کے تابع ہونا ضروری ہے۔

(۳) شریک سفر کو اپنے ارادہ ومقصد ضرور بتادے نیز مدت سفر بھی بتادے تاکہ وہ اپنے ساتھی کے احوال سے پوری طرح واقف ہوجائے کیونکہ وہ اگر اس کے موافق ہوگا تو وہ بھی اس کے مقصد میں معاونت کرے گا۔

(۴) طالب صادق کے لیے شرط ہے کہ اس سفر میں اس کی نیت اور مقصد کسی ہادی و مرشد کی طلب ہو، اور وہ اس وقت تک سفر جاری رکھے جب تک اپنا مقصود نہ پالے نہیں تو ساری زندگی طالب ہی رہے کیوں کہ شیخ کی طلب درحقیقت حق تعالیٰ کی طلب ہے۔

(التاویلات النجمیة۔ج۴:ص ۱۴۲/۱۴۳)

آداب پیری ومریدی

سورۂ کہف کی آیت نمبر ٦٦ سے ٧٨ تک کی تفسیر میں اجمالی طور سے جو اشارات اخذ کرتے ہیں وہ مریدین وطالبین کی تربیت وتادیب میں نہایت قیمتی جواہر پارے اور شرائط شیخی ودرویشی پر مبنی ایک بیش بہا دستاویز معلوم ہوتا ہے۔آیتوں کے ضمن میں جو نفیس اور اہم اشارات لاتے ہیں ان میں سب سے مفید اور کارآمد وہ حصہ ہے جس میں انہوں نے بالترتیب مریدین و طالبین کے لیے بارگاہ شیخ کے آداب واطوار بیان فرمائے ہیں۔فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے ارشاد (قال له موسی هل اتبعك الخ) سے لیکر (سانبئك بتاویل الخ) تک میں طالبان ہدایت مریدین اور ہدایت یافتہ مشائخ لیے آداب کی طرف اشارہ ہے۔اس میں اتباع واقتدائے شیخ اور تربیت وسلوک کے شرائط ولوازمات پوشیدہ ہیں:

من جملہ مرید صادق کے آداب میں سے ایک ادب یہ ہے کہ شیخ کی طلب اور اس کے پانے کے بعد شیخ سے ان کی اتباع وصحبت میں رہنے کے لیے اجازت طلب کرے، خود کو متواضع اور شیخ کو عظیم سمجھ کر اپنے اہل وعیال ملک ووطن جاہ ومنصب احباب وخاندان سب کو چھوڑ دے۔جیسا کہ موسی علیہ السلام کا حال تھا جس وقت انہوں نے خضر علیہ السلام سے کہا (هل اتبعك علی الخ)

مرید جب شیخ واصل کی مصاحبت وخدمت میں داخل ہو تو اس کے لیے ضروری ہے کہ اپنا حسب ونسب، جاہ ومنصب، فضائل وکمالات، علوم ومہارات اپنے دل ودماغ سے باہر کردے خود کو ایسا گونگا اور بے علم تصور کرے جو خشکی وتری میں تمیز نہیں رکھتا ہو اور شیخ کے اوامر ونواہی کے پابند ہوجائے جیسا کہ حضرت موسی کلیم اللہ کا حال تھا کہ ان کو نبوت ورسالت، جبریل کی آمد، توریت کا نزول، رب سے ہمکلامی، بنی اسرائیل کا مقتدا ہونا وغیرہ جیسے اعزازات بھی خضر کی پیروی میں حائل نہ ہوسکے بلکہ آپ ان کے ساتھ متواضع رہے، اپنے پیروکار اور اہل وعیال اور جو بھی فضائل ومناقب،

مناصب ومراتب حاصل تھے سب کو ترک کر کے خضر کی ارادت کا دامن مضبوطی سے تھام لیا اور ان کے حکم کے تابع ہو گئے۔

مرید اپنی ارادت میں پختہ اور ثابت قدم رہے اگر چہ شیخ اسے بار بار واپس کر دے اور صدق ارادت کو جانچنے کے لیے اسے قبول نہ کرے مگر یہ ان کی چوکھٹ کو تھامے رہے اور اس مکھی سے بھی کمتر ہو جائے جسے بھگایا جاتا ہے مگر پھر واپس آجاتی ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ کا حال تھا کہ خضر علیہ السلام انہیں یہ کہتے ہوئے واپس لوٹا رہے تھے (انك لن تستطيع معي صبرا۔ کہف: ٦٧)۔تم میرے ساتھ صبر نہیں کر سکتے۔مگر حضرت موسی یہ کہہ رہے تھے (قال ستجدنی ان شاء اللہ صابرا۔کہف: ٦٩)۔آپ مجھے انشاءاللہ صابر پائیں گے۔

شیخ کے احوال و افعال ،حرکات وسکنات پر اعتراض نہ کرے سارے احوال میں عقیدت قائم رکھے اگر شیخ سے عقل و شرع کے خلاف کوئی ناپسندیدہ معاملہ صادر ہوتے ہوئے دیکھے تو انکار ورد نہ کرے اور سوءظن میں نہ پڑے بلکہ حسن ظن رکھے اور یہ خیال کرے کہ شیخ اپنے معاملات میں حق وصواب پر ہیں اور اپنے نظریات میں مجتہد ہیں خطا دراصل اپنی بے عقلی یا کم علمی کی جانے۔(نفس مصدر: ص ۱۴۵ ۔تا۔ ۱۴۷)

آداب مشیخت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ومن آداب الشیخ وشرائطه فی الشیخوخة الا یحرص علی قبول المرید بل یمتحنه بان یخبره عن دقة صراط القلب وحدته وعزة المطلوب (ایضا ص: ۴۷)

مشیخت کے آداب وشرائط میں سے ایک ادب یہ ہے کہ مرید کو حلقۂ ارادت میں قبول کرنے میں حرص نہ کرے بلکہ اس کو آزمائے بایں طور کہ اس کے سامنے راہ قلب کی باریکی اور دشواری، حصول مقصود کی پریشانی بیان کرے۔

ومنها: انه یتغافل عن کثیر من زلات المرید رحمة اللہ علیه ولا یواخذه بکل سهو او خطأ او نسیان او عمد بضعف حاله الا بما یودی الی مخالفة امر من او امره ومزاولة نهی من نواهیه۔ کما کان الکلیم حین قال (لا تواخذنی بما نسیت ولا ترهقنی من امری عسرا) (کهف: ۷۳)

مرید کی اکثر لغزشوں کو نظر انداز کرے ہر خطا ونسیان پر گرفت نہ کرے اس کے ضعف حال کی رعایت کرتے ہوئے البتہ ایسی صریح غلطی نہ ہو جو شیخ کے اوامر ونواہی کی مخالفت میں صادر ہو، جیسا کہ موسیٰ کلیم اللہ نے کہا (لا تواخذنی بما نسیت ولا ترهقنی من امری عسرا۔ کهف: ۷۳)
مجھ سے جو بھول ہو جائے اس پر آپ گرفت نہ فرمائیں اور مجھے مشقت میں نہ ڈالیں۔

ومنها: انه لو آل امرا لصحبة الی المفارقة بالاختیار وبالاضطرار فلا یفارقه الاعلیٰ النصیحة فینبئه عن سر ما کان علیه الاعتراض ویخبره عن حکمته التی لم یحط بها خبرا ویبین له تاویل مالم یستطع علیه صبرا لئلا یبقی معه انکار فلا یفلح اذا ابدا (ایضا: ص ۱۴۸)

اگر اختیاری یا اضطراری طور پر صحبت سے الگ کرنے کی نوبت آئے تو اسے نصیحت وتلقین کرتے ہوئے الگ کر دے اور جن معاملات میں کم فہمی اور لاعلمی کے سبب اس کا اعتراض تھا ان کی توجیہ بھی بتا دے تا کہ اس کے دل میں کوئی تردد وانکار باقی نہ رہے، نہیں تو وہ کبھی بھی فلاح نہیں پائے گا۔

حرفے چند

مجموعی طور سے یہ ایسا تفسیری ذخیرہ ہے جو اہل علم و دانش اور صاحبان تصوف وعرفان دونوں کے اذواق واحوال کی تسکین کا سامان فراہم کرتا ہے تصوف کے دقیق ترین موضوعات کو نہایت سادہ لب ولہجہ میں عام فہم بنا دینا سب کے بس کا روگ نہیں ہے۔ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشا۔اللہ جسے نطق و بیان کی دولت عطا کرتا ہے تو اس کی زبان سے حکمت کے چشمے پھوٹنے لگتے ہیں شیخ کی تاویلات کا مطالعہ کرنے کے بعد یہی محسوس ہوتا ہے کہ وہ جن حقائق ومعارف، اسرار ورموز کو بے نقاب کرتے ہیں وہ سراپا علم لدنی اور موہبت ربانی کا پتہ دیتے ہیں۔ایسی تفسیروں کو پڑھنے کے بعد کتاب مقدس کے لامتناہی عجائب وغرائب کھلنے لگتے ہیں اور یہ راز واشگاف ہوجاتا ہے کہ محسوسات و معقولات کے علاوہ اور ان سے کہیں زیادہ، ادراک حقائق کے ذرائع اور بھی موجود ہیں جو وجدانی و روحانی واسطوں سے حاصل ہوتے ہیں۔انسان کے ظاہری حواس کے علاوہ باطنی وسری حواس بھی ہیں جو کائنات کے بعض ایسے پہلوؤں کو منکشف کرتے ہیں جن تک عقل واحساس کی رسائی نہیں ہوتی۔کشف حقائق واسرار کا سب سے بڑا ذریعہ یہی روحانی ووجدانی عرفان ہے یہ محض ایک تاثر یا جذبہ نہیں بلکہ مصدر معرفت وبصیرت ہے اس کی بدولت خدا شناسی اور جہاں شناسی کی پیچیدہ راہیں کشادہ نظر آتی ہیں، یہ استدلالی واستخراجی طریق نہیں بلکہ سراپا الہامی ووہبی ہے۔

ایں سعادت بزور باو نیست　　تانہ بخشد خدائے بخشندہ

امید ہے کہ اس کتاب پر محققین وباحثین اپنی تحقیقات وتعلیقات جاری رکھیں گے اور اس کی اہمیت وعظمت کو منظر عام پر لانے کی کوشش کریں گے تاکہ لوگ اس کی افادیت سے آگاہ ہو سکے چونکہ ابھی اس پر وہ تحقیقی وتعارفی توجہ نہیں دی گئی ہے جس کا تقاضا یہ کتاب کر رہی ہے۔

بیا کہ من زخم پیر روم آوردم		مئے سخن کے جواں تر زبادۂ عنبی است

○○○

مولانا انوار احمد بغدادی

فوائح الجمال و فواتح الجلال: ایک مطالعہ

ابوالجناب حضرت نجم الدین کبریٰ، جن کو دنیا ولی تراش کے لقب سے جانتی، پہچانتی ہے، آپ کا اسم گرامی احمد بن عمر بن محمد ہے۔ الامام الزاہد، المحدث الشہید، صانع الاولیا (ولی تراش) جیسے القاب سے یاد کیے جاتے ہیں۔ آپ کی ولادت باسعادت بلادِ خوارزم کے شہر خیوق میں ۵۴۰ھ میں ہوئی۔ (مقدمہ فوائح الجمال، ص: ۲۱)

علومِ دینیہ کے حصول کے لیے عراق، شام اور مصر وغیرہ مشقتوں بھرا سفر کیا اور جب علومِ ظاہری سے آراستہ ہو گئے تو صفائے قلب اور ارتقائے روحانیت کی خاطر مشائخ وقت کی بارگاہوں میں زانوئے ادب تہہ کیا اور اوجِ کمال تک رسائی حاصل کی۔ ابتدائے عمر ہی سے نہایت ذہین و فطین تھے۔ پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل کے سمجھنے میں آپ کو خصوصی مہارت حاصل تھی، یہاں تک کہ آپ کو لوگ ''الطامۃ الکبریٰ'' کہنے لگے۔ یہی لقب بعد میں چل کر کبریٰ ہو گیا اور اسی سے آپ مشہور ہو گئے۔

علمِ تصوف پر آپ کی متعدد کتابیں ہیں۔ مگر آپ کی سب سے اہم اور مشہور کتاب ''فوائح الجمال و فواتح الجلال'' ہے جو آپ کے روحانی و عرفانی تجربات و مشاہدات کی ایک کہانی ہے۔ آپ کی صوفیانہ زندگی کی جھلک ہے۔ یہ کتاب جہاں ایک طرف علمِ تصوف کی شاہکار تصنیف ہے وہیں آپ کی سوانح حیات بھی۔ اس کتاب کی روشنی میں شیخ نجم الدین کبریٰ کی نابغۂ روزگار، مایۂ ناز شخصیت کے خدوخال بالکل واضح ہو جاتے ہیں۔

یہ کتاب ایک عرصہ تک مخطوطات کے انبار تلے دبی تھی۔ محققین و مفکرین کے افکار و اذہان سے بہت دور تھی، مگر قابلِ مبارک باد ہیں ڈاکٹر یوسف زیدان جنھوں نے اس کتاب کی طرف اپنی توجہ مبذول فرمائی اور گراں قدر تحقیق، تحشیہ کے ساتھ موصوف کی کاوشوں سے یہ کتاب پہلی بار ۱۹۹۳ء میں دار سعاد الصباح، قاہرہ، مصر سے زیور طبع سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آئی تو وابستگانِ تصوف اور اصحابِ حال و دل کی مسرتوں کی انتہا نہ رہی، جیسے کوئی گم گشتہ خزینہ ہاتھ آ گیا ہو۔

یہ کتاب تقریبا ۳۰۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ کتاب کے شروع میں کتاب کے محقق ڈاکٹر یوسف زیدان کا مبسوط مقدمہ ہے، جو تقریبا ۱۱۵ صفحات کو محیط ہے۔ اس مقدمے میں ڈاکٹر صاحب نے پہلی بار حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ کی شخصیت کا جامع مطالعہ پیش فرمایا ہے۔ ان کے مطالعے کی خوبی یہ ہے کہ خرافات اور افسانوی حکایات پر اعتماد کیے بغیر نہایت مدلل و مبرہن باتیں پیش کی ہیں۔ جو ان مصادر و مراجع سے ماخوذ ہیں جن پر اہلِ علم اعتماد فرماتے ہیں۔ کتاب کی تحقیق کے ساتھ ساتھ فاضل محقق نے پیچیدہ مقامات کی تشریح و تفسیر کا کام بھی بحسن و خوبی انجام دیا ہے۔ جس سے بلاشبہ کتاب کی افادیت میں چار چاند لگ گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فاضل محقق کو سعادت دارین سے مالا مال فرمائے۔ آمین

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ یہ کتاب شیخ نجم الدین کبریٰ کے تجربات و مشاہدات کا نچوڑ ہے جسے شیخ کی قلبی واردات کا مجموعہ کہا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ کتاب جہاں ابواب و فصول کی قید و بند سے آزاد ہے وہیں تکلفات سے پاک، تصنعات سے دور اور فی البدیہ ادب کی عکاس ہے جس میں غیر مانوس الفاظ کے استعمال سے گریز کیا گیا ہے۔ بلکہ یوں کہیے کہ صفحۂ قرطاس پر احوال دل بڑی سادگی اور سچائی کے ساتھ اتارنے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کتاب پڑھتے چلے جائیں، باتوں سے باتیں نکلتی جائیں گی اور آپ کو ایسا محسوس ہوگا کہ آپ کتاب نہیں پڑھ رہے ہیں بلکہ شیخ کی مجلس میں بیٹھ کر ان کے وارداتِ قلبی سے براہ راست محظوظ ہو رہے ہیں۔ ایسی اعلیٰ اور نفیس گفتگو گویا کوثر و تسنیم سے نہائی ہوئی موتیاں ہیں، جس میں کہیں قرآنی آیات کی تضمین ہے تو کہیں احادیث کریمہ سے استدلال، کہیں تشبیہات و امثال سے دقیق معانی کی تصویر کشی کی گئی ہے تو کہیں استعارات و رموز کے پر لطف اور معنی خیز اشارے۔ لیکن ان تمام چیزوں کے باوجود یہ کتاب ان صوفیانہ رموز و اشارات سے خالی نہیں ہے، جن کی بسا اوقات شرح و تفصیل کی ضرورت پڑتی ہے۔ ہاں! یہ بھی نہیں کہا جا سکتا ہے کہ کتاب مکمل طور پر صوفیانہ اصطلاحات کی پابند ہے بلکہ شیخ کبریٰ علیہ الرحمہ کی علمی شخصیت مکمل طور پر جھلک رہی ہے، جیسا کہ آپ کی بعض تعبیرات سے پتہ چلتا ہے۔ مثلاً مرید کے لیے لفظ ''سیار'' کا انتخاب فرمانا اور مرید کو ''یا حبیبی'' سے مخاطب کرنا ''الجمود والخمود'' جیسے مصطلحات کا استعمال کرنا وغیرہ وغیرہ یہ سب شیخ کا اپنا منفرد اسلوب ہے۔ اس کے علاوہ اور بہت کچھ ہے جس سے واضح اشارہ ملتا ہے کہ شیخ کا اسلوب محض تقلیدی نہیں ہے بلکہ تحقیقی ہے۔

کتاب کے بعض مباحث پر طائرانہ نظر

جیسا کہ پہلے یہ بات کہی جا چکی ہے کہ یہ کتاب ابواب و فصول کی قید و بند سے آزاد ہے تاہم ذیلی عناوین کے طور پر ہی سہی کتاب کے اہم موضوعات پر سرخی لگا دی گئی ہے جس سے کتاب کے مباحث کا تعین ہو جاتا ہے۔ ذیل میں چند اہم سرخیوں پر طائرانہ نظر ڈال کر گزرنے

کی کوشش کی جارہی ہے۔

راہ سلوک میں شیخ کی اہمیت

صوفیۂ کرام کے نزدیک شیخ طریقت کی اہمیت مسلم ہے، چنانچہ شیخ کی مثال اس رہنما کی طرح ہے جو کسی انجان مسافر کو اس کی منزل تک پہونچا تا ہے۔ شیخ نجم الدین کبریٰ اسی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: **اذا خطر خاطر بقلبک او فضا صدرک فشاور فیه الشیخ فاذا قال هذا خاطر الحق فاعلم انه کذلک و هذا ضابط لک ما لم تصل الی الذوق** (فوائح الجمال، ص: ۱۴۵) جب تمہارے دل میں کوئی خیال پیدا ہوتو اپنے شیخ سے مشورہ کرو اگر شیخ کہہ دے کہ سوچ یا خیال حق ہے تو سمجھ جاؤ کہ وہ حق ہے اور شیخ کی یہ بات تمہارے لیے ضابطہ ہے۔ جب تک کہ تم خود مرتبۂ ذوق تک نہیں پہنچ جاتے۔ مذکورہ بالا اقتباس میں لفظ خاطر سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ مرید اپنے آپ کو مکمل طور سے شیخ کے حوالے کردے، شیخ کے ہر مشورے کو اپنے لیے ضابطۂ حیات تصور کرے اسی تصور کو فنا فی الشیخ کہتے ہیں۔ جو کسی بھی سالک کے لیے اسی طرح انتہائی ضروری ہے جس طرح ایک اجنبی کے لیے کسی دلیل ورہنما کی ضرورت ہوتی ہے۔

احوال صوفیہ کی حقیقت

صوفیۂ کرام کے مشہور ومعروف اصطلاحات میں سے ایک اصطلاح حال ہے۔ صوفیہ کے نزدیک اس کی حقیقت یہ ہے کہ ذکر واوراد کے وقت بندہ کے دل پر ایک خاص کیفیت طاری ہوتی ہے جس کے نتیجے میں بندہ کبھی جھومنے لگتا ہے، تو کبھی رقص کرنے لگتا ہے اور کبھی قوت جذب اپنے انتہا کو پہونچ جاتی ہے تو روح ہی قفس عنصری سے پرواز کر کے اپنے خالق حقیقی اور مقصود زندگی سے جاملتی ہے۔ عام طور پر اسی رقص وسرور کی کیفیت کو حال سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ شیخ نجم الدین کبریٰ صوفیائے کرام کے حال کے خلاف تو نہیں ہے البتہ اسے علامت کمال نہیں گردانتے بلکہ ان کے نزدیک حال کا آنا اور اس پر سالک کا کنٹرول نہ کر پانا علامت نقص ہے۔ چنانچہ آپ اس سلسلے میں شیخ جنید بغدادی علیہ الرحمہ کا واقعہ نقل کرتے ہیں کہ حضرت ایک محفل سماع میں تشریف فرما تھے۔ آپ کے ساتھیوں پر حال طاری ہوگیا اور وہ رقص کرنے لگے مگر جنید بغدادی جامد وساکت بیٹھے رہے جس پر آپ کے ساتھیوں نے آپ سے سوال کیا، کیا آپ رقص کو حرام تو نہیں سمجھتے ؟ حضرت نے قرآن پاک کی آیت کا ایک جزء تلاوت کر کے نہایت بلیغ جواب دیا۔ فرماتے ہیں: **وتری الجبال تحسبها جامدة و هی تمر مر السحاب**..... اس جواب میں صاف اشارہ تھا کہ اللہ کے ذکر میں میرا دل جامد وساکت نہیں تھا: بلکہ پہاڑ کے مانند اپنے احوال باطنی پر اپنی گرفت مضبوط کیے بظاہر ساکت تھا مگر اسے ساکت گمان مت کرو وہ بھی ذکر

خدا میں مست ہے مگر اس کی مستی کا تمہیں شعور نہیں۔ یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد شیخ نجم الدین کبریٰ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: **فالراقص یستولی علیه البسط فیملکه و الشیخ لا یملکه شیئا و انما هو یملک الاحوال**۔ یعنی راقص پر حال غالب ہے جب کہ شیخ جنید بغدادی احوال پر غالب ہیں۔ یہاں سے یہ بات سمجھی جا سکتی ہے کہ شیخ نجم الدین کبریٰ کے نزدیک حال پر غالب آجانا قوت ہے۔ جب کہ حال کا غالب آجانا نقص ہے۔

وقت کی اہمیت

وقت کی اہمیت کسی پر مخفی نہیں۔ یہ اور بات ہے کہ وقت سے استفادہ ہر کوئی نہیں کر پاتا، دل پر تاریکیاں اس طرح تہ بہ تہ چھائی رہتی ہیں کہ انسان اپنے فائدہ اور نقصان سے غافل ہوجاتا ہے۔ مگر صوفیۂ کرام جنہیں طہارت و پاکیزگی اور نورانیت کا ایک بڑا حصہ میسر ہوتا ہے وہ اپنے اوقات سے استفادہ ہی نہیں کرتے بلکہ خلق خدا بھی ان سے کافی استفادہ کر لیتی ہے۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ مجھے ایک صوفی کی صحبت نصیب ہوئی تو میں نے ان سے دو حرف استفادہ کیے۔ پہلا یہ کہ **الوقت کالسیف ان لم تقطعه یقطعک**۔ یعنی وقت تلوار کی مانند ہے اگر تم اسے نہیں کاٹ سکو گے تو وہ تمہیں کاٹ دے گا۔ اور دوسری یہ کہ **نفسک ان شغلتها بالحق و الا شغلتک بالباطل**۔ یعنی اگر تم اپنے نفس کو حق میں مشغول نہیں رکھو گے تو وہ تمہیں باطل میں مشغول کردے گا۔ (لطائف المنن، ص۱۰۶)

اسی مفہوم کو شیخ کبریٰ نے کچھ اس طرح بیان فرمایا ہے: لکھتے ہیں: **الصوفی ابن الوقت لانه یدور مع الوقت کیف ما کان و لا ینظر الی الماضی و لا الی المستقبل لان نظره الی الماضی و المستقبل یضیع علیه الوقت**۔ (فوائح الجمال، ص۱۹۷) صوفی وقت کا ساتھی ہے۔ وہ وقت کے ساتھ چلتا ہے، جیسے بھی وہ چلے، صوفی نہ تو ماضی کی طرف دیکھتا ہے اور نہ ہی مستقبل کی طرف، کیوں کہ ماضی اور مستقبل کی طرف دیکھنے سے اس کا وقت ضائع ہوتا ہے۔

خلاصۂ کلام

فوائح الجمال وفواتح الجلال ایک صاحب دل کی ایسی نفیس تالیف ہے جس میں نہ جانے کیسے کیسے بیش بہا جواہرات مرصع ہیں۔ جنہیں تفصیل کے ساتھ اس عجالہ میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ یہ چند باتیں بطور نمونہ پیش کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر واحسان ہے ورنہ یہ فقیر اس لائق کہاں! اللہ سے دعا ہے کہ کسی لائق بنادے۔ (آمین)

○○○

منہاج السالکین و معراج الطالبین

ایک مطالعہ

تصوف میں ''سلسلۂ کبرویہ'' کے بانی حضرت ابوالجناب نجم الدین کبری احمد بن عمر خوارزمی (۵۴۰ھ-۶۱۸ھ) چھٹی صدی ہجری کے نامور صوفیہ کرام میں ہیں۔جن نابغۂ روزگار شخصیات نے آپ سے کسب فیض کیا، ان میں سب سے ممتاز شیخ خراسان علامہ سیف الدین باخرزی (۵۸۶ھ-۶۵۹ھ) ہیں۔شعری دیوان کے علاوہ، تصوف میں آپ کی مشہور تصنیفات یہ ہیں: **منازل السائرین، فوائح الجمال، الخائف الھائم عن لومة اللائم** اور **منہاج السالکین و معراج الطالبین**، جو اس وقت راقم کے زیر بحث ہے۔(مشاہیر شعراء الشیعہ (عبدالحسین شبستری)، جز:۱،صفحہ:۱۱۱،المکتبۃ الادبیۃ المختصۃ ,۱۴۲۱ھ pdf)

حضرت شیخ نے یہ رسالہ اپنے ایک عزیز کی درخواست پر تحریر فرمایا تھا۔چناں چہ مقدمے میں اس پس منظر کا تذکرہ یوں کرتے ہیں:" **سالتنی وفقک اللہ تعالی عن شرح بعض ما اعطانی اللہ تعالی من نعمة الفقر ؛وبیان ما رایت بعین قلبی من احسانه الجمیل علی خاصة و جمیع الفقراء عامة ،فاسرعت الی اجابتک و نقلت عن جریدة قلبی و صحیفة خاطری بعض ما خصنی اللہ به و الھمنی بجمعه فاقول و باللہ التوفیق** "۔اس کے علاوہ، اس میں حکمت وموعظت کے بے شمار جوہر پارے بکھرے ہوئے ہیں، جن کا استقصا ملول طبع کا باعث ہوسکتا ہے۔تاہم چند کا ذکر ناگزیر ہے اور وہ کچھ یوں ہیں:

زندگی اور دنیا سے جلد فنا ہونے والی کوئی شی نہیں؛ موت سے قریب تر کوئی چیز نہیں؛ سب سے بعید شی کا نام آرزو ہے؛حسن اخلاق سے بڑھ کر جامع خیر کوئی عمل نہیں؛ غلامی تو دنیا سے دل لگا کر اس کی زلف گرہ گیر میں پھنسنے کا نام ہے؛حسد سے زیادہ ضرر رساں اور کچھ نہیں؛انسان پر شیطان کا بس

اس لیے چلتا ہے کہ وہ حب دنیا میں ڈوبا ہوا ہے؛سب سے اچھا عمل لوگوں سے اذیت کو دفع کرنا ہے۔

بہر کیف ان حکم ومواعظ کے باوجود، مقدمے کی اس عبارت''**و ما رایت عصمة النفس الا للانبیاء و الاو صیاء**'' پر میری نظر رک گئی؛ کیوں کہ اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ عصمت صرف انبیا و ملائکہ علیہم السلام کے لیے ہے، جب کہ اس عبارت سے مترشح ہوتا ہے کہ عصمت نفس انبیا علیہم السلام کے علاوہ اوصیا یعنی ان بارہ اماموں کو بھی حاصل ہے، روافض جن کی معصومیت کے قائل ہیں۔

ہاں! یہ کہا جا سکتا ہے کہ اوصیا سے روافض والا معنی نہیں، بلکہ صرف حضرات اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین اور عصمت نفس سے اصطلاحی عصمت نہیں، بلکہ رب عز وجل کی ایک خاص قسم کی نظر کرم مراد ہے، جس کے سبب گو وہ اصطلاحی معصوم نہیں، مگر گناہوں سے محفوظ ہیں؛ جیسا کہ اس کی طرف ارشاد باری تعالی''**انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھرکم تطھیرا**''(الاحزاب: 36) میں اشارہ بھی کیا گیا ہے۔

زیر تجزیہ رسالہ آٹھ مناہج پر مشتمل ہے۔اور ہر منہج ایک خاص مسئلے کے لیے مختص ہے۔ مناہج کا اجمالی بیان یہ ہے:

پہلا منہج: راہ تصوف میں سالک کی مشکلات
دوسرا منہج: خدا کی بندے سے محبت اور بندے کی اپنے معبود تک رسائی کی علامات
تیسرا منہج: خلوت میں سالک کے دخول کی حقیقت اور اس کے آداب
چوتھا منہج: نفس کی معرفت، اس کی پیروی اور اس بات کا بیان کہ نفس کا حقیقی علم کسی کو نہیں ہے
پانچواں منہج: سالک کی خیر خواہی اور اس کی رہ نمائی
چھٹا منہج: ماسوی اللہ پر فقر کی افضلیت
ساتواں منہج: دنیا اور اس کی حقیقت
آٹھواں منہج: راہ خدا کا ذکر

ان آٹھوں مناہج کی تفصیل یہ ہے:

نہج اول: راہ تصوف میں سالک کی مشکلات

تصوف ایک پرخار راستہ ہے، جس پر چلنے والے کا توشہ تقوی، منزل اس کی قبر، ساتھی اس کا صبر ہونا چاہیے؛ اس کی حرکتیں سکون میں بدل جانی چاہیے۔خلوت اس کا گھر، بھوک اس کا کھانا، آنسو اس کا پانی، فقر اس کا اوڑھنا بچھونا بن جانا چاہیے؛ اس کی نیند محاسبے میں بدل جانی چاہیے۔مسجد اس کی نشست گاہ ہوتی ہے۔قناعت اس کا استاذ، خاموشی اس کا روزہ؛ غم اس کا سامان طرب، موت کی یاد اس کا سماع ہوتا ہے؛ دنیا اس کے لیے قید خانہ ہوتی ہے۔اللہ عز وجل

سے بہتری کی امید رکھنا اس کا پورا سرمایہ، نبی اکرم ﷺ پر درود بھیجنا اس کا پیشہ، مومنوں کے حق میں دعاے خیر کرنا اس کا مشغلہ ہوتا ہے۔ اس کا خوف سوے خاتمہ اور اس کی انتہائی آرزو اللہ تعالی کی ذات ہونی چاہیے۔

منہج دوم: بندے سے خدا کی محبت اور رب تک بندے کی رسائی کے آثار وعلامات

سلوک کی منزل طے کرنے والے کو یہ یقین ہونا چاہیے کہ نفع وضرر، منع وعطا اور ہدایت وگم رہی، سب اللہ کے دست قدرت میں ہیں اور یہ کہ کائنات میں اس ایک ذات کے سوا سب فانی ہیں۔ وہ اپنی قدر و قیمت بنانے میں مگن نہیں ہوتا ہے، دنیا وطالبین دنیا سے نفرت کرتا ہے، موت اور اللہ عزوجل سے ملاقات کی خواہش رکھتا ہے۔ کسی کی ستائش سے خوش ہوتا ہے نہ کسی کی ملامت سے آزردہ؛ اس کے شب وروز اپنی کوتاہی پر گریہ وزاری کرنے میں کٹتے ہیں۔ دنیا میں فقط اس کا جسم ہوتا ہے، باقی رہا دل تو وہ آخرت میں لگا رہتا ہے؛ ہمیشہ اللہ کے ذکر میں رطب اللسان رہتا ہے۔ وہ موت کو سب سے زیادہ قریب، جب کہ امید وآرزو کو کوسوں دور سمجھتا ہے۔

اگر کسی سالک کی یہ حالت ہوجاے تو یہ اس کی طرف معبود کی توجہ خاص اور اس کے اپنے مولی تک وصال کی علامت ہے۔

منہج سوم: خلوت میں سالک کے دخول کی حقیقت اور اس کے آداب

مرید کو چاہیے کہ معبود کی رضا اور اپنے ظاہر وباطن کی اصلاح وتطہیر میں دنیا وآخرت سے خالی ہوکر، احکام الٰہیہ وسنن نبویہ علی صاحبہا السلام کے علم کے ساتھ ساتھ ان کا پابند ہو۔ پھر جب وہ خلوت میں قدم رکھے تو اپنے کو مردہ اور اس گھر کو قبر خیال کرے: اس طرح کہ اس کا دل اللہ عزوجل کے علاوہ کسی چیز میں نہ لگے؛ لوگوں سے دور، جامع مسجد سے قریب جگہ یا کسی ایسے مقام میں سکونت اختیار کرے، جہاں اس پر جمعے کی حاضری واجب نہ رہے۔ بہتر یہ ہے کہ وہ مکان تنگ ہو، وہاں سورج کی روشنی نہ پہنچتی ہو، اور ہمیشہ اللہ کے ذکر میں مشغول رہے۔ کسی شیخ ناصح یا مشفق دوست کے احکام کی بجا آوری اس طرح کرے، جیسے وہ ماہر ڈاکٹر ہے جسے مریض کی بیماریوں اور اس کے علاج کی ساری دواؤں کا علم ہے۔ اپنا پورا اختیار اس کے سامنے ڈال دے یہاں تک کہ اپنے ارادے سے سوئے بھی نہ، نہ ہی فرائض وسنن کے علاوہ نماز پڑھے۔ اس کے دل میں احساس عزت وکرامت کی بو تک نہ ہو اور نہ اپنی خلوت کی کوئی قدر وقیمت سمجھے۔ بقدر کفایت کھانے پر اکتفا کرے؛ خوش بو اور عطریات کا بکثرت استعمال کرے؛ چربی نہ کھاے اور اس طرح رہے جیسے بادشاہ کے حضور کوئی بہت بڑا مجرم انسان رہتا ہے۔ اور ان سب سے پہلے صحیح العقیدہ ہونا اشد ناگزیر ہے۔

اس کے بعد جب خلوت سے نکلے تو عاجزی کا اظہار کرے؛ خلوت وغیر خلوت میں ہمیشہ باوضو رہے اور دنیا واہل دنیا کی محبت سے یکسر بے نیاز رہتے ہوئے طاعت کی توفیق اور حسن خاتمہ کی دعا میں لگا رہے، کہ اعتبار انجام کا ہے۔

منہج چہارم: نفس کی معرفت، اس کی پیروی اور اس بات کا بیان کہ نفس کا حقیقی علم کسی کو نہیں

بلاشبہہ مخلوقات میں سب سے شر نفس ہے؛ شیطان کا قرین ومقارن، ہر برائی کا ماوی وملجا، جو شر کو پسندیدہ اور خیر کو مبغوض بنا کر پیش کرتا ہے۔ آسودگی کے معاملے میں درندوں کی طرح؛ بھوک میں کمزور بچے کی مانند؛ غصے میں ظالم وجابر بادشاہوں کے مثل؛ کھانے کے سلسلے میں چوپایوں جیسا اور خوف وہراس میں شیر اور چیتوں کی طرح ہے۔ اس کے کام کچھ اس طرح کے ہیں : زیادہ کھیلنا، زیادہ سونا، ہنسی مذاق کی کثرت؛ عاشقوں کی حکایت بیانی؛ مال داری، تکبر، حسد، چغل خوری، غیبت، دشمنی؛ معصیت کا ارتکاب اور ہر اس لایعنی عمل میں مشغولیت، جس کا تعلق ہتک حدود باری تعالی سے ہو۔

پس اللہ تعالی اپنی توفیق سے جسے نفس کے عیوب دکھا کر اس کی تسخیر میں اس کی اعانت فرماے، وہ اسے ورع وتقوی کی لگام پہنا دیتا ہے؛ اسے ذلت وخواری کی زنجیروں میں جکڑ کر مجاہدے کی تلوار سے اس کا سر قلم کر دیتا ہے۔ پھر وہ بندہ اس کے کید وفریب سے اپنے مولی کی پناہ طلب کرتا ہے۔

یہ ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ عقل ونفس ان دو دشمنوں کے مثل ہیں، جن کے مابین پرانی دشمنی ہو، ہاتھ میں ننگی تلواریں ہوں اور اس بات کا انتظار کر رہے ہوں کہ جہاں مخالف ذرا سی غفلت برتے اس کا کام تمام کر دے۔ اس لیے انسان نفس پر ظلم کرنے میں ذرا بھی پس وپیش نہ کرے۔ اور اس پر جبر یہ ہے کہ اسے خواہشات فاسدہ سے روکے اور طاعت وبندگی کی طرف کھینچے۔

منہج پنجم: سالک کی خیر خواہی اور اس کی رہ نمائی

جب سالک دنیاوی آفتوں کے سمندر کو سکون سے پار کرتے ہوئے راہ آخرت کو امن کے ساتھ طے کرنا چاہے تو مذکورہ بالا تمام امور کا التزام ازحد ضروری ہے۔ اس پر مزید یہ کہ خلوص انتہائی ناگزیر ہے، کہ یہی تو اصل بندگی ہے؛ نیز اکل حلال امر لابدی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کو چاہیے کہ اپنی زبان کی حفاظت کرے؛ دوسروں سے پہلے اپنے عیوب پر نظر رکھے اور غصہ پیے۔ خواہشات سے نفس کو روکے؛ تمام حرکات وسکنات سے قبل نماز استخارہ پڑھے؛ تدبیر کرنا چھوڑ دے؛ تقدیر پر راضی رہے؛ خاموشی اختیار کرے؛ ضرورت سے زیادہ سوال سے پرہیز کرے؛ ہر ایک کے متعلق اچھا گمان رکھے؛ مشائخ کا کلام احترام سے اور جہلا کی گفتگو عبرت سے سنے؛ اہل اللہ کے سوا جھوٹے اور مکار صوفیوں کی صحبت سے دور رہے اور حدیث نبوی علی صاحبہ السلام کو حرز جان بنائے رکھے۔

منہج ششم: ماسوی اللہ پر فقر کی افضلیت

اللہ عزوجل کے علاوہ ہر شئی پر فقر کو ترجیح دینے کے متعلق حضرت مولف فرماتے ہیں :

اگر میرے رب کی جانب سے کوئی آ کر کہے: تجھے تیرے معبود کی طرف سے اختیار ہے کہ تو قیامت تک زندہ رہے، پوری دنیا کا مالک بنے اور مال داروں کے ساتھ جنت میں داخل ہو یا ابھی مرے، جہنم میں داخل ہو اور فقرا کی جماعت میں اٹھایا جائے تو (اس اختیار دیے جانے پر) میں دنیا کی آسائش اور دخول جنت کے مقابل فی الوقت موت، فقر اور آگ (جہنم) کو ترجیح دوں گا۔ یہ آگ عار سے بہتر ہے، اس لیے کہ زندگی کی لذت، دل کی فراغت، بدن کا سکون، نفس کا چین اور رات کے اندھیرے میں اپنے معبود سے مناجات کا لطف خشک ٹکرے تناول کرنے اور پیوند دار لباس پہننے ہی میں حاصل ہو پاتا ہے۔ اے میرے فقیر بھائیو! موت تو تمہاری موت ہے، جس طرح زندگی تو تمہاری زندگی؛ دنیا تمہاری دنیا اور آخرت تمہاری آخرت ہے۔ پھر کیا ہے فقر کو گلے سے لگائے رکھو!

منہج ہفتم: دنیا اور اس کی حقیقت

دنیا سوچنے کی جگہ، عبرت کا مقام، لغزش اور حسرت و یاس کی آماج گاہ ہے۔ یہ مومنوں کے لیے کھیت؛ طالبوں کا بازار؛ مریدوں کی تجارت گاہ؛ قاصدوں کی سواری؛ سالکین کے لیے پل؛ دھوکہ خوردگان کی معشوقہ؛ سچوں کے لیے گزرگاہ؛ عارفین کے لیے کرکٹ ڈالنے کی جگہ اور شیاطین کی سلطنت ہے۔ اے دانش مندو! یہ بڑی مکار و غدار ہے؛ ہر پل اس کے الگ الگ دوست اور ہم نشیں ہیں؛ ہر لمحہ اس کے سبب کوئی ہلاک ہوتا ہے اور کوئی قتل۔ یہ وہ بحر نا پیدا کنار ہے، جس کے پار کرنے والے کے لیے سوائے ڈوبنے کے اور کوئی چارہ نہیں۔ اس کی خوشی درحقیقت غم ہے؛ اس کا تریاق اصل میں زہر؛ اس کا ساحل (صاحب نظر کے نزدیک) بھی دریا ہے؛ اس کی دوا (ماہرین کے مطابق) بیماری؛ اس کی صحبت سراسر بلا و آزمائش سے عبارت ہے اور اس کی محبت پریشانی اور مصیبت کا دوسرا نام ہے۔

منہج ہشتم: اللہ کا راستہ

اللہ کا راستہ شمس و قمر سے کہیں زیادہ چمکتا دمکتا اور روشن ہے۔ اس کی بہت سی واضح اور نمایاں نشانیاں ہیں۔ جس نے اسے چھوڑا، گم رہی کے قعر مذلت میں جا گرا اور جس نے اسے اختیار کیا، رشد و ہدایت کے مینار کو چھو لیا۔ لیکن اس راستے میں بڑی مشکلات اور رکاوٹیں بھی ہیں۔ یہ صفات ان لوگوں کے لیے ہیں، جو دور سے اس راستے کی طرف تکتے ہیں؛ رہے وہ لوگ جو قریب سے اسے ملاحظہ کریں، تو ان کے لیے یہ ریگ زار میدان میں اس ریت کی طرح ہے جسے پیاسا انسان پانی گمان کر بیٹھتا ہے۔ اس پر قابو پانا سب کے بس کا روگ نہیں، بلکہ اسے وہی لوگ طے کرتے ہیں، جو صدق دل سے توبہ کرنے والوں کے زمرے میں ہوں۔

چند باتیں

یہ ان آٹھ مناہج کی تفصیل ہے، جو مصنف قدس سرہ نے اپنے رسالے میں تحریر فرمائی ہے۔ اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ یہ مختصر سی کتاب ان حضرات کے لیے ایک بہترین تحفہ ہے، جو خلوت نشینی کا ارادہ اپنے دل میں رکھتے ہوں۔ وہ اس کے ذریعہ عزلت کے آداب اور دوسرے لوازم کو کم وقت میں احسن طریقے سے جان سکتے ہیں۔ اس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ قاری کو تصوف کے پیچیدہ اور مختلف فیہ مسائل میں الجھائے بغیر اصل مقصود تک آسانی سے پہنچا دیتی ہے۔

آٹھوں مناہج کے بعد حضرت شیخ اہمیت کے پیش نظر تنبیہا و تاکیدا فرماتے ہیں : خلوت وہی اختیار کر سکتا ہے، جو عالم ربانی ہو یا مرید صادق، جس کا دل ہر قسم کی حرص و ہوس سے ایک دم پاک ہو، یہاں تک کہ ادبی اصطلاح میں اسے دنیا سے دشمنی ہو؛ وہ اپنے پہلو میں زندہ دل، سر میں صحیح سالم سوچنے والا دماغ رکھتا ہو؛ کم خور اور کثیر الذکر ہو۔

اخیر میں صاحب رسالہ نے حالت نفس سے متعلق اپنے چند اشعار (جو کسر نفس کے طور پر نظم کیے گئے ہیں) درج فرمائے ہیں۔ ان میں سے کچھ کا مفہوم یہ ہے :

اے میرے بھائیو! میں نصیحت کرتا ہوں کہ تم لوگ میرے تلبیس والے لباس کی جانب نہ دیکھو ؛ یہ نہ کہو کہ وہ بڑا عابد و زاہد ہے، میری تدلیس پر مشتمل بات نہ سنو؛ میرے پیالے اور جام گناہوں سے پر ہیں، تم انہیں قبول نہ کرو؛ مجھے تجربہ ہے کہ میرا نفس ابلیس ہے، ابلیس کے شر سے پناہ مانگو۔

○○○

ناظم اشرف مصباحی

حضرت نجم الدین کبریٰ کی تعلیمات کی عصری معنویت

جب بھی صالحین کی باتیں سننے میں آتی ہیں،ان کی سوانح حیات پڑھی جاتی ہے،ان کے مجاہدات ومکاشفات کا تذکرہ ہوتا ہےاوران کی تعلیمات کا مطالعہ کیا جاتا ہےتو ذہن میں ایک بات سما جاتی ہے کہ یہ باتیں، یہ مجاہدات، اوران تعلیمات پر عمل صرف انہیں بزرگوں کا حصہ ہے۔ہمارے لیے اس میں کوئی عمل کا پیغام نہیں ہے؛ کیوں کہ ہم جس دور میں زندگی گزار رہے ہیں وہ بہت ہی پرفتن ہے۔اللہ کے رسول کے فرمان کے مطابق اب تو ایمان پر قائم رہنا ایسا ہی ہے جیسے ہاتھ میں انگارے رکھنا۔اللہ والوں کی باتیں اللہ کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہوا کرتی ہیں۔اس لشکر کے قبضے کی وجہ سے نفس وشیطان ویران، بے سکوں اور تاریک دلوں پر حملہ آور بھی ہوتے ہیں،لیکن پھر یہ خیال آتے ہی کہ یہ تو اس زمانے کی باتیں ہیں، وہ تو بزرگان دین تھے،ان کا زمانہ نبی کے زمانے سے قریب تھا، یہ تو پہلے کی باتیں ہیں اب ایسا کہاں ہوسکتا۔ہے؟ ہماری سوئی ہوئی ہمتیں بیدار ہوتے ہی پھر سے نیند کے آغوش میں پناہ لے لیتی ہیں۔

اس لیے امام وزاہد محدث وشہید پیرولی تراش ابوالجناب شیخ نجم الدین کبریٰ خوارزمی خیوقی قدس سرہ کی تعلیمات کوعصری تناظر میں پیش کرنے سے پہلے آپ کے زمانۂ حیات پر مختصر روشنی ڈالنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

سیاسی وسماجی پس منظر

جس وقت آپ اپنی سیاحت اور مکہ مکرمہ سے تحصیل حدیث سے فارغ ہوکر خوارزم پہنچے تو یہ بعینہ وہی زمانہ تھا جب تاتاری فتنہ اپنے عروج پر تھا۔اس نے بخارا پھر سمرقند کو تہ وبالا کرتے ہوئے خوارزم کی جانب رخ کیا جس میں شیخ نے اپنے ساتھیوں کو قبل از وقت خبردار کرتے ہوئے ان کو خوارزم چھوڑ دینے کا حکم دیا اور خود اپنے شیخ کا خرقۂ مقدسہ زیب تن فرما کر جام شہادت نوش فرمایا۔اس فتنے کو شیخ نجم الدین کبری نے ’’**فتنة عظيمة ما وقع فی هذه الامة مثلها**‘‘ (یہ ایک

ایسا فتنہ ہے کہ ایسا عظیم فتنہ اس امت کی تاریخ میں رونما نہیں ہوا) سے یاد فرمایا تھا۔یہ وہ دور تھا جب مسلم معاشرے میں سماجی اخلاقیات دم توڑنے لگی تھیں،لوگ خیر وشر سے بے نیاز ہوکر اپنے ذاتی اور مادی معاملات میں مگن تھے۔باہمی خانہ جنگی کی یلغار سے ہر نیک وبد بلاتفریق کشمکش کی زندگی گذار رہا تھا۔امام شعرانی کی روایت سے شیخ علی الخواص کے مطابق جس وقت علما اپنے مد مقابل کو مناظرے میں شکست دینے کے لیے تازہ دم رہنے کی خاطر رمضان کے مہینے میں دن کے وقت افطار کیا کرتے تھے۔مسلمانوں کا باہمی افتراق اپنے نقطۂ عروج کو پہنچا ہوا تھا اور مسلمانوں کی تاریخ کا سب سے بڑا زوال سامنے آیا جس کے نتائج ہم آج تک بھگت رہے ہیں۔

ایسے پرآشوب اور پرفتن دور میں شیخ نجم الدین کبری کی بلند ہمتی، راہ سلوک میں آپ کی اجتہادی کاوشیں، بالخصوص آپ کے وجد وحال کا یہ عالم کہ آپ اولیاء اللہ کے جلوئے میں اسی صفت سے متعارف ہیں۔چنانچہ شیخ ضیاء الدین احمد بن مصطفی گمشخانوی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ’’یاد رہے کہ اللہ کے اولیا میں سے ہر ولی میں ایک الگ خصوصیت اور امتیازی ہمت وشان ہوتی ہے، جیسا کہ بحر وحدت میں غرق ہونا، فنا اور استغراق شاہ نقشبندی محمد بہاء الدین کی خصوصیت ہے۔قوت تصرف وامداد شیخ عبدالقادر جیلانی کی امتیازی خصوصیت ہے۔‘‘ مزید اولیائے کرام کی خصوصیات ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں : ’’**والوجد والجذبات لنجم الدين كبرىٰ**‘‘ یعنی وجد وحال اور جذبات الٰہی نجم الدین کبری کی خصوصیت ہے۔(جامع الاصول،ص:۱۸،۱۹،بحوالہ فوائح الجمال وفواتح الجلال،ص:۲۹)

جب ہم آج کے حالات اور شیخ نجم الدین قدس سرہ کے حالات کا موازنہ کرتے ہیں تو کافی حد تک یکسانیت ملتی ہے۔حتی کہ آج اولیائے وقت کے ساتھ ہمارا جو رویہ ہے وہ شیخ نجم الدین کبری کی زندگی کے ابتدائی حالات سے کافی ملتا جلتا ہے۔غرور علم جو راہ سلوک کی سب سے آخری گھاٹی ہے، بلکہ آج تو یہ غرور علم ایسی گھاٹی ہے جو راہ سلوک کی اول اور آخر گھاٹی بن کر کھڑا ہے۔شیخ نجم الدین کبری رحمۃ اللہ علیہ کی حیات میں بھی یہ رکاوٹ پیش آئی تھی،لیکن آپ اپنی طلب صادق، عالی ہمت اور اخلاص کی وجہ سے اس سے گذر گئے۔چنانچہ نفحات الانس میں ہے کہ ایک مرتبہ ان کو اپنے شیخ کے تعلق سے یہ خیال آیا کہ میرا ظاہری علم شیخ کے علم سے زیادہ ہے۔شیخ اس خطرے سے باخبر ہوگئے اور حکم دیا کہ اب تم عمار یاسر کی صحبت میں چلے جاو، پھر ایک دن ان کے تعلق سے بھی یہی خیال آیا۔شیخ عمار یاسر بھی اس خطرۂ قلبی سے واقف ہوگئے اور ان کو مصر میں شیخ روزبہان کی خدمت میں بھیج دیا پھر جس طرح ان کے دل سے اس خطرہ کو شیخ روزبہان نے نکالا اسے عبرت کی نگاہوں سے پڑھنے کی ضرورت ہے۔یہ پورا واقعہ نفحات الانس فارسی،ص:۳۳۷،اور نفحات الانس مترجم،ص:۴۵۰/ پر موجود ہے۔

کیا آج بھی یہی حالات نہیں پائے جاتے؟ کیا آج بھی اہل علم کے سروں میں علم کا خمار چھایا نہیں ہے؟ کیا آج بھی علما خود کو فقہ وشریعت کا تنہا وارث نہیں سمجھتے؟ کیا آج بھی فقہائے وقت مشائخ عظام کو صرف ظاہری پیری مریدی کا سجادہ نشیں نہیں سمجھتے؟ یہاں ہماری مراد وہ مشائخ ہرگز نہیں ہیں جنہیں خود اس راہ کی حقیقت کا علم نہیں ہے۔ تو کیا آج شیخ روزبہان جیسے لوگ نہیں رہے؟ قرآن کی آیتیں یہ عقیدہ فراہم کرتی ہیں کہ آج بھی اللہ کے ایسے بندے موجود ہیں، کثرت سے موجود ہیں، بس طلب کی نگاہ پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

آپ کی تعلیمات کا بیشتر ذخیرہ آپ کے مختلف رسائل، تفسیر اور فواتح الجلال میں ہے۔ آپ کے رسائل میں سے سب سے زیادہ مشہور ومعروف رسالہ الاصول العشرہ ہے۔ جو اس وقت ہمارے سامنے موجود ہے۔ اس رسالے کے ذریعے آپ کا منہج طریقت وسلوک کا بخوبی اندازہ ہوجاتا ہے۔ ہم ذیل میں اس کا خلاصہ تحریر کرتے ہیں۔

اللہ تک پہنچنے کے راستے

فرماتے ہیں:

اللہ تک پہنچنے کے راستے اگرچہ مخلوق کی سانسوں سے بھی زیادہ ہیں مگر ان میں سے تین راستے اور طریقے سب سے زیادہ واضح اور سیدھے ہیں۔

پہلا راستہ: اخیار کا راستہ ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو معاملات اور نماز، روزہ، حج، زکات، تلاوت کلام پاک اور دیگر اعمال صالحہ کو کثرت سے انجام دیتے ہیں۔ لیکن اس راہ سے طویل مدت لگانے کے بعد بھی بہت کم مقصود تک پہنچ پاتے ہیں۔

دوسرا راستہ: ابرار کا راستہ ہے۔ یہ لوگ عمدہ اخلاق سے مزین ہونے، نفس کو مزکی، قلب کو مصفی اور روح کو مجلی کرنے کے لیے ریاضت ومجاہدات کرتے ہیں اور اپنے باطن کو سنوارنے کے لیے کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ لیکن اس راستے سے بھی مقصود تک پہنچنا نادور ہے۔

تیسرا راستہ: شطار اہل محبت کا راستہ ہے۔ یہ وہ لوگ وہ ہیں جو سیر الی اللہ اور جذب ووجد والے ہوتے ہیں۔ اس راستے میں بہت جلدی مقصود تک رسائی ہوتی ہیں۔ یہ راستہ دس اصول پر منحصر ہے: (۱) توبہ (۲) زہد یعنی دنیا سے کنارہ کشی (۳) اللہ پر مکمل بھروسہ اور توکل (۴) قناعت (۵) عزلت (۶) ذکر پر مداومت (۷) توجہ الی اللہ (۸) صبر (۹) مراقبہ اور (۱۰) رضا۔

یہ اصول بظاہر بہت سخت معلوم ہوتے ہیں لیکن یہ واضح رہے کہ ان اصول پر عمل پیرا ہونے کے لیے شیخ نے جو اہم اصل بتایا ہے جس پر عمل کرنے کے بعد سارے اصول پر عمل آسان ہوجاتا ہے وہ یہ ہے کہ سالک خود کو مکمل طور پر کسی کامل شیخ ومرشد کے سپرد کردے۔ چنانچہ شیخ

پانچویں اصول ''عزلت'' کے تحت خود فرماتے ہیں کہ: ''عزلت کا مطلب یہ ہے کہ مخلوق سے مکمل طور پر جدائی اختیار کرلے، جس طرح موت واقع ہونے سے انسان مخلوق سے کٹ جاتا ہے۔ صرف اپنے اس شیخ واصل کی خدمت میں لگا رہے جو اس کا مربی ہے۔ وہ شیخ کامل ایسے ہی ہے جیسے میت کے لیے غسال، تو ضروری ہے کہ اس کے سامنے ایسے ہی ہوجائے جیسے میت غسال کے سامنے بے حس وحرکت رہتا ہے، وہ جیسے چاہے تصرف کرے۔ تاکہ اس کے حدث کو اپنی ولایت کے پانی سے دھوڈالے۔'' (رسالہ الاصول العشرۃ)

شریعت وطریقت

شریعت کیا ہے اور طریقت کیا ہے؟ اس کی بہت سی تعبیریں ملتی ہیں۔ شیخ نجم الدین کبری قدس اللہ سرہ کے ہاں بھی اس کی مختلف تعبیریں ملتی ہیں۔ اور ان تعبیروں کے ضمن میں راہ سلوک کے مسافروں کے لیے قیمتی اور رہنما اصول بھی ملتے ہیں۔ آپ کے رسائل میں سے ایک نہایت ہی مختصر رسالہ ''رسالہ سفینہ'' کے نام سے ملتا ہے۔ جس میں آپ نے شریعت اور طریقت کے مابین فرق، اس کی حقیقت اور متعدد تعبیروں کے ذریعے اس کو سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہ مختصر رسالہ من وعن قارئین کی بارگاہ میں پیش کردیا جائے تاکہ مکمل رسالہ اور تعلیمات دونوں پہنچ جائیں۔

رسالہ سفینہ

شیخ نجم الدین کبری قدس اللہ روحہ فرماتے ہیں:

شریعت کشتی کی مانند ہے، طریقت سمندر کی مانند اور حقیقت موتی کی طرح۔ جو اس ترتیب سے راہ سلوک طے نہیں کرے گا وہ منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکے گا۔ طالب وسالک کے لیے واجب وضروری ہے کہ وہ شریعت پر قائم رہے۔ شریعت سے مراد وہ احکام ہیں جن کا حکم اللہ اور اس کے رسول نے فرمایا ہے، یعنی وضو، نماز، روزہ، ادائیگی زکات، حج، حرام سے پرہیز اور اس کے علاوہ اوامر ونواہی ہیں۔

طریقت تقوی اختیار کرنے اور ان طریقوں کو لازم پکڑنے کا نام ہے جن کے ذریعے سالک مقامات ولایت طے کرتے ہوئے اللہ کا قرب حاصل کرسکے اور حقیقت منزل مقصود تک رسائی حاصل کرنے اور تجلیات الٰہی کے نور کا مشاہدہ کرنے کا نام ہے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے کہ شریعت یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت کرو، طریقت یہ ہے کہ اس کو حاضر جانو اور حقیقت یہ ہے کہ اس کا مشاہدہ کرو۔

کسی نے پوچھا کہ خلوت کیا ہے؟ جواب ملا: مخلوق سے کٹ کر خالق کی طرف متوجہ

رہنے کو خلوت کہتے ہیں۔ اس لیے کہ یہ نفس کا قلب کی طرف، قلب سے روح کی طرف، روح سے سرّ کی طرف اور سرّ سے خالق کلی کی طرف ایک سفر ہے۔ یہ سفر نفس کی طرف نسبت کرتے ہوئے بہت طویل ہے لیکن اللہ کی جانب نسبت کرتے ہوئے بہت قریب ہے۔

شریعت کی طہارت پانی کے ذریعے، طریقت کی طہارت ہوائے نفس سے آزاد ہو کر اور حقیقت کی طہارت قلب کو ماسوا اللہ سے خالی کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ شریعت کی نماز تو اذکار و ارکان کے ساتھ ہوتی ہے لیکن طریقت کی نماز مکمل طور پر اللہ کی جانب متوجہ ہونے سے ادا ہوتی ہے۔ شریعت کا روزہ کھانے پینے سے رکنے سے ہوتا ہے اور طریقت کا روزہ محبت الٰہی میں ڈوب کر اوہام سے محفوظ رہنے سے ادا ہوتا ہے۔

شریعت کی زکات بیس مثقال میں سے نصف مثقال ہے لیکن طریقت کی زکاۃ پورا مال صدقہ کر دینے کا نام ہے۔

اگر تم کسی شخص کو ہوا میں اڑتے ہوئے، پانی پر چلتے ہوئے یا آگ کو نگلتے ہوئے دیکھو یا اس طرح کا کوئی عمل دیکھو اور وہ شخص کسی فرض یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں میں سے کسی سنت کا تارک ہو، تو سمجھ لو کہ وہ جھوٹا ہے اس کا یہ عمل کرامت نہیں بلکہ جادو ہے۔ واللہ اعلم۔

شیخ کا یہ کہنا کہ ''شریعت یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت کرو، طریقت یہ ہے کہ اس کو حاضر جانو اور حقیقت یہ ہے کہ اس کا مشاہدہ کرو'' حدیث جبریل/حدیث احسان کی توضیح وتشریح ہے۔ شیخ کا آخری قول جہاں شریعت کی اہمیت کو اجاگر کر رہا ہے وہیں کرامت اور جادو کے مابین فرق کو بھی بیان کر رہا ہے۔ اگر ایسے مافوق الفطرت افعال کسی صاحب شریعت سے ظاہر ہو تو یہ کرامت ہے اور اگر کسی فاسق اور تارک فرائض وواجبات سے ظاہر ہو تو یہ کرامت نہیں بلکہ جادو واستدراج ہے۔

شیطان سے چھٹکارہ

فرماتے ہیں کہ کبھی مقام قرب تک پہنچنے میں شیطان بھی مددگار بن جاتا ہے۔ اس طور پر کہ شیطان اس کے دل میں عبادت کی محبت اس لیے ڈال دیتا ہے کہ وہ اپنی عبادتیں لوگوں کو دکھائے۔ پھر جب عابد لوگوں کو اپنی جانب مائل کرنے کے لیے عبادت کرتا ہے اور لوگ اس کی جانب مائل ہوتے ہیں تو اس میں مزید رغبت پیدا ہوتی ہے۔ جب وہ بحر تعبد میں غرق ہوتا ہے تو اسے اذکار کے واسطے سے عبادت کی لذت کا مزہ ملنے لگتا ہے اور عبادت کے لوازم یعنی علوم ومعارف اور اسرار وانوار اس پر کھلنے لگتے ہیں تو وہ مخلوق سے کٹ کر اللہ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد شیخ فرماتے ہیں: تم شیطان سے اس وقت تک محفوظ نہیں رہ سکتے جب تک کہ تمہارے پاس دنیا کا ادنی حصہ بھی موجود ہے۔ (فواتح الجلال، ص: ۱۵۶)

روحانی محاسبہ

شیخ اپنے قارئین کو روحانی محاسبہ کی ترغیب دیتے ہوئے اور جھنجھوڑتے ہوئے فرماتے ہیں:

''میرے دوست! اپنے پلکوں کو بند کرو، اور دیکھو کیا دکھ رہا ہے؟ اگر تم کہو کہ کچھ بھی نہیں تو یہ ضرور تمہاری خطا ہے۔ کیوں نہیں دیکھ پا رہے ہو، پتہ ہے؟ یہ تمہارے وجود کی تاریکی ہے جو تمہاری بصیرت سے نہایت قریب ہو چکی ہے۔ اگر تم چاہتے ہو کہ کچھ پاؤ اور آنکھیں بند ہونے کے باوجود اپنے سامنے کی چیزیں دیکھنے لگو تو اپنے وجود کو تھوڑا اٹھاؤ یا دور کرو، اس کو کم کرنے اور دور کرنے کا طریقہ مجاہدہ ہے۔ مجاہدہ کا مطلب ہے اغیار کو دور کرنے یا ختم کرنے کے لیے کوشش کرنا اور تمہارے اغیار وجود، نفس اور شیطان ہیں۔ (فواتح الجلال، ص: ۱۲۲)

کیا تکلیف شرعی ساقط ہو جاتی ہے؟

علمی طبقوں میں یہ بحث کافی طول پکڑ لیتی ہے کہ خاص بندوں سے تکلیفات شرعیہ ساقط ہوتی ہیں یا نہیں۔ اہل حق کا جواب ہوتا ہے کہ تکلیفات شرعیہ کسی حال میں بھی ساقط نہیں ہوتیں ورنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور غوث اعظم جیسی ہستیوں پر ضرور ساقط ہوتیں۔ جب کہ بعض گمراہ سقوط کے ممکن کا قول کرتے ہیں۔ شیخ نجم الدین قدس اللہ سرہ اس سلسلے میں ایک اچھوتا معنی بیان کرتے ہیں۔

''شیخ سے سوال کیا گیا کہ کیا اللہ کے خاص بندوں سے تکلیف شرعی ساقط ہو جاتی ہے؟ فرمایا: ہاں، بایں معنی کہ تکلیف کلفت سے ماخوذ ہے جو مشقت کے معنی میں ہے۔ اللہ کے خاص بندے بغیر مشقت اور تکلیف کے عبادت کرتے ہیں، بلکہ عبادت کے ذریعہ وہ لذت حاصل کرتے ہیں، اس لیے کہ نماز مناجات کا نام ہے۔ بسا اوقات عابد شیطان کے موافق اور رحمن کے مخالف ہوتا ہے تو عبادت کی لذت نہیں پاتا بلکہ اس میں مشقت محسوس کرتا ہے۔ اس لیے کہ مخالف کی مناجات بدن پر بار اور مشقت کا سبب ہے۔ لیکن جب عبادت رحمان کے موافق اور شیطان کے مخالف ہو تو نماز اس کے حق میں اپنے حبیب کی مناجات ہوتی ہے جو تمام اشیا سے زیادہ لذیذ ہے۔ (فواتح الجلال، ص: ۱۷۳)

شیخ کے اس قول کی روشنی میں ہم اپنے آپ کا جائزہ لیں کہ ہمیں نمازوں میں لذت ملتی ہے یا مشقت ہوتی ہے؟ ہماری نمازیں شیطان کے مخالف ہوتی ہیں یا موافق؟ اللہ ہمیں اپنے شیخ کے توسط سے لذت نماز عطا فرمائے۔

شیخ نے اپنی کتاب فوائح الجمال وفواتح الجلال میں اپنے ذاتی مکاشفہ والہام کے ذریعہ متعدد اصطلاحات صوفیہ کی توضیح وتشریح فرمائی ہے۔ ذیل میں ہم ان میں سے بعض کو پیش کر رہے ہیں۔

طبقات مشاہدہ

''مشاہدے کی دو قسمیں ہیں: مشاہدہ اعلیٰ اور مشاہدہ ادنیٰ۔ مشاہدہ ادنیٰ وہ ہے جو زمین سے متعلق ہو یعنی جو مشاہدہ عالم غیب میں ہو نہ کہ عالم شہادت میں ۔ مشاہدہ ادنیٰ میں مختلف صورتوں، رنگوں، سمندروں، آگ، صحراؤں، دیہاتوں اور کنوؤں کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ جبکہ مشاہدہ علیا میں آسمان، سورج، چاند، ستاروں، برجوں، مختلف منازل وغیرہ کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ کچھ آگے فرماتے ہیں: یہ نہ سمجھنا کہ عالم غیب میں جن آسمانوں کا تم مشاہدہ کر رہے ہو یہ وہ آسمان ہے جو دنیا میں ہے؛ بلکہ عالم غیب کے آسمان دوسرے ہیں جو اس آسمان سے زیادہ لطیف، خضرہ، صاف و شفاف اور چمک دار ہے، جیسے جیسے شفافیت بڑھتی جائے گی، ویسے ویسے مزید چمک دار اور روشن آسمان ظاہر ہوتے جائیں گے۔'' (فوائح الجلال، ص: ۱۷۳)

نفس اور عصمت

نفس ایک سانپ ہے جو کبھی مرتا نہیں ہے۔ اس کی مثال افعی سانپ کی طرح ہے۔ اسے ذبح کر دیا جائے، اس کے سر کو خوب کچل دیا جائے، اس کی کھال بدن سے کھینچ لی جائے اور اس کا گوشت پکا کر کھا لیا جائے، اس کی کھال پر صدیاں گذر جانے کے بعد اگر اسے دھوپ میں رکھا جائے تو حرارت ملتے ہی وہ حرکت کرنے لگے گا۔ اسی طرح نفس کو جب خواہشات، شہوات اور شیطانیت کی آگ کی حرارت ملتی ہے تو حرکت کرنے لگتا ہے۔

احوال کی حقیقت

احوال کیا ہیں؟ کیسے طاری ہوتے ہیں؟ کب طاری ہوتے ہیں؟ کیا اب بھی صاحب احوال موجود ہیں؟ یہ وہ سوالات ہیں جو عام طور پر سطح ذہن پر ابھرتے ہیں۔ ان سب کا جواب شیخ کے اس پیراگراف میں مل جاتا ہے۔ فرماتے ہیں:

''جنید بغدادی قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ اگر شاہان وقت کو معلوم ہو جائے کہ ہم لوگ کس حال میں ہیں تو اس کو حاصل کرنے کے لیے ہم لوگوں سے تلواروں کے ساتھ جنگ کرنے نکل پڑیں گے۔ کہتے ہیں کہ ایک دن حضرت جنید بغدادی اپنے بعض اخوان طریقت کے ساتھ سماع کی محفل میں تھے۔ بعض لوگوں پر حال طاری ہوا اور کھڑے ہو کر رقص کرنے لگے۔ حضرت جنید بیٹھے رہے، حرکت بھی نہ کیا۔ لوگوں نے سمجھا شاید حضرت کے نزدیک رقص حرام ہے۔ چنانچہ انہوں نے حضرت جنید سے اس تعلق سے پوچھا تو آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: **وتری الجبال تحسبھا جامدۃ؟** (القرآن) تم جو یہ پہاڑ دیکھ رہے ہو کیا انہیں جامد اور ٹھہرا ہوا سمجھ رہے ہو؟ رقص کرنے والے پر بسط کی کیفیت طاری ہوتی ہے اور شیخ محفل پر صرف بسط نہیں بلکہ

مختلف احوال طاری ہوتے ہیں۔ اسی طرح ایک اور واقعہ ذکر فرماتے ہیں کہ: شیخ ابوالحسن نوری خراسانی محفل سماع میں حاضر تھے، لوگ دائرہ بنا کر حرکت کرنے لگے، لیکن شیخ اپنی جگہ سے ہلے بھی نہیں۔ لوگوں نے سمجھا شاید ان پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ لیکن ایک گھنٹہ کے بعد اچانک ان کی پیشانی پھٹ گئی اور خون کا فوارہ نکل پڑا اور کافی دیر تک جاری رہا۔ اس لیے کہ ان کی حالت اندر ہی اندر ترقی کرتے ہوئے اپنی انتہا کو پہنچ چکی تھی اور حال جب اپنی انتہا کو پہنچ جاتا ہے تو اس کا مقام روح بن جاتا ہے اور خون روح کا عرش۔ (فوائح الجمال، محققہ، ص: ۲۴۳)

آج اس خدا بیزار معاشرے میں جب کہ مادیت میں غلو پر مبنی سوچ و فکر کا دور دورہ ہے، روحانیت کو چند رسموں میں منحصر کر دیا گیا ہے۔ خانقاہیت کی جگہ درگاہیت نے لے لی ہے۔ حضرت ابوالجناب ولی تراش شیخ نجم الدین کبری کی تعلیمات کو فروغ دینے اور ان کے احیا کی شدید حاجت ہے۔ ضرورت ہے ایسے اہل ہمت کی جو شیخ کے طریقہ پر جذب و سلوک کے میخانے پھر سے استوار کرے اور اس میں بیٹھ کر محبت کے جام نوش کرے اور کرائے۔

○○○

مکتوبات

○ **مولانا سید محمد جیلانی اشرف کچھوچھوی** (بانی وسربراہ: اسپریچول فاؤنڈیشن وجامعہ صوفیہ، کچھوچھہ، یوپی)

تصوف وصوفی پر علمی اور تحقیقی ورک وقت کی اہم ضرورت ہے، موجودہ وارثان خانقاہ و صوفیا اور پاسداران علوم تصوف وارباب فکر وبصیرت کی جانب آج کی بے چین دنیا اور متلاشیان حق کی ملتجیانہ نگاہیں آپ سب کی طرف دیکھ رہی ہیں، اپنے ہوں کہ غیر، سبھی سچائی کی تلاش میں ہیں خدارا! اسے میری خوش فہمی یا غلط فہمی نہ سمجھا جائے، سچ جانیں کہ یہ میرے عالمی روحانی وزٹ کا حقیقی ادراک ہے، حق وسچ یہی ہے کہ تصوف وسلوک، احسان وعرفان کی حامل خانقاہیں ہی انسانی وروحانی اور اخلاقی وارث و امین ہیں، ان امانتوں و وراثتوں کے ساتھ ہماری سرد مہری نے ہماری خانقاہوں، ہمارے مدرسوں اور ہماری مسجدوں کو شعوری یا غیر شعوری طور پر نا قابل تلافی خسارہ پہنچایا ہے، ہمیں تسلیم کہ متذکرہ بالا حالات کے ذمہ دار داخلی عوامل اور خارجی عناصر دونوں ہیں مگر ہمیں یہ بھی تسلیم کرنا ہوگا کہ علوم تصوف کا فروغ وابلاغ اور احیا وارتقا میں خانقاہ و مدرسہ کی اپنے فرائض کی انجام دہی میں صرف نظر رہی ہے، جس کا منفی نتیجہ آج ہماری نسل بھگت رہی ہے کہ خود خانقاہ ومدرسہ کی تازہ پود اخلاق وکردار کی موروثیت سے محروم ومعذور نظر آرہی ہے الا ماشاء اللہ!

غیروں کا کیا رونا ان سے نپٹنے کا کام ہوتا رہا ہے اور آگے بھی ان سے معرکہ آرائی ہوتی رہے گی، معاملہ وہاں سخت ہوجاتا ہے جب اپنے کے رجاہلانہ وتساہلانہ کردار وعمل سے خسارہ اٹھانا پڑتا ہے۔ آج ہم خود اپنے آیئے میں جھانکیں تو خانقاہوں و مدارس میں ظاہری رنگ ورنگت کا بول بالا ہے، ان ناگفتہ بہ حالات کی سنگینی کا مشاہدہ، ذاتی تجربہ، احساس کامل آپ خود مجھ سے زیادہ، خاص طور پر جو راہ تصوف پر اخلاص بھرے جذبوں سے مصروف عمل ہیں اور اپنے باپ دادا کی روحانی وراثتوں کی حفاظت واشاعت کی جہد وسعی میں لگے ہوئے ہیں، ایسے تمام احباب کا دل جل رہا ہوگا، یقیناً ان حضرات کے لیے یہ بات باعث طمانیت ہوگی کہ اگر اپنے اپنے زیر انتظام خانقاہ ودرگاہ، مدارس ومساجد کے ذریعہ صوفیہ کی تعلیمات و ہدایت پر منظم انداز میں تسلسل کے ساتھ کام کیا جائے۔

موجودہ وارثین صوفیہ کی نسل سے ہم مایوس نہیں ہے۔ بحمدہ تعالیٰ! اج بھی ایسی خانقاہ ودرگاہ ہیں جہاں علم وعمل، تحقیق وتصنیف پر کام ہورہا ہے بس ضرورت اس بات کی ہے کہ آپسی رابطہ، علمی مذاکرہ، فکری تبادلہ، مدارس میں مطالعاتی ومقالاتی اذہان کی حوصلہ افزائی، مضبوط عالمی نٹ ورک (Network) عصری تقاضوں کے مطابق تصوف وصوفیا پر کتب ورسال کی نہ صرف اشاعت ہو بلکہ ان پر اہل دین ودانش اور صاحبان تحقیق وتنقیح کے ذریعے صحیح رخ پر کام کرنے کی ضرورت اور اشد ضرورت ہے، اس طرح عملی وتحقیقی محنت وسعی سے ہم نہ صرف اپنی نئی نسل کے

سامنے منہ دکھانے کے قابل ہوسکیں گے بلکہ مخالفین تصوف وصوفیا کے مدمقابل علمی وتحقیقی حد فاصل کھینچ کر احقاق حق اور ابطال باطل کا فریضہ ادا کرسکیں گے، اور وہ لوگ جو تصوف مخالف عناصر کی کی ایک طرف باتیں سن سن کر کنفیوز ہیں انہیں حقیقت تصوف تک رسائی کی راہ مستقیم مل جائے گی ،ساتھ ہی ساتھ ہمارے روحانی مراکز میں تحقیق حرکت وعمل کو بڑھاوا ملے گا جس کا منطقی نتیجہ خانقاہی نسل نو کو شاندار و جاندار روڈ میپ ملے گا جس کے ذریعہ ''کوشا مسجد و مدرسہ خانقاہے'' کی نورانی کرنیں نظر آسکتی ہیں، وماتوفیقی الا باللہ!

ہماری فکر مستقبل سے، گذشتہ باتیں وامیدیں مستقبل سے متعلق تھیں، ہمارا کام کوشش کرتے رہنا ہے یہی ہماری حد ہے لمٹ ہے ہمارا کام کوشش کرنا ہے اسے پورا کرنا، تکمیل تک پہنچانا رب تعالیٰ کے ذمہ ہے۔

ان سارے حقائق و معاملات کے باوجود ہمیں خود احتسابی میں بھی لگا رہنا ہے نفس کی مکاریوں سے نظر اوجھل نہ ہو، اپنے فکر وعمل کی کوتاہیوں وخامیوں پر خصوصی توجہ دی جائے، مخلصانہ گرفت اور مصلحانہ تنبیہ ترک نہ ہو، اس راہ میں اپنا محاسبہ کرتے رہنا ہوگا۔ آگے بڑھ کر اپنی اصلاح کے ساتھ اپنوں کو بھی متوجہ کرنا ہوگا، حالات کا حقیقی تجزیہ کرتے ہوئے خامیوں اور کوتاہیوں کو سامنے لانا ہوگا، غافلوں کو بیدار وسوتوں کو جگانا ہوگا، تصوف وصوفیا کی روش سے ہٹ کر من مانی کرنے والے عناصر کے ساتھ نرم روی یا سخت گیری کا حسب حال رویہ اپنانا ہوگا۔

ہر دور میں خانقاہ کا اپنا مقدس رول رہا ہے جو اسلام کے آفاقی نظریہ عیال اللہ کا مرکز ومنبع بن کر ابھرا جہاں تعلیم وتربیت، محبت واخوت، تکریم آدمیت، تزکیہ نفس اور تصفیہ باطن کے لیے شریعت وطریقت سے مربوط امت اجابت وامت دعوت دونوں کی فلاح وصلاح کا کام صرف اور صرف رضائے الٰہی کی نیت سے انجام پذیر ہوتا رہا ہے۔

خانقاہ دراصل اخلاق محمدی کا وہ کارخانہ ہے جس میں تہذیب نفس کے ذریعہ ایسی ایسی نفوس قدسیہ ڈھل کر میدان عمل میں آئیں جنہوں نے شرق وغرب میں پہنچ کر بلاتفریق رنگ ونسل انسانی برادری کو جادۂ مستقیم سے سرفراز کیا، روحانی سلاسل و جود میں آئے، اقصائے علم میں زاویوں، گوشوں تکویں اور حظیروں کی شکل میں تربیت گاہیں قائم ہوئیں، درگاہیں بھی شرق و غرب میں تعلیم وہدایت اور خدمت خلق کا مرکز بن کر ابھریں، جس کا سلسلہ عالمی سطح پر آج بھی کم و بیش جاری وساری ہے اور آئندہ بھی جاری رہے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ!

فرمان ہے کہ: هل جزاء الاحسان الا الاحسان، الاحسان اور اس کی احسان بھری فعال ٹیم کا احسان ہی ہے کہ وقت نہ جانے کہاں سے نکل آیا اور فقیر اشرفی بھی الاحسان کی بزم میں

حصہ دار بن گیا۔ یقیناً یہ احسانی تصرف ہے۔ جی ہاں! یہ اللہ کا احسان ہے۔ جس پر چاہے جاری فرمادے۔ مولاے کریم ہم سب کو صوفیہ کی راہ پر چلنے کی توفیق دائمی عطا فرمائے۔ آمین!

○ **مفتی محمد شہاب الدین اشرفی** (صدر افتا وشیخ الحدیث: جامع اشرف، کچھوچھہ، یوپی)

۲۰ جنوری ۲۰۱۶ء کو میں جامعہ عارفیہ میں حاضر ہوا۔ جامعہ عارفیہ کے سرپرست حضرت شیخ ابوسعید شاہ احسان اللہ محمدی صفوی اور جامعہ کے اساتذۂ کرام سے مل کر مسرت وشادمانی حاصل ہوئی۔ مولانا مجیب الرحمٰن علیمی کے ہمراہ تمام شعبہ جات کو دیکھ کر یہ محسوس ہوا کہ یہاں دین و سنیت کا کام بحسن وخوبی انجام پا رہا ہے۔ سرپرست ادارہ سے کئی مجلسی گفتگو کا شرف حاصل ہوا۔ میری ظاہر بیں آنکھوں نے ان کو شریعت مطہرہ کا پابند دیکھا۔ ان کی گفتگو سن کر یہی محسوس ہوا کہ ان کے دل میں ملت کا درد ہے۔ وہ اسلام وسنیت کو فروغ دینے کے لیے ہمہ وقت مصروف رہتے ہیں۔ اس کی ایک کڑی جامعہ عارفیہ ہے۔

سال نامہ الاحسان کا پانچواں شمارہ نظر نواز ہوا۔ اس میں تصوف کے موضوع پر بیش بہا مضامین فکر ونظر کو شادمانی اور روح کو تسکین فراہم کرتے ہیں۔ البتہ دور حاضر کے تقاضے کے مطابق انسان دوستی، عدم تشدد، رواداری، بندہ پروری سے متعلق صوفیۂ کرام کے اقوال وواقعات کی کمی شدت سے محسوس ہوئی۔ اللہ کے رسول ﷺ کو مکارم اخلاق کی تکمیل کے لیے مبعوث فرمایا گیا ہے۔ اولیاے کرام اور صوفیۂ عظام اللہ کے رسول ﷺ کے اخلاق حسنہ کے پرتو ہیں۔ ان کو اللہ کے بندوں سے بڑا پیار تھا۔ وہ بلاتفریق مذہب وملت ہر نیک و بد، عادل وظالم کو اللہ تعالیٰ کی عیال سمجھتے اور ان کے ساتھ مشفقانہ سلوک کرتے تھے۔ حتی الامکان ان کی بدی وظلم کو دور کرنے کی سعی بلیغ فرماتے تھے۔ قدوۃ الکبریٰ غوث العالم سید اشرف جہاں گیر سمنانی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: **الصوفی هو الموصوف بصفات اللہ تعالیٰ سوی الوجود و القدم یعنی** صوفی وہ ہے جو وجود وقدم کے علاوہ تمام صفات کا مظہر ہو۔

خلاصہ یہ ہے کہ دور حاضر کے تقاضوں کے مطابق اولیاے کرام وصوفیۂ عظام کے ایسے اقوال و واقعات کو ذکر کرنے کی ضرورت ہے جس میں تشدد، ظلم، بے مروتی، عدم رواداری کو معاشرہ وسماج سے ختم کرنے میں مدد ملے۔ جیسا کہ جامعہ عارفیہ کے سرپرست اور خانقاہ کے سجادہ نشیں کے مختلف مجلسی گفتگو میں اس بات کا متعدد بار چرچا ہوا کہ دور حاضر میں سیرت نبوی کے اس پہلو کو عوام کے سامنے پیش کرنے کی سخت ضرورت ہے۔

بہر حال! الاحسان کے مضامین قابل قدر، معلومات افزا اور بصیرت افروز ہیں۔ اس کے مرتبین ومعاونین کی کاوش لائق ستائش ہے اور یہ لوگ الاحسان کے ہر قاری کے شکریہ وسپاس کے حقدار ہیں۔

○ **پروفیسر الطاف احمد اعظمی** (تغلق آباد، نئی دہلی)

شاہ صفی اکیڈمی الہ آباد کے علمی، تحقیقی ودعوتی مجلہ ''الاحسان'' کے دو شمارے (مارچ ۲۰۱۳ء وفروری ۲۰۱۴ء) موصول ہوئے۔ اس عنایت کے لیے بے حد ممنون ہوں۔ آپ اور آپ کے رفقاء تبریک وتہنیت کے مستحق ہیں کہ اس دور کم سواد میں تصوف پر اتنا عمدہ مجلہ کامیابی کے ساتھ نکل رہا ہے۔ اس مجلّے کی جس خوبی نے راقم الحروف کو متأثر کیا وہ اس کے سرپرست اور مدیر دونوں کی وسیع النظری اور علمی فراخ دلی ہے جو اس تعصب گزیدہ عہد کے بہت سے اہل علم بالخصوص علما اور صوفیہ کے یہاں تقریباً مفقود ہے۔ یہ خوبی کسی فرد میں اسی وقت پیدا ہوتی ہے جب اس میں حقیقی معنی میں علم کی بوباس ہو اور اس کا آئینۂ قلب مسلکی کثافت سے آلودہ نہ ہو۔ آفریں باد بریں ہمت مردانۂ تو۔

ان دو شماروں (شمارہ ۱۴ اور ۱۵) کے مشمولات پر اگر تفصیل سے اظہار خیال کروں تو یہ مکتوب ایک رسالہ بن جائے گا۔ اس لیے صرف شمارہ ۴ کے کالم ''تحقیق وتنقید'' کے مضامین کے بارے میں اختصار کے ساتھ اپنی رائے دوں گا۔

اس کالم کا پہلا مضمون ''عصر حاضر میں ذکر الٰہی اور مراقبہ کی اہمیت'' کے عنوان سے ہے۔ اس مضمون میں تحقیق کا عنصر نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس کی ایک مثال سورۂ آل عمران کی آیت ۱۹۱ کا ترجمہ اور اس کی تشریح ہے۔ صاحبِ مضمون پروفیسر بدیع الدین صابری نے اس آیت کا ترجمہ کیا ہے ''عقل مند وہ ہیں جو کھڑے ہونے اور بیٹھنے کی حالت میں اور اپنے کروٹوں (بستروں) پر اللہ کو یاد کرتے ہیں اور آسمان وزمین کی پیدائش میں غور وفکر کرتے ہیں'' (الاحسان، ص ۴۶، ۴۷)۔ اس غیر فصیح ترجمہ میں دو غلطیاں ہیں۔ پہلی غلطی تو یہ ہے کہ پروفیسر موصوف نے کروٹوں (واحد، کروٹ) کو مذکر لکھا ہے حالانکہ وہ مؤنث ہے۔ اور دوسری غلطی قوسین میں بستروں کے لفظ کا اضافہ ہے۔

مذکورہ ترجمہ کے بعد پروفیسر موصوف نے ''ویتفکرون'' کی تشریح میں لکھا ہے: ''اسی تفکر کو مراقبہ بھی کہا گیا ہے'' (الاحسان، ص ۴۷)۔ گویا آیت میں جس غور وفکر کی بات کہی گئی ہے اسی کا دوسرا نام مراقبہ ہے۔ یہ تشریح جو تاویل فاسد ہے، قرآن مجید میں عدم تدبر اور اس کے نظائر سے بے خبری کی دلیل ہے۔ اس تفکر سے مراد گوشۂ خلوت میں آنکھ بند کر کے مراقبہ نہیں بلکہ آنکھیں کھول کر بقدر علم واستعداد آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں غور وفکر کرنا ہے یعنی آثار کائنات پر غور کر کے اللہ کے بے مثال علم وقدرت (حکمت) کو سمجھنا ہے تاکہ علم وادراک کی سطح پر اس کا عرفان حاصل ہو۔

آیت کے اس مفہوم کی تائید قرآن مجید کی دوسری آیات سے بخوبی ہوتی ہے۔ مثلاً ایک جگہ فرمایا ہے: اَوَلَمْ یَرَوْا کَیْفَ یُبْدِءُ اللّٰہُ الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُہٗ اِنَّ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیْرٌ۔ قُلْ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا کَیْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰہُ یُنْشِیءُ النَّشْاَۃَ الْاٰخِرَۃَ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ (عنکبوت: ۲۰،۲۱) کیا ان لوگوں نے نہیں دیکھا (یعنی غور نہیں کیا) کہ اللہ کس طرح تخلیق کا آغاز کرتا ہے، پھر اس کا اعادہ کرے گا۔ بے شک اللہ کے لیے نہایت آسان ہے۔ ان سے کہو کہ زمین میں گھومو پھرو اور (نگاہ غور سے) دیکھو کہ اللہ نے کس طرح (پہلی بار) تخلیق کا آغاز کیا''۔ دوسری جگہ فرمایا ہے: فَانْظُرْ اِلٰی اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰہِ کَیْفَ یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِھَا۔ (سورہ روم: ۵۰) ''پس اللہ کی رحمت (یعنی بارش) کے آثار دیکھو (یعنی اس پر غور کرو) کہ وہ کس طرح زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد زندہ کرتا ہے''۔ ایک اور مقام پر ارشاد ہے: اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ، وَ اِلَی السَّمَآءِ کَیْفَ رُفِعَتْ، وَ اِلَی الْجِبَالِ کَیْفَ نُصِبَتْ، وَ اِلَی الْاَرْضِ کَیْفَ سُطِحَتْ۔ (غاشیۃ: ۱۷۔۲۰) ''تو کیا یہ لوگ اونٹ کو (غور وتوجہ سے) نہیں دیکھتے کہ کس طرح بنایا گیا؟ اور آسمان کو نہیں دیکھتے کہ کس طرح بلند کیا گیا؟ اور پہاڑوں کو نہیں دیکھتے کہ کس طرح (زمین میں) گاڑ دِیے گئے ہیں؟ اور زمین کو نہیں دیکھتے کہ کیسے (فرش کی طرح ہموار) بچھائی گئی ہے''۔

اس شمارے کا دوسرا مضمون بہ عنوان ''نفس کشی اور تزکیہ۔ قرآن وسنت کی روشنی میں'' ہے۔ جناب مفتی مطیع الرحمن رضوی کے اس غیر تحقیقی مضمون کا ایک بڑا نقص وہ بے احتیاطی ہے جو قرآنی آیات کے ترجمے میں موجود ہے۔ مثلاً انہوں نے سورۂ نازعات کی آیت ۴۰ ''وَنَھَی النَّفْسَ عَنِ الْھَوٰی'' کا ترجمہ کیا ہے ''اور نفس کو خواہش سے روکا'' (الاحسان، ص ۵۴)۔ ''ھوی'' کا ترجمہ مجرد خواہش صحیح نہیں ہے۔ یہ لفظ محمود معنی میں استعمال نہیں ہوتا۔ اسی لیے اکثر مفسرین نے اس کا ترجمہ ''بری خواہش'' یا ''حرام خواہش'' کیا ہے۔ (دیکھیں مولانا تھانوی کا ترجمہ)۔ ''ھوی'' کے اس مفہوم کو خود اسی آیت میں کھول دیا گیا ہے۔ تقابل قرآن مجید کا معروف اسلوب ہے۔ دیکھیں، زیر بحث آیت کے شروع کا فقرہ ہے ''فاما من طغی'' اس کے بالمقابل فرمایا گیا ''واما من خاف مقام ربہ'' اسی طرح ''وآثر الحیوۃ الدنیا'' کے بالمقابل ''وَنَھَی النَّفْسَ عَنِ الْھَوٰی'' کا فقرہ ہے۔ معلوم ہوا کہ ''ھوی'' سے روکنے کا مطلب نفس کو بری خواہشات یعنی دنیا پرستی سے روکنا ہے۔ اسی کا دوسرا نام ہوس دنیا ہے۔ مفتی صاحب نے اس فقرے کی جو تشریح کی ہے وہ بھی محل نظر ہے۔ انہوں نے لکھا ہے ''تو مطلب یہ ہوا کہ جو خواہشات نفسانی کو کچل ڈالتا ہے جنت اسی کا ٹھکانہ ہے'' (الاحسان، ص ۵۴) یہ تاویل فاسد ہے۔ اسلام نے خواہشات نفس کو کچلنے کی تعلیم نہیں دی ہے کہ یہ رہبانیت ہے بلکہ اس کے زور وقوت کو توڑ کر اسے حدود الٰہی کا پابند بنانے کی تلقین کی ہے۔

فاضل مضمون نگار نے سورۂ فرقان کی آیت ۶۳ ''یَمۡشُوۡنَ عَلَی الۡاَرۡضِ ھَوۡنًا'' کا ترجمہ کیا ہے ''جو زمین پر آہستہ چلتے ہیں'' (الاحسان، ص۵۹)۔ لیکن ''ھون'' کے معنی ''فروتنی'' کے ہیں یعنی وہ زمین پر خاکساری کے ساتھ چلتے ہیں، مغروروں کی طرح اکڑ کر نہیں چلتے۔ سورۂ سجدہ کی آیت ۱۵ ''اِنَّمَا یُؤۡمِنُ بِاٰیٰتِنَا الَّذِیۡنَ اِذَا ذُکِّرُوۡا بِہَا'' کا ترجمہ بھی محل نظر ہے۔ مفتی صاحب نے اس کا ترجمہ کیا ہے ''ہماری آیتوں پر وہی ایمان لاتے ہیں کہ جب انہیں یاد دلائی جاتی ہے''۔ (الاحسان، ص۵۹)۔ یہ ترجمہ مبہم اور ناقص ہے۔ اس کا صحیح ترجمہ ہوگا ''ہماری آیتوں پر (حقیقی معنی میں) وہی لوگ ایمان رکھتے ہیں کہ جب انہیں ان سے یاد دہانی کی جاتی ہے (یعنی نصیحت کی جاتی ہے)''۔ سورۂ بقرہ کی آیت ۱۵۲ ''فَاذۡکُرُوۡنِیۡۤ اَذۡکُرۡکُمۡ'' کا ترجمہ بھی صحیح نہیں ہے۔ مفتی صاحب کا ترجمہ ہے ''تم لوگ میرا ذکر کرو میں تم لوگوں کا چرچا کروں گا'' (الاحسان، ص ۶۴) آیت کا صحیح ترجمہ ہے ''تم مجھے یاد رکھو میں تمہیں یاد رکھوں گا'' یا تم مجھ کو یاد کرو میں تمہیں یاد رکھوں گا''۔

اس شمارے کا تیسرا قابل ذکر مضمون ''حقیقت تصوف: موافق ومخالف نظریات کا تجزیہ'' ہے۔ اس تجزیے میں پروفیسر یٰسین مظہر صدیقی نے واضح طور پر تصوف کے مخالفین کی حمایت کی ہے۔ موافقین تصوف کے حق میں بس چند جملے لکھ دِیے ہیں تا کہ ان پر جانب داری کا الزام عائد نہ کیا جائے۔

اس مضمون میں پروفیسر موصوف نے تمہید کے بعد ''مقصدِ تصوف وطریقت'' کے عنوان سے ''حدیث جبریل'' پر بحث کی ہے۔ ان کی اس بات میں بڑا وزن ہے کہ اس حدیث میں دین سکھانے کا ذکر ہے اور یہ تعلیم تین امور پر مشتمل ہے، ایمان، اسلام اور احسان۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اہل تصوف صرف احسان کا ذکر کرتے ہیں اور باقی دو امور سے صرف نظر کر جاتے ہیں یا ان کا ذکر بالکل سرسری طور پر کرتے ہیں۔ پروفیسر موصوف نے احسان پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''احسان جامعِ شریعت وطریقت ہے''۔ (الاحسان، ص ۷۲)۔ راقم سطور کو اس خیال سے اختلاف ہے۔

اہل علم جانتے ہیں کہ احسان کے معنی حسن پیدا کرنے کے ہیں یعنی کام کو نہایت درجہ حسن وخوبی کے ساتھ کرنا۔ اس معنی میں یہ لفظ قرآن مجید کی کئی سورتوں میں استعمال ہوا ہے (دیکھیں سورۂ بقرہ: ۲۲۹، انعام: ۱۵۴)۔ بعض احادیث میں بھی اس معنی میں اس کا ذکر ہوا ہے۔ صحیح مسلم کی حدیث ہے کہ: ''اللہ نے ہر چیز میں احسان کو فرض کیا ہے، یہاں تک کہ اگر تم کسی کو (دوران جنگ میں)) قتل کرو تو احسان کے ساتھ یعنی اس پر اچھے طور سے وار کرو (تا کہ وہ دیر تک تڑپنے کی تکلیف سے بچ جائے)۔ اسی طرح جانور کو ذبح کرو تو احسان کے ساتھ یعنی آدمی ذبح کرنے سے پہلے چھری کو تیز کر لے تا کہ اسے فوراً ہی ذبح کی تکلیف سے نجات مل جائے''۔

احسان کے اس لغوی معنی کی رعایت سے اس کے دوسرے معنی بھلائی کرنے کے ہیں اور یہ کثیر الاستعمال ہے۔ قرآن مجید کی متعدد سورتوں میں اس معنی میں اس کا استعمال ہوا ہے (دیکھیں سورۂ یوسف: ۱۰۰، قصص: ۷۷)۔ سورہ بنی اسرائیل میں فرمایا ہے: اِنۡ اَحۡسَنۡتُمۡ اَحۡسَنۡتُمۡ لِاَنۡفُسِکُمۡ وَاِنۡ اَسَاۡتُمۡ فَلَہَا۔ (آیت: ۷) ''اگر تم نے بھلائی کی (یعنی نیک کام کیا) تو تم نے اپنے لیے بھلا کیا (یعنی اس کا نفع تمہیں ضرور ملے گا) اور اگر تم نے برائی کی (یعنی برا کام کیا) تو تم نے اپنے لیے برا کیا (یعنی اس کا نقصان تمہیں ضرور پہنچے گا)۔ اس آیت میں لفظ ''اسائۃ'' نے احسان کے اس معنی کو بالکل واضح کر دیا ہے۔

احسان کا تیسرا مفہوم اور یہ اس کا اصطلاحی مفہوم ہے، کسی کام کو حکم وہدایت سے زیادہ کرنا ہے۔ مثلا فرمایا ہے: اِنَّ اللّٰہَ یَاۡمُرُ بِالۡعَدۡلِ وَ الۡاِحۡسَانِ۔ (سورہ نحل: ۹۰) ''یقینا اللہ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے''۔ عدل کا مطلب یہ ہے کہ جس کا جو حق ہے وہ اس کو ٹھیک طور پر مل جائے، اس میں کوئی کمی اور کوتاہی نہ ہو۔ اس کا ضد ظلم ہے یعنی حق تلفی۔ اور احسان کے مفہوم میں دو چیزیں داخل ہیں، ایک حق کو اچھے ڈھنگ سے ادا کرنا کہ اس میں کسی قسم کی ناگواری اور ناخوشی کا اظہار نہ ہو، اور دوسری چیز یہ کہ اگر ممکن ہو تو قانونی حق سے زیادہ دیا جائے (تفصیل کے لیے دیکھیں، راقم کی تفسیر ''میزان القرآن''، ج ۲، سورہ نحل، حاشیہ نمبر ۱۱)۔

اس مفہوم کی دوسری مثال نفل نمازوں اور قیام لیل کا اہتمام ہے۔ یہ نمازیں اہل ایمان پر فرض نہیں ہیں لیکن جو مومنین درجۂ احسان پر فائز ہوتے ہیں وہ اپنی خوشی سے محض اللہ کی محبت اور اس کی رضا جوئی میں فرض نمازوں کے علاوہ نوافل کا بھی اہتمام کرتے ہیں اور راتوں میں جاگ کر اللہ تعالیٰ کا ذکر وعبادت کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں ان محسنین کا ذکر ایک سے زیادہ سورتوں میں آیا ہے۔ مثلاً سورۂ ذاریات میں فرمایا: اِنَّ الۡمُتَّقِیۡنَ فِیۡ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوۡنٍ، اٰخِذِیۡنَ مَاۤ اٰتٰہُمۡ رَبُّہُمۡ اِنَّہُمۡ کَانُوۡا قَبۡلَ ذٰلِکَ مُحۡسِنِیۡنَ، کَانُوۡا قَلِیۡلًا مِّنَ الَّیۡلِ مَا یَہۡجَعُوۡنَ، وَ بِالۡاَسۡحَارِ ہُمۡ یَسۡتَغۡفِرُوۡنَ۔ (آیات: ۱۵۔۱۸) ''بے شک اللہ کے فرماں بردار بندے (اس دن) باغوں اور چشموں (والی جنت) میں ہوں گے۔ ان کا رب جو نعمتیں انہیں دے گا وہ (خوش ہو کر) ان کو لے رہے ہوں گے۔ (یہ صلہ انہیں اس لیے ملے گا کہ) وہ اس سے پہلے (یعنی دنیا میں) نیکوکار تھے، راتوں میں بہت کم سوتے تھے اور صبح کے اوقات میں توبہ واستغفار کرتے تھے''۔

یہ ہے احسان کا قرآنی مفہوم: 'حدیث جبریل' (صحیح بخاری، کتاب الایمان) میں احسان کا مفہوم مذکور بالا مفہوم سے مختلف نہیں ہے۔ اس حدیث میں جن تین چیزوں کی تعلیم دی گئی ہے ان میں تیسری چیز احسان ہے۔ دین فی الحقیقت ایمان اور اسلام سے مرکب ہے یعنی اعتقاد و

عمل کے مجموعہ کا نام دین ہے۔احسان اس دین کا مغز و جوہر ہے یعنی عقیدہ و عمل دونوں میں حسن و خوبی کا ہونا ضروری ہے۔ ورنہ وہ شجر بے برگ وثمر کی طرح ہوگا جس سے نہ دنیا میں کوئی فائدہ حاصل ہوگا اور نہ ہی آخرت میں۔اس بات کو حسنِ عبادت کی مثال سے واضح کیا گیا ہے۔فرمایا گیا کہ تم اس طرح اللہ کی عبادت کرو گویا اسے دیکھ رہے ہو، اور اگر تم اسے دیکھ نہیں رہے ہو تو خیال کرو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔اس دیکھنے کا مطلب بالکل واضح ہے اور وہ یہ کہ بوقت عبادت اللہ تعالیٰ کی طرف ذہن کا ارتکاز اور قلب کا انہماک اس درجہ کو پہنچ جائے کہ عبادت گزار محسوس کرے کہ وہ گویا اللہ کو دیکھ رہا ہے۔ملحوظ رہے کہ حدیث میں حرف ''کأنَّ'' (کَأَنَّکَ) استعمال ہوا ہے۔ یہ حرف خود بتاتا ہے کہ اس دیکھنے سے عینی رویت مراد نہیں بلکہ محسوس سطح پر اللہ کو دیکھنا مراد ہے۔یہ اسلوب کلام دوسری زبانوں میں بھی ملتا ہے۔اردو زبان کے مشہور شاعر مومن کا شعر ہے۔

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا　　جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

شعر کا مطلب یہ ہے کہ عاشق اپنے محبوب کی یاد میں اتنا کھو جاتا ہے کہ اسے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا وہ اس کے پاس موجود ہے حالاں کہ وہ فی الواقع موجود نہیں ہوتا۔

اہل تصوف نے علما و فقہا کی ظاہر پرستی اور ان کے مرتب کردہ مجموعۂ فقہ کو دیکھ کر جس کا بڑا حصہ خارجی اعمال سے متعلق کیا ہے، گمان کر لیا کہ اسلامی شریعت کا موضوع بحث صرف آدمی کے ظاہری اعمال ہیں، باطنی اعمال اس کے دائرہ بحث سے خارج ہیں۔اور پھر یہ فیصلہ سنا دیا گیا کہ باطن کا تزکیہ صرف طریقت سے ممکن ہے۔اسی غلط خیال کی وجہ سے حامیانِ تصوف نے شریعت کو چھلکا اور طریقت کو مغز کہا ہے، جسم اور روح کی مثال بھی دی گئی ہے یعنی شریعت جسم اور طریقت اس کی روح ہے۔ان مثالوں نے شریعت کے وقار کو جس درجہ مجروح کیا ہے وہ محتاج بیان نہیں۔

اس غلط طرز فکری کی ایک بڑی وجہ وہ کوتاہی ہے جو علما اور صوفیہ دونوں کے مستثنیات سے قطع نظر، تفہیم قرآن میں سرزد ہوئی ہے۔قرآن مجید کی سورۂ بقرہ میں دعائے ابراہیمی کے حوالے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقصدِ بعثت کا ذکر ہوا ہے۔فرمایا: وَ ابۡعَثۡ فِیۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡ اَنۡفُسِهِمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَکِّیۡهِمۡ (آیت: ۱۲۹)۔اس آیت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد بعثت نفوس کا تزکیہ بتایا گیا ہے اس تزکیہ کا ذریعہ تلاوت آیات اور تعلیم کتاب و حکمت ہے۔ افسوس کہ بہت سے علما و صوفیہ نے ''کتاب و حکمت'' کے مفہوم کو ٹھیک طور پر نہیں سمجھا۔ علمائے مفسرین نے 'کتاب' کا مطلب بیان کیا کہ ''اس سے مراد معانی و مطالبِ ضروریہ ہیں جو عبارت سے واضح ہوتے ہیں، اور حکمت سے مراد اسرار مخفیہ اور رموز لطیفہ ہیں'' (موضح فرقان، شیخ الہند، سورہ بقرہ، حاشیہ نمبر ۱)۔مولانا اشرف علی تھانوی نے ''وَ یُعَلِّمُهُمُ الۡکِتٰبَ وَ الۡحِکۡمَةَ'' کا

ترجمہ کیا ہے ''اور ان کو (آسمانی) کتاب کی اور خوش فہمی کی تعلیم دیا کریں''۔اہل حدیث مفسرین نے 'کتاب' سے قرآن شریف اور حکمت سے حدیث مراد لیا ہے (دیکھیں ترجمہ قرآن کریم ،مولوی نواب وحید الزماں حیدرآبادی)۔ بریلوی علما و مفسرین بھی کتاب اور حکمت کا صحیح مفہوم سمجھنے سے قاصر رہے (دیکھیں کنزالایمان، سورہ بقرہ، حاشیہ نمبر ۲۳۵، ۲۳۶)۔

'کتاب و حکمت' کے صحیح مفہوم کو خود قرآن مجید نے کھول دیا ہے۔ارشاد ہے: وَ یُعَلِّمُهُمُ الۡکِتٰبَ وَ الۡحِکۡمَةَ وَ التَّوۡرٰىةَ وَ الۡاِنۡجِیۡلَ (آل عمران: ۴۸) ''اور (فرشتوں نے مزید کہا) اللہ اسے (یعنی عیسیٰ کو) کتاب و حکمت یعنی تورات اور انجیل کی تعلیم دے گا'' اس آیت کے دوسرے فقرہ ''وَ التَّوۡرٰىةَ وَ الۡاِنۡجِیۡلَ'' میں ''واؤ'' حرف تفسیری یعنی بیان کا ہے۔اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ 'کتاب' سے مراد شریعت (قانون) اور حکمت سے مراد اخلاقی احکام و تعلیمات ہیں۔ تورات کے معنی ہی قانون کے ہیں اور اس کتاب میں احکام کی کثرت ہے۔اس کے برخلاف انجیل کا بڑا حصہ اخلاقی تعلیمات پر مشتمل ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ آخری خدائی شریعت کے دو جز ہیں، ایک کتاب یعنی عام قوانین جو خارجی زندگی کے اعمال سے متعلق ہیں اور دوسرا حکمت یعنی اخلاقی احکام و تعلیمات جن کا تعلق باطنی اعمال سے ہے اور وہ نفس کا تزکیہ کرتے ہیں۔غالباً ابتدائی دور کے صوفیہ نے شریعت کے اسی دوسرے جز کا نام طریقت رکھا ہوگا۔لیکن اب طریقت کا مفہوم اس سے کچھ زیادہ ہے یعنی مراقبہ و مشاہدہ کے ذریعہ عرفان حقیقت۔شاہ ولی اللہ دہلوی کے نزدیک طریقت کی حقیقت قوی بہیمیہ کا توڑنا اور تصحیح خیال ہے، دوسرے لفظوں میں نفس کشی اور ماسوا اللہ کے خیال سے دل کو پاک کرنا (سطعات)۔یہ دونوں باتیں عجمی تصوف کی دین ہیں۔

پروفیسر یٰسین مظہر صدیقی نے تصوف کے علم باطن پر بھی نقد کیا ہے اور علم ظاہر (قرآن و سنت) کے مقابلے میں علم باطن (کشف و الہام) کو ظنی قرار دیا ہے۔اور ان کا یہ خیال صحیح ہے۔ اس بات سے کون مسلمان انکار کر سکتا ہے کہ قرآن حکیم سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ قطعی اور یقینی ہے، کیوں کہ وہ وحی پر مبنی ہے۔

ہم یہ بات مانتے ہیں کہ وجدان یا کشف و الہام بھی ایک ذریعۂ علم ہے لیکن یہ قطعی ذریعۂ علم نہیں ہے۔امام شعرانی جیسے بڑے صوفی عالم نے لکھا ہے کہ کشف میں تلبیس ابلیس کے شامل ہونے کا پورا احتمال ہے۔ (دیکھیں المیزان الکبریٰ، ص ۱۷)۔لیکن زیادہ تر اصحاب تصوف کشف و الہام کو ایک یقینی ذریعۂ علم مانتے ہیں۔وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جب ایک سالک کامل ''فناء الفنا'' کے مقام پر پہنچ جاتا ہے تو عالم غیب اس پر آئینہ کی طرح روشن ہو جاتا ہے۔وہ نہ صرف سر کی

آنکھوں سے حق کا مشاہدہ کرتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ اسے متصرف مطلق بنا دیتا ہے۔(عوارف المعارف، شیخ شہاب الدین سہروردی، باب ۸۱)۔

لیکن یہ دعویٰ نص قرآن سے متعارض ہے۔مشاہدۂ حق یعنی اللہ تعالیٰ کی عینی رویت کی تردید قرآن مجید کی کئی آیتوں سے ہوتی ہے۔مثلاً یہ آیت ملاحظہ ہو:لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَ هُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَ هُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ (انعام:۱۰۳)''اس کو نگاہیں نہیں پا سکتیں (یعنی اس کے ادراک سے قاصر ہیں)اور وہ نگاہوں کو پا لیتا ہے(یعنی ہر وجود اس کی نظر میں ہے)،اور وہ نہایت لطیف(یعنی نا قابل مشاہدہ)اور باخبر ہے''۔قصۂ موسیٰ(قَالَ رَبِّ أَرِنِي أَنْظُرْ إِلَيْكَ قَالَ لَنْ تَرَانِي :اعراف:۱۴۳)سے بھی رب تعالیٰ کی عینی رویت کی نفی ہوتی ہے۔مزید برآں صحیح مسلم (کتاب الایمان) کی اس حدیث میں جو حضرت مسروق سے بواسطۂ حضرت عائشہ مروی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف لفظوں میں رب تعالیٰ کو دیکھنے کی تردید فرمائی ہے۔ایک صحابی کے استفسار پر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں بھلا اللہ کو کیسے دیکھ سکتا ہوں کہ وہ لطیف ہے۔

غیب دانی اور اختیار و تصرف کی بات بھی نا قابل تسلیم ہے۔ریاضت و مجاہدہ سے آئینۂ قلب کی صفائی کا یہ مطلب نہیں کہ اس میں عالم غیب کے اسرار منکشف ہوتے ہیں۔اور صاحب مجاہدہ بالآخر صاحب تصرف بن جاتا ہے۔کوئی بتائے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی دوسرا متقی اور محسن ہو سکتا ہے؟اور کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی مومن کا آئینۂ قلب مجلیٰ ہو سکتا ہے؟اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر آپ نے اپنی غیب دانی اور صاحب تصرف ہونے کی تردید کیوں فرمائی؟ قرآن مجید کے الفاظ ہیں:قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَ لَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ وَ لَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَ مَا مَسَّنِيَ السُّوءُ إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ وَ بَشِيرٌ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ۔(اعراف:۱۸۸)''کہہ دو کہ قیامت کا علم تو بڑی بات ہے)میں تو اپنے نفع ونقصان کا بھی اختیار نہیں رکھتا مگر جو اللہ چاہے(یعنی میرا نفع ونقصان اسی کے ہاتھ میں ہے)،اور اگر میں غیب کا علم رکھتا تو بہت سے بھلائیاں جمع کر لیتا اور مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچتی، میں تو ان لوگوں کو خبردار کرنے والا اور خوش خبری دینے والا ہوں جو ایمان رکھتے ہیں''۔

کیا اس آیت کی موجودگی میں کوئی مسلمان بقید ہوش وحواس یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ وہ غیب کی باتوں کو جانتا ہے اور صاحب اختیار ہے؟ جن بزرگان دین کی طرف غیب دانی یا صاحب تصرف ہونے کی بات منسوب کی جاتی ہے وہ بعد کے لوگوں کی افترا پردازی ہے یا پھر اس طرح کے اقوال حالت سکر میں ان بزرگوں کی زبان سے نکل گئے اور ان کے متبعین نے ان کو حقیقت پر محمول کر لیا۔جو بھی صورت مانی جائے یہ ایک نا قابل انکار حقیقت ہے کہ اللہ کے علاوہ نہ کوئی مطلق غیب داں

ہے(قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ:نمل:۶۵)اور نہ ہی صاحب تصرف جیسا کہ فرمایا:إِنَّ الْقُوَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا۔(بقرہ:۱۶۵)''ساری قوت کا مالک اللہ ہی ہے۔''

اس معاملے میں قرآن مجید کی واضح تعلیم کے باوجود جیسا کہ اوپر سورۂ اعراف کے حوالے سے ذکر ہوا، بہت سے علما اور صوفیہ بزرگان دین کی غیب دانی اور ان کے متصرف ہونے کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ ہی نے ان بزرگوں کو یہ طاقت عطا کی ہے۔(دیکھیں جناب شاہ ہلال احمد قادری کا مضمون، الاحسان، شمارہ ۴، ص ۱۳۴، سطر ۵)۔مجھے نہیں معلوم کہ اس الٰہی عطا کی خبر ان مولوی صاحب کو کس نے دی؟ کیا وہ غیب داں ہیں؟ یا وہ قرآن کے علاوہ کسی اور کتاب پر ایمان رکھتے ہیں۔

ان نادانوں کو جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جلیل القدر اصحاب کی زندگیوں میں غیب دانی اور اختیار وتصرف کا کوئی واقعہ نہیں ملا تو وہ تلاش ثبوت میں ''خیر القرون'' کے عہد سے نکل کر بہت پیچھے موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کے دور میں پہنچ گئے اور پھر بڑے طمطراق سے ارشاد ہوا کہ دیکھو خضر علیہ السلام 'علم لدنی' رکھتے تھے اور سلیمان علیہ السلام کے دربار کے ایک شخص کو (جو بقول ان کے ولی تھا) کیسی زبردست قدرت حاصل تھی کہ وہ ملک سبا سے ملکہ بلقیس کا تخت چشم زدن میں اٹھا لایا اور اسے سلیمان علیہ السلام کے سامنے رکھ دیا۔

لیکن یہ استثنائی واقعات ہیں، ان سے غیر خدا کی غیب دانی اور تصرف پر استدلال کرنا صحیح نہ ہوگا۔سوال یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو ان کی اس پیغمبرانہ شان کے باوجود کہ اللہ تعالیٰ ان سے حقیقی معنی میں کلام کرتا تھا، ''علم لدنی'' کیوں حاصل نہیں تھا؟ یہی معاملہ سلیمان علیہ السلام کا ہے۔وہ جس پائے کے نبی اور خلیفہ تھے سب کو معلوم ہے۔ہوا اُن کے حکم سے چلتی تھی، جنات خدمت کے لیے پابہ زنجیر کر دیے گئے تھے اور آنجناب پرندوں اور حشرات الارض کی بولیاں بھی سمجھ لیتے تھے۔لیکن اس علوئے مرتبہ کے باوصف انہیں وہ ''علم کتاب'' حاصل نہ تھا جس سے ان کا ایک مقرب درباری بہرہ ور تھا۔اگر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ یہ استثنائی معاملہ اس لیے کیا گیا تا کہ ان دونوں جلیل القدر نبیوں میں احساس عجز پیدا ہو کہ انہیں جو عظمت و بزرگی ملی ہے وہ ان کے کسی ذاتی کمال کی وجہ سے نہیں بلکہ یہ محض ان پر اللہ تعالیٰ کا لطف واحسان ہے۔

مذکورہ دونوں واقعات کو اسی تناظر میں دیکھنا مناسب ہوگا۔کسی مسلمان کو خواہ وہ کتنا ہی بڑا متقی اور ولی کیوں نہ ہو، زیب نہیں دیتا کہ وہ خود کو غیب داں اور صاحب تصرف قرار دے، اس کا مطلب تو یہ ہوگا کہ اس کا مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر ہے۔اور اس بات کو کون سچا مسلمان تسلیم کر سکتا ہے۔

پروفیسر یٰسین مظہر صدیقی نے اپنے مضمون میں عبادت ومجاہدہ، ذکر الٰہی اور فکر ومراقبہ اور

مقام فنا و بقا کے عنوانات کے تحت تصوف کے ان اہم موضوعات پر بھی اظہار خیال کیا ہے۔ انہوں نے 'تصور شیخ' کے موضوعات سے تعرض نہیں کیا ہے۔اس عدم تعرض کی وجہ وہی بتا سکتے ہیں۔

اس شمارے کا چوتھا اہم مضمون بہ عنوان ''اہل تصوف کا مجاہدانہ کردار، نوآبادیاتی نظام کے خلاف شمالی افریقہ کے خصوصی تناظر میں'' ہے۔ ڈاکٹر سید علیم اشرف جائسی نے اپنے اس مضمون میں مخالفین تصوف کے اس الزام کی تردید کی کوشش کی ہے کہ تصوف کی تعلیمات میں گوشہ گیری، مسکینی اور سر بزیری غالب ہے۔ چنانچہ انہوں نے لکھا ہے کہ ''حقیقی تصوف حرکت وعمل اور جہاد و مجاہدہ سے عبارت ہے''۔(الاحسان، ص ۸۲)

اپنے اس خیال کی تائید میں ڈاکٹر جائسی نے جتنی مثالیں دی ہیں ان کا تعلق دوسری صدی ہجری سے ہے۔ یہ تو مخالفین تصوف بھی تسلیم کرتے ہیں کہ دوسری صدی ہجری تک تصوف میں عجمیت کی آمیزش نہیں ہوئی تھی، اس میں زہد و عبادت پر زور تھا۔ راقم سطور تو یہاں تک کہتا ہے کہ اس دور کے بہت سے صوفیہ اپنے ذوق عبادت اور حسن اخلاق کے اعتبار سے اس وقت کے علماوفقہا سے فائق تھے اور بعد کے ادوار کے لیے زہد وعبادت، حسن معاملہ اور اعلیٰ اخلاق کا عمدہ نمونہ ٹھہرائے جاسکتے ہیں گو کہ ان کے زہد میں تھوڑا سا غلو شامل تھا۔ لیکن آٹھویں صدی عیسوی کے بعد جب تصوف میں عجمی خیالات بالخصوص وحدت الوجود کا نظریہ شامل ہوا تو مراقبہ و مشاہدہ ہی اصل تصوف ہوگیا اور حرکت وعمل کا دائرہ بہت محدود ہوگیا۔ اس سے بھی بڑی خرابی یہ واقع ہوئی کہ توحید الٰہ کی جگہ توحید وجود کے عجمی تصور نے لے لی۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا ہے۔

ڈاکٹر جائسی کے اس مضمون میں بکثرت تاریخی اغلاط ہیں اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نہ محقق ہیں اور نہ ہی مؤرخ بلکہ محض انشاء پرداز ہیں۔ بطور ثبوت چند تاریخی غلطیوں کا یہاں ذکر کروں گا۔

(۱) ڈاکٹر جائسی نے لکھا ہے کہ ''بیت المقدس کی بازیابی سے قبل صلاح الدین ایوبی اور امام غزالی میں مسلسل مراسلت و خط وکتابت قائم تھی'' (الاحسان، ص ۸۴)۔ لیکن یہ مراسلت ناممکن ہے اس لیے کہ دونوں میں طویل زمانی فصل حائل ہے۔ امام غزالی ۴۵۰ھ/ ۱۰۵۸ء میں پیدا ہوئے اور ۵۰۵ھ/ ۱۱۱۱ء میں ان کا انتقال ہوا، اور صلاح الدین ایوبی ۵۶۹ھ/ ۱۱۷۳ء میں تخت نشین ہوئے اور ۵۸۹ھ/ ۱۱۹۳ء میں ان کا انتقال ہوا۔ گویا جب امام غزالی کی وفات ہوئی تو صلاح الدین ایوبی ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔

(۲) ڈاکٹر جائسی نے لکھا ہے کہ ''شیخ عبد القادر جیلانی (متوفی ۵۶۱ھ/ ۱۱۷۲ء) کی خانقاہ نے ہی سلطان صلاح الدین ایوبی کی نسل کو تیار کیا تھا۔ اس خانقاہ کے تربیت یافتہ رضا کار ہی تھے جن کے ذریعہ حطین کے میدان میں ایوبی کی فوج کی اولین صفوں کی تشکیل ہوئی تھی۔ شیخ کے وعظوں نے

ان کے سینوں میں ایسی آگ بھر دی تھی جس نے صلیبی دراندازوں کے خرمنوں کو جلا ڈالا'' (الاحسان، ص ۸۴) یہ مجرد انشاء پردازی ہے نہ کہ حقیقت واقعہ۔ شیخ عبد القادر جیلانی کی وفات ۵۶۱ھ/ ۱۱۶۵ء میں ہوئی (۱۱۷۲ء میں نہیں جیسا کہ ڈاکٹر جائسی نے لکھا ہے) اور صلاح الدین ایوبی ۱۱۷۳ء میں تخت حکومت پر بیٹھا یعنی اس سے آٹھ سال پہلے شیخ جیلانی کا انتقال ہو چکا تھا۔ پھر شیخ نے کس طرح اپنے وعظوں سے صلاح الدین ایوبی کے لشکر کے سپاہیوں میں جہاد کی آگ بھر دی تھی۔

(۳) ڈاکٹر جائسی نے لکھا ہے کہ ''اسپین میں موحدین کی سلطنت کے قیام کا سہرا بھی امام غزالی کے سر جاتا ہے، کیوں کہ انہوں نے ہی بانی سلطنت محمد بن عبداللہ تومرت کو ایک اسلامی حکومت قائم کرنے کے لیے ابھارا تھا'' (الاحسان، ص ۸۵)۔ ڈاکٹر جائسی کو اسپین کی تاریخ کا مطلق علم نہیں۔ موحدین ایک جماعت کا نام ہے جسے محمد بن تومرت نے جو امام غزالی کے شاگرد تھے، قائم کیا تھا۔ یہ ایک اصلاحی تحریک تھی۔ ۵۲۴ھ/ ۱۱۲۹ء میں تومرت کا انتقال ہو گیا تو اس کے ایک ساتھی عبد المومن (متوفی ۵۵۸ھ/ ۱۱۶۲ء) کو جماعت موحدین کا امیر منتخب کیا گیا اور وہی خلافت موحدین (۱۱۳۰ء-۱۲۶۹ء) کا بانی اور پہلا حکمراں تھا نہ کہ محمد بن تومرت جیسا کہ ڈاکٹر جائسی نے لکھا ہے۔

(۴) ڈاکٹر جائسی نے لکھا ہے کہ ''دنیا نے دیکھا کہ سلطان ظاہر بیبرس (صحیح نام الملک الظاہر بیبرس ہے) نے عین جالوت کے مقام پر امام عزالدین عبد السلام (صحیح نام عزالدین بن عبد السلام ہے) کی روحانی قیادت میں تاتاریوں کے ناقابل شکست ہونے کے طلسم کو توڑ دیا'' (الاحسان، ص ۸۷) اس بیان میں ایک فاش تاریخی غلطی یہ ہے کہ عین جالوت کے مقام پر ۱۲۶۰ء میں جس مملوک سلطان مصر نے تاتاری لشکر کو شکست دی تھی وہ الملک المظفر سیف الدین قطز تھا۔ اس لڑائی میں الظاہر بیبرس بھی بحیثیت ایک مملوک سردار کے شریک تھا۔ (تاریخ الخلفاء، امام سیوطی)

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ جس دوسرے مملوک سلطان نے منگولوں کو ۱۳۰۳ء میں دمشق کے قریب شکست دی وہ ملک ناصر محمد (متوفی ۱۳۴۱ء) تھا۔ اس جنگ میں مشہور عالم دین امام ابن تیمیہ (متوفی ۱۳۲۸ء) نے نمایاں حصہ لیا تھا جس کا ذکر ڈاکٹر جائسی نے صرف اس لیے نہیں کیا کہ وہ تصوف کے مخالف تھے۔

ڈاکٹر جائسی کے اس مضمون کی تاریخی غلطیوں کا کہاں تک ذکر کروں، انہوں نے شمالی افریقہ سے تعلق رکھنے والی ہر بڑی مجاہد شخصیت کو صوفی بنا دیا ہے۔ اس سلسلے میں صرف ایک تاریخی حوالہ قدرے درست ہے اور وہ سنوسی تحریک ہے جس کے بانی شیخ محمد بن علی سنوسی (متوفی ۱۸۵۹ء) تھے۔ اسی تحریک کے ایک ممتاز عالم اور مجاہد شہید عمر مختار تھے۔ شیخ محمد بن علی سنوسی نے طرابلس (لیبیا) میں اپنی تحریک کی بنیاد خانقاہی نظام پر رکھی تھی مگر وہ خانقاہی نظام نہیں جو

دوسرے ممالک کے صوفیہ کے ہاں ملتا ہے یعنی خلوت نشینی اور مراقبہ۔سنوسی تحریک کی خانقاہیں صرف نام کی خانقاہ تھیں۔مؤرخین نے لکھا ہے کہ سنوسی کی خانقاہیں تعلیم وتربیت کے علاوہ تجارتی، زرعی، دفاعی اور فوجی تربیت کے مراکز تھے۔

اس شمارے کا پانچواں مضمون ''تصوف اور مراقبہ پر اعتراضات کا علمی محاسبہ'' ہے۔ پورا مضمون تاویلات فاسدہ اور مغالطہ انگیزیوں سے بھرا ہوا ہے۔تفصیل کی گنجائش نہیں،صرف تین مثالیں پیش کرتا ہوں۔(۱) جناب شاہ ہلال احمد قادری نے سورۂ بقرہ کی آیت ۱۶۵ کے متعلق لکھا ہے کہ اس میں مشرکین کا ذکر ہے نہ کہ یہود ونصاریٰ کا (الاحسان،ص۱۱۶)۔

محترم! یہ مدنی سورہ ہے اور اس کے ابتدائی نصف حصے میں یہود کی داستان سرکشی بیان کی گئی ہے نہ کہ مشرکین کی۔(۲) قادری صاحب فرماتے ہیں ''قرآن میں کہیں بھی یہود ونصاریٰ کا اپنے اولیا سے استمداد و استغاثہ کا کوئی ذکر نہیں۔'' (ص۱۱۶)۔اہل کتاب کی مذہبی تاریخ اس استمداد کے بیان سے مملو ہے۔سورۂ توبہ کی آیت ۳۱ میں اسی تاریخی شہادت کا ذکر ہوا ہے کہ ''انہوں (یعنی اہل کتاب) نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے علما اور درویشوں کو رب (یعنی آقا وکارساز) بنالیا ہے، اور مسیح ابن مریم کو بھی۔'' اس شرک کی وجہ یہ گمان تھا کہ ان کے اولیا (راہبان) اور حضرت مسیح اپنے پیروؤں کو نفع ونقصان پہنچانے کا اختیار رکھتے ہیں۔سورہ بنی اسرائیل کی آیت ۱۱۱ اور مائدہ کی آیت ۷۶ میں اس خیال کی تردید کی گئی ہے۔(۳) قادری صاحب قرآن مجید کے اسالیب بیان سے بالکل نابلد ہیں۔سورہ مائدہ کی آیت ۳ میں حرام چیزوں کی تفصیل کے درمیان جو فقرہ آ گیا ہے یعنی ''اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ'' اس کا تعلق محرمات سے نہیں جیسا کہ قادری صاحب نے سمجھا (الاحسان،ص۱۰۱) بلکہ بطور ''التفات'' ہے۔یعنی سلسلہ کلام روک کر اس اہم بات کا اعلان کیا گیا ہے کہ دین اسلام کی تعلیم کا آغاز غار حرا میں سورۂ علق کی ابتدائی چند آیات سے ہوا تھا آج یعنی حجۃ الوداع کے موقع پر اس تعلیم کی تکمیل کر دی گئی۔چنانچہ اس کے بعد ترسیل وحی کا سلسلہ بند ہوگیا۔اتمام نعمت (اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ) کے فقرے سے اسی بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔قرآن حکیم کی متذکرہ بالا آیات کو ٹھیک طور پر نہ سمجھنے کی وجہ قرآن پر عدم تدبر اور بعض سہل نگار مفسرین کی اندھی تقلید ہے جس میں قادری صاحب جیسے بہت سے علما مبتلا ہیں۔

زیر تبصرہ کالم کے باقی دو مضمون: ''تصوف، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی نظر میں'' اور ''مسئلہ اجتہاد وتقلید، امام شعرانی کی نظر میں''، بعض نقائص سے قطع نظر معلومات افزا ہیں۔

○ **ایم۔اے۔قدیر** (سینیر ایڈوکیٹ، الہ آباد ہائی کورٹ، الہ آباد)

''الاحسان'' کتابی سلسلہ نمبر-۵ موصول ہوا۔ہر شمارہ بہتر سے بہتر منزل کی طرف

گامزن ہے جس کے لیے شاہ صفی اکیڈمی، جامعہ عارفیہ اور جملہ مرتبین ومعاونین قابل مبارکباد ہیں۔یہ جریدہ اب علمی حلقوں میں بھی معروف ومقبول ہو رہا ہے۔شمارے کے اندرون سرورق پر سرمد شہید کے نام سے یہ شعر درج ہے۔

عمریست کہ آوازۂ منصور کہن شد
من از سر نو زندہ کنم دارو رسن را

اس شمارے کے ملتے ہی ۱۷؍مئی ۲۰۱۴ء کو مجھے اکیڈمی میں حاضری کا موقعہ ملا تھا جس میں میں نے طلبا کو ''ہندوستانی عدالتوں میں شرعی مسائل اور ان کا حل'' کے عنوان سے خطاب کیا تھا بلکہ گفتگو کی تھی۔سوال جواب ہوئے تھے۔طلبا کے تجسس نے بھی متأثر کیا تھا۔اسی ملاقات میں میں نے یہ اشکال ظاہر کیا تھا کہ میں نے اس شعر کا دوسرا مصرعہ اس طرح سنا یا پڑھا ہے کہ۔

من از سر نو جلوہ دہم دارو رسن را

جب معلومات فراہم کیں تو معلوم ہوا کہ یہ شعر سرمد شہید کا ہے ہی نہیں بلکہ والی داغستانی کی تصنیف ''ریاض الشعرا'' (مدون پروفیسر شریف قاسمی) کے مطابق یہ شعر غزالی مشہدی کا ہے جو فیضی سے پہلے دربار اکبری کا ملک الشعرا تھا اور اصل شعر اس طرح ہے۔

عمریست کہ آوازۂ منصور کہن شد
من از سر نو جلوہ دہم دارو رسن را

ترجمہ: آوازۂ منصور کو واقعہ کہن ہوئے ایک مدت گذر گئی اس لیے نئے سرے سے میں دارو رسن میں جلوہ دکھا رہا ہوں یعنی دارو رسن سوئی ہوگی تو میں پھر زندہ کر رہا ہوں۔

مگر یہ شعر سرمد کی وجہ سے مشہور کچھ ایسا ہوا کہ لوگ اسے انہیں کا جاننے لگے۔روایت ہے کہ جب سرمد کو سزائے قتل ہوئی تو کسی بزرگ نے مشورہ دیا کہ وہ رجوع کر لیں تو سزا معاف کی جا سکتی ہے تو اس وقت انہوں نے یہ شعر پڑھا تھا۔کچھ نے لکھا کہ تختہ دار پر جاتے وقت یہ شعر انہوں نے قرات کیا تھا یہاں تک کہ (Persian Poetry of Great Moghals) (عظیم مغلوں کی فارسی شاعری) کتاب میں بھی یہی واقعہ درج ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد نے ''سرمد شہید'' کے عنوان سے جو معرکۃ الآرا مضمون تحریر کیا ہے، اس کی کوئی مثال نہیں۔یہاں آزاد کا قلم اپنی پوری جولانیوں کے ساتھ صفحۂ قرطاس پر ضیا پاش ہے۔انہوں نے شیر خاں لودھی کی تصنیف ''مرأۃ الخیال'' کے حوالے سے لکھا ہے کہ سرمد پر اس رباعی پر کفر کا فتویٰ دیا گیا تھا۔

ہر کس کہ سر حقیقتش باور شد   او پہن تر از سپہ پہناور شد

ملا گوید کہ بر فلک شد احمد　　　سرمد گوید فلک بہ احمد در شد

ترجمہ: وہ شخص جسے حقیقت کا پتہ چل گیا ہے، اس کا دل و دماغ آسمان سے بھی زیادہ وسیع ہوگا، مولوی کہتا ہے کہ محمد مصطفی (احمد) صلی اللہ علیہ وسلم فلک پر گئے تھے، سرمد کہتا ہے کہ فلک احمد میں اتر آیا تھا۔

گو کہ یہ نعت کا شعر تھا مگر مفتی نے اسے جسمانی معراج کے انکار سے تعبیر کیا۔ دوسری وجہ قتل کی یہ بتائی گئی کہ وہ برہنہ رہتے تھے تارک لباس تھے۔ عالم گیر نے قاضی القضاۃ ملا قوی کو اس کی تحقیق سپرد کی تو وہ سرمد کے پاس گیے اور کہا کہ باوجود علم وفضل وکمال کے آپ کی برہنگی کس عذر پر مبنی ہے۔ سرمد (جن کی شاعری عام طور پر رباعیات پر مشتمل ہے) نے جواب میں مندرجہ ذیل رباعی پڑھی جس سے قاضی صاحب اور بھی برہم ہوگیے۔

خوش بالائے کمروں چنیں پست مرا　　　چشم بد دور بردہ از دست مرا

اور در بغل من است و من در طلبش　　　دز دے عجیبے برہنہ کردہ است مرا

ترجمہ: اپنی نگاہ کے جام پلا کر ایک دراز قد نے مجھے مغلوب کر کے مجھے، مجھ سے چھین لیا وہ تو میرے بغل ہی میں ہے مگر میں اس کی جستجو میں پھرتا ہوں، عجیب چور ہے کہ مجھے برہنہ کر کے میرا لباس بھی لے گیا۔

مولانا آزاد، ابراہیم بدخشانی کے حوالے سے رقم طراز ہیں کہ سرمد کلمۂ طیبہ ’’لا الٰہ‘‘ تک پڑھتے تھے، اس سے آگے نہ پڑھتے تھے یہ تیسری وجہ فتویٰ کفر ہوئی۔ ان وجوہ کا احاطہ کرتے ہوئے انہوں نے سرمد کی شہادت کو سیاسی قتل یعنی (Political Murder) گردانا ہے اور اس کی وجہ ان کی دارا شکوہ سے قربت قرار دی ہے۔ اورنگ زیب عالم گیر ۱۰۶۹ھ میں تخت نشین ہوا اور ۱۰۷۰ھ میں یہ واقعہ پیش آیا آزاد نے لکھا کہ ’’جب بادشاہ خونریزی پر آتا تھا تو دار القضا کا قلم اور سپہ سالار کی تیغ، دونوں یکساں طور پر کام دیتے تھے‘‘

حیرت ہے کہ آزاد نے اس شعر کا ذکر اپنے مضمون میں کیا ہی نہیں بلکہ انہوں نے لکھا ہے کہ مرأۃ الخیال کے مصنف کا قول ہے کہ جب سرمد کو قتل گاہ لے جایا جا رہا تھا تو خلقت کا ایک ازدحام تھا اور جب جلاد تلوار لے کر بڑھا تو سرمد نے یہ شعر پڑھا اور گردن تہ تیغ کر دی:

شورے شد واز خواب عدم چشم کشودیم

دیدیم کہ باقی است شب فتنہ غنودیم

ترجمہ: ایک شور برپا ہوا اور میں نے خواب عدم سے بیدار ہو کر آنکھیں کھولیں، مگر جب دیکھا کہ شب فتنہ ابھی باقی ہے تو میں پھر غنودگی میں چلا گیا۔

مؤرخین کی سلاطین کے تئیں طرفداری اور اس واقعہ کی اصلیت کی تشنہ بیانی کے حوالے سے آزاد نے ایک بلیغ جملہ لکھ دیا ہے کہ ’’تاریخ قیاس، ظنون اور شخصی آرا کے مجموعوں کا نام ہے۔‘‘

بہر حال سرمد کی زبان سے ادا ہوا یہ شعر زبان خلق پر ایسا چڑھا کہ اہل دل اس ایک بیت میں منصور حلاج اور سرمد کی ساری داستان عشق وقربانی پڑھ لیتے ہیں۔ جو احوال واقعی سے واقفیت رکھتے ہیں وہ فتویٰ کفر اور سزائے قتل میں عشق کی سرمستیاں ڈھونڈتے ہیں اور ان سے سرشار ہوتے ہیں لیکن قاضی کے فیصلے تو ظاہری شرع پر ہوتے ہیں، اقوال واعمال پر ہوتے ہیں، احوال پہ نہیں اور ہونا بھی چاہیے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا کہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے جب کافر دشمن کو تہ تیغ کر لیا تو اس نے کلمہ طیبہ پڑھ لیا لیکن اس کے باجود سیف اللہ نے اسے قتل کر دیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر دی تو آپ نے پوچھا کہ جب اس نے کلمہ پڑھ لیا تھا تب کیوں قتل کیا، انہوں نے جواب دیا اس نے دل سے نہیں محض خوف سے کلمہ پڑھا تھا، شارع اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ تھا کہ اسے چھوڑنے کے لیے اتنا کافی تھا۔ دل کی بات تو اللہ جانتا ہے۔

یہ شعر جو آپ کے مجلّے کا سرورق ہے اہل عشق ومستی کے دلوں کا سرتاج ہے اور داستان عشق ومستی اور سرمد کا عنوان اور اہل دل کے دل گرمانے کے لیے دائمی شرارہ ہے۔

شرارہ عشق کا اٹھا تو خاک قیس سے اٹھا

بتاؤ کیا اٹھا ہے مجمع زہاد سے کوئی؟

○ **پروفیسر اقتدار محمد خان** (صدر: شعبہ اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی)

ابھی کچھ روز پہلے عزیز القدر مولانا ذیشان احمد مصباحی صاحب نے تصوف پر شائع ہونے والا علمی وتحقیقی مجلہ الاحسان-۵ مجھے پیش کیا۔ یہ مجلہ کافی ضخیم ہے، اوراق کے لحاظ سے بھی اور علمی مواد کے لحاظ سے بھی۔ اس میں جن حضرات کے مضامین شائع کیے گئے ہیں وہ خود اپنے آپ میں موجودہ علمی دنیا کے لعل وگہر ہیں۔ اسی طرح اس کی مجلس مشاورت میں ہندوستان ہی نہیں بلکہ دنیا کے بڑے تعلیمی اداروں کے اساتذہ اور اسکالرز شامل ہیں۔ ان حضرات کے مشوروں کے ساتھ جو رسالہ ترتیب دیا گیا ہو علمی دنیا میں یقیناً اس کی اپنی ایک خاص پہچان اور حیثیت ہوگی۔

مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ مجلہ الاحسان کے اندر عرفان وتصوف کے حوالے سے تقریباً ہر ذوق کی تسکین کا سامان موجود ہے۔ اس میں جہاں ایک طرف عرفانی غزلوں سے شعر پسند قاری کو محظوظ کیا گیا ہے وہیں اس میں تصوف پر تحقیقی وتنقیدی اور علمی وادبی مضامین کی بھی اچھی خاصی تعداد ہے۔ تصوف کے نام پر آج کی دنیا میں جو غیر شرعی کام ہو رہے ہیں اس تناظر میں اس رسالے کے ذریعے بہت حد تک تصوف کو سمجھنے، اس کی حقیقت کو پہچاننے اور اس کے نام پر غلط

طریقۂ کار سے بچنے میں مدد ملے گی۔

میں آخر میں اپنے رب کریم سے دعا گو ہوں کہ مولیٰ تعالیٰ آپ اور آپ کے رفقائے کار کی علمی کاوشوں کو قبول فرمائے اور اس رسالے کو امت مسلمہ کی ہدایت کے لیے مفید و معاون بنائے۔

○ **سید تالیف حیدر** (ذاکر نگر، نئی دہلی)

مولانا ضیاء الرحمان علیمی صاحب! السلام علیکم۔ امید ہے مزاج بخیر ہوں گے۔ ایک زمانے سے آپ کا دیدار نصیب نہیں ہوا، خاکسار ملاقات کا متمنی ہے، دیکھیے کب مراد بر آتی ہے۔ بہر کیف آپ کو ایک عرصے کے بعد مسیج کرنے کا سبب یہ ہے کہ آج آپ کا ایک مضمون بعنوان ”تصوف اور صوفیہ: قاضی شوکانی کی نظر میں“ پڑھا، بہت خوشی ہوئی کہ آپ نے حسب روایت پھر ایک ایسی متنازعہ شخصیت کا انتخاب کیا جس کے تعلق سے لوگوں کا ذہن صاف کرنے کی ضرورت تھی۔ تصوف پر ایسے مضامین میرے علم میں اس وقت کوئی نہیں لکھ رہا ہے۔ آپ جو کام انجام دے رہے ہیں وہ ایک عظیم اور محنت طلب کام ہے۔ جس تلاش و جستجو اور تحقیق کے ساتھ آپ اپنے موقف کو پیش کرتے ہیں اس سے آپ کی بات سے اختلاف کی گنجائش نہیں رہ جاتی۔ آپ کا یہ طرز لائق ستائش ہے کہ آپ ایک دعوے کو ثابت کرنے کے لیے دلائل کا انبار لگا دیتے ہیں۔ قاضی شوکانی پر بھی آپ نے اسی طرح کی گفتگو کی ہے جس سے اختلاف کرنا بہت مشکل امر ہے۔ اپنے مضمون میں جس دیانت داری کا مظاہرہ کرتے ہوئے آپ نے مضمون کے اخیر میں یہ اعتراف کیا ہے کہ قاضی صاحب کے اخیر عمر تک کیا عقائد تھے اس سے آپ کے غیر جانب دار ہونے کا علم ہوتا ہے۔ آپ اپنے مضمون میں اضافی گفتگو سے گریز کرتے ہیں اور معتدل اسلوب اختیار کرتے ہیں۔ ذیلی عناوین کے تحت اپنی بات دو اور دو چار کی طرح صاف صاف بیان کرتے چلے جاتے ہیں۔ یہ سب باتیں ایک اچھے محقق کی نشانیاں ہیں جس کی خشک سے خشک موضوع پر لکھی ہوئی تحریر کو پڑھ کر بھی الجھن نہیں ہوتی۔

آپ نے قاضی صاحب کے عقائد سے بحث کرتے ہوئے جن تحقیقی بنیادوں پر انھیں زیدی، وہابی اور صوفی الاصل مذاہب کا معتقد بتایا ہے اس سے کوئی بھی قاری تب تک اتفاق نہ کرتا جب تک اس کو اسی انداز میں نہ سمجھایا جاتا جیسے آپ نے سمجھایا ہے۔ کیوں کہ ان تینوں معتقدات میں میری معلومات کی حد تک بعد المشرقین سا فرق پایا جاتا ہے۔ حالاں کہ مجھے مضمون کے درمیانی حصے تک پہنچتے پہنچتے اس بات کا خدشہ ہونے لگا تھا کہ کہیں آپ بھی دوسرے مصنفین کی طرح حوالوں سے یہ ثابت تو نہیں کرنے بیٹھ گئے کہ قاضی صاحب جو پہلے زیدی اور وہابی تھے وہ اپنے ماحول اور پرورش کی وجہ سے تھے جب کہ حقیقتاً وہ صوفی المسلک ہی تھے جو رنگ ان پر ان کی آخری اور پختہ عمر میں غالب ہوا تھا۔ لیکن، آپ کے مضمون کے اختتام نے مجھے غلط ثابت کر دیا جہاں آپ

نے یہ اعتراف کیا ہے کہ وہ آخری عمر تک نہ صرف تصوف بلکہ زیدی و وہابی معتقدات کے بھی قائل تھے، یہ الگ بات ہے کہ زیدیت بصورت حب علی اور وہابیت بصورت حب الہٰ غالب رہی جب کہ تصوف کے رنگ نے انھیں شیخ اکبر اور ان کے متبعین کی تکفیر سے رجوع کرنے پر مجبور کیا۔

آپ نے اپنے مضمون کے آخری حصے میں مذہب معین کی تقلید کے حوالے سے اشارۃً اہل سنت و جماعت کے عمومی موقف کا جوڑ کر کیا ہے، وہ بھی بہت اہم اور دلچسپ ہے۔ مجھے بھی اس بات پر حیرانی ہے کہ سنی صحیح العقیدہ ہونے کے لیے مذہب معین کی شرط چہ معنی دارد؟ بہر کیف! مجھ سے ہزار گنا بہتر آپ سمجھتے ہیں۔

اخیر میں ایک دو باتیں زبان کے تعلق سے۔ (حالاں کہ مضمون کی زبان بہت اچھی ہے جس کا ذکر میں اوپر بھی کر چکا ہوں۔) مضمون کی شروعات جس سطر سے ہوتی ہے اس میں آپ
و افکار گوں گونا
نظریات“ ہوگا۔ اسی طرح صفحہ نمبر ۱۲۴ پر اوپر سے چھٹی سطر میں آپ نے ایک جملہ ”ایک لمبی تعداد“ لکھا ہے۔ میرے علم میں یہ ہے کہ تعداد لمبی نہیں ہوتی بلکہ بڑی ہوتی ہے۔ ان دونوں جملوں میں میرے غلط ہونے کا امکان بھی موجود ہے۔ اللہ آپ کو اسی طرح کام کرنے کی توفیق ارزانی فرماتا رہے۔ آمین ثم آمین۔

○ **ڈاکٹر تنویر حسن** (لکچرر: شعبہ فارسی، گورنمنٹ ڈگری کالج سرنکوٹ)

فروری ۲۰۱۴ء کا شمارہ دیکھا۔ آپ کا یہ ادبی رسالہ صوفیانہ ادب کی دنیا میں ایک قیمتی اضافہ ہے۔ معنوی اعتبار سے بہت ہی دلکش ہے اور یہ سب آپ کی محنت و لگن ہے بلکہ یہ علمیت سے بھرپور رسالہ آپ کے ادبی ذوق کی غمازی کرتا ہے۔ اس ادبی شمارے کے لیے میں اپنا ایک مضمون بعنوان شاگردان نجم الدین کبری قدس سرہ آپ کی خدمت میں ارسال کر رہا ہوں۔ اس کی نشر و اشاعت کے سلسلہ میں مطلع فرمائیں۔ اور آنے والے شمارے میں شائع کر کے شکریہ کا موقع بخشیں۔ خداوند تعالیٰ آپ کی عمر دراز کرے اور ہر ناگہانی آفت سے محفوظ رکھے۔ آمین

○ **مولانا انوار احمد قادری** (بریلی، یوپی)

خزینۂ تصوف مجلہ الاحسان اسمِ بامسمّیٰ اور سمندر در کوزہ ہے۔ بحمدہ تعالیٰ اس بار کے سالانہ عرسِ عارفی صفوی میں شرکت اور خانقاہ میں حاضری کی سعادت برادر طریقت مفتی فہیم احمد ازہری کی معیت میں حاصل ہوئی۔ خانقاہ کے احوال و کوائف اور تاثرات ان شاء اللہ پھر کبھی۔ فی الوقت مجلہ الاحسان کے تعلق سے عرض گزار ہوں۔

جام نور وغیرہ میں الاحسان کے حوالے سے پڑھتا رہا ہوں لیکن کبھی مطالعے کا موقع میسر

نہیں آیا تھا۔ کرم فرما محبی مخلصی مولانا مجیب الرحمٰن علیمی کے توسط سے بیک وقت کئی شمارے حاصل ہوئے۔ شدہ شدہ مطالعہ کے بعد بلا مبالغہ ایسا لگا کہ بسلسلۂ تصوف اب تک جو کچھ پڑھا اور سنا تھا وہ سب اگر دریا تھا تو اب تصوف کے بحر بے کراں میں غوطہ زن ہوا۔ ایسے مضامین جن سے کبھی کان آشنا نہ ہوئے اور ایسی معلومات جن کا خیال بھی دل میں نہ گزرا، حاصل ہوئیں۔

۵واں شمارہ پیش نظر ہے۔ بادہ وساغر کے حوالے سے حضرت شیخ کی غزل تصوف کی ملکوتی فضا کو بکھیرتی ہوئی مجلہ کا آغاز کرتی ہے۔

ساغر بدست مست ہوں روزِ الست سے
مستی میں کیا کہوں جو نہ قالوا بلیٰ کہوں

ابتدائیہ میں حضرت مولانا ذیشان مصباحی نے اپنی روش کو برقرار رکھتے ہوئے مجلہ کے تمام مشمولات پر تبصرہ اوران کا احاطہ کیا ہے۔ بادۂ کہنہ میں اتباع شیخ پر شیخ سعد خیرآبادی کی تحریر نے کتاب وسنت کی عظمت کو اجاگر کیا ہے، جس میں حضرت مولانا ضیاءالرحمن علیمی کی" ترجے" کی مہارت شامل ہے۔

تذکیر میں شیخ صاحب نے سلوک، حال اور مقام کے حوالے سے حدیث جبریل کو موضوع سخن بنایا ہے اور مختصر میں صوفیہ کی کیفیات کو بیان کیا ہے۔ اسلام کی بنیادی تعلیمات، شیخ شرف الدین یحییٰ منیری علیہ الرحمہ کے مکتوبات کی روشنی میں مولانا ظفرالدین برکاتی صاحب نے عقیدۂ توحید ورسالت کے ساتھ عقائد ونظریات کی جوزمین اسلام نے ہموار کی ہے اس میں پانی دینے کا کام کیا ہے۔ اخلاقیات قرآن اور نفس انسانی کے مابین جو حد امتیاز ڈاکٹر سید شاہد علی نے کھینچا ہے اور جو وضاحت کی ہے، اخلاقیات دینی ودنیوی پر وہ لائق ستائش ہے، اخلاقیات پر ان کا یہ مضمون بالکل اچھوتا اور فطرت انسانی کو قرآن کی روشنی میں احاطہ کرتا ہے۔ غرض یہ کہ تحقیق وتنقید، بحث ونظر، شناسائی جیسے مشمولات تصوف کی رنگارنگی کے آئینہ دار ہیں۔

مطالعۂ تصوف اور صوفی ادب نے مجلہ کو ایسا آفاقی بنا دیا ہے جس کی نظیر کئی دہائیوں میں دور تک نظر نہیں آتی جنہیں پڑھ کر کیف وسرور کا جو احساس ہوتا ہے وہ بیان سے باہر ہے۔ بہر حال ع

جو ذرہ جس جگہ ہے وہیں آفتاب ہے

ان ذروں کو خورشید بنانے میں ساری مساعی جمیلہ حضرت داعی اسلام شیخ ابوسعید شاہ احسان اللہ محمدی صفوی کی ذات بابرکات کی ہیں۔ یہ ان کی گوہر شناسی ہے جو انہوں نے الاحسان کے خدوخال تراشنے کے لیے جوہریوں کی ایسی ٹیم تیار کی ہے جن کی چمک دمک سے آنکھیں خیرہ ہوتی ہیں اور ذہن ودماغ تصوف کے ملکوتی خیاباں کا رُخ کرنے لگتے ہیں۔

خدائے قدیر وبصیر حضرت شیخ کو عُمر خضر عطا فرمائے اور ہمارے لیے خضر راہ بنائے اور ان کے لگائے ہوئے گل بوٹوں کی رنگت ونکہت میں مزید نکھار عطا فرمائے۔ آمین

○ **محمد عباس گورکھپوری**

آج کل علماء کرام اور خانقاہوں کے سجادہ نشینوں کے درمیان دوری بڑھتی جاری ہے اور الگ الگ خانقاہوں سے وابستہ علمائے کرام جو ہمیشہ اپنے اپنے پیروں کی تعریف وتوصیف میں لگے رہتے ہیں۔ دوسرا پیر چاہے جتنا دینی کام کرے اس کو دینی خدمت ہی نہیں سمجھتے ہیں اور بعض لوگ جھوٹا الزام بھی لگا دیتے ہیں۔ لیکن اس پرفتن ماحول میں اللہ تعالیٰ کے کچھ نیک بندے ہیں جو دینی خدمات خلوص کے ساتھ انجام دے رہے ہیں۔ تاجدار ولایت، داعی اسلام الحاج الشاہ حضرت ابو سعید احسان اللہ محمدی صفوی دام ظلہ علینا سجادہ نشین آستانہ عالیہ عارفیہ سید سرواں الہ آباد یوپی کا بھی شمار ان نیک بندوں میں ہوتا ہے جو خلوص کے ساتھ دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

حضرت داعی اسلام کی خصوصیات:

ا۔ علمائے کرام کی جماعت کو ساتھ لے کر چلنا، ان کو لے کر دینی خدمات انجام دینا اور اختلافی مسائل کو در کنار کرنا۔

۲۔ غیر مسلموں میں اپنے کردار وعمل اور اخلاق کے ذریعے دعوت وتبلیغ کرنا۔

۳۔ تحریر کے ذریعہ صوفی ازم کو فروغ دینا اور" الاحسان "میگزین کو پابندی سے نکالنا۔

۴۔ اہل سنت وجماعت کی بڑی بڑی شخصیتوں کو مدعو کرنا اور قوم وملت کو فائدہ پہونچانا۔

۵۔ بہت سے پیر حضرات مقامات مقدسہ صرف زیارت کے لیے جاتے ہیں لیکن حضرت جب مصر تشریف لے گئے تو زیارت کے ساتھ ساتھ جماعت کے لیے ازہر شریف سے عربی اساتذہ کو بھی ساتھ لائے۔

۶۔ تمام خانقاہوں اوران کے پیروں کا ہمیشہ ادب کرنا۔

دعوت وتبلیغ، تعلیم وتربیت، اتحاد واتفاق، خلوص وللّٰہیت اور فروغ صوفی ازم کا جذبہ ان کے اندر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ اور یہ وسیع پیمانے پر خدمت دین اسلام کر رہے ہیں۔ ہماری خانقاہوں کے پیروں اور علمائے کرام کو ان سے سبق حاصل کرنا ہے۔

○ **سید عاطف کاظمی** (گدی نشیں: درگاہ معلیٰ، اجمیر)

خانقاہ عارفیہ، سید سراواں، الہ آباد موجودہ عہد میں چشتی فیضان کو عام کرنے والی خانقاہوں میں ایک عظیم خانقاہ ہے جس کے ذریعے مشائخ چشت اہل بہشت کا فیضان بڑی تیزی سے عام ہو رہا ہے۔

خاکسار کو پچھلے سال ماہ ذیقعدہ ۱۴۳۶ھ میں اپنے ایک رفیق دیرینہ مولانا ذیشان احمد مصباحی کے ساتھ خانقاہ عارفیہ جانے کا شرف حاصل ہوا۔ اس سفر میں خوش قسمتی سے خانقاہ کے صاحب سجادہ داعی اسلام حضرت شیخ ابوسعید شاہ احسان اللہ چشتی محمدی صاحب قبلہ دام ظلہ العالی سے شرف نیاز حاصل ہوا۔ اور ان کی مبارک و بافیض مجلس میں استفادے کا موقع میسر آیا، ان سے جب ملاقات ہوئی اور ان کی عارفانہ مجلس میں ان کی نصیحت آمیز اور پر تاثیر گفتگو سنی تو محسوس ہوا کہ واقعی کسی صوفی باصفا، اہل اللہ کی مجلس میں بیٹھا ہوں۔

خانقاہ عارفیہ کی تعلیمی، ثقافتی اور تصنیفی بہت سی سرگرمیاں تیزی کے ساتھ روبہ عمل ہیں، خانقاہ عارفیہ کی علمی سرگرمی میں سال نامہ الاحسان، تصوف کے علمی و تحقیقی مطالعے پر واحد علمی رسالہ ہے جو اپنے پورے علمی معیار اور توازن کے ساتھ پابندی سے اشاعت پذیر ہو رہا ہے۔ اس کی ضخامت اور موضوعات و مشتملات کی تنوع، مواد اور پیشکش کے لحاظ سے یہ سالنامہ ایک تاریخ ساز قدم ہے جو خانقاہ عارفیہ کی ایک علمی واشاعتی ونگ شاہ صفی اکیڈمی کے زیر اہتمام مسلسل شائع ہو رہا ہے۔ اس سالنامے کی ادارتی ٹیم نوجوان علما پر مشتمل ہے جو ٹیم بالغ نظر، جدید صالح اور قدیم نافع سے آراستہ ہے۔

سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس سالنامے کی سرپرستی اور علمی نگرانی خود خانقاہ عارفیہ کے صاحب سجادہ فرما رہے ہیں، جن کی بصیرت و آگہی خود اس کی کامیابی کی ضمانت ہے۔ اس سالنامے کی دوسری اہم خوبی یہ ہے کہ مدارس و جامعات کے بہت سارے اہل علم و قلم کے معیاری مضامین اس میں شائع ہوتے ہیں۔

خانقاہ عارفیہ کی ایک اہم خوبی یہ ہے کہ اس کا سالانہ پروگرام یوم غزالی کے نام سے منسوب ہے۔ اس نام سے پروگرام کا انعقاد صرف اس خانقاہ کی انفرادیت ہے۔ جو اس بات کا پیغام بھی ہے کہ یہاں امام غزالی کی فکر اور تعلیمات کو خصوصی درجہ حاصل ہے۔ امام غزالی کا حال یہ ہے کہ انھوں نے عقل کے مدرسے سے اپنا رخ عشق کے میکدے کی طرف پھیرا۔ اسی طرح جو طالب خانقاہ عارفیہ کے میکدۂ علم و عرفان سے فیض یاب ہو کر جاتا ہے تو وہ اپنے ساتھ غزالی کی علمی بصیرت بھی لے کر جاتا ہے۔ اور روحانی فیضان بھی۔ اس سفر میں خانقاہ عارفیہ کی اسی انفرادیت کو محسوس کرتے ہوئے میں نے یہ فیصلہ کیا کہ آئندہ سال جامعہ ملیہ سے ایم اے کی تکمیل کرنے کے بعد یہاں کے میکدۂ علم و عرفان سے فیضیاب ہونے کے لیے میں خود باضابطہ داخلہ لوں گا اور یہاں کے اساتذۂ ذی وقار اور روحانی پیشوا سے اپنی علمی و روحانی تشنگی دور کروں گا۔

داعی اسلام کی سب سے اہم خوبی یہ ہے کہ وہ وقت کی ضرورت کے اعتبار سے اپنا منصوبہ ترتیب دیتے ہیں۔ چنانچہ مجمع السلوک کا اردو ترجمہ اور اس کی تحقیق یہ وقت کی اہم ضرورت

تھی۔ جس پر ان کی نگرانی میں کام انجام پا رہا ہے۔ خود داعی اسلام کی علمی و روحانی بصیرت ہم جیسے متلاشیان علم و معرفت کے لیے نعمت غیر مترقبہ ہے۔ آپ فارسی زبان و ادب پر بھی اچھی نظر رکھتے ہیں۔ اس تناظر میں آپ کی شخصیت حضرت امیر خسرو کی ترجمان بھی نظر آتی ہے اور آپ شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی کا طرز فکر بھی اپنے اندر لیے ہوئے ہیں۔ آپ کی مثنوی کا درج ذیل شعر ہمارے دعوے کی تصدیق کے لیے کافی ہے:

بے طریقت کے شریعت نا تمام ‏ ‏ ‏ بے شریعت کے طریقت ہے حرام

اس شعر سے دونوں بزرگوں کا اخلاق حسنہ خود بخود واضح ہو رہا ہے جس کی موجودہ عہد میں داعی اسلام کی ذات ترجمانی کر رہی ہے۔

○○○

الاحسان-۵ پر اخبارات ورسائل کے تبصرے

روزنامہ اردو ٹائمز، ممبئی

(۲۳ مئی ۲۰۱۴ء)

تصوف اور صوفی ازم کا مطلب ہے کہ اپنے موقف کو نرمی اور محبت آمیز کردار وعمل کے ذریعے لوگوں پر واضح کیا جائے اور یہ طریقہ سب سے کارگر اور مفید ہے جس کی تاریخ بھی گواہ ہے۔ مجلہ الاحسان اسی سلسلۂ تصوف کو آگے لانا چاہتا ہے، ساتھ ہی اس کی نظر تصوف میں درآئی ان نامحمود روایات اور خرافات کا بھی قلع قمع کرنا ہے جو شریعت اسلامی کے سراسر منافی اور شدید نقصان کا باعث ہے جو آج بیشتر خانقاہوں میں نہ صرف رواج پا رہا ہے بلکہ اپنی جڑوں کو مستحکم بھی کر رہا ہے اور اہل علم کی ایک بڑی تعداد بھی حصول تعیش کی سرمستیوں میں غرق اپنی آنکھیں بند کیے ہوئے سب کچھ ہونے دے رہی ہے۔ الاحسان کا اجرا ایسے دور میں بارش کی اس ٹھنڈی اور فرحت بخش پھوار کی مانند ہے جو شدید گرمی اور جھلستے ہوئے ایام میں راحت وسکون کا پیغام لاتی ہے۔

(تبصرہ نگار: وصیل احمد خان)

ماہنامہ اشرفیہ، مبارک پور

(اکتوبر ۲۰۱۴ء)

تصوف ایک کتاب دل ہے، جس کی بے شمار تفسیریں اور شرحیں لکھی جا چکی ہیں اور ان شاء اللہ قیامت تک لکھی جاتی رہیں گی۔ زیر نظر کتاب الاحسان پانچواں شمارہ اسی سلسلۂ خیر وبرکت کی ایک مضبوط اور مستحکم کڑی ہے۔ میری ناقص رائے کے مطابق اکیسویں صدی کے ہندوستان میں تصوف کی نشاۃ ثانیہ کی تحریک جن خانقاہوں سے اٹھی ہے، ان میں خانقاہ عارفیہ، سید سراواں، الہ آباد، یوپی سرفہرست ہے۔ مجلہ کے لائق وفائق مرتبین مجیب الرحمٰن علیمی، ذیشان احمد مصباحی، ضیاء الرحمٰن علیمی اور رفعت رضا نوری مصباحی، نئی نسل کے علما اور اصحاب قلم میں ایک منفرد حیثیت کے مالک ہیں۔ دینی وعصری تعلیم کے باہمی امتزاج نے ان حضرات کو شاہین صفت بنا دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیشہ ان کی نظر بلندیوں کو چھونے اور علم وادب کے نئے آفاق تلاش کرنے میں لگی رہتی ہیں۔

(تبصرہ نگار: طفیل احمد مصباحی)

ماہنامہ جام نور، دہلی

(اکتوبر ۲۰۱۴ء)

اردو زبان میں ۴۰۸ صفحات پر پھیلا یہ علمی مجلہ صوفیانہ افکار اور روایات ورسومات کی معتدل افہام وتفہیم اور تعبیر وتشریح کے لیے ایک نایاب تحفہ کا درجہ رکھتا ہے جس کے لیے پوری الاحسان ٹیم اور بالخصوص اس کے روح رواں شیخ ابوسعید شاہ احسان اللہ محمدی صفوی مبارک باد کے مستحق ہیں، جن کی عنایتوں سے اتنا خوب صورت علمی، تحقیقی، دعوتی اور معیاری مجلہ ہم تک پہنچ سکا۔

(تبصرہ نگار: آفتاب رشک مصباحی)

ماہنامہ کنز الایمان، دہلی

(مارچ ۲۰۱۵ء)

ابھی ہمارے سامنے تصوف پر مبنی اسی خانقاہ سے شائع ہونے والے علمی، دعوتی اور تحقیقی مجلہ سال نامہ الاحسان کا پانچواں شمارہ ہے یہ کتابی سلسلہ ۲۰۱۰ء سے مسلسل کامیابی کے ساتھ جاری ہے بلکہ ۲۰۱۴ء میں عربی زبان میں بھی اس کی اشاعت کا آغاز ہو گیا ہے۔ مواد کے اعتبار سے، معلومات میں ندرت، پیش کش میں انفرادیت اور موضوع کے تحت مشمولات میں جامعیت اس کی خاص پہچان ہے جس نے اپنے سابقہ معیار ومنہاج اور حسن انتخاب کی خوبی کو نہ صرف یہ کہ برقرار رکھا ہے بلکہ اس میں اضافہ کیا ہے۔ اسلامی اور غیر اسلامی تصوف میں فرق وامتیاز کی عملی وضاحت اور تصوف کے نام پر غیر اسلامی خیالات کی تنقیح ونشان دہی اس کے مقاصد کا حصہ ہے اور پھر صحیح تصوف اور صحت مند صوفی ادب کی ترویج واشاعت بھی اس کی دعوتی، علمی، فکری اور تعمیری شاہراہوں کا نمایاں سنگ میل ہے۔

(تبصرہ نگار: ظفر الدین برکاتی)

کاروان الاحسان-6

اسلاف کرام

- شیخ نجم الدین کبریٰ - شیخ سعد الدین خیرآبادی - میر عبدالواحد بلگرامی

الاحسان گروپ

- شیخ ابوسعید شاہ احسان اللہ صفوی، سجادہ نشین: خانقاہ عارفیہ، الہ آباد، یوپی 9919409919
- مولانا حسن سعید صفوی ازہری، استاذ: جامعہ عارفیہ، الہ آباد، یوپی 9559218070
- ضیاء الرحمٰن علیمی، استاذ: جامعہ عارفیہ، سید سراواں، الہ آباد، یوپی 7318263105
- مجیب الرحمٰن علیمی، استاذ: جامعہ عارفیہ، سید سراواں، الہ آباد، یوپی 9026981216
- رفعت رضا نوری، استاذ: جامعہ عارفیہ، سید سراواں، الہ آباد، یوپی 7275467978
- ذیشان احمد مصباحی، استاذ: جامعہ عارفیہ، سید سراواں، الہ آباد، یوپی 9598618757
- غلام مصطفی ازہری، استاذ: جامعہ عارفیہ، سید سراواں، الہ آباد، یوپی 9696973121
- امام الدین سعیدی، استاذ: جامعہ عارفیہ، سید سراواں، الہ آباد، یوپی 8400178187
- اشتیاق احمد مصباحی، استاذ: جامعہ عارفیہ، سید سراواں، الہ آباد، یوپی 9026088280
- محمد ذکی، استاذ: جامعہ عارفیہ، سید سراواں، الہ آباد، یوپی 8449705897
- حماد رضا مصباحی، استاذ: جامعہ عارفیہ، سید سراواں، الہ آباد، یوپی 9795174259
- محمد ثاقب علیمی، استاذ: جامعہ عارفیہ، سید سراواں، الہ آباد، یوپی 9120422911

دیگر مقالہ نگاران

- ڈاکٹر سید شمیم الدین احمد منعمی، سجادہ نشین: خانقاہ منعمیہ، متن گھاٹ، پٹنہ 943104713
- مفتی مطیع الرحمٰن رضوی، جامعہ نوریہ، رائے گنج، اتر دیناج پور، بنگال 9593791928
- شمس الرحمٰن فاروقی، الہ آباد، یوپی 9415340662
- پروفیسر اختر الواسع، شعبۂ اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی 9810541045

- پروفیسر مسعود انور علوی، چیرمین: شعبۂ عربی، مسلم یونی ورسٹی، علی گڈھ 9412732662
- سید ضیاء الدین نقش بندی، جدہ، سعودی عرب +663824998
- پروفیسر قمر الہدیٰ فریدی، شعبۂ اردو، علی گڈھ مسلم یونی ورسٹی، علی گڈھ 9997544607
- پروفیسر معین الدین جینا بڑے، جواہر لال نہرو یونی ورسٹی، نئی دہلی 9313355422
- ڈاکٹر شعائر اللہ خان وجیہی، ایڈیٹر: ماہ نامہ ضیاء وجیہ، رام پور، یوپی 9412364111
- شاہ ہلال احمد قادری، خانقاہ مجیبیہ، پھلواری، پٹنہ 9939878668
- مولانا انوار احمد بغدادی، ایڈیٹر: المشاہد، دار العلوم علیمیہ، بستی، یوپی 7800871187
- ڈاکٹر واحد نظیر، شعبۂ تعلیم، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی 9990386833
- ڈاکٹر ظفر انصاری ظفر، شعبۂ اردو، الہ آباد یونیورسٹی، الہ آباد، یوپی 8853579247
- اظہار احمد مصباحی، ریسرچ اسکالر، شعبۂ عربی، جامعہ ازہر +201117917198
- مولانا ناظم اشرف مصباحی، شعلہ پور، مہاراشٹر 7038097886
- سید تالیف حیدر، ذاکر نگر، اوکھلا، نئی دہلی 9540321387
- مولانا ابرار رضا مصباحی، شاہ آسی فاؤنڈیشن، جامعہ نگر، نئی دہلی 9911239401
- مولانا حیدر رضا مصباحی، علی گڈھ مسلم یونی ورسٹی، علی گڈھ 879144398
- مولانا عطاء النبی حسینی، کھردہ بڑی مسجد، کولکاتا 9173328863

دیگر شرکا

- مولانا سید محمد جیلانی اشرفی، سربراہ: اسپریچول فاؤنڈیشن، کچھوچھہ، یوپی 9839018786
- ? مفتی محمد شہاب الدین اشرفی، صدر شعبہ افتا: جامع اشرف کچھوچھہ، یوپی 2985417897
- پروفیسر الطاف احمد اعظمی، تغلق آباد، نئی دہلی، 8447755120
- ایڈوکیٹ ایم، اے، قدیر، الہ آباد ہائی کورٹ، الہ آباد 9839312398
- پروفیسر اقتدار محمد خان، صدر: شعبہ اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ملیہ، نئی دہلی 9891164177
- ڈاکٹر تنویر حسن، لکچرر: شعبہ فارسی، گورنمنٹ ڈگری کالج، سرنکوٹ 8493848469
- سید عاطف کاظمی، گدی نشیں: درگاہ معلیٰ، اجمیر 9696854343
- ظفر الدین برکاتی، ایڈیٹر: ماہ نامہ کنز الایمان، دہلی 999261528
- مولانا انوار احمد قادری، بریلی، یوپی 9412565736
- طفیل احمد مصباحی، ایڈیٹر: ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڈھ، یوپی 9621219786
- وصیل احمد خان، ایڈیٹر: اردو ٹائمز، ممبئی
- محمد عباس گورکھپوری، گورکھپور، یوپی

شاہ صفی اکیڈمی کی اہم ایجنسیاں

اترپردیش: ○**ابومیانزشاہی اسٹور**، نرالاسویٹ ہاؤس، الہ آباد-9839457055 ○ **رضوی**
بک ڈپو، روشن باغ، الہ آباد - 9889670735 ○ **حافظ سیف احمد**، فہیم آباد، کان پور
9670731895 ○ **حافظ ہارون**، قلعہ مسجد، اٹاوہ 7417842567 **ایم پی:** ○ **خادم بک ڈپو**،
چھندواڑہ، ایم پی- 9039090386 **بہار:** ○ **مدرسہ عارفیہ سعید العلوم**، نہوٹا شیر گھاٹی، گیا
-9939479919 ○ **رضابک سیلر**، کمپنی باغ، مظفر پور، بہار-9709634293 ○ **دار العلوم**
تاج الشریعہ، مصری گنج، مدھوبنی -9931431786 ○ **نوری بک ڈپو**، گنجریا بازار، اتر دیناج پور-
9734035478 ○ **موصوف سرور**، کریسنٹ انسٹی ٹیوٹ، کشن گنج - 9886412968
○ **اسٹامپ وینڈر رجسٹری آفس**، ٹھاکر گنج، کشن گنج - 7782852011 **دھلی:** ○ **خواجہ بک**
ڈپو، مٹیا محل، جامع مسجد -9313086318 ○ **راجا اسٹیشنری**، شاہین باغ Ext روڈ، نئی
دہلی - 9891590739 ○ **مولانا شفیق**، مسجد عمر فاروق، شاہین باغ، دہلی - 9716559786
○ **الجامعۃ الاسلامیہ**، جیت پور II، دہلی-9650934740 ○ **شاہ صفی اکیڈمی**، بٹلہ ہاؤس، دہلی
- 9910865854 ○ **چشتیہ بک ڈپو**، درگاہ اجمیر شریف- 9460933025 ○ **راجا**
اسٹیشنری، شاہین باغ، دہلی 9891590739 ○ **ظہیر نیوز ایجنسی**، حضرت نظام الدین، نیو
دہلی-9818593958 ○ **امیش مشرا، پانڈو نگر کامپلکس**، نیو دہلی- 9990730117
کرناٹک: ○ **سید صادق انوری**، بیجاپور، کرناٹک 9036543026 ○ **مولانا مشتاق**، بیلگام
8147449067 ○ **برکاتی بک ڈپو**، عمران گیسٹ ہاؤس کمپلیکس، خواجہ بازار کے پیچھے، چھوٹا روضہ،
گلبرگہ 9739752587 ○ **مولانا عبد الرحمٰن**، بلگام، کرناٹک -8147449067 **پنجاب**
○ **جسیم الدین**، شہید بابولا بھ نگر، جالندھر-9872318528 **کولکاتا:** ○ **نیوز پیپر ایجنٹ**،
رابندرا سارانی، کولکاتا -9748210140 ○ **بک اسٹال**، نیئر مسلم انسٹی ٹیوٹ، کولکاتا، 16۔
9330643486 ○ **خانقاہ نعمتی**، مٹیا برج، کولکاتا-09831746380 **نسیم بک ڈپو**، کولوٹولہ،
کولکاتا-9339422992 ○ **رضا بک سینٹر**، روشن گلدار لین، تکیہ پارہ، ہاوڑہ-9330462827
شوکت علی ○ **بک اسٹال**، مسلم انسٹی ٹیوٹ، کولکاتا- 9330643486 ○ **الیاس بک سینٹر**، کولوٹولا
اسٹریٹ، کولکاتا- 9748424047 ○ **فیاض بک ڈپو**، کولکاتا-۳۹- 7044524191
جھارکھنڈ: ○ **امدادیہ بک ڈپو**، جامع مسجد روڈ، ہزاری باغ- 9835523993 ○ **دار العلوم**
غریب نواز، جھلوا، گڑھوا، جھارکھنڈ- ○ **محمد اجمل**، جپلا، پلامو، جھارکھنڈ-9430003405 ○ **دلکش**

بک ڈپو، رام گڑھ، جھارکھنڈ -9798306353 **مہاراشٹر:** ○ **قاری سرفراز**، دھاراوی، ممبئی
-9819291874 ○ **شیخ جاوید اقبال**، شیلیس نگر، ممرا 9322865066 ○ **محمد ابراھیم**، شولا
پور 9421067863 **آندھرا پردیش:** ○ **ڈاکٹر خرم**، نیوملی پلّی، حیدرآباد 9885994828
○ **گلشن میڈیکیئر**، سکندر آباد، حیدرآباد 27716760 ○ **روشن درسی کتب خانہ**، جبل پور
-9752705786 **میگھالیہ** ○ **آمر نانگبری**، ہاویل روڈ، لابان، شیلانگ، -8794042067
○ **حافظ شبیر شاداب**، دُرگ، چھتیس گڑھ - 7869230382 **اڑیسہ:** ○ **قریشی نیوز**
ایجنسی، رجک سنیما روڈ، راورکیلا، اڑیسہ 9439499458 **گجرات:** ○ **عادل نورانی، الامین**
مسجد، سلطانیہ جمخانہ، سورت-9879657766 **راجستھان:** ○ **غلام ذوالنورین**، حسینی مسجد، بیکانیر
9460172623